ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ

آغاز و ارتقا

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ

آغاز وارتقا

’’سلسلۂ قادریہ کا تعارف، آغاز وارتقا، ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی آمد، ترویج واشاعت، کتاب وسنت کی روشنی میں سلسلہ قادریہ کی اہمیت اور اس کی عظمت وفضیلت ،تعلیمات وخصوصیات، اوراد ومشاغل، اہم مبلغین ودعاۃ، اور ہندوستان میں اس سلسلہ کی مشہور درگاہوں اور خانقاہوں کے بارے میں معلوماتی تحریر‘‘

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

(صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ)

ISBN NO 978-93-90860-02-9

کتاب : ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ۔ آغاز وارتقا

تصنیف : ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

موضوع : تصوف

صفحات : ۵۵۲

اشاعت اولیٰ دہلی: ۲۰۲۱ء/۱۴۴۲ھ

قیمت : ۶۰۰/روپئے

تعداد : پانچ سو(۵۰۰)

سرورق : مزار اقدس حضرت سیدنا شاہ نصیر الدین اولیاء علیہ الرحمہ

نگرانی : الاصلاح فاؤنڈیشن تغلق آباد ایکسٹینشن، نئی دہلی ۱۹

زیر اہتمام : دا ر العلوم نصیر الدین اولیاء پونکمرہ

جنوبی ۲۴ پرگنہ، کولکاتا بنگال

ناشر

Published by

CREATIVE STAR PUBLICATIONS

Printer, Publisher & Distributors

F-11, Usman Complex, Jogabai Extn, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Mob: 9958380431, 8851148278, Ph: 011-26980431

www.creativestarpublication.com

ملنے کے پتے

۱۔ خانقاہ قادریہ، پونکمرہ جنوبی ۲۴/ پرگنہ کولکاتا، مغربی بنگال

۲۔ کتب خانہ امجدیہ ۴۲۵ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶

۳۔ محمدی بک ڈپو ۵۲۳ وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶

آئینہ کتاب

هندوستان میں سلسله قادریه کے بانی

باب سوم شمالی هند میں سلسله قادریه کی مشهور درگا هیں

باب چہارم جنوبی هند میں سلسله قادریه کی مشهو ر درگا هیں

انتساب

صاحب المعالی مرشد گرامی

حضور مشاہد ملت علامہ شاہ محمد مشاہد رضا خاں قادری

علیہ الرحمة والرضوان

(وفات ۲۴/جنوری ۱۹۹۹ء/۱۴۱۹ھ)

کے نام

جن کا سایہ اک تجلی جن کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گذرے اُدھر ہی روشنی ہوتی گئی

غلام یحییٰ انجم

کلمہ ٔ ناشر

بنگال کی سرزمین ہمیشہ سے اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی اشاعتی اور دعوتی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہے۔ صوبہ بنگال میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی مساعی جمیلہ اور تبلیغی کاوشیں تاریخ کے سینوں میں انمٹ نقوش کی طرح ثبت ہیں۔ بنگال میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں صوفیاء و مشائخ نے جونمایاں خدمات انجام دی ہیں، ان سے صرف نظر ممکن نہیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ صرف دو چار مشائخ کرام ہی نہیں تقریباً تین سو ساٹھ بزرگان دین نے بنگال کی سرزمین کو مذہبی سرگرمیوں کے لیے منتخب کیا۔ بنگال کی سرزمین کو اسلام کی تابانی سے روشن وضیابار کرنے میں تمام سلاسل کے مشائخ کرام اور بزرگان دین کی کاوشوں کا یکساں عمل دخل رہا ہے۔ ہر ایک شیخ نے اپنے اپنے حلقہ اثر میں اسلام کا اجالا پھیلایا۔ انعام الحق مسلم بنگالی ادب کراچی ۱۹۵۷ء میں بنگال میں اشاعت اسلام کے تعلق سے صوفیائے کرام کی خدمات جائزہ لیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

’’جن صوفیائے کرام بنگال کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا ان میں بلا امتیاز قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ ان حضرات کی رواداری اور انسانیت دوستی نے ہندوؤں پر بہت اثر کیا۔ جس کے باعث لوگ کثرت سے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ حضرت بایزید بسطامی (وفات ۸۷۴ھ) اور شیخ جلال الدین تبریزی (وفات ۶۲۲ھ) بھی بنگال تشریف لائے۔ موخر الذکر بزرگ کے لیے راجہ لکشمن نے ایک مسجد کی تعمیر کرائی اور اس کے اخراجات کے لیے زمین بھی وقف کی‘‘۔ (ہند اسلامی تہذہب کا ارتقاص ۱۰۷)

جن مشائخ عظام کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور اور دعوتی کوششوں سے بنگال کی سرزمین پر ایمان ویقین کا اجالا پھیلا، ان دعاۃ ومبلغین کی طویل فہرست ہے جن میں ان حضرات کی داعیانہ سرگرمیاں قابل ستائش ہیں۔

حضرت جلال الدین تبریزی (وفات ۶۲۲ھ) حضرت اخی سراج عثمان چشتی

نظامی (وفات ۷۲۶ھ) حضرت جلال الدین سلہٹی (وفات ۷۴۸ھ) حضرت شیخ علاء الحق والدین پنڈوی (وفات ۸۰۰ھ) حضرت شیخ نور قطب عالم، پنڈوی (وفات ۸۱۳ھ) حضرت شیخ قمیص اعظم قادری (وفات ۹۹۲ھ) حضرت شیخ نعمت اللہ قادری (وفات ۱۰۷۵ھ)، حضرت شیخ سید عبداللہ الجیلی، حضرت شیخ ذاکر علی قادری (وفات ۱۱۱۱ھ) حضرت شیخ شاہ مرشد علی قادری (وفات ۱۱۹۲ھ) حضرت سید حسن موسیٰ رضا (وفات ۱۳۲۰ھ) حضرت مہر اللہ شاہ (وفات ۱۳۲۸ھ) حضرت شیخ شاہ نصیر الدین اولیا (وفات ۱۳۵۴ھ) وغیرہم

موخر الذکر قادریہ مشائخ کرام نے بنگال کی سرزمین پر ماضی قریب میں جو بندگان حق کی اصلاح وفلاح اور ان کی رشد وہدایت کے تعلق سے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں وہ نہ صرف قابل ستائش بلکہ قابل تقلید بھی ہیں۔ یہ انھیں حضرات کی مصلحانہ کاوشوں کا ثمرہ ہے کہ یہ خطہ بنگال بطور خاص جنوبی ۲۴ر پرگنہ ان حضرات کی روحانی فیوض وبرکات کے سبب امن وشانتی اور ہندو مسلم اتحاد ویکجہتی کا مثالی مرکز بنا ہوا ہے۔انھیں مشائخ کرام کی تعلیمات کو عام وتام کرنے اور ان کے کردار وعمل سے امت مسلمہ کو روشناس کرانے کے لیے دار العلوم نصیر الدین اولیاء قادری محلّہ، پون کمرہ، جنوبی ۲۴ر پرگنہ، مغربی بنگال، اہم کرادار ادا کر رہا ہے۔ ادارہ کی اسی اشاعتی سرگرمیوں کی ایک کڑی دنیائے سنیت کے مشہور قلم کار، صاحب تصانیف کثیرہ، صدر جمہوریۂ ہند ایوارڈ یافتہ، پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم سابق ڈین برائے کلیہ انسانی وسماجی علوم اور سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ ہمدرد نئی دہلی کی کتاب" ہندوستان میں سلسلہ قادریہ ۔ آغاز وارتقا" کی اشاعت بھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تصوف اور بطور خاص سلسلہ قادریہ اور اس کے مشائخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب خضر راہ کا کام کرے گی۔

خیر اندیش

عبد الحکم قادری بانی وسربراہ اعلیٰ دار العلوم نصیر الدین اولیاء کولکاتا مغربی بنگال

(تاریخ۔۱۱رجمادی الآخری ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۵رجنوری ۲۰۲۱ء)

ابتدائیہ

تصوف کیا ہے؟اس کے اغراض ومقاصد کیا ہیں؟ جن لوگوں نے اسے اپنایا ان کی اہمیت وعظمت کیا ہے؟ اس تعلق سے کئی مضامین اور کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں ۔ یہ سلاسل تصوف کس طرح وجود میں آئے ؟ اورانھیں مختلف ناموں سے کیوں یاد کیا گیا؟ اس کے وجوہ واسباب کیا ہیں؟ اور ہر سلسلہ کی اپنی جداگانہ حیثیت کیوں ہے؟۔ اس سلسلہ کی عظمت وفضیلت کیا ہے؟اس کے امتیازات وخصوصیات کیا ہیں؟ ان میں اصولی اختلافات کیا ہیں؟ یہ کس طرح مختلف مراحل سے گزر کر ہندوستان اور پھر ہم تک پہنچے؟۔اس تعلق سے ایسی کوئی کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ جو حضرات مادیت سے تنگ آ کر روحانیت کی طرف مائل ہورہے ہیں ان کے لیے ہر سلسلہ کے تعلق سے ایسی کوئی رہنما کتاب ہونی چاہئے تاکہ جو جس سلسلہ سے رغبت رکھتا ہے اس سلسلہ کے تعلق سے ضروری معلومات فراہم کر سکے ۔ اس ضرورت کے پیش نظر ہندوستان کے چاروں مشہور سلاسل، قادریہ، چشتیہ،نقشبندیہ اور سہروردیہ کے تعلق سے ہم نے رہنما کتابیں تیار کرنے کی کوشش کی ہے۔تاکہ سالکان راہ طریقت اپنے سلسلے کے مشائخ اور بزرگان دین کی تعلیمات ملفوظات واوراد ومشاغل سے استفادہ کر کے اپنی زندگی کو آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بنا سکیں۔ان میں تمام سلاسل کے بانی اور ہندوستان میں جس شیخ کے ذریعہ سلسلہ پہنچا ان کی زندگی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے حوالے سے اس رہنما کتاب میں تفصیلی گفتگو ہے۔ اس کے علاوہ جو حضرات اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت اوراس سے فیوض وبرکات حاصل کرنے کے تعلق سے اکثر سفر میں رہتے ہیں تو ان کے لیے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے ان تمام اہم مشائخ کی تفصیل دے دی گئی ہے کہ وہ کہاں آسودۂ خواب

ہیں اورانھوں نے دین حق کی نشر واشاعت میں کس طرح اپنی زندگی کے قیمتی لمحات بسر کئے ہیں۔ تاکہ زائرین ان کی زندگی اوران کی تعلیمات سے استفادہ کرکے اپنی حیات مستعار کو ان کی تعلیمات کی روشنی میں سنوار کر اپنے آپ کو جنت کا امیدوار بنا سکیں۔

اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ مستند حوالوں کی روشنی میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔قدیم وجدید دونوں ماٰخذ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ہندوستانی تناظر میں " ہندوستان میں سلسلہ قادریہ ۔ آغاز وارتقا" کے حوالہ سے یہ چھٹی کاوش ہے۔اس سے قبل اس تعلق سے درج ذیل کتابیں چھپ کر قبول عام کا درجہ حاصل کرچکی ہیں۔

۱۔ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون؟

۲۔ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی قطب الہند شیخ عبدالوہاب جیلانی

(اس کتاب کی اشاعت دہلی اور پاکستان میں لاہور وکراچی سے ہوچکی ہے، درگاہ بڑے پیرنا گور راجستھان سے اس کتاب کا ہندی ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے)

۳۔تاریخ مشائخ قادریہ جلداول

۴۔تاریخ مشائخ قادریہ جلددوم

۵۔تاریخ مشائخ قادریہ جلدسوم

یہ واضح رہے کہ اس کتاب میں ہندوستان کے بیشتر صوبوں سے سلسلہ قادریہ کے اہم مشائخ کو ہی شامل کتاب کیا گیا ہے۔اسی طرح سلسلہ چشتیہ نقشبندیہ اور سہروردیہ کے تعلق سے بھی کوشش کی گئی ہے۔ بارگاہ قاضی الحاجات میں مستدعی ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اس کتاب کا نفع عام وتام فرمائے اور جس مقصد کے لیے کتاب لکھی گئی ہے اس میں راقم کو کامیابی ملے۔آمین

خاکپائے اولیاء

غلام یحییٰ انجم

(صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ)

باب اول

سلسلۂ قادریہ

ہندوستان میں سلاسل طریقت کا آغاز وارتقاء

ہندوستان میں مجاہدین اسلام نے اگر ایک طرف ملکوں کو فتح کیا تو دوسری طرف صوفیائے کرام نے باشندگان ہندو پاک کے قلوب کو مسخر کیا۔ سرزمین ہند پر حکومت کرنے والے تو کب کے ذہنوں سے اوجھل ہو گئے مگر دلوں پر حکومت کرنے والے اولیائے کرام کی یادیں آج بھی زندہ وتابندہ ہیں، اس لئے کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

برصغیر میں اشاعت اسلام کا کام پہلے تو صحابہ کرام اور پھر تابعین عظام کے ذریعہ ہوا۔ دوسری صدی ہجری سے مشائخ کرام کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ شیخ بوعلی سندھی وہ ہندوستانی بزرگ ہیں جن سے حضرت بایزید بسطامی نے توحید اور فنا کے مباحث معلوم کئے۔ تیسری صدی ہجری میں حضرت حسین منصور الحلاج (وفات ۳۱۰ھ) ہند و پاک تشریف لائے، پانچویں صدی ہجری میں حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری غزنوی (وفات ۴۶۵ھ) اور ان کے علاوہ بابا ریحان درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ برصغیر میں ٹھٹھ نامی مقام پر تشریف لائے اور قیام کیا۔ چھٹی صدی ہجری میں خواجہ فرید الدین عطار نے (وفات ۶۲۸ھ) برصغیر میں پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ ساتویں صدی ہجری میں سلسلہ قادریہ چشتیہ، سہروردیہ اور فردوسیہ کے متعدد مشائخ کرام ایران، اور عراق سے ہندوستان اشاعت اسلام کی غرض سے تشریف لائے، آٹھویں صدی ہجری میں شیخ محی الدین ابن عربی (وفات ۶۳۸ھ) کی کتابوں کے شارح عبد الکریم جیلی (وفات ۸۱۳ھ) نے ہندو پاک کا دورہ کیا۔ نویں صدی ہجری کے آخر میں شاہ عبد اللہ شطاری (وفات ۸۹۰ھ) ایران سے ہندو پاک تشریف لائے اور اس سلسلہ کو پھیلایا، موصوف پانچ واسطوں

سے شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں سے ہیں اور سات واسطوں سے حضرت سیدنا بایزید بسطامی (وفات ۲۶۰ھ) سے بیعت ہیں۔سلسلہ شطاریہ کے سربراہ اور پیشوا شیخ ابوزید طیفور ابن عیسیٰ ابن آدم بسطامی (وفات ۲۶۰ھ) ہیں۔ اس سلسلہ کو ایران میں ''عشقیہ'' روم میں '''' بسطامیہ'' اور ہندو پاک میں ''شطاریہ'' کہتے ہیں۔

(مسعود احمد، شاہ محمد غوث گوالیاری ص ۱۰ کراچی ۱۹۹۸ء)

سلسلۂ قادریہ کی وجہ تسمیہ

ہر سلسلہ کسی نہ کسی نسبت سے متعارف ہوا کوئی جگہ کی مناسبت سے اور کوئی بانی کے نام کی مناسبت سے مشہور ہوا۔سلسلہ قادریہ کے بانی چوں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں اسی مناسبت سے یہ سلسلہ ''قادریہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔بعض علاقوں میں یہ سلسلہ ''جیلانیہ'' اور ''گیلانیہ'' سے بھی متعارف ہے، کیوں کہ اس سلسلہ کے بانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ایران کے مشہور صوبہ گیلان کے رہنے والے تھے، اس لئے ان کے وطن کی مناسبت سے اس سلسلہ کو ''گیلانیہ'' اور ''جیلانیہ'' کہا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کے مشائخ میں نسبت فاروقی کا ظہور ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت موسوی تھی۔ اسی وجہ سے جلال الٰہی اور تصرفات عظیم الشان کا ظہور حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت ہوا اور قرب شہادت میں بڑا رتبہ پایا۔ یہ سلسلہ قادریہ حضرت شہزادہ داراشکوہ کی رائے میں ''سلسلہ جنیدیہ'' کی دوسری شکل ہے، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات پر اس سلسلہ کی بنیاد پڑی، یہی سلسلہ پہلے ''جنیدیہ'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔مگر جب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ کو اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں اور تبلیغی کاوشوں سے آگے بڑھایا تو یہ سلسلہ پھر انھیں کے نام سے جانا جانے لگا۔اس سلسلے سے بڑے بڑے علما و مشائخ وابستہ ہوئے جس کی بنیاد پر اس سلسلہ نے عرب و عجم میں بہت ترقی اور شہرت حاصل کی۔شہزادہ داراشکوہ لکھتے ہیں۔

''ایں سلسلہ علیہ را از آنحضرت قادریہ می نامند و بالاتر از ایشاں تا حضرت

سید الطائفہ جنیدیہ میں خوانند''

(یہ سلسلہ آپ کے بعد سلسلہ قادریہ سے مشہور ہو گیا اس سے پہلے سید الطائفہ تک اسے جنیدیہ کہا جاتا تھا)۔(داراشکوہ،سفینۃ الاولیاء ص ۴۷)

حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی فرماتے تھے

''ہمارے طریقے کی بنا کتاب وسنت پر ہے اور جو کچھ کتاب وسنت کے خلاف اوراس سے باہر ہے وہ قطعاً مردوداور باطل ہے۔

(مرج البحرین،شیخ عبدالحق دہلوی ص ۱۱۴ دہلی ۱۹۹۶ء)

اس سلسلے کی عظمت کا اندازہ اس عبارت سے بھی لگایا جاسکتا ہے جس کا ذکر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''اخبارالاخیار'' میں ان لفظوں میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''مخدوم جہانیاں جہاں گشت (وفات ۷۸۵ھ) کوسلسلہ قادریہ کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔آپ اپنے ملفوظات المسمیٰ ''خزانہ جلالی'' میں شیخ عبدالقادر کا یہ مقولہ نقل کرتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ خوش خبری ہے اس کے لئے جس نے مجھے دیکھا اور خوش خبری ہے اس کے لئے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔اس کے بعد فرماتے ہیں کہ چوں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے وقت کے قطب اور بات کے سچے تھے اس لئے مجھے امید ہے کہ ان کی اس بات کے بموجب اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم وکرم فرمائے گا۔

اس کے بعد اس سلسلے میں ایک ہی واسطہ ہے شیخ شہاب الدین سہروردی کے حوالہ سے جس میں شیخ بہاء الدین زکریا کے واسطہ کا بھی ذکر نہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے جس نے شیخ سہرودی کو دیکھا تھا اوران کو شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔(اخبارالاخیار ص ۳۰۹)

تصوف کے چودہ خانوادے

تاریخ اسلام میں تصوف کے چودہ خانوادوں کی بڑی اہمیت ہے۔ایک زمانہ میں انھی چودہ خانوادوں کے ذریعہ رشد وہدایت کا سلسلہ جاری وساری تھا اور ہر ایک شیخ انھی چودہ خانوادوں میں سے کسی نہ کسی سے وابستہ ہوتا تھا، وہ چودہ خانوادے یہ ہیں۔

۱۔خانوادہ حبیبیہ	منسوب بہ حضرت خواجہ حبیب عجمی
۲۔خانوادہ کرخیہ	منسوب بہ حضرت خواجہ معروف کرخی
۳۔خانوادہ سقطیہ	منسوب بہ خواجہ حسن سری سقطی
۴۔خانوادہ طیفوریہ	منسوب بہ خواجہ بایزید بسطامی
۵۔خانوادہ جنیدیہ	منسوب بہ حضرت خواجہ جنید بغدادی
۶۔خانوادہ گازرونیہ	منسوب بہ خواجہ اسحاق گازرونی
۷۔خانوادہ طرطوسیہ	منسوب بہ حضرت خواجہ ابوالفرح طرطوسی
۸۔خانوادہ محاسبیہ	منسوب بہ حضرت الحارث بن عبداللہ المحاسبی
۹۔خانوادہ قصاریہ	منسوب بہ حضرت ابوصالح بن حمدون القصار
۱۰۔خانوادہ نوریہ	منسوب بہ حضرت ابوالحسین احمد نوری
۱۱۔خانوادہ سہیلیہ	منسوب بہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری
۱۲۔خانوادہ حکیمیہ	منسوب بہ حضرت ابوعبداللہ بن علی الحکیم ترمذی
۱۳۔خانوادہ خزاریہ	منسوب بہ حضرت ابوسعید خزاری
۱۴۔خانوادہ خفیفیہ	منسوب بہ حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی

یہ چودہ خانوادے چوتھی اور پانچویں صدی ہجری تک عالم اسلام میں اپنی خدمت انجام دیتے رہے۔اس کے بعد یہ چار مشہور سلاسل میں ضم ہو گئے۔حضرت مولانا شمس بریلوی لکھتے ہیں۔

”یہ وہ سلاسل اور خانوادے ہیں جو چوتھی اور پانچویں صدی تک شمار کئے

جاتے رہے،اس کے بعد انہیں سلاسل کے شیوخ یا بعد میں یہ سلاسل ایک دوسرے میں ضم ہو گئے اور قطب الاقطاب غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سلسلہ قادریہ شروع ہوا اور عرب وعجم اور سرزمین ہند میں خوب پھلا پھولا اور الحمد للہ کہ آج لاکھوں افراد دامن قادریت سے وابستہ ہیں اور حضرت والا کا یہ شعر اپنی صداقت پر آپ گواہ ہے۔

افلت شموس الاولین وشمسنا

ابداً علی افق العلی لا تغرب

(ہو گئے اسلاف کے سورج غروب میرے سورج کو نہیں خوف زوال)

(مقدمہ قلائد الجواہر (اردو) ص کد)

تصوف کے قدیم سلاسل طریقت

ان چودہ خانوادوں کے ذریعہ کئی سلاسل عالم وجود میں آئے۔لیکن یہ تمام سلاسل دھیرے دھیرے انھیں چار مشہور سلاسل میں ضم ہو گئے۔جو سلاسل ایک عرصہ تک اپنی روحانی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔سلسلہ مداریہ	بانی حضرت شیخ بدیع الدین زندہ شاہ مدار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۔سلسلہ رفاعیہ	بانی حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۳۔سلسلہ بخاریہ	بانی حضرت جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ
۴۔سلسلہ شاذلیہ	بانی حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۵۔سلسلہ اویسیہ	بانی حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۶۔سلسلہ کبرویہ	بانی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۷۔سلسلہ گازرونیہ	بانی حضرت شیخ ابراہیم گازرونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۸۔سلسلہ طاوسیہ	بانی حضرت شیخ ابو الخیر الملقب بہ طاؤس الحرمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۹۔سلسلہ خیریہ	بانی حضرت شیخ ابو سعید بن ابو الخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۰۔سلسلہ دقاقیہ	بانی حضرت شیخ حسن بن علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۱۔سلسلہ حمویہ	بانی حضرت شیخ ابوعبداللہ الحموی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۲۔سلسلہ شریحیہ	بانی حضرت قاضی شریح بن شریح الہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۳۔سلسلہ ادہمیہ	بانی حضرت شیخ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۴۔سلسلہ تبریزیہ	بانی حضرت شیخ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۵۔سلسلہ حلاجیہ	بانی حضرت شیخ حسین منصور الحلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۶۔سلسلہ مولیہ	بانی حضرت شیخ مومل بن محمد علی البناء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۷۔سلسلہ شیرازیہ	بانی حضرت شیخ احمد بن عبداللہ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۸۔سلسلہ تستریہ	بانی حضرت شیخ ابومحمد سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۹۔سلسلہ عطاریہ	بانی حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۰۔سلسلہ خفیفیہ	بانی حضرت شیخ ابوعبداللہ الخفیف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۱۔سلسلہ حریریہ	بانی حضرت شیخ احمد بن محمد الحریری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۲۔سلسلہ یافعیہ	بانی حضرت شیخ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۳۔سلسلہ مدنیہ	بانی حضرت شیخ ابومدین شعیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۴۔سلسلہ رازیہ	بانی حضرت شیخ پندار رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۵۔سلسلہ عالمیہ	بانی حضرت شیخ برہان الدین قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۶۔سلسلہ زیدیہ	بانی حضرت شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۷۔سلسلہ عیاضیہ	بانی حضرت شیخ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۸۔سلسلہ ہبیریہ	بانی حضرت شیخ ابوہبیرہ بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۹۔سلسلہ عجمیہ	بانی حضرت شیخ حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۳۰۔سلسلہ کرخیہ	بانی حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۳۱۔سلسلہ سقطیہ	بانی حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۳۲۔سلسلہ طوسیہ	بانی حضرت شیخ علاءالدین طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۳۔سلسلہ خضرویہ بانی حضرت شیخ ابوحامد احمد خضروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۴۔سلسلہ قصاریہ بانی حضرت شیخ ابوصالح حمدون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۵۔سلسلہ سیاریہ بانی حضرت شیخ ابوالعباس قاسم بن مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۶۔سلسلہ انصاریہ بانی حضرت شیخ ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۷۔سلسلہ غزنویہ بانی حضرت شیخ رضی الدین علی لالہ غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۸۔سلسلہ کرمانیہ بانی حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۹۔سلسلہ شطاریہ بانی حضرت شیخ عبداللہ شطاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۰۔سلسلہ یسویہ بانی حضرت شیخ احمد یسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۱۔سلسلہ مجددیہ بانی حضرت سیدنا مجدد الف شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

۴۲۔سلسلہ فردوسیہ بانی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۳۔سلسلہ قلندریہ بانی حضرت شیخ بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۴۔سلسلہ جنیدیہ بانی حضرت سیدنا شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ان تمام سلاسل میں کچھ ایسے سلاسل ہیں جو اپنے وجود کے ساتھ قائم ہیں، ورنہ یہ تمام سلاسل درج ذیل ان چار مشہور سلاسل میں ضم ہوگئے ۔ برصغیر پاک و ہند میں جس قدر بھی سلاسل پائے جاتے ہیں ان سب کی اصل سلسلہ جنیدیہ، ادھمیہ ،طیفوریہ، خفیفیہ، زیدیہ اور سہروردیہ ہیں، لیکن بعد میں انھیں سلاسل کے مشائخ سے منسوب ہوکر یہ سلاسل قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور کبرویہ کہلانے لگے۔ صاحب سکینۃ الاولیاء شہزادہ داراشکوہ فرماتے ہیں۔

''متاخرین مشائخ میں چوں کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند ، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، اور حضرت نجم الدین کبریٰ قدس اللہ اسرارھم) بہت ہی زیادہ مشہور و معروف ہوئے ہیں لہٰذا یہ سلاسل ان حضرات والا کے نام سے موسوم و منسوب ہوگئے، ورنہ حقیقت میں قادری حضرات

جنیدی ہیں اور چشتی حضرات ادھمی ہیں اور نقشبندی حضرات طیفوری ہیں اور ان کو جنیدیوں سے بھی نسبت ہے، سہروردی حضرات خفیفی (حضرت عبداللہ خفیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں اور جنیدیوں سے بھی ان کو نسبت ہے، کبروی حضرات زیدی ہیں اور طیفوریوں سے بھی ان کو نسبت ہے"۔

(سکینۃ الاولیاء مطبوعہ تہران ص ۱۶،۱۵)

تصوف کے چار مشہور سلاسل طریقت اور ان کی شاخیں

جن چار مشہور سلاسل میں مذکورہ بالا تمام سلسلے ضم ہوئے وہ یہ ہیں۔

۱۔سلسلہ قادریہ — بانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۲۔سلسلہ چشتیہ — بانی حضرت سیدنا شیخ ابواسحٰق شامی چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۔سلسلہ سہروردیہ — بانی حضرت سیدنا شیخ ابونجیب ضیاءالدین سہروردی علیہ الرحمہ

۴۔سلسلہ نقشبندیہ — بانی حضرت سیدنا شیخ بہاءالدین نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ان چار مشہور سلاسل سے کئی سلاسل وجود میں آئے جن سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بندگان خدا وابستہ ہوئے ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ایسے مشہور سلاسل کی ایک مختصر فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے یہ واضح رہے ان میں صرف ان چار مشہور سلاسل کی شاخوں کا ذکر ہے جو اس وقت موضوع بحث ہیں اور یہ شاخیں اپنی جگہ مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔سلسلہ صابریہ — بانی حضرت شیخ علاءالدین صابر کلیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۲۔سلسلہ نظامیہ — بانی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۔سلسلہ فریدیہ — بانی حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۔سلسلہ احراریہ — بانی حضرت شیخ ناصرالدین عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۵۔سلسلہ اشرفیہ — بانی حضرت شیخ مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۔سلسلہ رشیدیہ — بانی حضرت شیخ دیوان محمد رشید جونپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۷۔سلسلہ وہابیہ — بانی حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب جیلانی ناگور علیہ الرحمہ

۸۔سلسلہ رزاقیہ بانی حضرت شیخ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۹۔سلسلہ مینائیہ بانی حضرت شیخ میناشاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۰۔سلسلہ برکاتیہ بانی حضرت شیخ شاہ برکت اللہ مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۱۔سلسلہ رضویہ بانی حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۲۔سلسلہ ہمدانیہ بانی حضرت شیخ میر سید علی ہمدانی کشمیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۳۔سلسلہ آبادانیہ بانی حضرت شیخ شاہ آبادانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۴۔سلسلہ میریہ بانی حضرت شیخ میاں میر لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۵۔سلسلہ وارثیہ بانی حضرت شیخ وارث رسول نما بنارسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۶۔سلسلہ وارثیہ بانی حضرت شیخ حاجی وارث علی شاہ بارہ بنکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۷۔سلسلہ مجیبیہ بانی حضرت شیخ مجیب اللہ پھلواری پٹنہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۸۔سلسلہ بہائیہ بانی حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۹۔سلسلہ باقویہ بانی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہندوستان میں جتنے مشہور سلاسل رائج ہیں ان میں سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور یہی چار سلسلے اصل ہیں اور ان چار سے بہت سے فروع نکلے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا، ان تمام موجودہ سلاسل میں سلسلہ قادریہ وجود میں سب سے مقدم ہے۔سلسلہ قادریہ کی جس شاخ نے بڑی شہرت حاصل اور اکابر علماء جس سے وابستہ ہوئے وہ ''سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ'' ہے جس کے سربراہ امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری برکاتی ہیں۔ان کے نام ہی کی مناسبت سے اس سلسلہ کو ''سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ'' کہا جاتا ہے جو سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی سے ہوتے ہوئے سرکار بغداد سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور پھر سرچشمۂ تصوف سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ہوکر، سرکار دوعالم ﷺ پر منتہی ہوتا ہے جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

شجرۂ سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ

۱۔سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
(وفات ربیع الاول ۱۱ھ/جون ۶۳۲ء)
۲۔امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم
(شہادت ۱۸/رمضان المبارک ۴۰ھ/۶۶۰ء)
۳۔سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(شہادت ۱۰/محرم الحرام ۶۱ھ ۶۸۰ء)
۴۔حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(وفات محرم الحرام ۹۴ھ/جون ۷۱۲ء)
۵۔حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(وفات ذی الحجہ ۱۱۴ھ/جنوری ۷۳۳ء)
۶۔حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(وفات رجب المرجب ۱۴۸ھ/اگست ۷۶۵ء)
۷۔حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(وفات رجب المرجب ۱۸۳ھ/اگست ۷۹۹ء)
۸۔حضرت سیدنا امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(وفات رمضان المبارک ۲۰۸ھ/جنوری ۸۲۳ء)
۹۔حضرت سدنا شیخ معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(وفات ۲/محرم الحرام ۲۰۰ھ/جون ۸۱۵ء)
۱۰۔حضرت سیدنا شیخ ابوالحسن سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(وفات شعبان ۲۵۳ھ/اگست ۸۶۷ء)
۱۱۔حضرت سیدنا شیخ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات شوال ۲۹۸ھ/جون ۹۱۰ھ)

۱۲۔حضرت سیدنا شیخ ابوبکر جعفر بن یونس شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات ذی الحجہ ۳۳۴ھ/جولائی ۹۴۵ء)

۱۳۔حضرت سیدنا شیخ ابوالفضل عبدالواحد تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات جمادی الثانی ۴۲۵ھ/اپریل ۱۰۳۳ء)

۱۴۔حضرت سیدنا شیخ بوالفرح محمد بن عبداللہ طرطوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات شعبان ۴۴۷ھ/اکتوبر ۱۰۵۵ء)

۱۵۔حضرت شیخ ابوالحسن علی بن محمد ہاشمی ہنکاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات محرم الحرام ۴۸۶ھ/فروری ۱۰۹۳ء)

۱۶۔حضرت سیدنا شیخ ابوسعید مبارک بن علی مخزومی (مخرّمی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات شعبان ۵۱۳ھ/نومبر ۱۱۱۹ء)

۱۷۔حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات ربیع الثانی ۵۶۱ھ/فروری ۱۱۶۶ء)

۱۸۔حضرت سیدنا شیخ عبدالرزاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات شوال المکرّم ۶۲۳ھ/ستمبر ۱۲۲۶ء)

۱۹۔حضرت سیدنا شیخ ابوصالح عبداللہ نصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات رجب المرجب ۶۳۲ھ/مارچ ۱۲۳۵ء)

۲۰۔حضرت سیدنا شیخ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات شوال ۷۳۹ھ/اپریل ۱۳۳۸ء)

۲۱۔حضرت سیدنا شیخ موسیٰ بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات رجب المرجب ۷۶۳ھ/اپریل ۱۳۶۱ء)

۲۲۔حضرت سیدنا حسن بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات صفر المظفر ۷۸۱ھ/مئی ۱۳۷۹ء)

۲۳۔حضرت سیدنا شیخ احمد الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات محرم الحرام ۸۵۳ھ/فروری ۱۴۴۹ء)

۲۴۔حضرت سیدنا شیخ بہاء الدین شطاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات ذی الحجہ ۹۲۱ھ/جنوری ۱۵۱۶ء)

۲۵۔حضرت سیدنا شیخ ابراہیم ایرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات ربیع الثانی ۹۵۳ھ/جون ۱۵۴۶ء)

۲۶۔حضرت سیدنا شیخ قاری محمد نظام الدین شاہ بھکاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات ذی قعدہ ۹۸۱ھ فروری ۱۵۷۴ء)

۲۷۔حضرت سیدنا شیخ قاضی ضیاء الدین عرف شیخ جیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات رجب المرجب ۹۸۹ھ اگست ۱۵۸۱ء)

۲۸۔حضرت سیدنا شیخ جمال معروف بہ جمال الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات شوال ۱۰۴۷ھ/فروری ۱۶۳۸ء)

۲۹۔حضرت سیدنا شیخ میر سید محمد کالپوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات شعبان ۱۰۷۱ھ/اپریل ۱۶۶۱ء)

۳۰۔حضرت سیدنا شیخ میر سید احمد کالپوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات صفر المظفر ۱۰۸۴ھ/مئی ۱۶۷۳ء)

۳۱۔حضرت سیدنا شیخ میر سید فضل اللہ کالپوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات ذی قعدہ ۱۱۱۱ھ/اپریل ۱۷۰۰ء)

۳۲۔حضرت سیدنا شیخ شاہ برکت اللہ مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات محرم الحرام ۱۱۴۲ھ/جولائی ۱۷۲۹ء)

۳۳۔حضرت سیدنا شاہ آل محمد مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات رمضان ۱۱۶۴ھ/جولائی ۱۷۵۱ء)

۳۴۔حضرت سیدنا شاہ حمزہ مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات محرم الحرام ۱۱۹۸ھ/نومبر ۱۷۸۳ء)

۳۵۔حضرت سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات ربیع الاول ۱۲۳۵ھ/دسمبر ۱۸۹۱ء)

۳۶۔حضرت سیدنا شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ/نومبر ۱۸۷۹ء)

۳۷۔حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات رجب ۱۳۴۲ھ/اگست ۱۹۰۶ء)

۳۸۔حضرت سیدنا شاہ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(وفات صفر ۱۳۴۰ھ/اکتوبر ۱۹۲۱ء)

سلسلہ قادریہ کی عظمت وفضیلت

سلسلہ قادریہ کی عظمت وفضیلت ہر اعتبار سے تمام سلاسل میں مسلّم ہے، جسے بھی ادنی تامل حاصل ہے، اس نے اس سلسلہ کو سراہا ہے اور تمام سلاسل پر اس کی عظمت و برتری تسلیم کی ہے، یہ سلسلہ انوار الٰہی کا ایک ایسا سرچشمہ اور تجلیات ربانی کا ایک ایسا مرکز ہے جس سے دوسرے سلاسل نے اکتساب نور کیا ہے، چشتیہ ہو یا سہروردیہ، شطاریہ ہو یا کبرویہ، موجودہ زمانے میں جو مشہور سلاسل ہیں سب اسی سلسلہ کے خوشہ چین اور فیض یافتہ ہیں۔ ان سلاسل کے بانیان اور معماروں نے بانی سلسلہ قادریہ کی صحبت اختیار کی اور فیوض وبرکات سے اپنے دامن کو مالا مال کیا ہے۔حضرت سیدنا شاہ محمد فاضل اکبرآبادی (وفات ۱۶۶۲ء) نے حضرت اورنگ زیب عالم گیر کے عہد حکومت میں سلسلہ قادریہ کی عظمت پر اپنے خیالات کو ''شجرۃ القلوب'' کے نام سے ستر اشعار میں قلم بند کیا ہے جسے انھوں نے اپنی منظوم تصنیف ''مخبر الواصلین'' میں شائع کیا ہے۔جس کے چند اشعار ذیل میں نقل کئے جارہے ہیں۔

ابتدائے ہمہ سلاسل اوست   انتہائے ہمہ منازل اوست

شدہ شطاریہ ازو پُرنور چشتیہ ہم ہمیں از ومعمور
کبرویہ ازو کبیر شدہ در دو آفاق بے نظیر شدہ
سہروردیہ را لطافت ازوست نقشبندیہ را شرافت ازوست
بے شک ایں سلسلہ چوں سلک گہر در گلوئے بہشتیاں خوش تر
(مخبر الواصلین ص۱۰۶)

اس سلسلہ کے تعلق سے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۱۰۲ھ) نے گنج الاسرار میں لکھا ہے۔

''طریقہ قادریہ سب طریقوں میں صاحب قدرت اور طاقتور ہے، اس لئے کہ طریقہ قادریہ کی ابتدا سب طریقوں کی انتہا ہے، کوئی بھی صاحب طریقت جس قدر بھی ریاضت ومجاہدہ کرے مگر ادنی مرتبہ قادری تک بھی رسائی حاصل نہیں کرسکتا ہے''۔ (گنج الاسرار ص ۵۶، ۵۷)

جس نے اس سلسلہ کا دامن پکڑا اس کی نجات یقینی ہے جیسا کہ صاحب "اقتباس الانوار" لکھتے ہیں۔

''معتبر کتابوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت غوث اعظم نے حق تعالیٰ سے عرض کر کے اپنے تمام مریدین جو تا قیامت آپ کے سلسلہ عالیہ میں داخل ہوں گے سب کی مغفرت کرالی ہے، چنانچہ'' تحفۃ الراغبین" میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کو آنحضرت ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ دعا فرمادیں کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنی کتاب اور آپ کی سنت پر موت دے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اسی طرح ہوگا اور کیوں نہ ہو جب کہ تمہارا پیر عبدالقادر ہے۔ وہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ یہ عرض کیا اور آنحضرت ﷺ نے تین بار یہی جواب فرمایا۔ تمام مشائخ عظام نے یہی فرمایا ہے کہ حضرت غوث اعظم نے اپنے مریدین کو تا قیامت ضمانت دی ہے کہ ان میں ہر

شخص کی موت توبہ پر ہوگی‘‘۔(اقتباس الانوار ص ۲۰۵)

اس سلسلہ کے بانی کی عظمت کے تعلق سے سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

’’اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق کے سامنے ظاہر فرمایا آپ کی مقبولیت تامہ عوام وخواص کے قلوب میں ڈال دی آپ کو قطبیت کبریٰ اور ولایت عظمیٰ کا مرتبہ عطا فرمایا حتی کہ چار دانگ عالم کے تمام فقہاء،علماء اور فقراء کی توجہ آپ کے آستانے کی جانب ہوگئی۔حکمت ودانائی کے چشمے آپ کی زبان مبارک سے جاری ہوئے اور عالم ملکوت سے عالم دنیا تک آپ کے کمال وجلال کا شہرہ ہوگیا۔۔۔آپ کی ذات گرامی قطب وقت ،سلطان الوجود،امام الصدیقین، حجۃ العارفین،روح معرفت، قلب حقیقت،خلیفۃ اللہ فی الارض ،وارث کتاب ،نائب رسول ، سلطان الطریق اور متصرف فی الوجود تھی‘‘۔

(اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۳۴ دہلی ۱۹۹۴ء)

کئی اہل علم ودانش نے سلسلہ قادریہ کی عظمت وفضیلت پر کتابیں لکھیں اور مقالات قلم بند کئے۔جن کی تفصیل ’’تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول‘‘ میں دیکھی جاسکتی ہے جو دہلی سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوچکی ہے۔صاحب ’’گنج الاسرار‘‘ لکھتے ہیں۔

’’جو کوئی غوث قطب صاحب ولایت وہدایت صاحب رشد وہدایت صاحب فقر فنا فی للہ بقا باللہ روشن ضمیر ہو یا جو کچھ مقام ومراتب حاصل کئے حضور غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ النورانی سے حاصل کئے آپ صاحب فیض رحمانی ہیں، دنیا وآخرت کی چابی آپ کے پاس ہے جو کوئی ان سے منکر ہو وہ بے بہرہ اور بے نصیب اور دونوں عالم میں پریشان اور معرفت خداوندی سے محروم ہے‘‘۔

(گنج الاسرار، سلطان باہو ص ۶۹ لاہور ۱۹۹۴ء)

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ والرضوان اس سلسلہ کی خصوصیت وفضیلت کا ذکر کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

''کوئی صاحب طریقت جس قدر بھی ریاضت ومجاہدہ کرے مگر ادنی مرتبہ قادری تک بھی رسائی حاصل نہیں کرسکتا ہے اس لئے صاحب مرتبہ قادری کا مجاہدہ اس کا رزق اور اس کا مشاہدہ اس کا خواب ہوتا ہے، ایسے صاحب طریقہ پر بھوک، سیری، خواب اور بیداری مستی اور ہوشیاری، خاموشی اور گویائی سب مساوی ہوتی ہے''۔(گنج الاسرار ص ۷)

طریقہ قادریہ والے دو جہاں پر امیر ہوتے ہیں، صاحب طریقہ قادریہ کی اصل تصور اسم اللہ مقام فنافی اللہ سے ہوتی ہے وہ لوگ عارفین باللہ فقیران فنافی اللہ اور صاحبان سر ہوتے ہیں''۔(گنج الاسرار ص ۵۶)

اس قادری خانوادہ کے کن افراد کے ذریعہ یہ سلسلہ دنیائے اسلام میں عام وتام ہوا اس کی وضاحت کرتے ہوئے، صاحب ''منبع الانساب'' لکھتے ہیں۔

شد تمام ایں چاردہ اے ذوفنون دوازدہ ایں چاردہ آمد بروں
اولش زاں قادریہ شد عیاں کاں زعبد القادر آمد بے گماں
او مرید بوسعید واو مرید بو الحسن او زطرطوسی ابو الفرح اے فتن
او بشیخ بو الفضل را داد دست او زشبلی او زبغدادی بودہ است
از جنیدیاں بروں شد قادری یاد دار ایں را اگر تو قادری

(منبع الانساب ص ۴۰۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نقشبندی سلسلہ عالیہ قادریہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''دراولیائے امت واصحاب طرق اقویٰ کسیکہ بعد تمام راہ جذب بآں کد وجوہ باصل ایں نسبت میل کردہ است ودر انجا بوجہ اتم قدم زدہ است، حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی اند ولہذا گفتہ اند کہ ایشاں در قبر خود

مثل احیا تصرف می کند''۔

(ہمعات از شاہ ولی اللہ ص ۶۱ بحوالہ افضیلت غوث اعظم، حکیم محمد موسیٰ امرتسری لاہور)

(اولیائے امت اور ارباب سلاسل میں سے راہ جذب کی تکمیل کے بعد جو اس نسبت (اویسیہ) پر سب سے زیادہ مائل اور اس مرتبہ پر بدرجہ اتم فائز ہوئے ہیں وہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔اس لئے مشائخ نے کہا ہے کہ وہ اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''تفہیمات'' میں یہ بھی لکھتے ہیں۔

" لقد فهم للطريقة القادرية والنقشبندية والچشتية خاصية علىٰ حدتها فالقادرية قريبة من الاويسية والروحاية وان كان التعليم من الشيخ ظاهر ولها قدم فى الارتباط بالشيوخ وتوجه المشائخ الى الطالب ، ليست لغيرها وذالك ظاهر لان الشيخ عبد القادر له شعبة من السريان فى العالم وذالك انه لما مات صار بهيئة الملاء الاعلىٰ والطبع فيه وجود السا رى فى العالم كله فحصل من هذا الوجه روح فى طريقته " ۔

(تفہیمات الٰہیہ بحوالہ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۲۴)

(سلسلہ قادریہ نقشبندیہ اور چشتیہ کی الگ الگ خاصیت سمجھی گئی ہے۔سلسلہ قادریہ میں اگر چہ تعلیم بظاہر شیخ سے ہی ہوتی ہے، تاہم یہ سلسلہ طریقہ اویسیہ روحانیہ کا مظہر ہے، اس سلسلے میں مشائخ کے ساتھ تعلق اور مشائخ کی توجہ طالب کی طرف اس قدر ہوتی ہے کہ دوسرے سلاسل میں نہیں پائی جاتی، اور یہ امر ظاہر وعیاں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی

قدس سرہ کو عالم میں اثر ونفوذ کا ایک خاص مقام حاصل ہے، اس لئے کہ انھیں وصال کے بعد ملاء اعلیٰ کی ہیئت حاصل ہوگئی ہے اوران میں وہ وجود منعکس ہوگیا ہے، جو تمام عالم میں جاری وساری ہے۔لہٰذا ان کے طریقہ (سلسلہ قادریہ) میں ایک خاص روح اور زندگی پیدا ہوگئی ہے)

حضرت شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی شکار پوری نے سلسلہ عالیہ قادریہ اور قادریوں کے بارے میں نہایت مفید معلومات لکھی ہیں وہ فرماتے ہیں۔

''فضل طریقہ قادریہ بر جمیع طُرق وفضل تابعان او بر جمیع تابعان جمیع طُرق ، چہ فضل مطبوع است ، وقد قال الله تعالیٰ کنتم خیر امت اخرجت للناس وازیں جا ظاہر گردید لہ مرید طریقہ عالیہ قادریہ را باوجود مرشد قادری نشاید کہ ارادہ استفادہ از طرق دیگر کند چہ اصحاب طُرق دیگر بتوسط جناب ایشاں فتح باب می یابند اگر چہ اقطاب وقت ونجباء ساعت باشند پس اصحاب طُرق دیگر اگر استفادہ از طریقہ علیہ قادریہ نمایند در حق ایشاں سبب مزید فیض خواہد بود''۔

(مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی ص ۲۱۱ بحوالہ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۲۴)

(سلسلہ قادریہ کو تمام سلاسل پر فضیلت حاصل ہے اور اس سلسلے کے مریدین دیگر سلاسل کے مریدین پر فوقیت رکھتے ہیں اس لیے کہ تابع کی فضیلت مطبوع کے سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس (تم بہتر ہوان سب امتوں میں سے جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں) سلسلہ قادریہ کے مرید کے لیے نامناسب ہے کہ وہ کسی اور سلسلہ کے پیر سے روحانی استفادہ کرے، اس لیے کہ تمام سلاسل کے مشائخ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اوراول وآخر انھیں کے طفیل ان پر درمعرفت وا ہوتا ہے۔اگر وہ اقطاب

ونجبائے وقت ہوں ۔ ہاں دیگر سلاسل کے مریدین کا سلسلہ قادریہ کے
مشائخ سے استفادہ ان کے لیے فیض کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے)
حضرت شاہ ابوالمعالی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''تحفہ قادریہ'' میں اسی حقیقت
کو اس انداز میں بیان فرماتے ہیں ۔

''شیخ ابوالبرکات موصلی سے منقول ہے کہ میں نے اپنے چچا شیخ عدی بن
مسافر سے سنا کہ وہ فرماتے تھے، جو کوئی مشائخ کرام کے مریدین سے
مجھ سے خرقہ لینے کی آرزو کرے تو خرقہ میں اسے پہنادوں مگر شیخ
عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدوں کو نہیں پہنا سکتا کیوں کہ
وہ رحمت بے نہایت اور عنایت بے غایت کے دریا میں غرق ہیں، ان کو
کسی چیز کی ضرورت نہیں وہ کیوں کسی کی طرف التفات کریں کیوں کہ کوئی
سمندر کو چھوڑ کر حوض کی طرف نہیں آتا۔

ع۔ ''ہر کہ در جنت عدن است گلستاں چہ کند''۔

(سیرت الغوث ، مولانا محمد باقر نقشبندی مجددی لاہوری ص ۳۵ لاہور
۱۳۲۴ھ)

حضرت شیخ ابوسعود عبداللہ، شیخ محمد الاوانی عمر البز ازرضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں۔

ضمن الشيخ محی الدين عبد القادر رضی الله تعالیٰ عنه
لمريديه الیٰ يوم القيٰمة ان لا يموت احد منهم الا علیٰ توبة
(ہمارے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیامت کے
اپنے مریدوں کے اس بات پر ضامن ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی توبہ
کے بغیر نہیں مرے گا)

(بہجۃ الاسرار ص ۹۹ قلائد الجواہر ص ۱۶، اخبار الاخیار فارسی ص ۲۵)

مرحبا عزت وکمال حضور ہے جلال خدا جلال حضور
حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

لو انکشفت عورۃ لمریدی بالمغرب وانا بالمشرق لستر تہا"
(اگر میرا مرید مغرب میں ہو اس کا ستر کھل جائے اور میں مشرق میں ہوں
تو میں اس کے ستر کی پردہ پوشی کروں گا)
(اخبار الاخیار فارسی ۲۵ بہجۃ الاسرار ص ۹۹، قلائد الجواہر ص ۱۶، سفینۃ
الاولیاء ص ۶۹، تحفہ قادریہ ص ۳۸ تفریح الخاطر ص ۵۳)
امیر دستگیر غوث اعظم قطب ربانی حبیب سید عالم زہے محبوب سبحانی
بدہ دست یقیں اے دل بدست شاہ جیلانی
کہ دست او بود اندر حقیقت دست یزدانی
شیخ ابوالفتح البردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ علی الہیتی کو
فرماتے ہوئے سنا کہ

لامرید من شیخهم اسعد من مریدی الشیخ عبد القادر
رحمة الله تعالیٰ علیه
(کسی مرید کا شیخ اور مرشد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
کے شیخ سے زیادہ افضل نہیں ہوسکتا) (قلائد الجواہر ص ۱۷)
نقش بندی سلسلہ کے بہت بڑے شیخ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
فرماتے ہیں کہ:

"حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کے
خرقہ اجازت کا تبرک حاصل کرنے کے بعد میرے باطن میں نسبت
شریفہ قادریہ کی برکات کا احساس ہونے لگا اور سینہ اس نسبت کے انوار
سے پُر ہوگیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ قادری نسبت میں انوار کی چمک بہت
ہے۔(مقامات مظہری ص ۳۸)
شیخ المحدثین، امام المحققین، والمدققین شیخ عبدالحق محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ
فرماتے ہیں۔

مشائخ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اگر ایک شخص جس نے آپ سے بیعت تو نہیں کی مگر آپ کا ارادت مند ہے اور اپنی نسبت آپ سے کرتا ہے تو کیا وہ شخص آپ کے مریدین میں شمار ہوگا؟ اور ان کی فضیلتوں میں شریک ہوگا کہ نہیں؟۔تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

''ہر کہ انتساب کرد بمن وخود را باز بست بنام من قبول کند اورا حق سبحانہ تعالیٰ ورحمت کند بروے وتوبہ بخشد اورا اگر چہ بر طریق مکروہ باشد وے از جملہ اصحاب ومریدان من ست وپروردگار من عز وجل بفضلک خود وعدہ کردہ است مرا کہ اصحاب مرا داہل مذہب وتابعان طریق مرا و ہر محبّ من بود در بہشت درآرد''

(یعنی جس شخص نے اپنے آپ کو میری طرف منسوب کیا اور میرے ارادت مندوں کے حلقہ میں شامل ہوگیا حق تعالیٰ جل جلالہ اس کو قبول فرماتا ہے اور اس پر رحمت نازل فرماتا ہے اگر چہ اس شخص کا یہ طریقہ مکروہ ہے ایسا شخص میرے اصحاب ومریدین میں سے ہے اور میرے پروردگار عز وجل نے اپنے فضل وکرم سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے تمام اصحاب اہل مذہب میرے طریقہ پر چلنے والوں اور میرے محبوں کو بہشت میں جگہ دے گا)

(اخبار الاخیار فارسی ص ۲۵ قلائد الجواہر ص ۱۵، بہجۃ الاسرار ص ۱۰۱، تحفہ قادریہ ص ۳۸)

تیری عزت کے نثارا ے مرے غیرت والے — آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بروا تیرا

تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت — میری گردن میں ہے دور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے — حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں۔

'انا لکل من عشر به مرکبه من اصحابی ومریدی ومحبی الیٰ یوم القیٰمة اعذ بیده''

قیامت تک میرے دوستوں مریدوں اور محبوں میں سے جو کوئی ٹھوکر کھائے گا میں اس کا ہاتھ پکڑوں گا)۔(قلائد الجواہر ص ۱۷ مطبوعہ مصر)

غوث اعظم یہ بھی فرماتے ہیں۔

"وعزة الله وان یدی علیٰ مریدی کاسماء علی الارض اذ لم یکن مریدی جیداً فانا جید"

مجھے اللہ تعالیٰ کی عزت وجلالت کی قسم ہے کہ میرا ہاتھ اپنے میریدوں پر اس طرح ہے جس طرح زمین پر آسمان (کا سایہ) ہے اگر میرے مرید اعلی مرتبہ پر نہ ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میں تو عالی مرتبت ہوں)

(اخبارالاخیار فارسی ص ۲۵، بہجۃ الاسرار ص ۱۰۰، قلائد الجواہر ص ۱۵، تفریح الخاطر ص ۵۳)

بہجت اس سر کی جو بہجۃ الاسرار میں ہے — کہ فلک دار مریدوں پہ ہے سایہ تیرا
بد سہی ، چور سہی مجرم وناکارہ سہی — ہائے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا
اے رضا یوں نہ بلک تو نہیں جید تو نہ ہو — سید جید ہر دہر ہے مولا تیرا

سیدنا غوث شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے قصیدہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

مریدی هم وطب واشطح وغنی — وافعل ماتشاء فالاسم عالی
مریدی لا تخف الله ربی — عطانی رفعةً نلت المعالی
نظرت الیٰ بلاد الله جمعاً — کخردلةٍ الیٰ حکم التصال
وولا نی علی الاقطاب جمعاً — فحکمی نافذ فی کل حالی
وما منها شهور اور دهور — تمر وتنقضی الا اتالی

۱۔اے میرے مرید خوش ہو اور بے باک ہاتھ بحکم الٰہی جو چاہے تو کر گزر میرا نام جو بڑا ہے تیرے پاس ہے۔

۲۔اے میرے مرید! تو مت ڈر اللہ کریم میرا رب ہے اس نے مجھے رفعت و بلندی عطا فرمائی ہے اور میں اپنی امیدوں کو پہنچا ہوں۔

۳۔خدا تعالیٰ کے تمام شہر اور ملک میری نگاہ میں رائی کے دانہ کی طرح ہیں اور میرے حکم اتصال میں ہیں۔

۴۔اللہ تعالیٰ نے مجھے جملہ اقطاب کا مختار بنایا ہے پس میرا حکم ہر حال میں جاری ہے۔

۵۔ اور کوئی مہینہ و سال ایسا نہیں جو اپنے ظہور سے پہلے میرے پاس نہ آئے۔

شیخ ابوالقاسم عمر بن مسعود البز از اور شیخ ابو حفص عمر سے مروی ہے کہ شہنشاہ بغداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"ما تطلع الشمس حتیٰ تسلم علیّ وتجی السنة الیّ تسلم علیّ وتخبرنی بما یجری فیه ویجی الشهر ویسلم علیّ ویخبرنی بمایجری فیه ویجی الاسبوع ویسلم علیّ ویخبرنی بما یجری فیه ویجئ الیوم ویسلم علیّ یخبرنی بما یجری فیه"

(سورج روزانہ طلوع ہوتے وقت مجھے سلام عرض کرتا ہے اور ہر نیا سال جب آتا ہے تو مجھے سلام عرض کرتا ہے نیز جو کچھ سال بھر میں وقوع پذیر ہوتا ہے اس کی مجھے خبر دیتا ہے اور ہر ہفتہ میں جب اس کی ابتدا ہوتی ہے مجھ پر سلام عرض کرتا ہے اور جو کچھ ہفتہ بھر میں ہوتا ہے اس کی مجھے خبر دیتا ہے۔ اور ہر دن مجھے سلام کرتا ہے اور دن بھر میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے مجھے خبر دیتا ہے)

(بہجۃ الاسرار ص ۲۲، قلائد الجواہر ص ۲۶، نزہۃ الخاطر الفاتر ص ۸۵، تفریح الخاطر ص ۴۶)

ارشاد واقف اسرار لامکانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں۔

"عزة ربی ان السعداء والاشقیاء لیعرضون علیٰ عینی فی اللوح المحفوظ انا غائص فی بحار علم الله ومشاهدته"

(مجھے اپنے رب جلیل کی عزت وعظمت کی قسم میرے سامنے نیک بخت وبد بخت لوگ پیش کئے جاتے ہیں میری نظر لوح محفوظ پر رہتی ہے، میں اللہ تعالیٰ کے علوم اور مشاہدات کے سمندروں میں تیرنے والا ہوں)

(بہجۃ الاسرار ص ۲۲، قلائد الجواہر ص ۲۶، نزہۃ الخاطر الفاتر ص ۸۵ تفریح الخاطر ص ۴۶)

اولیائے کاملین کے متعلق ہی مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ "مثنوی شریف" میں فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء از چہ محفوظ است محفوظ از خطا
حال تو دانند یک یک موبمو زانکہ پرستند از ا سرار ہو
بلکہ پیش از زادن تو سالہا دیدہ باشندت بچندیں حالہا

(مثنوی مولانا روم دفتر چہارم ص ۵۲ مطبوعہ ممبئی)

قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں۔

"انا حجة الله علیکم انا نائب رسول الله صلی الله علیه وسلم ووارثه فی الارض"

(میں زمین میں تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہوں، رسول پاک کا نائب ہوں اور زمین پر ان کا وارث ہوں)

(بہجۃ الاسرا ص ۲۲ تفریح الخاطر ص ۴۷ نزہۃ الخاطر الفاتر ص ۸۵)

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی عظمت کا ذکر بیان سے باہر ہے مختصراً یہ کہ

نبی جی کا ہے تم پر پیارا اے محبوب سبحانی علی کے ہو دل اور دلدارا اے محبوب سبحانی
چراغ دود مان اہل بیت مصطفیٰ تم ہو منور تم سے ہے گھر بارا اے محبوب سبحانی

گُل باغ علی ہو ثمرۂ نخل حسینی ہو حسن کے تم ہو برخوار دار یا محبوب سبحانی
زمرد ہو حسن کے لعل ہو کان حسینی کے علی کے ہو دُر شہوار یا محبوب سبحانی

(سیرت غوث الثقلین، محمد ضیاء اللہ قادری اشرفی ص۱۲۰تا۱۲۷سیال کوٹ ۲۰۱۱ء)

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے کسی بھی سلسلے کے اس شخص سے مرید ہو جو کسی نہ کسی سلسلے میں مرید ہے اور اس کو خلافت بھی حاصل ہے یعنی اس کو اجازت حاصل ہے کہ وہ مرید کرسکتا ہے۔اب اگر اس کو کوئی مرشد نہ ملا یا کسی بھی مرشد ظاہر سے اس کو اطمینان حاصل نہیں ہو رہا ہے جو چار شرائط بتائی گئی ہیں ان چاروں شرائط پر کوئی پورا نہیں اتر رہا ہے تو اب کیا کرے ! اللہ نے کرم کیا اور حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کو وہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا کہ کسی زمانے کا کوئی شخص بھی خود کو حضرت غوث اعظم کا مرید کہے اور سمجھے کہ وہ حضرت غوث اعظم کا مرید یعنی قادری ہے تو اہل اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا قادری ہونا یقینی ہے چنانچہ ابوالحسن ''بہجۃ الاسرار'' میں فرماتے ہیں۔

''حضور غوث اعظم سے عرض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو اور اس نے آپ کے دست مبارک پر بیعت نہ کی ہو نہ آپ کا خرقہ پہنا ہو تو کیا وہ آپ کے مریدوں میں شامل ہوگا تو آپ نے فرمایا جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے غلاموں کے دفتر میں شامل کرے اللہ اسے قبول فرمائے گا اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اسے توبہ دے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرہ میں ہے اور میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں اور ہم مذہبوں اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل کرے گا''۔

(بہجۃ الاسرار مطبوعہ کراچی ص۱۰۱)

امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں قادری نے سلسلہ قادریہ کی عظمت وفضیلت پر باضابطہ ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے اور حدائق بخشش میں جہاں انھوں نے غوث اعظم کی منقبت لکھی ہے وہاں واضح لفظوں میں سلسلہ قادریہ کی عظمت اور صاحب سلسلہ کی

فضیلت و برتری کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے۔

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
مرغ سب بولتے ہیں ابل کے چپ رہتے ہیں ہاں اصیل اک نواسنج رہے گا تیرا
(حدائق بخشش حصہ اول ص ۷۸)

جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے سب ادب رکھتے ہیں دل میں ہمیشہ تیرا
بقسم کہتے ہیں شاہان صریفین وحریم کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا
(حدائق بخشش حصہ اول ص ۷۸)

بخارا وعراق وچشت واجمیر تری لو شمع ہر محفل ہے یا غوث
تری جاگیر میں ہے شرق تا غرب قلمرو میں حرم تا حل ہے یا غوث
ملک کے کچھ بشر کچھ جن کے ہیں پیر تو شیخ عالی وسافل ہے یا غوث
تری عزت تری رفعت ترا فضل بفضلہ افضل وفاضل ہے یا غوث
صحابیت ہوئی پھر تابعیت بس آگے قادری منزل ہے یا غوث
ہزاروں تابعی سے تو فزوں ہے وہ طبقہ مجملاً فاضل ہے یا غوث
یہ چشتی ، سہروردی ، نقشبندی ہر اک تیری طرف مائل ہے یا غوث
انھیں تو قادری بیعت ہے تجدید وہ ہاں خاطی جو مستبدل ہے یا غوث
مشائخ میں کسی کی تجھ پہ تفضیل بحکم اولیاء باطل ہے یا غوث
(حدائق بخشش حصہ دوم ص ۲۴۱)

مزرع چشت وبخارا وعراق واجمیر کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
حکم نافذ ہے ترا ، خامہ ترا ، سیف تری دم میں جو چاہے کرے دور ہے شاہا تیرا
تجھ سے اور دہر کے اقطاب سے نسبت کیسی قطب خود کون ہے خادم ترا چیلا تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا
صف ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلامی تیری شاخیں جھک جھک کے بجالاتی ہیں مجرا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصل بہاری سے نیاز کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا

نہیں کس چاند کی منزل میں ترا جلوہ نور نہیں کس آئینہ کے گھر میں اجالا تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدّام باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا
(حدائق بخشش، امام احمد رضا بریلوی ص ۸ ےرضا اکیڈمی ممبئی ۱۹۹۷ء)

مشائخ قادریہ کی تعلیمات وملفوظات

۱۔ بندہ کسی بھی طرح اللہ کی قسم نہ کھائے سچی نہ جھوٹی عمداً اور نہ سہواً جس نے اپنی ذات میں اسے پختہ کرلیا اور اپنی زبان کی عادت بنالی تو وہ عمداً یا سہواً قسم کھانے سے بچ جاتا ہے

۲۔ بندہ قصداً یا مذاقاً جھوٹ کہنے سے بچے، جب بندہ ترک کذب کی عادت پختہ کرلے گا اور اپنی زبان کو اس کا عادی بنالے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا شرح صدر فرمائے گا۔ اور اس کے علم کو اتنا روشن کردے گا گویا وہ کذب کو جانتا ہی نہیں ہے۔

۳۔ بندہ کسی سے وعدہ کرتے وقت وعدہ وفائی سے ڈرے یا وعدہ ہی نہ کرے کیوں کہ وعدہ خلافی سے احتراز بہت قوی امر ہے اور راہ سلوک میں میانہ روی یہی ہے کیوں کہ وعدہ کو نہ نبھانا جھوٹ کی ایک قسم ہے اور جب بندہ ایسا کرے گا تو اس کے لئے سخاوت کا دروازہ کھل جائے گا اور اسے حیا کا درجہ مل جائے گا اور صادقین کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوجائے گی اور دربار خداوندی میں اسے رفعت ملے گی۔

۴۔ مخلوق میں کسی چیز پر لعنت کرنے یا ذرہ بھر بھی اذیت دینے سے اجتناب کرے کیوں کہ صفت ابرار وصدیقین کے اخلاق سے ہے، ایسے شخص کا انجام بخیر ہوگا دنیا میں وہ آفات سے خدا کی حفاظت میں رہے گا۔

۵۔ بندہ مخلوق میں سے کسی کے لئے بددعا نہ کرے اگرچہ کسی نے اس پر ظلم کیا ہو اور زبان سے قطع تعلق نہ کرے اور اس کے کردار بد کا انتقام بھی نہ لے اللہ کی رضا اور طلب ثواب کے لئے اس کی اذیتیں برداشت کرے قول وفعل سے اس کا بدلہ نہ لے کیوں کہ جس شخص میں یہ خصلتیں ہوں گی اس کے درجات بلند ہوں گے۔

۶۔ اہل قبلہ سے کسی پر یقین کے ساتھ کفر وشرک اور نفاق پر گواہی نہ دے کیوں

کہ اہل قبلہ کی عدم تکفیر مخلوق پر رحمت وشفقت کے زیادہ قریب ہے، اور درجہ علیا کے حصول کا سبب ہے اور یہ خصلت اتباع سنت کا کمال ہے۔

۷۔ بندہ اپنے ظاہر وباطن میں گناہوں کی طرف میلان سے بچتا رہے اور اپنے اعضا و جوارح کو معاصی سے روکے رکھے، کیوں کہ اس خصلت کی موجودگی میں بندے کو بہت جلد قلب وجوارح میں اعمال کا ثواب ملتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اجر پاتا ہے اور خیر آخرت بھی ذخیرہ کی جاتی ہے۔

۸۔ کسی آدمی پر کم یا زیادہ بوجھ ڈالنے سے احتراز کرے، بلکہ اپنا بوجھ تمام مخلوق سے اٹھالے، خواہ اسے اس کی احتیاج ہو یا نہ ہو کیوں کہ یہ خصلت عابدین کی عزت کا کمال اور متقین کا شرف ہے۔

۹۔ بندۂ سالک لوگوں سے حرص وطمع ختم کردے اور ان کے ہاتھوں میں جو چیز موجود ہے نفس کو اس کے لالچ سے بچائے، اس کی وجہ سے تقویٰ کی دولت ملتی ہے اور عبادت کی تکمیل ہوتی ہے۔

۱۰۔ بندہ تواضع اختیار کرے کیوں کہ اس سے اس کا مقام بلند ہوتا ہے عنداللہ اور عند الناس اس کی عزت بڑھتی ہے اور مراتب بلند ہوتے ہیں اور دنیا وآخرت کی جس چیز کا ارداہ کرتا ہے اس پر قادر ہوجاتا ہے۔ (شرح فتوح الغیب، شیخ عبدالحق محدث دہلوی مترجم ظہور احمد جلالی ص ۷۷۰۔۸۰ ۷ لاہور ۲۰۰۰ء)

۱۱۔ بندہ کو چاہیئے کہ وہ دانستہ طور پر یا نادانی میں اللہ عزوجل کی قسم نہ کھائے، اگر بندہ ایسی عادت سے بچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کے اوپر انوار وتجلیات کے دروازے کھول دیتا ہے، جس کے سبب وہ بندہ مراتب میں بلندی، ارادے میں قوت، وتوانائی اور ہمسایوں میں عظمت وشرافت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگتا ہے۔

۱۲۔ اگر بندہ دروغ گوئی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور سچ بولنے کی عادت ڈالے تو اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کشادہ کردیتا ہے اور اسے علم کی روشنی سے منور کردیتا ہے۔ اور جھوٹ سے اس درجہ نفرت ہوجاتی ہے کہ جو جھوٹ بولتا ہے اس سے گھن کرنے لگتا ہے۔

۱۳۔ وعدہ خلافی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے اگر بندے میں اس کام کی صلاحیت نہ ہوتو اسے صاف انکار کردینا چاہئے ،یہی زیادہ بہتر طریقہ ہے کیوں کہ وعدہ خلافی بھی جھوٹ کی قسم ہے اگر بندہ وعدہ خلافی سے بچنے لگتا ہےتو اللہ تعالیٰ اس کے لئے سخاوت کا دروازہ کھول دیتاہےاور حیا کا درجہ بلند کردیا جاتا ہے۔

۱۴۔مخلوق میں کسی چیز پر لعنت کرنے اور کسی کو ذرہ برابر تکلیف دینے سے گریز کرنا چاہئے ،جو بندہ ان بُری باتوں سے بچے گا اللہ تعالیٰ اسے دنیامیں اپنے حفظ وامان میں رکھے گا اور آخرت میں اس کے درجات بلند فرمائے گا۔

۱۵۔ بندہ کو چاہئے کہ بُری چیزوں کی طرف نہ دیکھے اور نفسانی خواہشات کی طرف نظر بالکل نہ کرے اس مبارک عمل سے بندہ دولت ثواب سے مالا مال ہوجاتا ہے۔ اور آخرت میں نیکیوں کا زبردست ذخیرہ اس کے پاس جمع ہوجاتا ہے۔

۱۶۔ بندہ کو چاہئے کہ اپنا بوجھ کسی دوسرے شخص پر ڈالنے سے اجتناب کرے،خواہ وہ کم ہو یا زیادہ چھوٹا ہو یا بڑا،اس عمل کے سبب بندہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر توانا ہوجاتا ہے۔مخلوق سے مکمل اس کو بے نیازی حاصل ہوجاتی ہےاور اخلاق ومروت کا وہ دھنی ہوجاتا ہے۔

۱۷۔ بندہ کو چاہئے کہ کسی شخص سے طمع ولالچ ہرگز نہ کرے جو کچھ مانگنا ہو وہ خدا سے مانگے ،ایسا کرنے سے اس کی عبادتوں میں اخلاص پیدا ہوتا ہےاور اس کی عبادتیں کامل ہوجاتی ہیں۔

۱۸۔تواضع ایک عمدہ شئی ہے اس کے سبب عبادت گزار کا مقام بلند ہوجاتا ہے۔ خدا اور خلق خدا کے نزدیک اس کی عزت اور بزرگی کامل تصور کی جاتی ہے۔

۱۹۔اگرچہ بندہ پر ظلم کیا گیا ہومگر وہ مخلوق میں سے کسی کے لئے بددعا نہ کرے، ظلم کرنے والے سے قطع تعلق نہ کرے بلکہ خدا کے لئے اس کے ظلم کو برداشت کرے اور تحمل سے کام لے۔

۲۰۔ بندہ اگر تاجر ہےتو اسے ان تین باتوں پر عمل ضرور کرنا چاہئے۔

۲۱۔ زبان کو جھوٹ بولنے، بے ہودہ گفتگو کرنے، اور جھوٹی قسم کھانے سے بچائے،

۲۲۔ پڑوسیوں اور دوستوں کے تعلق سے اپنے دل کو دھوکے اور حسد سے پاک رکھے۔

۲۳۔ اپنے کو ان تین باتوں کا عادی بنائے۔

الف) نماز جمعہ اور جماعت کا،

ب) رات اور دن کے کسی حصہ میں علم حاصل کرنے کا،

ج) ہر شئی پر اللہ کی رضا کو ترجیح دینے اور کسب حرام سے بچنے کا۔

۲۴۔ تنہائی میں خاموش رہنا بہادری نہیں مجلس میں خاموش رہنا بہادری ہے۔

۲۵۔ رہنے کے لئے مکان، پہننے کے لئے لباس، پیٹ بھرنے کے لئے روٹی اور بیوی دنیاداری نہیں ہے، دنیاداری یہ ہے کہ دنیا کی طرف منھ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف پُشت ہو

۲۶۔ مسکینوں کو ناخوش رکھ کر اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنا ناممکن ہے، تجھ پر جو مصیبت آئے اس کا علاج مساکین کی خوشنودی سے کرنا چاہئے۔

۲۷۔ بدگمانی تمام فائدوں کے راستے بند کر دیتی ہے۔

۲۸۔ لوگوں کے سامنے معزز بنے رہو اگر اپنا افلاس ظاہر کرو گے تو لوگوں کی نگاہوں سے گر جاؤ گے۔

۲۹۔ میانہ روی، نصف رزق ہے اور اچھے اخلاق نصف دین۔

۳۰۔ تمام اچھائیوں کا مجموعہ علم سیکھنا، عمل کرنا اور دوسروں کو سکھانا ہے۔

۳۱۔ جس روزی پر شکر اور جس تنگی پر صبر نہ ہو وہ فتنہ ہے۔

۳۲۔ کوئی اگر تجھ سے تیرے کسی غیبت کرنے والے کی بات کہے تو اسے جھڑک دے اور کہہ کہ تو تو اس سے بدترین انسان ہے جو اس نے بات پس پُشت کہی تو منھ پر کہہ رہا ہے

۳۳۔ اپنے کو بُرے ہم نشینوں سے بچاؤ کیوں کہ انسان کے سب سے بڑے دشمن اس کے بُرے ہم نشین ہوتے ہیں۔

ملفوظات حضرت شاہ برکت اللہ قادری مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۔خدائے تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہیں۔
۲۔اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لیے کسی حاکم سے رجوع نہ کریں۔
۳۔ان لوگوں کے گھر ہرگز ہرگز نہ جائیں جو دنیا کے لہوولعب میں لگے رہتے ہیں۔
۴۔ان لوگوں سے ضرور ملیں جن کا ظاہر دین و دیانت سے آراستہ ہو۔
۵۔زیارت قبور کے لیے حاضری ضروری ہے۔
۶۔جہاد اکبر یہ ہے کہ نفس کے ساتھ لڑتے رہیں۔
۷۔مخلوق کے محتاج نہ ہوں۔دست طلب ہمیشہ خالق کے سامنے دراز کریں۔
۸۔علم وعمل کو اولیت دیں اور ان پر کبھی غور نہ کریں۔
۹۔مخلوق الٰہی کے ساتھ نرمی سے گفتگو کریں۔
۱۰۔ہمیشہ یہ تمنا کریں کہ علم خالص اللہ تعالیٰ کی مدد اور رسول اللہ ﷺ کے فیض سے ملے گا۔(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۳۴۵)

ملفوظات حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۔زبان کو قابو میں رکھے اور غیبت سے احتراز کرے۔
۲۔کسی بھی آدمی کو اپنے سے حقیر نہ جانے۔
۳۔محارم یعنی جن کا دیکھنا حرام ہو ان پر نظر نہ ڈالے۔
۴۔جب بات کہے تو سچ اور انصاف کی بات کہے۔
۵۔انعامات واحسانات الٰہیہ کا اعتراف کرتا رہے۔
۶۔مال ومتاع راہ خدا میں صرف کرتا رہے۔
۷۔اپنی ہی ذات کے لیے بھلائی کا خواہاں نہ رہے۔
۸۔پنج وقتہ نماز کی پابندی کرے۔
۹۔سنت نبوی اور اجماع مسلمین کا احترام کرے۔

۱۰۔بخیلوں کی صحبت سے دور رہے۔
۱۱۔بد مذہبوں کی صحبت سے بچے کہ اس سے اعتقاد میں فرق وسستی نظر آتی ہے۔
۱۲۔چالیس دن تک مسلسل گوشت کھانے سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے۔
۱۳۔طریقت،شریعت سے الگ نہیں بلکہ منتہائے کمال شریعت کو''طریقت'' کہتے ہیں۔
۱۴۔سماع مروجہ حال،سرار لغو ولہو ہے۔ایسے مجمع میں اہل سماع کو جانا بھی درست نہیں کہ سماع کے لیے بہت شرائط ہیں۔
۱۵۔غوث اعظم کے غلاموں کے بارے میں فرماتے ہیں۔

غلام غوث اعظم بے کس و مضطر نمی ماند اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۳۹۰)

ملفوظات امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱)۔متکبر شخص کے قیام وطعام سے گریز کیا کرو کیوں کہ اس سے ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے۔
۲)۔متقی مزدور اللہ عزوجل کے نزدیک فاسق حکمراں سے زیادہ عزت دار ہے۔
۳)۔نیکو کار غریب و مسکین آدمی اس مالدار سے بہتر ہے جو بدکار یا بے راہ رو ہو۔
۳)۔غوث ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں بغیر غوث کے زمین وآسمان قائم نہیں رہ سکتے
۴)۔جو اللہ عزوجل سے زیادہ ڈرنے والا ہے وہی اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگی والا ہے۔
۵)۔طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنیٰ ہیں مکمل طور پر مرشد کے ہاتھوں بک جانا۔
۶) طلب صادق ہو تو راہ حق کے دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں اور منزل مقصود سامنے آجاتی ہے۔(اقوال اولیاء،ابوالثاقب قادری،محمدی بک ڈپو دہلی ص ۵۴۸)

سلسلۂ قادریہ کی خصوصیات

اس سلسلہ کے بانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جنھیں پیران پیر، غوث اعظم دستگیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کہا جاتا ہے۔آپ نے اس سلسلہ کی بنیاد پانچویں صدی ہجری میں، تیسری صدی ہجری کے مشہور صوفی بزرگ حضرت سیدنا شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعلیمات پر رکھیں، جنہیں ''سید الطائفہ'' اور ''طاؤس العلماء'' کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں ''ذکر خفی''اور''ذکر جلی'' دونوں جائز ہیں۔درود شریف کی کثرت پر زور دیا جاتا ہے۔سماع پر بالکل توجہ نہیں دی جاتی ہے۔اس سلسلہ میں تعلیم بظاہر شیخ ہی سے ہوتی ہے، تاہم یہ سلسلہ طریقہ اویسیہ روحانیہ کا مظہر ہے۔اس سلسلہ میں مشائخ کے ساتھ تعلق اور مشائخ کی توجہ طالب کی طرف اس قدر ہوتی ہے کہ دوسرے سلاسل میں نہیں پائی جاتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عالم میں اثر ونفوذ کا ایک خاص مقام حاصل ہے۔اسی بنیاد پر اس سلسلہ کو تمام سلاسل پر فوقیت وبرتری حاصل ہے اور اس سلسلہ کے مریدین دوسرے سلاسل کے مریدین پر فضیلت رکھتے ہیں۔سلسلہ قادریہ کے مرید کے لئے نامناسب ہے کہ وہ کسی اور سلسلے کے پیر سے روحانی استفادہ کرے، اس لئے کہ تمام سلسلے کے مشائخ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فیض یاب ہوتے ہیں اور اول وآخر ان ہی کے طفیل در معرفت ان پر وا ہوتا ہے۔ہاں دیگر سلاسل کے مریدین کا سلسلہ قادریہ کے مشائخ سے استفادہ فیوض وبرکات کی زیادتی کا سبب ہوتا ہے۔حضرت شاہ ابوالمعالی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ'' تحفۂ قادریہ " میں سلسلہ قادریہ کی عظمت کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں۔وہ حضرت شیخ ابوالبرکات موصلی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

> ''میں نے اپنے چچا شیخ عدی بن مسافر سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جوکوئی مشائخ کرام کے مریدوں سے مجھ سے خرقہ لینے کی آرزو کرے تو اس کو پہنا دوں مگر شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدوں کو نہیں پہنا سکتا

کیوں کہ وہ رحمت بے نہایت اور عنایت بے غایت کے دریا میں غرق ہیں ان کو کسی چیز کی ضرورت نہیں وہ کیوں کسی کی طرف التفات کریں، کیوں کہ کوئی سمندر کو چھوڑ کر حوض کی طرف نہیں آتا''۔

ہر کہ در جنت عدن است گلستاں چہ کند

(محمد باقر نقشبندی، سیرت الغوث ص ۳۵ بار اول ۱۳۲۴ھ)

شیخ محمد اکرام کے بقول:

''پنجاب کے بیشتر سنی مولوی اس سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں، قادریہ سماع بالمزامیر کے خلاف ہیں اور ان کے حلقوں میں موسیقی کو (خواہ وہ بالمزامیر ہے یا ان کے بغیر) بہت کم بار ملتا ہے، قادری درویش بالعموم سبز پگڑی پہنتے ہیں اور ان کے لباس کا کوئی نہ کوئی حصہ ہلکے بادامی رنگ کا ہوتا ہے ،وہ درود شریف کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، ان کے ہاں ذکر خفی اور ذکر جلی دونوں جائز ہیں''۔(آب کوثر حاشیہ ص ۲۵۴)

سلسلۂ قادریہ کے اوراد ومشاغل

سلسلہ قادریہ کے اوراد ومشاغل کیا ہیں؟ اس تعلق سے ذیل میں گفتگو کی جارہی ہے۔لیکن اس سے قبل سلسلہ قادریہ کے اوراد کے تعلق سے مولانا حبیب قلندر نے جو'' تذکرۂ حبیبی ''میں ذکر کیا ہے اور جسے صاحب ''منبع الانساب'' نے نقل کیا ہے اسے بیان کیا جارہا ہے۔

''سلسلہ قادریہ کے اذکار میں نفی اثبات کی کئی طریقوں سے تعلیم ہے مثلاً ایک ضربی، دوضربی، سہ ضربی، چہار ضربی، پنج ضربی، شش ضربی اور ذکر حدادی اور ذکر کوب، جس کو ''ذکر ارّہ'' بھی کہتے ہیں اور اثبات مجرد اور ذکر اسم ذات بہ یک ضرب اور نفی اثبات بطور خفی اور اسم ذات باصفات اصلیہ یعنی سمیع وبصیر وعلیم، ذکر یا اللہ اور یا ھو (ان کے شروع کرنے سے

قبل فاتحہ بنام پیران شجرہ لازمی ہے) اور تصور برزخ شیخ اور ذکر قلیل مع
درود شریف اور تسبیح واستغفار مخصوصہ''۔(منبع الانساب ص ۴۰۷)

ا۔ذکر بالجہر

سلسلہ قادریہ کے مشائخ اولاً جس چیز کی تاکید کرتے ہیں وہ ذکر بالجہر ہے اس ذکر سے مراد بہت بلند آواز سے ذکر کرنا نہیں بلکہ آہستہ ذکر کرنا مراد ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس طرح ذکر کرنے سے رسول اکرم ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی نہیں ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے''اپنے آپ پر نرمی کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو''۔(رسائل شاہ ولی اللہ ص ۵۶)

ذکر جہری کی مختلف صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ ذاکر اسم ذات''اللہ'' کا ذکر کرتا رہے اور وہ ایک ضرب سے ہو،اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ''اللہ''سختی اور درازی سے کھینچ کر بلند آواز سے بہت تیز بھی نہ ہو کہ مسجد میں دوسرے لوگوں کو پریشانی ہو دل میں اور حلق دونوں کی قوت کے ساتھ ادا کرے پھر ٹھہر جائے یہاں تک کہ ذاکر کی سانس اپنی جگہ پر واپس آجائے اس طرح سے بار بار کرتا رہے۔

۲۔ذکر یک ضربی

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر دوزانو بیٹھ کر سانس کو ناف کے نیچے روکے یعنی حبس دم کرے اور لفظ اللہ کو شد و مد اور جہر کے ساتھ ناف سے اٹھا کر قلب پر اس طرح ضرب لگائے کہ ہر سانس اپنے ٹھکانے آنے تک ٹھہر جائے اور پھر اسی طرح بار بار کرے۔

۳۔ذکر دوضربی

اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر اسی طرح دوزانو بیٹھ کر سانس کو بدستور سابق روکے اور لفظ اللہ کو باآواز بلند سختی اور قوت سے اٹھا کر ایک ضرب زانوئے راست پر اور دوسری ضرب قلب پر لگائے اسی طرح بار بار ذکر کرے خیال رہے کہ بغیر فصل تکرار کرے

اور دونوں ضربوں میں ضروری ہے کہ پوری قوت وشدت کے ساتھ ضرب لگائے خاص کر قلبی ضرب میں تاکہ قلب اثر قبول کرے اور جمعیت خاطر اور یکسوئی حاصل ہو۔

۴۔ذکر سہ ضربی

اس ضرب کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر چہار زانو بیٹھے اور ایک بار داہنے زانو پر دوسری بار بائیں زانو پر اور تیسری بار قلب پر ضرب لگائے ،تیسری ضرب سخت اور بلندتر ہونی چاہیئے ،

۵۔ذکر چہار ضربی

ذکر چہار ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر چہار زانو بیٹھے بائیں پیر کی رگ کی ماس دائیں پیر کے انگوٹھے اوراس کے برابر والی انگلی سے داب لے پھر سر جھکا کر بائیں گھٹنے کے محاذی ''لا'' کا لام یہاں سے شروع داہنے گھٹنے کے محاذات تک کھینچ کرلے جائے اب یہاں سے ''الہٰ'' کا ہمزہ شروع کر کے لام کے بعد کا الف داہنے شانے تک کھینچ کر لے جائے اور ''ہ'' داہنی طرف خوب منھ پھیر کر کہے۔ پھر وہاں سے ''الا اللہ'' بقوت دل پر ضرب کرے سو بار یا حسب قوت کم سے شروع کرے پھر حسب طاقت وفرصت بڑھاتا جائے بہتر یہ ہے کہ پانچ ہزار ضرب تک روزانہ پہنچائے جب حرارت بڑھنے لگے تو ایک یا تین بار ''محمد رسول اللہ'' کہہ لے تسکین پائے گا مگر مبتدی سے جب تک زنگ دور نہ ہو حرارت کا محتاج ہے ، یہ ذکر ایسے وقت ہو یا ایسی جگہ ہو کہ ریا نہ آئے کسی نمازی ، ذاکر یا مریض ، یا سوتے کو تشویش نہ ہو، اگر دیکھے کہ ریا آتا ہے تو چھوڑے نہ اور خیال ریا کو دفع کرے۔

٦۔ذکر لا الہ الا اللہ

یہ ذکر بھی جہری انداز میں کیا جاتا ہے اس ذکر میں نفی واثبات کی طرف اشارہ ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر کرنے والا نماز میں بیٹھنے کی طرح قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور آنکھیں بند کرلے اور ''لا'' اس طرح سے کہے کہ گویا وہ اسے اپنی ناف سے نکالتا ہے۔ پھر اسے یعنی ''لا '' کو کھینچتے ہوئے داہنے کندھے تک لائے پھر ''الہٰ'' کہے اور اسے اس طرح سے ادا کرے کہ

گویا اسے دماغ کی جھلی سے نکال رہا ہے اس کے بعد ''الا اللہ'' کو قلب پر شدت وسختی اور قوت کے ساتھ ضرب کرے اور یہ کرتے ہوئے ذات حق کا اثبات کرے۔اس ذکر کے ادا کرنے میں مختلف مقامات پر جو اتار چڑھاؤ آتے ہیں اس حوالے سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس میں حکمتیں پوشیدہ ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ اپنی توجہ مختلف چیزوں اور مقامات کی طرف کرتا رہے جس کی وجہ سے مختلف قسم کے خیالات اس کے دل میں گردش کرنے لگتے ہیں،اہل طریقت اس سے بچنے کے لئے کچھ اس قسم کے اصول مرتب کئے ہیں جس پر اگر عمل کیا جائے تو دھیرے دھیرے غیر سے دھیان ہٹ جائے گا،پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے سچی لو لگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

یہ ذکر تنہا اور اجتماعیت کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے لیکن بہتر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فجر اور عصر کے بعد ایک ساتھ حلقہ بنا کر کیا جائے۔

۷۔ذکر خفی

سلسلہ قادریہ میں ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں جائز ہیں لیکن پہلے ذکر جہری کی تر غیب دیتے ہیں اور جب ذکر کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں تب ذکر خفی کی ترغیب دی جاتی ہے۔اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی دونوں آنکھیں اور لب بند کر لے اور زبان وقلب سے یہ الفاظ کہے " اللہ سمیعٌ، اللہ بصیرٌ اللہ علیمٌ" اور یہ الفاظ اس طرح سے ادا کرے کہ گویا اپنے ناف سے نکالتا ہے سینے تک اور سینے سے نکالتا ہے دماغ تک اور دماغ سے نکالتا ہے عرش تک اس کے بعد یہ کہے " اللہ علیمٌ ، اللہ بصیرٌ ، اللہ سمیعٌ ' اور اپنی منزلوں سے اترتا آئے جن پر چڑھا تھا درجہ بدرجہ آئے اور چڑھنے اترنے کا عمل بار بار کرتا رہے بعض حضرات اس ذکر میں " اللہ قدیرٌ " کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔

ذکر کا یہ طریقہ انتہائی مشکل ہے سب کے بس کی بات نہیں یہی وجہ ہے کہ مشائخ قادریہ ہر شخص پر یا ہر اس شخص پر جو سلسلہ قادریہ سے بیعت ہے لازم نہیں کرتے۔

۸۔ذکر پاس انفاس

ذکر پاس انفاس بھی ایک مشکل ذکر ہے اس میں ذکر کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حتی الامکان اپنی سانسوں پر قابو رکھے جب سانس باہر چھوڑے تو اس وقت بلاارادہ وقصد کے اس کے دل سے آواز نکلے" لا الہ "اور جب اندر سانس لے تو اسی طرح بلا قصدوارادہ آواز آئے" الا اللہ "اس ذکر کو ذکر پاس انفاس کہا جاتا ہے۔یہ ذکر قلب کی صفائی ،گھبراہٹ،خطرات ووساوس،اور پریشان خاطر سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

۹۔مراقبہ

صوفیہ کے یہاں مراقبہ کی مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں ان سب میں سب سے جامع اور بہتر صورت یہ ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت کریمہ یا کوئی کلمہ زبان سے بولے یا دل میں اس کا خیال کرے اوراس کے معنیٰ کو دل میں اچھی طرح جاگزیں کرے پھر تصور کرے کہ یہ معنیٰ کیوں کر ہیں پھراسی پر توجہ جمائے رہے اور یہ تصور کرتا رہے کہ اس کی تحقیق اورثبوت کی کیا صورت ہے اوراس وقت تک ایسا ہی کرتا رہے جب تک دل کسی ایک معنیٰ پر مطمئن نہ ہو جائے۔

صوفیائے کرام مراقبہ کی اصل حدیث جبرئیل سے پیش کرتے ہیں کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اوراگر تم اسے نہیں دیکھ پارہے ہو تو یہ یقین کرلو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔مراقبہ کرنے والا یہ تصور کئے رہے کہ ہم خدا کی نگرانی میں ہیں،خدا ہمیں دیکھ رہا ہے،خدا میرے سامنے موجود ہے۔اگرچہ زبان سے نہ کہے مگر دل میں یہ ضرور خیال ہو اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ کی ذات وصفات مکان ومکانیات سے منزہ اور پاک ہے اس خیال میں اس قدر ڈوبے کہ استغراق کی کیفیت پیدا ہو جائے'' پھر اس آیت کریمہ کا تصور پیدا کرے وھو معکم این کنتم کہ وہ تمہارے ساتھ ہے تم کہیں بھی رہو۔(الحدید۴)

۱۰۔ کشف ارواح

سلسلہ قادریہ کے مشائخ اس تعلق سے فرماتے ہیں کہ دائیں طرف سُبوحٌ اور بائیں جانب قدوسٌ کی ضرب لگائے اسی طور پر آسمان میں رب الملائکۃ اوردل میں والروحُ کی ضرب لگائے اور بقول مشائخ قادریہ مصائب وآلام سے نجات پانے کے لئے تہجد کی نماز ادا کرے اس کے بعد داہنی طرف یا حیُ اور بائیں جانب یا وھّابُ کی ضرب لگائے اور سالک یہ عمل ایک ہزار مرتبہ تسلسل کے ساتھ کرے۔

۱۱۔ سماع

مشائخ قادریہ کے نزدیک سماع بالمزامیر سخت ناپسندیدہ ہے۔ ان کے موسیقی کو بھی ناپسند سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے لہو ولعب کا ذریعہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ ان کے یہاں صرف اتنی ہی مزامیر جائز ہے جو سنت سے ثابت ہے۔ سماع کے تعلق سے یہ حضرات بھی "نہ انکار کنیم اور نہ ایں کار کنیم" کے فارمولہ پر عمل پیرا ہیں۔ لیکن بعض قادری خانقاہیں جن کے مشائخ کو دوسرے سلاسل کی خلافت واجازت حاصل ہے وہ سماع سنتے ہیں مگر یہ سلسلہ کم ہی ہے۔

ہندو بیرون ہند میں سلسلہ قادریہ کی شاخیں

۱۔ عماریہ	(الجزائر وتیونس میں سلسلہ قادریہ کی شاخ)
۲۔ عروسیہ	(سلسلہ قادریہ کی طرابلسی شاخ)
۳۔ اشرفیہ	(سلسلہ قادریہ کی ترکی شاخ)
۴۔ بکائیہ	(سلسلہ قادریہ کی سوڈانی شاخ)
۵۔ بناویہ	(سلسلہ قادریہ کی دکنی شاخ)
۶۔ بوعلیہ	(سلسلہ قادریہ کی الجزائری اور مصری شاخ)
۷۔ جلالیہ	(سلسلہ قادریہ کا مرکشی نام)

۸۔ رزاقیہ (سلسلہ قادریہ کی ایک شاخ)
۹۔ وارثیہ (سلسلہ قادریہ رزاقیہ کی ہندی شاخ)
۱۰۔ برکاتیہ (سلسلہ قادریہ کی مارہرہ ایٹہ شاخ)
۱۱۔ رضویہ (سلسلہ قادریہ برکاتیہ کی بریلی شاخ)
۱۲۔ حشمتیہ (سلسلہ برکاتیہ رضویہ کی شاخ پیلی بھیت میں)
۱۳۔ ربانیہ (سلسلہ قادریہ کی شاخ باندہ میں)
۱۴۔ آبادانیہ (سلسلہ قادریہ کی شاخ بہار میں)
۱۵۔ تیغیہ (سلسلہ قادریہ کی شاخ سرکا نہی مظفر پور میں)
۱۶۔ قمیصیہ (سلسلہ قادریہ کی شاخ بنگال میں)

سلسلۂ قادریہ کتاب وسنت کی روشنی میں

تصوف اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ اسلام، پیغمبر اسلام کی پوری زندگی تصوف کے اصول وضوابط سے مربوط نظر آتی ہے۔ وہ تمام چیزیں جسے اس زمانہ میں صوفیاء اپنی زندگی کا زیور سمجھتے ہیں رسول اللہ کی زندگی میں مکمل طور پر مل جاتی ہیں۔ صحابۂ کرام اپنے نبی کی اتباع وپیروی کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے وہ نبی کی ہر ادا پر قربان رہنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے اور آپ کے فیض صحبت سے پوری طرح متاثر بھی تھے، زہد وورع ان میں بدرجۂ اتم تھا۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے ’’جس نے معرفت الٰہی کا مزہ چکھ لیا وہ ما سویٰ اللہ سے بے پروا ہو گیا‘‘ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دنیا بیزاری اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ منصب خلافت پر متمکن ہونے کے باوجود بھی قوم سے خطاب کرنے کی حالت میں بھی ازار میں پیوند لگے رہتے تھے۔ صاحب ثروت ہونے کے باوجود بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ کی زندگی سراپا زہد واتقاء سے عبارت تھی۔ آپ ہمیشہ یاد الٰہی میں مستغرق رہا کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا زہد وورع قابل رشک تھا حالت نماز میں تیر بدن سے کھینچ لیا جاتا اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی۔

تصوف کی باقاعدہ تدوین اور ترقی عصر عباسی میں ہوئی۔ اس کے اصول، قرآن کریم، حدیث شریف، عقائد اسلام، وشعائر دین میں موجود ہیں۔ یہ مسلّم ہے کہ تصوف کا نظام زہد وقناعت، عبادت وریاضت، ذکر وفکر، صبر وشکر وتسلیم ورضا بانداز والہانہ بطریق انبیاء علیھم الصلوٰۃ والتسلیم اولیائے کرام پر منحصر ہے۔ یہ خالص اسلامی طریقۂ زندگی ہے جو مذہب اسلام کی روحانی تعلیم وتربیت سے ماخوذ ہے۔

اس علم کا مقصد ہے۔ آداب شریعت کی حفاظت کا ملکہ پیدا کرنا اور حرام ومشتبہ

چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھنے سے روکنا اور پُر خطر کاموں سے حواس کی حفاظت کرنا اور غفلت سے محفوظ رہتے ہوئے ذکر ''پاس انفاس'' کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت کا درجہ حاصل کرنا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے جو پیغام بندگان الٰہی کو پہنچایا اور جو کلام ربانی کی ان کے سامنے تلاوت فرمائی اور اس آیت کی جو تصریحات اپنے قول و عمل سے فرمائیں وہی اس علم کی اساس ہیں۔اللہ نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کا جو مقصد بتایا تھا اس میں کتاب وحکمت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب بھی تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَقَد مَن اللهُ على المومنينَ اذ بعثَ فيهم رسُولاًمِن انفسهِم
يتلوا عَلَيهِم آياتِه ويُزكيهِم ويُعلِمهُم الكتا بَ والحكمةَ".
(آل عمران ١٦٤)

(بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے
ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے
اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے)

اپنی اس پیغمبرانہ ذمہ داریوں کی روشنی میں رسول اکرم ﷺ نے احقاق حق اور ابطال باطل کے ساتھ بندگان الٰہی کے نفوس کے تزکیہ اور قلوب کے تصفیہ کی طرف توجہ ہی صرف نہ دلائی بلکہ انھیں نفس کے خلاف لڑنے کا جرأت مندانہ حوصلہ بھی بخشا۔ریاضت ومجاہدہ،قناعت،لباس میں سادگی،تقلیل غذا،کثرت عبادت،دنیا سے بیزاری،نوافل کی پابندی،حسن خلق،غناو بے نیازی جو ارباب تصوف کا زیور ہے اللہ کے نبی ﷺ کی سیرت میں بھی یہ تمام چیزیں ہمیں بڑے اہتمام کے ساتھ ملتی ہیں۔آپ ﷺ نے آبادی سے دور حرا کے ایک پہاڑ کی غار (کھوہ) میں بیٹھ کر جس انداز سے عبادت و ریاضت کی اور اس عمل مستحسن پر بارگاہ الٰہی سے جس انعام واکرام سے آپ کو سرفراز کیا گیا اسے تاریخ اسلام کا ایک زریں باب اور سیرت نبوی کے ایک اہم پہلو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تصوف ایک ایسا جامع لفظ ہے جس سے مراد دنیا میں رہتے ہوئے دنیوی زیب

وزینت کے شوق سے احتراز ،مرتبہ عزت وعظمت پر فائز رہتے ہوئے دنیوی جاہ وجلال کے ذوق سے اجتناب ،مخلوقات سے بقدر ضرورت تعلقات قائم رکھتے ہوئے خلق سے بیگانگت اور حق تعالیٰ شانہ سے یگانگت مراد ہے۔لیکن تصوف جن دو کلیدی چیزوں پر گردش کرتا ہے وہ وہی ہیں جن کا ذکر سطور بالا میں ہوا۔

تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب

انبیاء ومرسلین ،صحابہ وتابعین اور اولیائے کاملین سب نے ہی تزکیہ نفس اور تصفیۂ قلب کا کام انجام دیا۔اس عمل خیر کے جو حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے اس سے یہاں بحث نہیں لیکن اتنا طے ہے کہ جن بندگان الٰہی کے قلوب مصفیٰ ومجلیٰ ہوئے ان کے دل انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کا سرچشمہ بن گئے ۔ان نفوس قدسیہ کو اس بات کا بھی یقین تھا کہ ''دل ''اعضائے انسانی میں بادشاہ کا مقام رکھتا ہے،لہٰذا اس کی اصلاح اور تصفیہ بہر حال ضروری ہے۔ارشاد نبوی ہے۔

ان فی جسد الانسان مضغة اذا صلحت صلح كله واذافسدت فسد الجسد كله الاوهی القلب

(بخاری شریف جلد اول ص ١٣)

(انسان کے جسم میں گوشت ایک لوتھڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہے تو پورا بدن ٹھیک ہے اور اگر وہ خراب ہے تو پورا بدن خراب ہے گوشت کا وہ لوتھڑا دل ہے)

اسی قلب کی اصلاح کے لئے صوفیائے کرام اور اولیائے دین نے علائق دنیوی سے دور رہ کر ذکر وفکر کی مجلسیں منعقد کیں اور سالکین وطالبین کے ساتھ خود بھی ریاضت ومجاہدہ کے کٹھن مراحل سے گذرے ۔اس عمل میں کوئی تخصیص نہیں تقریباً جتنے سلاسل تصوف اس دنیا میں پائے جاتے ہیں سب کے متبعین وپیروکاروں کا یہی محبوب مشغلہ رہا۔

اس موقع سے یہ بھی ذہن میں رہے کہ صرف یہی نہیں کہ رسول گرامی وقار ﷺ نے اس پر عمل کیا ہو بلکہ متبعین وپیروکاروں کو اس پر عمل کرنے کی ہدایت بھی فرمائی ہے ۔

جب ہم احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو مکمل طور پر اپنایا ہے۔صوفیائے کرام کثرت عبادت وریاضت سے جو شکر الٰہی بجالاتے تھے وہ یوں ہی نہیں بلکہ ان کا اس پر رسول اللہ کی سیرت کی روشنی میں عمل تھا۔ بخاری شریف کی ایک حدیث کا مفہوم ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ اتنی مشقت کیوں گوارہ فرماتے ہیں، جب کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کے سبب آپ کے اگلے پچھلے والوں کے سارے گناہ معاف فرمادئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟۔

دنیا سے بیزاری کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ رھبانیت اختیار کر لی جائے جس کی حدیث مبارک میں لا رھبانیۃ فی الا سلام کے ذریعہ ممانعت کی گئی ہے۔دنیا سے بیزاری کا مطلب یہ ہے کہ علائق دنیا سے اس طرح وابستہ نہ ہوجاؤ کہ خدا کی یاد دل سے محو ہوجائے۔دیکھا یہ گیا ہے کہ جو دنیا کے دلدادہ ہوگئے اور دنیا ان پر پوری طرح مسلط ہوگئی وہ مکمل طور سے خدا ورسول کے دین سے بے بہرہ ہوگئے اسی لئے متعدد احادیث میں دنیا کی مذمت کی گئی ہے اور اسے مردار گوشت اور کمترین شئ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں تو دنیا سے نفرت کو محبت الٰہی کا سبب بتایا گیا ہے۔تمام سلاسل کے اکابر مشائخ نے اسی وجہ سے دنیا سے الگ تھلگ رہ کر رسول مقبول کی سیرت کی روشنی میں اپنی زندگی بسر کی اور جو کچھ انھوں نے اپنے مریدین کو ہدایت اور اپنے متبعین وپیروکاروں کو نصیحت فر مائی وہ ملفوظات وفرمودات کی شکل میں موجود ہیں۔اس میں کسی سلاسل طریقت کی تخصیص نہیں تمام صوفیائے کرام اور علمائے ربانین نے ہی رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو عوام وخواص تک پہونچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔تمام سلاسل کی طرح سلسلہ قادریہ جس کے بانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔اس سلسلہ نے برصغیر میں ہی صرف نہیں بلکہ عالم اسلام میں اپنے متبعین وپیروکاروں کے ذریعہ بندگان الٰہی کے دلوں کو صیقل کر کے اسے مہبط انوار الٰہی بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔مولانا ابوالحسن علی ندوی ”تاریخ دعوت وعزیمت“ میں لکھتے ہیں۔

''حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی) نہ صرف اس سلسلہ (قادریہ) کے ایک نامور امام اور ایک مشہور سلسلہ کے بانی ہیں بلکہ اس فن (تصوف) کی نئ تدوین وترتیب کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔آپ سے پہلے وہ اتنا مرتب ومدون اور مکمل ومنضبط نہیں تھا۔آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقہ سے فائدہ اٹھا کر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کرسکتا''۔

(تاریخ دعوت وعزیمت،ابوالحسن علی ندوی جلد اول ص ۲۲۱)

اس سلسلہ کی متعدد شاخیں عالم اسلام میں پھیلی ہوئی ہیں لیکن ان تمام شاخوں کا سرچشمہ اور مرکز انوار وتجلیات خیر البلاد بغداد ہی ہے۔اس نورانی سلسلہ کی شاخیں دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہیں۔یہاں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سچ تو یہ ہے کہ اس سلسلہ کی جتنی شاخیں ہندوستان میں رائج ہیں وہ شمار سے بالاتر ہیں۔اس سلسلہ کی شہرت اور مقبولیت کا سبب ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' میں ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔

''قادریہ سلسلے میں بہت زیادہ رواداری پائی جاتی ہے اور اس کے قواعد میں کسی قسم کی انتہا پسندانہ شدت موجود نہیں یہ زیادہ تر ان حالات کا نتیجہ ہے جن کے زیر اثر اس سلسلہ کا آغاز ہوا اس کے برعکس اکثر سلسلہ ایسے ہیں کہ ان کے پیروؤں کے خیال میں نجات اور فلاح کا دروازہ صرف اس شخص پر کھلا ہے جو اس سلسلے میں سبقت رکھتا ہے (یہ سختی قادریہ سلسلے میں نہیں) اس کے علاوہ اگر چہ اس سلسلہ کے بانی حنبلی تھے لیکن اس کا دائرہ حنبلیوں تک محدود نہیں یہ سلسلہ عملی لحاظ سے بڑا روادارانہ ہے۔

(دائرۃ المعارف الاسلامیہ اردو جلد ۱۶ اص ۱۲)

اس رواداری کے پیچھے سلسلہ قادریہ کی اپنی تاریخ ہے جس کا ماحصل یہ ہے ''اس سلسلہ نے جس ماحول میں اپنی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تھا وہ دور امت مسلمہ کو فسق وفجور، بدکاری، سیاسی ابتری، اور اخلاقی پستی یعنی چار بلاؤں نے اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ عددی اعتبار سے مسلمان کم تھے اسلامی سلطنتوں کا سلسلہ اندلس سے برصغیر تک پھیلا ہوا تھا مگر سارا جاہ وجلال دکھاوے کا تھا۔ مسلمان امراء عیش وعشرت میں ڈوب چکے تھے۔ حرم سراؤں کی زیبائش اور لونڈیوں سے کیف وسرور حاصل کرنے کے علاوہ ان کو کوئی کام نہ تھا۔ امراء سے عوام تک سب عیش کے بستر سجائے بدکاری اور مے نوشی میں مدہوش تھے۔ قرامطہ اور باطنیہ کے افکار کی روشنی میں علمائے سو کا طاقتور طبقہ پیدا ہو چکا تھا۔ ملت اسلامیہ درد اور سود وزیاں کا احساس رکھنے والے وفا کے پتلے فرقۂ باطنیہ کے خنجروں کا ہدف بن رہے تھے۔ بہر حال پانچویں صدی ہجری تک سیاسی وفکری ضعف واضمحلال اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا۔ عہد اموی میں جاہلیت کی رجعت قہقری اور بعد کے ادوار میں خلق قرآن، اعتزال، فلسفۂ ملحدانہ اور باطنیت کے فتنوں نے اہل اسلام کے خواص میں تشکیک والحاد اور عوام میں عملی بے راہ روی کے بیج بودئے تھے۔ سابقہ صدیوں میں بھی مصلحین امت نے عظیم تجدیدی کام کیا تاہم چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری کے نصف اول میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تاریخ کے دو نہایت بلند پایہ مصلحین ابھرے۔ امام غزالی کی فکری تحریک سے تشکیک والحاد کے فتنوں کا سد باب ہو گیا۔ لیکن جمہور امت میں بے یقینی اور بے عملی کے روک کا مداوا ابھی باقی تھا۔ یہ کام عظیم صوفی مبلغ شیخ عبدالقادر جیلانی نے انجام دیا جنھوں نے اپنے علم روحانیت اور خطابت سے اپنے اصلاحی کام کو پوری طرح موثر بنا دیا۔ یہی ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جس کی بدولت اسلام میں معروف ترین وسائل میں سے ایک وسیلہ ارتباط بن گئے۔ اور یہ وہ اہم ربط ہے جو کسی بڑے سے بڑے صاحب عظمت کو میسر نہ ہو سکا۔

سلسلہ قادریہ خالص سنت مصطفوی کا عملی پیکر ہے اگر کوئی ایسی بات جو اس سلسلہ میں پائی جاتی ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف اور اسلام کے منافی ہے تو اس سے

سلسلہ کا کوئی واسطہ نہیں۔اگر کسی نے اپنی ذاتی مفاد یا عناد ونفرت کے باعث کچھ غلط رسوم کو اس سلسلہ سے منسوب کردیا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی فعل ہے بحمدہٖ تعالیٰ سلسلہ کا تقدس ان منہیات شرعیہ سے پاک اور محفوظ ہے۔مثال کے طور پر ذیل کی عبارت:

''شمالی افریقہ میں قادریہ سلسلہ میں حضرت علی کو آنحضرت ﷺ سے (معاذاللہ) افضل قرار دیا جاتا ہے اور امام حسن کی اہمیت کو زیادہ نمایاں کیا جاتا ہے۔ایسے خیالات کو شیخ سے منسوب کرنا بالکل غلط ہے۔

(دائرۃ المعارف الاسلامیہ اردو جلد ۱۶/۱ص ۱۲)

سلسلۂ قادریہ میں لباس میں بھی کوئی تخصیص نہیں ہر وہ لباس جس میں نماز ادا کرنا جائز ہے سلسلہ قادریہ میں اسے زیب تن کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس حکم عام کے باوجود اب اگر کوئی لال، پیلے، یا ہرے کپڑے کو اپنے پہننے کے لئے خاص کرے تو اس کی اپنی ذاتی پسند ہے سلسلہ کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔اسی طرح حد شرع سے زیادہ داڑھی، سر اور ناخن بڑھانا بھی ہے البتہ زلف رکھنا مسنون ہے لہٰذا سلسلہ قادریہ کے متبعین میں سنت نبوی کے مطابق کوئی زلف رکھتا ہے تو سلسلہ میں اس کی اجازت ہے۔

تمام سلاسل کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے بندہ کا رشتہ اس کے معبود سے استوار کرنا۔اس دینی امور میں سب متحد ہیں البتہ اگر کوئی اختلاف ہے تو ان کے معمولات میں اور رسوم ورواج میں ہے جس کا بظاہر بنیادی اصولوں سے کوئی تصادم نہیں ہوتا یہ واضح رہے کہ صوفیا کے یہاں جو اوراد ومشاغل ہوتے ہیں ان کا بیشتر حصہ قرآن واحادیث کی روشنی میں مرتب ہوتا ہے۔عبادت جس بھی طرح کی ہو خواہ اس کا تعلق زبان وجسم سے ہو یا مال سے سب سلوک میں داخل ہیں لیکن ذکر قلبی اور فکر قلبی میں جذب ایمانی ہے۔جذب ایمانی اور سلوک میں **معیار السلوك** کے مصنف کے بقول نمایاں فرق ہے وہ لکھتے ہیں۔

جذب: اس عبادت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ خدا خود بندے کو اپنی طرف کھینچے۔
سلوک: اس عبادت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بندہ اپنی کوشش سے خدا کی طرف جائے۔
قلبی ذکر چونکہ مخفی ہوتا ہے اس لئے اس میں ریا کا شائبہ نہیں ہوتا اس ذکر کی

فضیلت قرآن کی اس آیت سے بھی ثابت ہوتی ہے ادعوا ربکم تضرعاً وخیفۃ ً(اپنے رب کو آہستہ دلوں میں پکارا کرو) حدیث شریف میں اس ذکر کی فضیلت زبانی ذکر سے ستر درجہ افضل بتائی گئی ہے۔ کیونکہ جسمانی ذکر آدمی اسی وقت کرسکتا ہے جب کہ وہ بیدار ہو اور حالت نوم میں جسمانی ذکر ممکن نہیں جب کہ قرآن کا ارشاد ہے واذکروا اللهَ قیاماًوقعوداًوعلیٰ جنوبکُم اور اعبد ربكَ حتی یا تیكَ الیقینُ(اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین ہو جائے) ایسی صورت میں قرآن پر عمل کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔لیکن ذکر قلبی کے درمیان نیند و بیداری حائل نہیں ہوسکتی یہ ذکر بستر استراحت سے لے کر بستر علالت اوراس سے بڑھ کر بستر موت تک جاری رہ سکتا ہے۔

(معیار السلوک، ہدایت علی نقشبندی ص ۱۴۷ اعظم گڑھ ۱۹۳۶ء)

ذیل میں سلسلہ قادریہ کے کچھ اوراد و معمولات کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

سلسلۂ قادریہ میں ذکر الٰہی کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ یاایھاالذین آمنوا اذکرواالله کثیراً وسبحوه بکرة واصیلا ً(الاحزاب ۴۱،۴۲)

(اے ایمان والواللہ کو بہت یاد کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بولو)

۲۔ فاذکرونی اذکرکم (البقره ۱۵۲)

(تو میری یاد کرو میں تمھارا چرچا کروں گا)

۳۔واذکر ربك فی نفسك تضرعاً وخیفة (الاعراف ۲۰۵)

(اور اپنے رب کو دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے)

۴۔واذکر ربك اذانسیت(کھف ۲۴)

(اور اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے)

۵۔ واذکراسم ربك وتبتل الیه تبتیلا(المزمل ۸)

(اور اپنے رب کا نام یاد کر اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو)

۶۔ واذکر اسم ربك بکرة واصیلاً (دھر ۲۵)

(اور اپنے رب کا نام صبح وشام یاد کرو)

اس کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ہیں جس میں کہیں براہ راست خدا کے نام کو اور کہیں اس کی دی گئی نعمتوں کے ذریعہ خدا کو یاد کرنے کا ذکر ملتا ہے۔اسی طرح بخاری اور مسلم کے علاوہ صحاح ستہ کی دیگر کتابوں میں ذکر وتسبیح کے تعلق سے باضابطہ باب قائم کر کے اس کے ضمن میں منتخب احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

ذکر خفی اور ذکر جلی

ذکر دو طرح کا ہوتا ہے ایک ذکر جلی اور دوسرا ذکر خفی کلمات کو باآواز بلند دہرانے کو ''ذکر جلی'' اور دل میں دہرانے کو'' ذکر خفی'' کہتے ہیں۔قرآن حکیم میں دونوں ذکر کی تعلیم دی گئی ہے،مگر کتاب وسنت میں جس ذکر کو افضل قرار دیا گیا ہے وہ لاالٰہ الااللہ کا ذکر ہے، اسی لئے سلسلہ قادریہ میں مخصوص انداز میں جہر کے ساتھ ضرب لگانے کی تلقین کی جاتی ہے مگر اس جہر سے نہ تو افراط مراد ہے کہ بہت زور سے چیخ کر ذکر کیا جائے اور نہ تفریط بلکہ ایک اعتدال اور متوسط درجہ مقصود ہے کیونکہ سرکار دوعالم ﷺ نے جہر بالافراط سے ممانعت فرمائی ہے اور اس طرح فرمایا ہے کہ اعتدال اختیار کرو اور اپنی جانوں پر نرمی کرو کیونکہ تم بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو۔

ذکر جلی کے ذریعہ ''پاس انفاس'' بھی کرایا جاتا ہے اس ذکر میں ذکر کرنے والا اپنے خارج ہونے والے اور داخل ہونے والے سانسوں کو مدنظر رکھے جس وقت اس کا سانس خود بخود بغیر اپنے ارادہ کے باہر نکلے اس وقت دل کی زبان سے لاالٰہ الا اللہ کہے بزرگان طریقت نے اس کا نام پاس انفاس رکھا ہے اور اس کا سب سے بڑا اثر یہ مرتب ہوتا ہے کہ سالک کے دل سے خطرات اور وسوسے دفع ہو جاتے ہیں۔

سلسلۂ قادریہ میں ذکر اسم ذات کی بھی تعلیم دی جاتی ہے اس کا طریقہ یہ ہوتا

ہے اپنی دونوں آنکھوں اور لبوں کو بند کر کے دل کی زبان سے الله سمیع ، الله بصیر ، الله علیم کہے اس طریقہ پر کہ اپنے تصور میں الله سمیع کہتا ہوا ناف سے سینہ تک لے جائے پھر الله بصیر کہہ کر سینہ سے دماغ تک پہونچے پھر وہاں سے الله علیم کہتا ہوا عرش تک پہونچنے کا تصور کرے پھر یہی خیال کرتا ہوا درجہ بدرجہ اترے یعنی الله علیم کہتا ہوا عرش سے اتر کر دماغ میں ٹھہرے پھر الله بصیر کہتا ہوا دماغ سے سینہ تک آئے پھر الله سمیع کہتا ہوا ناف پہ آ کر ٹھہر جائے یہ ایک دور ہو گیا اسی طرح ہر مرتبہ ذکر کرتا رہے ۔ان تینوں اسمائے باری میں ایک خاص علاقہ ہے اور ذکر اسم ذات میں انھیں الفاظ کو خاص کرنے میں حکمت یہ ہے کہ سمع کا اطلاق اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب علم اور بصر بھی ہو بغیر علم اور بصر کے سمع ناقص ہے اس لئے اللہ کے سمیع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ہر چیز کا دیکھنے والا ہے اور ہر چیز کا سننے والا ہے اللہ تعالیٰ کا سماع انسان کی طرح محدود نہیں اللہ علیم میں اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ اس چیز کو بھی جانتا ہے جسے انسان ظاہر کرتے ہیں اور اس چیز کو بھی جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں

سلسلۂ قادریہ میں بھی دیگر سلاسل کی طرح مراقبہ بھی کرایا جاتا ہے۔اس مراقبہ کے ذریعہ پیاز کی طرح لپٹی ہوئی انسان کی شخصیت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اس کے پیچھے چھپی ہوئی اس کی انا اور خودی بے نقاب ہو جاتی ہے۔مراقبہ نام ہے قرآن حکیم کی کسی آیت کو زبان سے کہنے اور اس طرح اس کا خیال دل میں جما لینے کا جس سے محویت میں استغراقی شکل حاصل ہو جائے یعنی اس کلمہ یا اس آیت کے مفہوم میں اس قدر محویت پیدا ہو جائے کہ اس کے سوا دوسری چیز کا ذہن میں خیال نہ رہے۔مراقبہ کی اصل بنیاد وہ حدیث مبارک ہے جس میں ایک موقع پر آپ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

الاحسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (بخاری شریف جلد اول ص۱۲)

احسان کیا ہے؟

احسان یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پھر اس طرح کہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو یہ محسوس کرو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ تم عبادت میں یہ تصور جمائے رکھو کہ گویا اللہ عزوجل کو تم دیکھ رہے ہو کیونکہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تمھیں دیکھ رہا ہے اسی مفہوم کو حدیث میں دوسری جگہ یوں واضح کیا گیا ہے۔

اعبد ربك فی جمیع الاحوال کعبادتك فی حال العیان

(ہر حالت میں اپنے رب کی یوں عبادت کرو جیسے حالت مشاہدہ میں کرتے ہو)

اس توضیح کی روشنی میں احسان کا صرف ایک درجہ ہوا وہ یہ کہ اللہ کی عبادت ہم یوں کریں گویا کہ اسے دیکھ رہے ہیں۔دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ ہو سکے تو یوں عبادت کرو تم کو وہ دیکھ رہا ہے اب احسان کے دو درجے ہو گئے ایک یہ کہ عبادت کے وقت یہ خیال جما رہے کہ اللہ عزوجل کو ہم دیکھ رہے ہیں دوسرے یہ کہ یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال جما رہے کہ وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔جب بندے کو یہ حضور حاصل ہو کہ اللہ عزوجل ہم کو ہمارے ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہے تو پھر نہ کوئی طاعت چھوٹے گی اور نہ ہی اس کے آداب و شرائط میں کوئی کمی ہوگی اور نہ کسی گناہ پر جرأت ہوگی۔

مفتی شریف الحق امجدی فرماتے ہیں۔

''کلمۂ احسان حضور ﷺ کے جوامع الکلم میں سے ہے اس کی تشریح سے دفتر کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں یہی حدیث تصوف کی اصل ہے جس کی شرح میں ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہزاروں لکھی جائیں گی اور جو لکھی گئیں یا لکھی جائیں گی وہ ایک قطرہ بھی اس بحر ناپیدا کنار کا نہیں، ان سب کی تفصیل یہ ہے کہ ایمان اصل الاصول ہے اور اعمال اس کی فرع ہیں۔

اعمال کی ادائیگی کے اعتبار سے تین درجے ہیں۔

۱۔ شرائط کے ساتھ ارکان ادا کر لئے جائیں اس سے آدمی فرض سے

سبکدوش ہوجاتا ہے، یہ عوام کے لئے ہے۔

۲۔عبادت میں کم ازکم یہ تصور ہو کہ معبود ہمیں دیکھ رہا ہے۔یہ خواص کا مقام ہے۔

۳۔عبادت میں یہ حضور وشہود ہو گویا عابد معبود کو دیکھ رہا ہے۔ یہ اخص الخواص کا مقام ہے۔

مراقبہ جس کی ضمن میں ان تفصیلات کا ذکر ہوا یہ عام سطح سے بلند ہو کر اس درجہ پر فائز ہونا ہے جسے خواص یا اخص الخواص کہا جا سکتا ہے۔

(نزہۃ القاری، شریف الحق امجدی جلد اول ص ۳۲۱)

مراقبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عامل اپنے کو مردہ سمجھے اور یہ دھیان دل میں لائے کہ میں راکھ ہو گیا ہوں جس کو ہوائیں اڑا رہی ہیں اور آسمان ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے، ہر چیز کی شکل بدل گئی ہے، پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اڑ رہے ہیں۔اگر چہ یہ تصور دیر تک قائم رہتا ہے تو یہ خیال دل کو دنیا کے خرافات سے باز رکھنے کے لئے کافی ہوگا۔مراقبہ کرنے والا جب دھیرے دھیرے اس میں کامل ہو جائے گا تو اسے ایسا مزہ ملے گا جس کی کیفیت بتانے سے وہ قاصر ہوگا ٹھیک اسی طرح

سر عرفان الٰہی ہے فقط گونگے کا گڑ
آدمی کھا لیتا ہے لیکن کہہ نہیں سکتا مزہ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ مکان کے ایک کونے میں چپ چاپ اپنی گردن جھکائے نہایت ہی اطمینان وسکون کے ساتھ بیٹھے ہیں،اس موقع سے حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے دریافت کیا کہ خیالات کو اکٹھا کرنے کا یہ طریقہ آپ نے کہاں سے سیکھا تو انھوں نے فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک بلی تھی جب شکار کرنے جاتی تو کسی سوراخ کے پاس گھات لگا کر بیٹھ جاتی اور اپنا بال تک نہیں ہلاتی خیالات کو جمع کر کے اپنی توجہ کو یکسو کرنے کا یہ طریقہ میں نے اسی بلی سے سیکھا ہے اور ایسا کرنے سے مجھے اپنے مقصد میں کامیابی دکھائی دیتی ہے۔

چشم بند و گوش بند ولب بہ بند　　گر نہ یابی سرحق بر ما بہ خند

مجاہدہ کی اصل خواہشات نفسانی کی خلاف ورزی کرنا ہے کوئی مجاہدہ بغیر مراقبہ کے مکمل نہیں ہوسکتا۔حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں۔

''یہ مراقبہ تمام خوبیوں اور بھلائیوں کی اصل ہے اس درجہ تک سالک کی رسائی ان چیزوں کے بغیر نہیں ہوتی اعمال کا محاسبہ جلد از جلد اصلاح حال ،راہ حق پر ثابت قدمی ،اللہ تعالیٰ سے دلی لگاؤ کی نگہداشت ،کسی سانس کو بیکار اور یوں ہی ضائع نہ کردینا ہے۔یہ پاس انفاس ہے پس سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سالک کا نگراں ہے اس کے دل کے قریب ہے اور اس کے تمام احوال سے واقف ہے اس کی تمام باتیں سنتا ہے''۔

(غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی ص ۶۴۲)

سلسلۂ قادریہ میں اس عقیدہ پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے کہ نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھراؤ اس کی بندگی کرو اور اس کے در سے منھ نہ پھیرو اس قول کی بنیاد وہ حدیث شریف ہے جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے۔جس میں یہ فرمایا گیا ہے۔

''تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ حساب لے گا مگر جس شخص نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنایا اس سے حساب نہیں لیا جائے گا اسے سیدھا دوزخ میں لے جانے کا حکم دیا جائے گا''۔

سلسلہ قادریہ میں شیخ اپنے مریدین ومعتقدین کو ظاہری شکل وصورت بھی ایمانی بنانے بطور خاص داڑھی رکھوانے کی طرف بھی زور دیتے ہیں اس لئے دیکھا یہ گیا ہے کہ جن کا تعلق سلسلہ قادریہ سے مربوط ہوتا ہے ان کے چہروں پر اسلام سے محبت کی نشانی داڑھی ضرور پائی جاتی ہے۔سلسلہ قادریہ کے مشائخ اپنے مریدین کو دین کی ضروری باتوں کی تعلیم دیتے وقت اپنی ظاہری شکل وصورت بھی اسلامی بنانے پر کافی زور دیتے ہیں۔سلسلہ قادریہ رضویہ کے شیخ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ نے مونچھوں کو ترشوانے اور

داڑھی کو بڑھانے کے موضوع پر ایک وقیع کتاب بھی لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ کے نام سے لکھی ہے جس میں ۱۸/آیات قرآنی،۲۷/احادیث ،اور سلف صالحین کے ۶۰/ ارشادات درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

''جسے محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہواپنا منہ اسلامی بنائے ،شعائر اللہ کی حرمت بجالائے ،شعائر کفر سے کنارہ کرے''۔

(لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ ،احمد رضا خاں ص۴۲ بدایوں)

داڑھی بڑھانے کے تعلق سے حدیث کی چھ مشہور کتابوں میں متعدد احادیث درج ہیں بخاری شریف کی ایک حدیث ہے اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں۔

خالفوا المشرکین وفّروااللحیٰ واحفواالشوارب

(ابوداؤد شریف ابوداؤد بجستانی جلد۲ حدیث ۲۱۴۰ بیروت ۱۹۹۵ء)

(مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو وافر رکھو اور مونچھوں کو پست کراؤ)

سجدۂ تعظیمی حرام ہے

سلسلۂ قادریہ میں اس بات پر بھی زور دیا جاتا ہے کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہے، بعض لوگ اہل سنت وجماعت کے متبعین وپیروکاروں پر جو یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ قبر پر سجدہ روا رکھتے ہیں یہ سراسر اہل سنت وجماعت کے متبعین وپیروکاروں پر بہتان ہے۔اس کا حقیقت اور واقعیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کے شیخ مولانا احمد رضا خاں قادری نے سجدۂ تعظیمی کو اپنی کتاب الزبدة الزکیة فی تحریم سجود التحیة میں حرام لکھا ہے،فرماتے ہیں۔

''اے مسلمان شریعت مصطفوی کے تابع فرمان جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت جل جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین وکفر مبین اور سجدہ تحیت حرام وگناہ کبیرہ بالیقین''۔ (الزبدۃ الزکیۃ (حرمت سجدۂ تعظیم)ص۸ لاہور ۱۹۷۷ء)

حدیث نبوی ﷺ میں اس سجدہ تعظیمی سے منع کیا گیا ہے'' کچھ لوگوں نے حیرہ میں دیکھا کہ وہ اپنے حاکم کو سجدہ کرتے ہیں واپس آ کر حضور ﷺ سے حضور ﷺ کو سجدہ کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا:

"لا تفعلوا لو كنت آمر احداً ان يسجد لاحد لامرت النساء ان يسجدن لازواجهن لما جعل الله لهم عليهن من حق"۔

(ابوداؤد شریف،ابوداؤد سجستانی جلد۲ حدیث ۲۱۴۰ بیروت ۱۹۹۵ء)

(نہ کرو اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم دینے والا ہوتا تو ضرور عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس حق کے سبب جو شوہروں کا ان پر ہے)

سلسلۂ قادریہ میں اچھے کاموں کی نصیحت کی جاتی ہے اور مخرب اخلاق اعمال سے بچنے کی تلقین اور برے کاموں کے ارتکاب پر باز پرس کی جاتی ہے۔بانئ سلسلہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

سنت کی پیروی کرو، بدعت نہ کرو، اللہ ورسول کی فرمانبرداری کرو ان کے حکم سے باہر نہ جاؤ اللہ کو یکتا جانو اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اس کو پاک جانو اور اس پر بہتان نہ لگاؤ ،سچ جانو اسلام کو اور شک نہ لاؤ صبر کرو بلاؤں پر اور نہ گھبراؤ۔اللہ تعالیٰ سے فضل کا سوال کرو اور اس سے رنجیدہ نہ ہو۔انتظار کرو اور امید رکھو۔آپس میں برادری اور دوستی رکھو اور باہم دشمنی نہ کرو۔سلسلہ قادریہ میں حسد کی خوب مذمت کی گئی ہے اور اس سلسلہ سے وابسطہ لوگوں سے ہی نہیں بلکہ عامۃ المسلمین کو بانئ سلسلہ قادریہ نے **فتوح الغیب** میں باز رہنے کی تلقین کی ہے،فرماتے ہیں۔

''اے مومن تمھیں پڑوسیوں کے کھانے پینے نکاح مکان ،لباس اور خدا کی عطا فرمودہ ثروت اور غنا پر حسد نہیں کرنا چاہئے کیا تمھیں معلوم نہیں کہ حسد کرنا ایمان کے ضعف ہونے کی علامت ہے حدیث قدسی ہے حاسد میری نعمتوں کے دشمن ہیں کیا آنحضرت ﷺ کا فرمان نہیں سنا

جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اسی طرح حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے‘‘۔

اگر کسی کام کی بنیاد اخلاص پر نہیں ریاکاری پر ہو تو اس کے بھیانک نتائج نکلتے ہیں آج کل زندگی کے تمام شعبوں میں اخلاص مفقود نظر آتا ہے۔سلسلہ قادریہ میں اخلاص کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے سلسلہ قادریہ کے بانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

’’بندہ کو چاہئے کہ اپنی عادت کو خلوص،تقویٰ اور پرہیزگاری سے آراستہ کرے،نیت میں سچائی رکھے،ارادہ کی نگرانی کرے اور اس کا محاسبہ کرتا رہے اس کا عزم صدق نیت پر مبنی ہو۔اپنے تمام اقوال واعمال اور احوال میں خلوص کا عزم رکھتا ہو عبادت میں اس طرح مشغول ہو اور معصیت کو ترک کرے اور اس کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھے کہ کہیں شیطان مردود اس کو اپنی مکاریوں سے فریب میں نہ مبتلا کر دے‘‘۔

(غنیۃ الطالبین،شیخ عبدالقادر جیلانی ص ٦۴۵)

ان قادری تعلیمات میں جتنی باتیں کہی گئی ہیں ان کے مآخذ قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ ہیں کیا قرآن کریم میں سنت کی پیروی اور اطاعت نبوی ﷺ کا حکم نہیں دیا گیا ہے؟ حدیث نبوی میں کیا خدا کو ایک ماننے اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کی بات نہیں کہی گئی ہے؟۔صبر کرنے خدا سے خدا کا فضل مانگنے،رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہونے کی جو بات قرآن میں کہی گئی ہے اس سے بھلا کون انکار کرسکتا ہے؟۔

آج کل یہ دیکھا جارہا ہے کہ سلسلہ قادریہ کی بیشتر خانقاہوں میں بھیڑ اکٹھی کرنے کی غرض سے سماع کا رواج ہو گیا ہے۔حالانکہ سلسلہ قادریہ میں سماع کے بارے میں خاموشی ہے ان کے یہاں سماع کے تعلق سے ’’ نہ انکار کنیم ونہ ایں کار کنیم ‘‘ کے فارمولہ پر عمل ہے۔ جہاں سماع کا چلن ہے ان خانقاہوں کے اس فعل کو سلسلہ قادریہ کے بنیادی اصولوں اور تعلیمات میں نہیں شمار کرنا چاہئے۔ بانئ سلسلہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔

''سماع،قوالی،مزامیر اور رقص کو ہم جائز نہیں سمجھتے''۔(غنیۃ الطالبین ص ٦١٦)

سلسلہ ٔ قادریہ میں رہبانیت نام کی کوئی چیز نہیں لا رھبانیۃ فی الاسلام کے ذریعہ اسلام میں بھی اس کی شدت سے مخالفت کی گئی ہے۔ بانی سلسلہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی دنیا کے استعمال اور بقدر ضرورت انتفاع سے منع نہیں فرماتے۔دنیا کی پرستش اوراس سے قلبی تعلق اور عشق کے شدید مخالف تھے،حدیث نبوی ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ پر سختی سے عمل کرتے اوراسی کی اپنے متبعین کو وصیت بھی کرتے تھے۔اپنی ایک مجلس میں دنیا کی مذمت اوراس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''دنیا ہاتھ میں جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز ،باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے محبوب سمجھنے لگے)دروازہ پراس کا کھڑا ہونا جائز باقی دروازہ سے آگے گھسنا نہ جائز ہے، نہ تیرے لئے عزت ہے''۔(فیوض یزدانی، شیخ عبدالقادر جیلانی مجلس ١٥)

سلسلہ ٔ قادریہ میں کثرت سے کرامتوں کا صدور اورظہور ہوتا ہے۔اس سلسلہ کے بانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ سے جس قدر کرامتیں صادر ہوئی ہیں اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔مختصراً یوں کہا جائے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سراپا کرامت تھے تو بے جانہ ہوگا۔آپ سے کرامتوں کا صدور عالم شیر خوارگی سے ہونا شروع ہوا تو زندگی کی آخری سانس تک بدستور جاری رہا۔جو کرامتیں سلسلہ قادریہ کے مشائخین سے صادر ہوئی ہیں وہ شمار سے بالاتر ہیں۔

کرامت واستقامت

کرامتوں کے تعلق سے شرح عقائد نسفی کے مصنف لکھتے ہیں ''کرامات الاولیاء حق ''اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے شیخ عبداللہ ہرری فرماتے ہیں:

> ''اولیا اوران کی کرامتوں پر ایمان لانا واجب ہے(اولیا ولی کا صیغہ جمع

ہے)ولی اس مومن کو کہتے ہیں جو اطاعت الٰہی میں مستقیم ہو۔استقامت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مداومت اختیار کرنا واجبات کی ادائیگی ،نوافل کی کثرت کرنا اور ممنوعات سے اجتناب کرنا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الذين قا لوا ربنا الله ثم استقامو ا تتنزل عليهم الملا ئكة الا تخا فوا ولاتحزنوا وابشرو ا با لجنة التى كنتم توعدون (حمٓ السجدہ ۳۰)

(بیشک وہ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھراس پر قائم رہے۔ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا تھا)

درج بالا آیت میں جس استقامت کا ذکر ہوا ہے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صدرالافاضل حضرت مولانا شاہ محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''حضرت صدیق اکبر سے دریافت کیا گیا کہ استقامت کیا ہے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا استقامت یہ ہے کہ امر و نہی پر قائم رہے،حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا استقامت یہ ہے کہ عمل میں اخلاص کرے۔حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا استقامت یہ ہے کہ فرائض ادا کرے۔اور استقامت کے معنی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کو بجالائے اور معاصی سے بچے۔ (خزائن العرفان ص ۶۹۴ بریلی شریف)

اس وضاحت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں کو استقامت حاصل ہوتی ہے وہ انبیاء ومرسلین،صحابہ وتابعین اور اولیاء اللہ و بزرگان دین ہی ہوتے ہیں۔

سلسلۂ قادریہ کے مشائخین اور بزرگان دین اتباع شریعت پر سختی سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ان کے یہاں مذاہب باطلہ سے ارتباط کسی صورت میں روا نہیں اور خاص طور سے اس وقت جب مذہبی شناخت ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔اس سلسلہ کے مشائخ ہر دور

میں عقائد اہل سنت پر سختی سے گامزن رہے۔اس سلسلہ میں جن امور پر توجہ دی جاتی ہے وہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہیں۔اس کی ایک مختصر فہرست شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالے سے درج کی جارہی ہے۔

''ریاضت نفس،صبر جمیل،طلب مولیٰ،مصائب پر تحمل،لگا تار جد وجہد، علوم دینی کی پیاس،فقراء کی مجلس میں بیٹھنا،بادشاہوں سے اجتناب ،اغنیاء سے دوری،اللہ سے ہر وقت دعا والتجاء،شیطان کے مکر سے توبہ واستغفار،اللہ کی رحمت کا امیدوار،دل میں حزن ورقت،جولانئ فکر، اخوت ومودت،مساکین پر رحم،جود وسخا کا اختیار کرنا،بخل سے پرہیز، تمام امور میں میانہ روی،فواحشات سے اجتناب،الحب فی اللہ والبغض فی للہ،امر بالمعروف،نہی عن المنکر،دین کے معاملات میں سختی سے پابندی، طبیعت میں خوش مذاقی،احوال وکرامات کوترک کردینا،حکم قضا پر سر تسلیم خم کرنا،محبت شیخ میں غرق رہنا،اپنی توجہ شیخ میں لگائے رکھنا،تمام احوال میں جمعیۃ قلب کا اختیار کرنا،تمام اشیاء میں مشاہدہ حق کرنا''۔

(زبدۃ الآثار شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۱۸ ممبئی ۱۴۱۳ھ)

جو کچھ سطور بالا میں سلسلہ قادریہ کے تعلق سے کتاب وسنت اور اجماع امت کے اقوال ومعمولات کی روشنی میں ذکر ہوا وہی آج کل قادری سلسلہ کی خانقاہوں میں رائج ہے ۔اور جن قادری درگاہوں میں ان ضابطوں پر عمل نہیں ہورہا ہے انھیں چاہئے کہ ان اصول وضوابط پر جن کا سطور بالا میں کتاب وسنت کی روشنی میں ذکر ہوا اس پر سختی سے کاربند ہوں تاکہ اس سلسلہ کا تقدس نہ صرف یہ کہ منہیات شرعیہ سے محفوظ رہ سکے بلکہ اس زمانہ میں مادیت بیزار لوگ جو خانقاہوں اور اولیاء اللہ کے آستانوں کی طرف راغب ہورہے ہیں ان کی صحیح معنوں میں اصلاح بھی کرسکے۔

مشائخ قادریہ ہند اور اشاعت اسلام

پرچم توحید بلند کرنے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار اور بروایت دیگر دو لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام دنیا میں تشریف لائے۔بعض تفسیری روایات سے پتا چلتا ہے کہ ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا جنت الفردوس سے نزول ہندوستان میں ہی ہوا تھا۔ آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ہند کے نام کی مناسبت سے اس ملک کا نام ہندوستان پڑا اور انھیں کی اولاد کے ذریعہ اس ملک میں بت پرستی کی شروعات بھی ہوئی اور یہ سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ اس نے عربوں کو بت پرستی کے معاملہ میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ۔(تاریخ فرشتہ،محمد قاسم فرشتہ جلد اول ص ۶۵ دیوبند ۱۹۸۳ء) جب کہ عرب نے بت پرستی میں اتنی ترقی کی رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت تک مکہ باطل خداؤں کی آماجگاہ بن گیا اور خانۂ کعبہ جسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک خدائے برحق کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا اس میں تین سو ساٹھ بت رکھے گئے جن کی اہل عرب پرستش کیا کرتے تھے۔

پیغمبر اسلام احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے ۶۱۰ ء میں دین اسلام کا اعلان کیا تو ابتدا میں اہل مکہ نے بڑی مخالفت کی، جنگ وجدال کی نوبت بھی آئی اور میدان کارزار بھی گرم ہوا ۔کفار مکہ کے ظلم وتشدد کے باعث پیغمبر اسلام اگر چہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے مگر آٹھ ہی سال بعد فاتحانہ شان وشوکت کے بعد پھر مکہ واپس آگئے اور اس طرح صحابہ کرام کے ساتھ وہاں زندگی بسر کی کہ جو اسلام کے دشمن تھے اسلام کی خوبیوں اور مسلمانوں کے اخلاقی محاسن کے باعث رفتہ رفتہ اسلام کے قریب ہوتے گئے اور ایک دن وہ بھی آیا کہ اسلام اپنی خوبیوں کے باعث پوری دنیا میں پھیل گیا اور اسلام سے وابستہ تمام صحابۂ کرام پر مشتمل اسلامی معاشرہ پوری دنیا میں ایک مثالی معاشرہ بن گیا۔

اسلام کا سورج طلوع ہوتے ہی اس کی کرنیں چہار دانگ عالم میں پھیل گئیں۔ ہندوستان میں صوبہ کیرالا ساحل سمندر پر واقع ہے۔ جہاں کی مصنوعات اور پیداوار قدیم زمانہ سے ہی عرب میں متعارف تھیں۔لوگ بغرض تجارت عرب سے ہندوستان آتے اور ہندی مصنوعات اپنے ساتھ وہاں لے جاتے۔جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو وہ نہ صرف بحیثیت تاجر بلکہ ایک مبلغ کی حیثیت سے ہندوستان آکر یہاں کے لوگوں کو اسلام کے محاسن سے متعارف کرانے لگے۔اسلام چونکہ ایک تبلیغی مذہب ہے اس لئے باشندگان ہند عرب مسلم تاجرین کے حسن اخلاق سے بے حد متاثر ہوئے اور دھیرے دھیرے اسلام کی محبت ان کے دلوں میں سرایت کرنے لگی۔ان عرب تاجرین کے ذریعہ کتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا اس کی صحیح فہرست تو نہیں پیش کی جاسکتی تاہم اتنا مسلّم ہے کہ

”عرب مسلمان تاجروں کو دیکھ کر کچھ لوگ ضرور مسلمان ہوئے ہوں گے ان اسلام لانے والوں میں ملیبار کا راجہ چیرمان پرومال بھی تھا“۔

(ہند اسلامی تہذیب کا ارتقا،عماد الحسن آزاد فاروقی ص ۹۰ دہلی ۱۹۸۵ء)

جن صحابہ نے اس خطہ کو اسلام کی روشنی سے منور کیا ان میں حضرت مالک دینار کاسرکوٹ، حضرت تمیم داری کوئلانڈی اور حضرت مغیرۃ بن شعبہ کڈنگالور بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ہندوستان میں سب سے پہلی مسجد بھی انھیں حضرات نے کاسرکوڈ ساحل سمندر پر بنائی جہاں آج بھی پانچوں وقت نعرۂ تکبیر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔راقم السطور کو بھی بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اس مسجد میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

اس طرح ہندستان کے وہ تمام صوبہ جو ساحل سمندر پر واقع ہیں وہاں اسلام کی اشاعت نسبتاً ہندوستان کے اور دوسرے صوبوں سے پہلے ہوئی۔چاٹ گام صوبہ بنگال میں دوسری صدی ہجری میں اسلام پہونچا۔اس سرزمین پر سلاسل صوفیاء کے متعدد قافلے اترے اور اشاعت دین حق کا اہم کارنامہ انجام دیا۔تاریخ کے صفحات سے پتا چلتا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی اور حضرت جلال الدین تبریزی بھی تبلیغ اسلام کی غرض سے ہندوستان آئے اور بنگال کی سرزمین کو اپنی دعوتی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔بقول تاریخ فرشتہ

مہلب بن ابی صفرہ وہ پہلا شخص ہے جس نے بحیثیت مسلمان سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ پھر مسلم فاتحین اوران کے ساتھ علماء ومشائخ کا قافلہ سرفروشانہ جذبہ لے کر ہندوستان میں صرف آیا ہی نہیں بلکہ احقاق حق اور ابطال باطل کے تعلق سے انھوں نے گراں قدر خدمات بھی انجام دیں۔ ان مجاہدین اسلام کے ذریعہ اگرچہ ابتدا میں مالابار کے علاقہ میں اسلام کا اجالا پھیلا مگر رفتہ رفتہ اس کی کرنوں سے پورا ہندوستان کشمیر کی وادی سے لے کر کنیا کماری تک بقعۂ نور بن گیا۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مبلغین اسلام میں حضرت سیدنا سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ والرضوان (شہادت ۴۲۴ھ) نے جس مجاہدانہ عزیمت کا ثبوت دیا اسے کسی طرح جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ شمالی ہند کے بیشتر خطوں بطور خاص مشرقی اتر پردیش میں جو اسلام کی روشنی نظر آرہی ہے وہ آپ ہی کی شبانہ روز مساعی کا ثمرہ ہے۔ ہندوستان میں جن صوفیاء اور مشائخ کے دم قدم سے اسلام کا اجالا پھیلا اور اس کی تابانی سے توحید پرستی کی فضا ہموار ہوئی ان میں حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویری (وفات ۴۶۵ھ) سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری (وفات ۶۲۷ھ) قطب الہند حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب جیلانی (وفات ۶۰۳ھ) قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی (وفات ۶۳۳ھ) حضرت مخدوم صابر علاءالدین کلیری (وفات ۶۷۹ھ) حضرت گیسو دراز بندہ نواز گلبرگہ (وفات ۸۲۵ھ) حضرت عبدالرحمٰن بلال شاہ عرف بلبل شاہ کشمیر (وفات ۷۲۸ھ) شاہ ہمدان حضرت میر سید علی ہمدانی کشمیری (وفات ۷۸۶ھ) سید جمال الدین مغربی کرناٹک (وفات ۱۱۲۵ھ) بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی (وفات ۶۶۶ھ) شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (وفات ۷۸۲ھ) مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی اتر پردیش (وفات ۷۰۹ھ) حضرت بدیع الدین شاہ قطب المدار مکن پور (وفات ۸۴۴ھ) کے علاوہ بابا تاج الدین ناگپوری اس طرح صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کا ایک طویل سلسلہ ہے جن کے ذریعہ ہندوستان کے کونے کونے میں اسلام کی روشنی پہنچی اور کفر وشرک کے بادل چھٹے۔ چونکہ اس زمانہ میں نہ تو ریکارڈ رکھنے کا کوئی دستور تھا اور نہ ہی اسے محفوظ رکھنے کا کوئی طریقہ۔ ریکارڈ رکھنے کے تعلق سے جو

سہولیات اس زمانہ میں فراہم ہیں اس زمانہ میں میسر نہیں تھیں۔اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان صوفیائے کرام کے بدست کتنے اللہ کے بندے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ان تفصیلات کے نہ ملنے کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ ان صوفیائے کرام کی خدمات کا ازسر نو انکار کر دیا جائے۔جیسا کہ اس زمانے میں بعض نام نہاد روشن خیال حضرات کررہے ہیں۔اشاعت اسلام کے تعلق سے ان صوفیاء نے اس زمانہ میں جو حکمت علمی اختیار کی وہ آج بھی اسلام کے مبلغین کے لئے قابل تقلید ہے۔اس حکمت عملی کی صرف ایک مثال تقریب فہم کے کے لئے ذیل میں دی جارہی ہے تا کہ اشاعت اسلام کے تعلق سے ان کی مخلصانہ جدوجہد کا اندازہ لگایا جاسکے محبوب ذ والمنن کے مصنف لکھتے ہیں۔

''بعض حضرات صوفیائے کرام نے ہنود کی تالیف قلب کے لئے اپنے مریدین کو گوشت کھانے کی ممانعت کی اوران کے اوتاروں کو برا کہنے سے منع کیا۔اس کا اثر یہ ہوا کہ انہیں بزرگان سلف کے اخلاق سے سخت دل ہندو بھی اپنے دل کو موم بنا کر جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے۔اور اسلام کے طریقے پر ثابت قدم ہوئے بلا شبہ گوشت کھانے اور نہ کھانے اور ہندوؤں کو برا بھلا نہ کہنے سے اسلام میں کچھ خلل نہ ہوگا گوشت کا کھانا مباحات سے ہے۔اگر کوئی نہ کھائے تو مستحق عذاب نہ ہوگا''۔

(محبوب ذ والمنن تذکرہ اولیائے دکن،عبدالجبار خاں ص ۱۶۹ حیدرآباد)

جن صوفیا ومشائخ نے حکمت عملی سے اسلام کی تبلیغ فرمائی ان میں متعدد سلاسل سے وابستہ افراد تھے جو یکے بعد دیگرے ہندوستان آئے اور یہاں کی دعوتی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور جس خطہ میں پہنچے اپنی شبانہ روز مساعی سے اس خطہ کو اسلام کی روشنی سے تابدار کردیا۔بنگال میں اشاعت اسلام کے تعلق سے جناب انعام الحق صاحب لکھتے ہیں۔

''جن صوفیائے کرام نے بنگال کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا ان میں بلا امتیاز قادریہ، چشتیہ سہروردیہ اور نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ان حضرات کی رواداری اور انسانیت دوستی نے ہندوؤں پر

بہت اثر کیا‘‘۔(ہند اسلامی تہذیب کا ارتقاص ۱۰۷)

ہندوستان میں جن سلاسل نے اشاعت دین حق کے تعلق سے اہم خدمات انجام دیں ان میں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے افراد بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان سلاسل میں سب سے قدیم سلسلہ قادریہ اور چشتیہ ہے یہ دونوں سلسلے چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان آئے۔سلسلہ سہروردیہ ساتویں صدی ہجری میں برصغیر میں پہنچا، سلسلہ نقشبندیہ دسویں صدی ہجری میں اکبر اعظم کے عہد حکومت میں ہندوستان میں وارد ہوا۔ تمام سلاسل کے مشائخ نے جو اشاعت دین اسلام کے تعلق سے خدمات انجام دی ہیں اس پر ایک مبسوط مقالہ، لکھنے کی ضرورت ہے اس تعلق سے کچھ تفصیل راقم کی زیر طبع تصنیف " صوفیائے کرام اور دعوت دین" میں مل سکتی ہے۔، سردست ہم یہاں ان بعض قادری مشائخ کا ذکر کر رہے ہیں جنہوں نے ہندوستان میں اشاعت اسلام کی سرگرمیوں میں بھر پور حصہ لیا اور اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں سے ایک خلقت کو اسلام کی تابانیوں سے منور کیا اور ان کے اذہان وقلوب کو لذت اسلام سے آشنا کیا۔

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی فرزند غوث اعظم قطب الہند شیخ سیف الدین عبدالوہاب جیلانی علیہ الرحمہ چھٹی صدی ہجری میں حضرت خواجہ غریب نواز کے ہمراہ ہندوستان آئے تقریباً چھ ماہ تو خواجہ صاحب کے ہمراہ اجمیر مقدس میں رہ کر دین اسلام کی دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔اس کے بعد اپنے والد ماجد سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے حسب ارشاد خواجہ غریب نواز سے اجازت لے کر مارواڑ کے سوالکھ جنگل کی طرف چل پڑے۔اس پُر خطر جنگل میں ایک مندر تھا جہاں ہندو عقیدے کے مطابق پانچ پانڈوں نے پرستش کی تھی اور جپ وتپ میں اپنی زندگی کا گرانمایہ حصہ صرف کیا تھا۔اسی پُر خطر جنگل میں راجہ رائے پتھورا کی لڑکی سال میں دو بار پورے شاہی اعزاز کے ساتھ سیر وشکار اور مندر میں عبادت کے لئے آیا کرتی تھی۔اس خوف ناک جنگل میں جانے سے پہلے حضرت سیدنا شیخ عبدالوہاب جیلانی نے میڑتہ سٹی میں چالیس دن کا چلہ فرمایا تھا وہ چلہ آج بھی میڑتہ سٹی میں موجود ہے۔پھر آپ نے جنگل کا رخ کیا اور اس جنگل میں اسی مندر کے پاس اپنی اہلیہ

اور خادم کے ساتھ فروکش ہو گئے اسی مندر کے قریب ایک سایہ دار درخت کے نیچے پہلے تو آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور سجدۂ شکرادا کیا اور پھر وہیں مستقل رہنے لگے۔

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا اس سوالکھ جنگل میں راجہ رائے پتھورا کی لڑکی راج کنور سال میں دو بار شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ سیر وشکار کے لئے آیا کرتی تھی۔حضرت شیخ عبدالوہاب جیلانی کو وہاں قیام کئے ہوئے ابھی چند ہی یوم گذرے تھے کہ راج کنور پورے شاہی طمطراق کے ساتھ وہاں سیر وتفریح کے لئے پہنچی۔اس وقت اس کے ہمراہ نوسوسوار اور ایک ہزار پیادے تھے۔جب اس کالشکر سیر وشکار کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچا جہاں آپ کی اہلیہ اور خادم مظفر مقیم تھے تو انھیں آپ لوگوں کو اس خوفناک جنگل میں دیکھ کر لشکریوں کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی اور جب وہی لشکری مندر میں پرستش کے لئے پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص پیکر حسن وجمال وہاں عبادت الٰہی میں مصروف ہے یہ دیکھ کر وہ لوگ متعجب ہوئے۔ جب اس حیرت انگیز واقعہ کی خبر راج کنور کو ہوئی تو وہ آگ بگولہ ہوگئی کیونکہ وہ ایسی باپ کی بیٹی تھی جو ہر روز کسی مسلم کا خون ناحق کے بعد ہی ناشتہ کیا کرتا تھا اس نے فوراً ہی سب کو مارڈالنے کا حکم دیا مگر مثل مشہور ہے کہ جس کو خدا رکھے اسے کون چکھے۔جب سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سرقلم کرنے کے لئے مندر کے پاس پہونچے تو آپ کے جمال جہاں آرا پر نظر پڑتے ہی وہ سب دم بخود رہ گئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ سب کے پاؤں میں کسی نے بیڑیاں ڈالدی ہیں۔آگے بڑھنے کی ہی ان میں سکت نہ رہ گئی تھی ،اتنا سننے کے بعد آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو اور یہاں کیوں آکر میری عبادت میں خلل ڈال رہے ہو؟ تو انھوں نے کہا کہ ہم راج کنور کے خدام ہیں اس کے حکم سے آپ کا سرقلم کرنے یہاں آئے ہیں،آپ نے اپنا عصا زمین پر مارا کہ دفعۃً ایک کالا ناگ نمودار ہوا اس نے تمام فوجیوں کو گھیرے میں لے لیا، یہ منظر دیکھتے ہی وہ فوجی مارے ہیبت کے کانپنے لگے،اس مصیبت سے رہائی کے لئے منت وسماجت کرنے لگے اسی گفت وشنید میں صبح ہوگئی جب اس حادثۂ ناگہانی کی خبر راج کنور کو ہوئی تو خود حاضر ہوئی اور اس نے بھی منت وسماجت کی آپ نے اس کی عرضداشت کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا اور تمام

فوجیوں کو رہائی مل گئی۔آپ کے اس طرز عمل کا راج کنور کے دل پر گہرا اثر ہوا،آپ نے سب کو اسلام کی دعوت دی اور اس کے محاسن سے آگاہ کیا،راج کنور نے تمام لشکریوں کے ہمراہ جس میں نوسو سوار اور ایک ہزار پیادے تھے بیک وقت سب نے اسلام قبول کر لیا، آپ نے دختر راجہ کو اپنی مناکحت میں لے لیا اور قبول اسلام کے بعد ان کا نام زینب رکھا گیا۔ (عین القلوب العارفین،محمد یوسف البخاری ص ٦)

دختر راجہ راج کنور کی اس تبدیلیٔ مذہب اور حضرت سیدنا عبدالوہاب جیلانی سے عقد مناکحت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری پتھورا حکومت میں پھیل گئی۔اس نے ہر چند کوشش کی کہ یہ معاملہ درست ہو کر اپنی پہلی حالت پر عود کر جائے مگر ایسا نہ ہو سکا راج کنور کے اسلام قبول کرتے ہی راجہ رائے پتھورا جو خواجہ صاحب سے برسر پیکار تھا اس کی کمر ٹوٹ گئی اور اسلام قبول کرنے والوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہی رہا آج ہندوستان بطور خاص راجستھان اور ہریانہ میں جو اسلام کی روشنی نظر آرہی ہے اس میں آپ کی مساعی اور دعوتی سرگرمیوں کا کافی حصہ رہا ہے۔

حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی کے فرزندوں میں سید شفیع الدین محمد کی ذات سے دین اسلام کو بے حد فروغ ملا۔شہر گوکل کے راجہ کی دختر نے اسلام قبول کیا اور وہ آپ کی عقد مناکحت میں آئی۔راجہ کے ایک لڑکے نے بھی اسلام قبول کیا اور بعد میں اس کا اسلامی نام یحییٰ رکھا گیا۔(جواہر الاعمال یوسف ص ۴۸۸) حضرت شیخ عبدالقادر ثانی اور حضرت حامد گنج بخش کی ذات گرامی سے بے شمار بندگان خدا کو ایمان کی دولت ملی اور ہزار ہا افراد ان کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے۔

(شیخ عبدالوہاب جیلانی،غلام یحییٰ انجم ص ۲۱۸ دہلی ۱۹۹۹ء)

جو بزرگ سب سے پہلے ہندوستان کے بالکل جنوبی علاقہ میں آئے اور اندرون ملک میں ارشاد و ہدایت کا مرکز بن گئے ان میں ترچنا پلی کے سید سلطان مظہر ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء) جو حضرت خواجہ غریب نواز کی رحلت سے ۱۱/سال قبل وفات پا گئے خاص طور پر مشہور ہیں۔پہلے آپ نے ایران کے ہرمز شہر میں سید علی بادشاہ

جولق خلیفہ بابا ابراہیم کی بیعت کی اور ایک مدت تک مرشد کی خدمت کے بعد اپنے رفقا اور مریدین کے ہمراہ جن کی تعداد نو سو بتائی جاتی ہے۔سعادت حج سے شرفیاب ہوئے اسی دوران اشارہ ہوا کہ دکن جا کر اسلام کی اشاعت کیجئے اپنے مریدین کے ہمراہ تلگھاٹ تشریف لائے اور وہاں سے اسلام کی اشاعت کا آغاز کیا۔اس کے بعد ترچنا پلی تشریف لے گئے اور ۶۲۲ ھ ۱۲۲۵ء میں وہیں آپ کی وفات ہوئی۔آپ کا مزار ترچنا پلی کی ایک مشہور زیارت گاہ ہے جہاں ہندو و مسلمان دونوں قوموں کے لوگ کثرت سے حاضر ہوتے ہیں۔بلکہ ہندو زائرین کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔سرکاری گزٹیئر میں لکھا ہے کہ مدورا اور ترچنا پلی کے اضلاع میں کئی لوگوں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔

(آب کوثر ص ۳۵۸)

پیر صدر الدین سبزواری خراسان سے ہندوستان آئے سبزوار میں پیدائش ہوئی اور ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں ۷۱۸ھ/۱۳۱۸ء میں وفات پائی۔آپ اکثر غیر مسلموں کے درمیان رہتے تھے بیشتر غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔کفار و مشرکین انھیں ''مچھر ناتھ'' کہتے ہیں۔سندھ کے بہت سے خوجے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور انھوں نے ہی ان کا روضہ تعمیر کیا۔ان کے پانچ بیٹے تھے حسن کبیر الدین،ظہیر الدین،غیاث الدین،رکن الدین،تاج الدین،موخر الذکر کا مزار سندھ میں حیدر آباد کے قریب تنڈھو باگھو سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔اور سندھی خوجے ان کے بڑے معتقد ہیں لیکن پانچ بھائیوں میں سب سے زیادہ شہرت کبیر الدین حسن (وفات ۱۴۹۰ء) کو حاصل ہوئی۔امام وقت نے ان کے والد کی طرح انھیں بھی پیر کا خطاب دے رکھا تھا اور ہندوستان میں اپنا داعی اور وکیل مقرر کیا تھا ان کی نسبت ریاست بھاولپور گزٹیر میں لکھا ہے کہ انھوں نے بے شمار کفار و مشرکین کو مسلمان کیا اور ان کی نسبت مشہور ہے کہ جس کافر پر ان کی نظر پڑ جاتی وہ مسلمان ہونے کے لئے بے قرار ہو جاتا تھا۔انھیں ''حسن دریا'' بھی کہتے ہیں۔اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ

''ایک مرتبہ سندھ کے ہندوؤں کا ایک قافلہ گنگا کی جاترا کے لئے سندھ

سے روانہ ہوا جب یہ لوگ اوچہ شریف پہنچے تو سید کبیر الدین نے ان سے کہا کہ تم اتنی دور کیوں جاتے ہو میں تمھیں گنگا اور جمنا کے درشن یہیں کرادیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ وہ بولے کہ اچھا سید کبیر الدین نے کہا تم گنگا اور جمنا کی علامتیں نامزد کرلو اور پھر آزماؤ کہ یہ علامتیں یہاں نظر آجاتی ہیں کہ نہیں چنانچہ یہ علامتیں نامزد ہوئیں اور پیر صاحب سے کہا گیا کہ اپنی کرامات دکھائیں دوسرے روز صبح کے وقت یاتریوں نے دیکھا کہ جمنا اور گنگا دونوں ان کے قریب بہ رہی تھیں اور ان میں سب طے شدہ علامتیں موجود تھیں۔ چنانچہ یاتریوں نے اسلام قبول کیا اور پیر کبیر الدین حسن کا نام ''حسن دریا'' مشہور ہوا۔ (آب کوثر ص ۳۴۸)

حضرت شاہ جنید قادری (وفات ۹۹۹ھ) رحمۃ اللہ تعالی علیہ جو سلسلہ قادریہ کے انتہائی جلیل القدر شیخ گزرے ہیں۔ ان کے دست حق پرست پر سیکڑوں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

''سید شاہ جنید کے تبلیغ دین کا پرگنہ زمانیہ محمد آباد کے مختلف علاقوں کے رہنے والوں لوگوں پر اتنا اچھا ہوا کہ اٹھارہ گاؤں کے لوگ مسلمان ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے یہ لوگ سکروار پٹھان کہلائے''۔

(تذکرہ مشائخ غازی پور عبید الرحمان صدیقی ص ۳۱۸ دہلی ۲۰۰۱ء)

راجہ جیون جو صوبہ بہار کا ایک راجہ تھا اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ آئے دن توڑتا رہتا تھا، شیخ علی ہندی (وفات ۸۵۱ھ) بھی اس کے اس ظالمانہ رویہ کے شکار تھے ہزار منت و سماجت کے بعد بھی اس نے اپنے ظلم و تشدد میں کوئی تبدیلی نہیں کی تو سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے سرکار کے حکم پر سید محمد درویش سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ بغداد شریف کے فرزند ارجمند حضرت سید محمد قادری (وفات ۹۴۰ھ) اپنے چالیس جانثاروں کے ساتھ حضرت شیخ علی ہندی کی معیت میں ہندوستان کے صوبہ بہار میں ۸۴۶ھ یعنی نویں صدی ہجری کے وسط میں تشریف لائے اور راجہ جیون جو اپنے ظلم

وتعدی کی بنیاد پر مسلمانوں کی نیند غارت کئے ہوئے تھا اس سے بحث ومباحثہ کیا ہر چند اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ دائرۂ اسلام میں آجائے مگر اس کے دل ودماغ پر چونکہ کفر وضلالت کی مہر لگ چکی تھی اس لئے وہ اسلام کی لذتوں سے آشنا نہ ہوسکا مگر اسی دن سے اس کا زوال شروع ہوگیا راجہ جیون اور راجہ کرمون دونوں سرکش راجہ تباہ وبرباد ہوئے آپ نے انجھر کی زمین پر بیٹھ کر جو دین کی خدمت انجام دی وہ قابل ستائش ہے۔اشاعت دین حق کے تعلق سے جو روشنی بہار میں نظر آرہی ہے وہ آپ اور آپ کے چالیس خلفاء کی شبانہ روز مساعی ،انتھک جدوجہد اور فیضان نظر کا صدقہ ہے ہزار ہا افراد آپ کے دست حق پرست پر اسلام کی دولت بے بہا سے مشرف ہوئے۔(مناقب محمدیہ،علی شیر شیرازی ص ۵۰)

ہندوستان میں اشاعت اسلام کے تعلق سے تمام سلاسل کی سرگرمیاں اور ان کی شبانہ روز مساعی یکساں ہیں جناب انعام الحق بنگال میں اشاعت اسلام کے تعلق سے صوفیا ومشائخ کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ’’جن صوفیائے کرام نے بنگال کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا ان میں بلا امتیاز قادریہ چشتیہ،سہروردیہ اور نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے تھے ان حضرات کی رواداری اور انسانیت دوستی نے ہندوؤں پر بہت اثر کیا جن کے باعث لوگ کثرت سے داخل اسلام ہوئے‘‘۔
>
> (ہند اسلامی تہذیب کا ارتقاص ۱۰۷)

تنجور علاقہ مدراس میں ناگور نام کی ایک بستی ہے جسے حضرت سید عبد القادر ولی ناگوری (وفات ۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء) نے اپنے قدم مبارک سے سرفراز فرمایا۔آپ کی ولادت شمالی ہند کے شہر مانک پور میں ہوئی اور حج کے بعد مالدیپ کے راستہ جنوبی ہند میں آئے ،ترچنا پلی میں حضرت سیدنا مظہر ولی کے مزار اقدس کی زیارت کی اور علاقہ تنجور میں ارشاد وہدایت میں مشغول ہوگئے ،ترام میں ایک مسجد تعمیر کی اور پھر ناگور جو ایک بڑی تجارتی منڈی ہے مقیم ہوگئے۔آپ کی آمد سے اسلام کی بڑی رونق ہوئی اور قریب کے گاؤں دھنا سری میں آپ نے حاکم اور رعایا دونوں کو مسلمان کیا۔تنجور کا راجا آپ کے معتقدین میں

سے تھا، اس نے ہی آپ کے مزار کے مینار تعمیر کرائے، آپ کے مزار پر ہندو مرد و خواتین کثرت سے حاضری دیتی ہیں اور منتیں مانگتی ہیں۔ (آب کوثر ص ۳۵۹)

اشاعت اسلام کے تعلق سے حضرت سیدنا شیخ عبد الحق محدث دہلوی قادری (وفات ۱۰۵۲ھ) کی خدمات کو کبھی بھی کوئی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے، حضرت محدث دہلوی کا شمار سلسلہ قادریہ کے اہم مشائخ میں ہوتا ہے انھوں نے اس سلسلہ کا فیضان بانی سلسلہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد حضرت سیدنا موسیٰ گیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل کیا جو ہندوستان میں فرزند غوث اعظم حضرت سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی ناگور شریف پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ نے سلسلہ کی تبلیغ کے علاوہ دینی علوم کی نشر و اشاعت میں جو خدمات انجام دیں وہ بلا شبہ قابل تقلید ہیں۔ ہندوستان میں اشاعت حدیث کا سہرا آپ ہی کے سر باندھا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کئی ایک مورخین نے لکھا ہے کہ آپ ہی کی ذات ستودہ صفات سے ہندوستان میں اشاعت حدیث کی گرم بازاری ہوئی اور بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ محدث دہلوی کا اصل میدان اور ان کی علمی خدمات کا خاص پہلو علم حدیث کی ترویج و اشاعت ہی ہے اور حقیقت میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کے تعلق سے دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں ہے۔

''ان کی بدولت ہندوستان میں علم حدیث کے مطالعہ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی''۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۱۲ ص ۸۳ لاہور ۱۹۷۳ء)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے بعد ان کے بیٹے شیخ نور الحق دہلوی (وفات ۱۰۷۳ھ) نے بھی سرزمین ہند پر اشاعت حدیث کے تعلق سے بڑی اہم خدمات انجام دیں، وہ علم و فضل میں اپنے والد کے سچے جانشین تھے۔ آپ کی علمی قابلیت کو دیکھ کر حضرت شیخ محدث دہلوی آپ کو اپنا وجود ثانی کہا کرتے تھے۔ حضرت شیخ نور الحق کو صحیح البخاری سے خصوصی لگاؤ تھا آپ نے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح بھی " تیسیر القاری " کے نام سے لکھی ہے جسے مصنف نے اورنگ زیب عالم گیر سے معنون کیا ہے۔ یہی شرح مطبع علوی محمد علی حسن لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ حیات شیخ عبد الحق دھلوی کے مصنف

لکھتے ہیں۔

''شیخ نورالحق نے اپنے والد کی طرح بیشتر وقت علم حدیث کی نشر واشاعت اور تبلیغ وترویج میں صرف کیا''۔

(عبدالحق محدث دہلوی، علیم اشرف خاں ص ۵۸ دہلی ۱۹۹۴ء)

ہادی ہریانہ شیخ محمد رمضان قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (شہادت ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) نے جس حکمت عملی سے ہریانہ کے لوگوں کو کفر وشرک اور غیر اسلامی رسم ورواج کے دلدل سے نکالا وہ آپ ہی کا بلاشبہ قابل تقلید کارنامہ ہے۔آپ نے بستی بستی قریہ قریہ جاکر اسلام کی حقانیت وصداقت کا پیغام پہنچایا اور انہیں مشرکانہ رسوم کی خرابیوں سے آگاہ اور غیر اللہ کی پرستش کے مضر اثرات سے باخبر کیا۔ جو آپ کی مجلس میں آتا وہ آپ کی باتوں سے کچھ نہ کچھ اثر ضرور قبول کرتا۔علاقہ پٹیالہ موضع ''جھنڈا'' کا ایک واقعہ ہے۔

''ایک بدنصیب باپ علاقہ کی مشرکانہ رسوم میں بری طرح گرفتار تھا اپنی چھ لڑکیوں کو زندہ درگور کر چکا تھا، ساتویں بچی کو دفن کر کے واپس آرہا تھا ہادیٔ ہریانہ حضرت شیخ محمد رمضان قادری ایک جگہ وعظ فرمارہے تھے اور لوگ آآ کر آپ کے ہاتھ پر رسم دختر کشی سے تائب ہورہے تھے۔ یہ شخص بھی روتا ہوا آیا اور آپ سے تمام ماجرا بیان کیا آپ اسی وقت قبرستان تشریف لے گئے قبر کھدوائی تو لڑکی ایک مٹی کے برتن میں زندہ پائی گئی لڑکی کو باپ اپنے گھر لے گیا''۔ (مآثر الاجداد، منظور الحق صدیقی ص ۱۰۴ لاہور ۱۹۶۴ء)

حضرت شاہ محمد رمضان قادری مہمی نے اشاعت اسلام کے تعلق سے جو خدمات انجام دی ہیں اس سے حضرات صحابہ کرام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اس کا اعتراف ہندوستان کے نامور عالم دین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی کیا ہے۔ایک مرتبہ ایک انگریز نے ان سے سوال کیا کہ کیا اس زمانہ میں ایسا کوئی شخص ہے جو صحابہ کے مشابہ ہو تو آپ نے فرمایا ہاں! انھوں نے شوق زیارت کا اظہار کیا، بات مان لی گئی، تاریخ مقرر ہوگئی شاہ صاحب نے مہم سے شاہ محمد رمضان کو اپنے یہاں بلا کر اندر بٹھا لیا مگر انھیں بتایا کچھ نہیں اس

روز مدرسہ میں ایک جم غفیر موجود تھا مسٹر آکرلونی جنھوں نے سوال کیا تھا وہ بھی آئے تھے ۔حضرت شاہ صاحب دہلوی حضرت شاہ محمد رمضان مہمی کا ہاتھ پکڑے باہر نکلے اور فرمایا۔

''میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں مثل اصحاب کرام یہ صاحب میاں محمد رمضان صدیقی مہمی ہیں۔ مجمع میں سے کسی نے پوچھا کہ مثل اصحاب کرام در سیرت وہم درصورت آپ نے فرمایا ہم درصورت وہم در سیرت۔ اس وقت حضرت شاہ محمد رمضان پر رقت طاری ہوگئی اور روتے ہوئے فرمایا کہ ہاتھی کا بوجھ گھوڑے پر رکھا جارہا ہے''۔

(مآثر الاجداد ص ۹۶ بحوالہ روضۃ الرضوان ص ۶۷)

ہریانہ میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت آپ کی ذات سے ہوئی آپ کو سلسلہ قادریہ کا فیضان، قطب الہند شیخ سیف الدین عبدالوہاب جیلانی ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واسطہ سے ملا تھا۔آپ بڑے وجیہ شخصیت کے مالک تھے، جب آپ حج کرنے تشریف لے گئے تو آپ کی وجاہت اور شباہت کو دیکھ کر عربوں نے آپس میں کہا کہ ہندوستان کا بادشاہ درویشوں کے بھیس میں آیا ہے۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اس دور میں اگر کوئی عمل میں صحابہ کرام کے مشابہ ہے تو وہ حضرت شاہ محمد رمضان قادری ہیں ۔آپ کی ذات سے آپ کے معاشرہ میں بڑی خوش گوار تبدیلیاں آئیں "تذکرہ صوفیائے میوات "کے مصنف نقیب الاولیاء ج۲ص ۵۷ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

''ہریانہ میوات اور سوتر کے ہزاروں کافر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور بلا مبالغہ لاکھوں نے کفر وشرک سے آپ کے ہاتھ پر توبۃ النصوح کی''۔

(تذکرہ صوفیائے میوات، حبیب الرحمان میواتی ص ۴۷۸ دہلی ۱۹۸۴ء)

آپ کے زمانہ میں ہریانہ کے اندر عربوں جیسی قبیح رسمیں پائی جاتی تھیں ہر قوم کا جدا گانہ بت ہوتا تھا،لڑکیاں زندہ در گور کی جاتی تھیں، کیا مرد کیا عورتیں کھلے بند کفار کی رسوم کے پابند تھے۔ دھڑلّے سے مسلمان دیوی کو پوجتے تھے، پیپل، جنڈ کیئر کی پرستش کرتے تھے، آگ کو دیوی چراغ کا دیوتا مانتے تھے۔ان کا عقیدہ تھا کہ جس گھر میں آٹھوں پہر آگ

موجود رکھی جائے گی وہ گھر نہ صرف افلاس کی تاریکیوں سے محفوظ رہے گا بلکہ آگ کی جوت سے نعمتوں کی برکات کا نور اس گھر کے درو دیوار پر سورج بن کر چمکے گا''۔ایسے ماحول میں شیخ محمد رمضان شاہ قادری نے جس طرح اصلاحی اور فلاحی کام انجام دئے اس سے ہریانہ کے لوگ دولت ایمان سے مالا مال ہونے کے علاوہ تمدنی معاشی اور اخلاقی اعتبار سے اپنے ہم نسل ہندو راجپوتوں سے بدرجہا بہتر ہوگئے۔آپ نے مسلم راجپوتوں ہی میں سے چن چن کر ان لوگوں کی تربیت کی جو فطرتاً نیک اور گھناونے ماحول سے بیزار تھے۔

حضرت شاہ رمضان قادری نے ہریانوی سماج سے بہت سے سماجی برائیوں کا قلع قمع کیا، بلا شبہ ہریانوی سماج کے لئے آپ کی ذات کسی ابر کرم سے کم نہ تھی۔آپ ہی کی کوششوں سے ہریانہ کے مسلم راجپوت مردوں نے دھوتی چھوڑ کر تہہ بند اختیار کیا اور خواتین نے گھا گھرا اتار کر کے پاجامہ و شلوار کا استعمال شروع کیا، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

غیب سے ظاہر ہوا ابر کرم — جس کا سرِ مرکز تھا نیسان ِمہم

حضرت رمضاں نے باعزمِ درست — وعظ پر باندھی کمر ہمت کی چُست

قوم کو تعلیم کی تلقین کی — قوم کو باتیں سکھائیں دین کی

ان کو سمجھایا مفصل کھول کر — ٹھیٹ موٹی ان کی بولی بول کر

ہوگئی اک آن میں کایا پلٹ — شرک وبدعت کا گیا دفتر الٹ

گُل ہوا رسمِ جہالت کا چراغ — ہو گیا سر سبز پیغمبر کا باغ

لڑکیاں لڑکوں سے پیاری ہوگئیں — باغ میں پھولوں کی کیاری ہوگئیں

شرک میں ڈنکا بجا اسلام کا — راجپوتوں کا فلک پر غُل ہوا

اوندھے چولے دیوتاؤں کے ہوئے — ڈیڑھ پونے ماسواؤں کے ہوئے

زین خاں نے کی رہِ ملکِ فرار — لب کو بھولا نعرہ ٔ یا دمدار

کفر پر غالب ہوا حق کا چلن — شیخ سِدّو کا ہوا بکرا ہرن

گُل ہوا دیبی کی منت کا چراغ — ہے دلِ شیطاں میں حسرت کا یہ داغ

سرنگوں گوگا کا جھنڈا ہو گیا — جوش نارِ جہل ٹھنڈا ہو گیا

(تذکرہ صوفیائے میوات ص ۴۸۰)

حضرت مولانا فضل رسول بدایونی (وفات ۱۲۸۹ھ) جنھیں سیف اللہ المسلول کہا جاتا ہے آپ کا علمی پایہ بہت بلند تھا۔آپ کو اسی علمی وقار کے باعث دکن میں صدر الصدور کا منصب تفویض ہوا اس منصب پر وہ زیادہ دنوں تک فائز نہ رہ سکے مستعفی ہو کر اپنے بدایوں آگئے اور اپنے آبائی مدرسہ ''مدرسہ محمدیہ کو مدرسہ قادریہ کے نام سے شہرت بخشی۔انتہائی بے باک تھے۔اعلائے کلمۂ حق میں کبھی بھی آپ نے مصلحت سے کام نہیں لیا،جب شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان کے ذریعہ نجدیت اور وہابیت کے فتنہ کو فروغ دیا تو مولانا فضل رسول بدایونی نے انتہائی جرأت مندانہ انداز میں قلم سنبھالا اور بوارق محمدیہ اور سیف الجبار کے نام سے تقویۃ الایمان کی رد میں کتابیں لکھیں اور ان عبارتوں پر کڑی تنقید فرمائی،جن سے اسلام کی سچی تصویر مسخ ہو رہی تھی۔تذکرۃ الواصلین میں ہے۔

''ملک دکن میں اقامت کے وقت وہابیہ اور شیعہ کثرت سے آپ کے دست حق پرست پر تائب ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور مشرکین کی ایک بڑی جماعت کو آپ کی ذات سے ہدایت نصیب ہوئی''۔(تذکرۃ الواصلین،رضی الدین بسمل ص ۲۵۵ مطبوعہ ۱۳۱۸ھ)

حضرت مولانا فضل رسول بدایونی ان قادری مشائخ میں سے تھے جن کے ذریعہ گم گشتگان راہ کو راہ ہدایت ملی۔سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے آپ کو سچی عقیدت تھی۔آپ نے عالم بیداری میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی زیارت بھی فرمائی تھی۔آپ کی روحانی عظمت اور علمی تبحر کو دیکھ کر صاحب سجادہ آستانہ عالیہ قادریہ بغداد شریف نقیب الاشراف حضرت مولانا سید علی بغدادی علیہ الرحمہ نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی۔

مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں آپ کے نوک قلم سے منصۂ شہود پر آئیں جن کے ذریعہ اسلام کی نشر واشاعت اور اس کے تحفظ میں کافی فروغ ملا۔مصنف تذکرہ

علمائے ہند کے بقول آپ کی کئی ایک کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔
(تذکرہ علمائے ہند، رحمان علی ص ۱۶۴ لکھنؤ ۱۹۱۴ء)

حضرت مولانا نقی علی خاں قادری (وفات ۱۲۹۷ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسلام کی نشر واشاعت کے تعلق سے کافی اہم خدمات انجام دی ہیں آپ کے والد ماجد حضرت مولانا رضا علی خاں نے ۱۲۴۶ھ میں بریلی کی سرزمین پر مسند افتاء قائم کی کچھ دنوں تک تو انھوں نے خود ہی فتویٰ نویسی کا کام انجام دیا بعد میں یہ خدمت آپ کے سپرد ہوئی۔ ۱۲۹۶ھ تک بڑی ذمہ داری کے ساتھ آپ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔اسلامی علوم وفنون کی نشر واشاعت سے جو آپ کو والہانہ لگاؤ تھا اس کا ذکر نواب نیاز احمد خاں ہوش (وفات ۱۲۹۲ھ) نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیل کھنڈ نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ''مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کا گل اسلام تازہ رنگ لا یا یعنی اکثر اشخاص کو تعلیم علم کا شوق دلاتے تھے اپنا وقت دینیات کے پڑھنے میں بہت صرف کرتے تھے ہنگام کلام دریا بہ جاتا ہے''۔

(سرور القلوب (تقریظ) ص ۶)

حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری (وفات ۱۳۴۰ھ) جنھیں عہد حاضر میں ہندوستان کے اندر مسلک اہل سنت وجماعت کا امام تسلیم کیا جاتا ہے آپ نے دین اسلام کی ترویج واشاعت اور اس کے تحفظ وبقا کے لئے دشمنان دین اور منافقین اسلام سے مسلسل نبرد آزمائی کی، ایسے ماحول میں جہاں رسول مقبول ﷺ کے تعلق سے نت نئے دن بھانت بھانت کے فتنے جنم لے رہے تھے، کہیں سید الانبیاء احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کو اپنا مثل ثابت کرنے پر زور قلم صرف کیا جارہا تھا، کہیں انھیں مجبور محض بتا کر مومن کامل بننے کا ڈھنڈھورا پیٹا جارہا تھا، کہیں سرکار کے علم مبارک کو شیطان لعین اور مجنوں کے علم سے کمتر ثابت کر کے غلامان مصطفےٰ کو راہ راست سے ہٹانے کی جد وجہد کی جارہی تھی، اور کہیں یہ دعویٰ کیا جارہا تھا کہ اگر سرکار دوعالم ﷺ کے جیسا دوسرا نبی آ بھی جائے تو ان کی خاتمیت پر کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔آئے دن اس طرح کے فتنوں کو جنم دے کر مسلمانان ہند کے دلوں سے عظمت

رسول کھرچ کر پھینکنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی۔ ایسے ماحول میں ان فتنوں کو قلع قمع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری کے قلم کو وہ توانائی بخشی جس نے ایوان نجدیت میں زلزلہ پیدا کردیا۔ آپ نے اثبات حق کے لئے جو اشہب قلم کو مہمیز کیا تو زندگی کی آخری سانس تک بلا تکان چلتا رہا اور جب تک دم میں دم رہا دشمنان اسلام کی سرکوبی اپنے قلم حق رقم سے فرماتے رہے۔ سیکڑوں کتابیں آپ نے منکرین عظمت رسول مقبول ﷺ کی تردید میں لکھ کر ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں پر احسان عظیم کیا ہے۔ بروقت اگر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین سے نبرد آزما ہونے کی توفیق آپ کو نہ دی ہوتی تو آج ہمارے پاس ایمان کی دولت لازوال کے علاوہ سب کچھ ہوتا۔

(سوانح اعلیٰ حضرت، بدرالدین احمد، ممبئی ۲۰۰۲ء)

حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری (وفات ۱۳۴۰ھ) کو سلسلہ قادریہ کا فیضان ہندوستان کی مشہور قادری خانقاہ سلسلہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ایٹہ کے صاحب سجادہ حضرت مولانا شاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ملا تھا۔ اس سلسلہ کو آپ کی ذات سے بے حد فروغ ملا آج یہ سلسلہ پورے عالم اسلام میں ''سلسلہ قادریہ رضویہ'' کے نام سے متعارف ہے اور اسلام کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری چودہویں صدی ہجری کے بے مثال عالم ربانی اور عابد شب زندہ دار صوفی تھے، علم وفضل کے جس مقام ومنصب پر فائز تھے اس صدی میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے ان کے برابر کھڑا کرنے کی کوئی جرأت کر سکے، یہ حقیقت ہے کہ بڑے بڑے ارباب علم وفضل آپ کے سامنے بونے نظر آتے ہیں، اسی علمی عبقریت کے اعتراف میں عرب علماء نے آپ کی تعظیم وتوقیر فرمائی اور آپ کی علمی عبقریت کو خراج تحسین ہی صرف نہیں پیش کیا بلکہ اجازات وسندات سے سرفراز بھی فرمایا۔ ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' میں ہے۔

''احمد رضا کو علمائے حرمین بڑی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ بعض علماء نے انھیں ''مجدد امت'' بھی لکھا ہے''۔

(دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۱۰ ص ۲۸۰ لاہور ۱۹۷۳ء)

آپ کی علمی قدر ومنزلت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۲۹۶ھ میں جب پہلی مرتبہ امام احمد رضا زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران وہاں کے مقتدر علمائے کرام مثلاً علامہ سید احمد زینی دحلان مفتی شافعیہ مکی، شیخ عبدالرحمٰن سراج مفتیٔ احناف مکہ مکرمہ سے سند حدیث حاصل کی اور شافعی عالم حسین بن صالح جمال اللیل آپ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ موصوف نے سند حدیث دینے کے علاوہ اپنی تالیف کردہ کتاب الجوهرة المضئية کی عربی شرح لکھنے کی فرمائش بھی کر بیٹھے۔ آپ نے ان کی اس خواہش کا احترام کیا اور صرف دو روز میں اس کتاب کی عربی زبان میں شرح لکھ ڈالی اور اس کا نام النيرة الوضئية فى شرح الجوهرة المضئية رکھا۔اور جب ۱۳۲۳ھ میں دوسری بار زیارت حرمین شریفین کے لیے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تو ان دنوں علمائے حرم کے درمیان نوٹ کے متعلق ایک استفتاء عقدۂ لا ینحل بنا ہوا تھا۔ جب یہ مسئلہ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے صرف حافظہ ہی کی بنیاد پر قلم برداشتہ عربی زبان میں ایک ایسا جامع جواب لکھ کر ان حضرات کی بارگاہ میں پیش کر دیا جسے دیکھ کر وہ سب عالم حیرت میں ڈوب گئے اس کتاب کا تاریخی نام كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم (۱۳۲۳ھ) ہے۔اسی سفر میں علم غیب مصطفیٰ کے تعلق سے بھی علمائے مکہ نے آپ کی خدمت میں ایک استفتاء کیا جس کا چند گھنٹوں میں آپ نے ایسا محققانہ جواب دیا کہ جو آج بھی آپ کی علمی عبقریت پر دال ہے ۔ اس کا نام الدولة المكية بالمادة الغيبية (۱۳۲۴ھ) ہے۔اس کتاب پر علمائے حرم کی تقریظات سے کتاب اور مصنف دونوں کا علمی وقار اور معیار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، مسعود احمد لاہور ۱۹۸۸ء)

حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری نے اسلام کی نشر واشاعت اور دشمنان رسول مقبول ﷺ سے عظمت اسلام کی صیانت وحفاظت کے لئے اپنے تلامذہ، خلفاء، اور محبین کی ایسی ٹیم تیار کی جو آج بھی اپنی خدمات بڑی تندھی کے ساتھ انجام دے رہی ہے۔

مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی (وفات ۱۳۷۴ھ)حضرت مولانا احمد رضا خاں کے اجلہ خلفاء میں سے تھے انھوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اشاعت اسلام میں صرف کیا ہزار ہا افراد نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کیا اور دولت ایمان سے بہرور ہوئے پورے چالیس سال امریکہ افریقہ انگلینڈ انڈونیشیاء،سنگاپور، ملایا، چین، جاپان، کناڈا، فرانس،ٹرینی واڈ اور فلپائن آپ کی دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کا مرکز رہا پچاس ہزار سے زائد غیر مسلموں نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کیا اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں بورینیو کی شاہزادی، ماریشش جنوبی افریقہ کے فرانسیسی گورنر مروات،ٹرینی ڈاڈ کی خاتون وزیر اور ڈاکٹر صادق جارج اینٹونوف جیسے ممتاز امریکن سائنسداں کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

(تاریخ مشائخ قادریہ، غلام یحییٰ انجم جلد۲ص ۴۱۹ دہلی ۲۰۰۲ء)

ہندوستان میں شدھی تحریک کے زمانہ میں ہندو، مسلمانوں کوزبردستی اسلام سے بیزار کر کے ہندو بنایا جارہا تھا۔ہندوؤں کے اس عمل سے نہ جانے کتنے مسلمانوں نے ہندو مذہب قبول کر بھی لیا تھا۔ہندوؤں کی اس شدھی تحریک کا مقابلہ علمائے اہل سنت کی ایک انجمن جماعت رضائے مصطفےٰ نے کھل کر کی ور علما کی ایک جماعت اس کے سد باب کے لئے میدان عمل میں نکل آئی۔اس موقع پر مناظر اعظم ہند حضرت مولانا حشمت علی خاں قادری (وفات ۱۳۸۰ھ)نے جس جرأت وبے باکی کے ساتھ باطل پرستوں کا دنداں شکن جواب دیا وہ انتہائی توجہ کے قابل ہے۔پنڈت شردھا نند موضع آنور تحصیل گوردھن ضلع متھرا میں مسلمانوں کوشدھی بنانے کے لئے آیا تھا، جب اس کی خبر مولانا حشمت علی کو ہوئی تو آپ بھی اس مقام پر پہنچ گئے اور پہنچتے ہی آپ نے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے مناظرہ کا چیلنج دے دیا پھر کیا ہوا اس کی تفصیل مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مصطفےٰ رضا (وفات ۱۴۰۲ھ) کی زبانی سنئے وہ فرماتے ہیں۔

> ’’مولانا (حشمت علی) کے اسلامی جوش کی یہ کیفیت ہوئی کہ انھوں نے ایک شخص کی معرفت یہ پیغام بھجوایا کہ ایک گڈھا کھود کر اس میں آگ جلوائی جائے ہم اور آپ ہاتھ میں ہاتھ لے کر اس میں کود پڑیں تو دنیا حق وباطل

اور صادق اور کاذب کا فرق دیکھ لے گی اور انشاء اللہ حق ظاہر ہو جائے گا۔
پنڈت (شردھانند) صاحب نے اس سے بھی انکار کر دیا لیکن موضع کے
راجپوتوں نے اس سے بہت برا اثر لیا یہاں تک کہ ایک تھوک جس کا نام
''بھیلا'' ہے وہ بفضلہٖ تعالیٰ آریوں کے اثر سے بالکل محفوظ رہا''۔
(مفتی اعظم حصہ اول ص ۱۲ عبدالوحید بیگ بحوالہ ''دبدبہ سکندری ۳۰ / اپریل ۱۹۲۳ء)

حضرت مولانا شاہ احمد نورانی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء) نے اس پلیٹ فارم سے اپنے والد ماجد مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی کے مشن کو پھر سے جاری کیا اور اس سلسلہ میں ۱۹۵۵ء میں مصر، ۱۹۵۷ء میں روس، ۱۹۵۹ء میں مشرق وسطیٰ، ۱۹۶۰ء میں شرقی افریقہ، مڈغاسکر، ماریشش، ۱۰۶۲ء میں صومالیہ، کینیا، اسکینڈ یونین، ۱۹۶۴ء میں امریکہ، کینیڈا، ۱۹۶۵ء میں کینیا، تنزانیہ، یوگانڈا، مالاگاسی، اور ماریشش، ۱۹۶۷ء م، ۱۹۶۸ء میں برطانیہ اور امریکہ مغربی جرمنی، اسپین، تیونس ،الجزائر، ترکی، لیبیا کا تفصیلی تبلیغی دورہ کیا۔قائد اہل سنت شاہ احمد نورانی نے ایک سفر روس کا مولانا عبد الحامد بدایونی، مسٹر راغب حسن، اور سید عبد المنعم عددی کے ہمراہ کیا۔قائد اہل سنت جہاں جہاں بھی گئے اپنی شیریں بیانی اور زور استدلال سے کافی لوگوں کو متاثر کیا مولانا محمد اشرف آصف جلالی کے بقول:

''مولانا کا انداز بیان اتنا شستہ اور شیریں ہوتا ہے کہ عمومی گفتگو سے بھی سماعت کا جی نہیں بھرتا۔ پیرس میں کانفرنسوں کو خطاب کرنے کا ان کا ایک منفرد انداز ہے۔ لاکھوں کے اجتماعات میں سامعین ان کی آواز ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں۔آپ کی باریک اور دلکش آواز حاضرین پر پھولوں کی برکھا برساتی ہے۔حق گوئی سینوں میں تمازت پیدا کرتی ہے۔ جب عشق رسالت مآب کی سوغات بانٹتے ہیں تو جذب وکیف کی دھنک میں رنگ بھر جاتا ہے۔ جب بے خودی کے عالم میں آیات قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو سامعین آنکھیں جھپکانا بھول جاتے ہیں ۔جب سنی

نوجوانوں کو ماضی کے جھروکوں سے اسلاف کا نمونہ دکھاتے ہیں تو روشن مستقبل کی شاخ امید ہری ہوجاتی ہے۔جب محراب گفتگو نظام مصطفےٰ کی طرف کرتے ہیں تو انقلاب کی بجلیاں چمکنے لگتی ہیں۔آپ کے انداز سخن کے لئے حالات کی سازگاری یا نامساعدی کی ہوا موافقت یا مخالف یکساں ہوتی ہے۔آپ اپنا موقف غیروں کے جھرمٹ میں بھی اطمینان اور بھاری بھرکم انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں''۔

(قائد تحریک نظام مصطفےٰ شاہ احمد نورانی ص ۳۳۲)

آپ کی شیرینی کے باعث ہی لوگ آپ کے دامن ہدایت وارادت سے وابستہ ہوئے روزنامہ پاکستان لاہور میں ہے۔

''پیرس کی ایک محفل میں مولانا نورانی وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک ہپی اچھلتے کودتے اسٹیج پر مولانا کی طرف بڑھے، مریدوں نے روکنے کی کوشش کی، مولانا نے اشارہ سے منع کیا اوران سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہیں؟ ہپی کہنے لگا ابھی جو گانا گارہے تھے اور پھر سناؤ مولانا سمجھ گئے اور تلاوت قرآن میں محو ہوگئے ۔ہپی فرط جذبات میں ناچنے لگے بالآخر جذبات دھرے کے دھرے رہ گئے۔قرآن کی عنایت نے انھیں مسلمان بنادیا اور وہ مولانا کے خادم خاص بن گئے''۔(یادوں کے نقوش ص ۱۲۰)

قائد اہل سنت نے عالمی تبلیغی دورے میں نہ صرف مشن کے برانچ قائم کئے، بلکہ سیکڑوں خطاب بھی انھیں باشندوں کی زبان میں فرمائے۔جس کے نتیجے میں ہزار ہا افراد نے اسلام قبول کیا اوران کے دلوں میں ایمان کا اجالا پھیل گیا۔جہاں اسلام کے نام لیوا نہیں تھے وہاں نعرہ تکبیر ورسالت کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ان کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے والوں کی لمبی فہرست ہے ماہنامہ ''سوئے حجاز'' کے مدیر لکھتے ہیں۔

''تبلیغی حوالے سے آپ نے تقریباً ساری دنیا کے دورے کئے ۱۹۹۵ء میں آپ نے ایک انٹریو میں ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ اس وقت تک اس فقیر

کے ہاتھ پر پچاس ہزار افراد دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں''۔

(ماہنامہ سوئے حجاز جنوری ۲۰۰۴ء)

اس تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا رہا۔ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ اور بقول کسے دو لاکھ لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔یادوں کے نقوش کے مصنف نے ایک لاکھ کا اعتراف کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''مولانا نورانی کے ہاتھ پر ایک لاکھ سے زائد غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا''۔

(یادوں کے نقوش ص ۳۲۴)

پیر سید محمد فاروق قادری سجادہ نشیں خانقاہ قادریہ گڑھی اختیار نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت شاہ احمد نورانی نے دو لاکھ لوگوں کو مسلمان کیا۔وہ اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں۔

''وہ ہفت زبان عالم تھے نام کے نہیں حقیقی مبلغ تھے۔ان کے ہاتھ پر دو لاکھ سے زائد غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔وہ عربی فارسی انگریزی سنسکرت اور متعدد زبانیں مادری زبان اردو کی طرح بولتے تھے وہ مجاہد تھے انہوں نے ہر آمر ہر غیر انسانی، غیر اسلامی فکر و شخصیت کے خلاف عمر بھر جہاد کیا وہ بولتے تھے تو منھ سے پھول جھڑتے تھے۔وہ متقی متورع اور شب زندہ دار تھے وہ اونچے درجہ کے باعمل سیاست داں تھے ان کو دیکھنے والے کے لئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ ایک نظر دیکھنے کے بعد نگاہیں ان کے چہرے سے ہٹا لے۔غالباً سیف الدین سیف نے انھی کے لئے کہا تھا۔

پھر پلٹ کر نگہ نہیں آئی ان پہ قربان ہو گئی ہو گی

(حضرت علامہ شاہ احمد نورانی ص ۴)

جن حضرات نے دوسرے ممالک میں ان کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے۔ان کی آنکھیں ان کے کارناموں کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئیں اور شخص واحد کے ان کارناموں کو دیکھ کر حیرت واستعجاب میں پڑ گئے ،مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی نے جب افریقی ممالک

کا دورہ کیا تو جو کچھ انہوں نے ان کے دعوتی کارناموں کے تعلق سے دیکھا وہ فرماتے ہیں۔

''افریقی ممالک میں شاہ احمد نورانی کے کام کو دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا سیکڑوں تعلیمی ادارے اخبارات ٹرسٹ،شفاخانے،انتہائی میکانیکی،انداز میں خدمت خلق میں مصروف تھے۔ لاکھوں لوگوں کی خدمت کرنے والے اور لاکھوں روپئے ماہانہ رفاہی کاموں میں خرچ کرنے والے مرد درویش نے ساری زندگی کرائے کے معمولی فلیٹ میں گزاردی''۔

(جہان رضا لاہور ص۲۰)

اس طرح قائد اہل سنت کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے بقول عبدالقدوس منہاس:

''افریقی ممالک کے ایک لاکھ سے زائد غیر مسلم نورانی کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے جب کہ ہزاروں قادیانیوں نے تائب ہوکر اسلام قبول کیا۔ ورلڈ اسلامک مشن کی شاخیں یوروپ وامریکہ میں بھی ہیں جہاں اس پلیٹ فارم سے کفرو دہریت اور قادیانیت کے سیلاب کا مقابلہ کیا جارہا ہے''۔(یادوں کے نقوش ص۷۶)

ذیل میں افریقہ کے تبلیغی سفر کی روداد کا ذکر کیا جارہا ہے۔

''۱۹۸۷ء میں شاہ احمد نورانی کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ کے تبلیغی دورہ پر روانہ ہوئے مولانا نے وہاں کے میئر کی جانب سے شہریوں کے استقبالیہ میں'' اسلام بیسویں صدی کے چیلنج کو قبول کرتا ہے'' کے عنوان سے انگریزی میں خطاب کیا۔جس میں کہا کہ اب دنیا بھر میں غیر مطمئن اور بے چین انسانوں کو اسلام کی اکملیت اور جامعیت کا احساس ہورہا ہے۔ کیپ ٹاؤن کے میئر نے جوابی خطاب میں مولانا کو سفیر اسلام کے خطاب سے مخاطب کیا۔اس دورے میں ۱۰۵/افریقی یوروپی اور مقامی افراد نے اسلام قبول کیا''۔(یادوں کے نقوش ص۳۰۷)

قُربِ قیامت کی نشانیاں

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے قرب قیامت کے تعلق سے کچھ پیشین گوئیاں کی ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔انسان کو نیند کے علاوہ سکون نہ ملے گا۔
۲۔اہل مشرق اہل مغرب کی تعریف کریں گے۔
۳۔عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ چلیں گی۔
۴۔لوہا سونے سے زیادہ قیمتی ہو جائے گا۔
۵۔چاندی جیسی ایک قیمتی دھات زمین سے نکلے گی۔
۶۔گھروں کے مقابلے میں بازاروں میں بیٹھ کر کھانا کھانا پسندیدہ سمجھا جائے گا جائے گا۔
۷۔کٹے ہوئے دامن کا لباس پہنا جانے لگے گا۔
۸۔عورتیں بے حیائی اور بے شرمی سے گھر سے باہر آوارہ پھریں گی۔
۹۔لوگ صبح کو سورج نکلتے وقت سوتے رہیں گے۔
۱۰۔اور پرندوں کی طرح آسمانوں میں ایک جگہ سے دوسری اڑتے پھریں گے۔
۱۱۔اپنے خیالات اور افکار کو ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بہت جلد بھیج دیا کریں گے۔
۱۲۔لوہے کے ہاتھوں سے کھانا کھائے جائیں گے۔
۱۳۔لوہے پلنگوں اور بستروں پر لوگ سوئیں گے۔
۱۴۔ایسی بے جان سواریاں ہوں گی جو زمین کے سینوں کو چیرتی ہوئی ہزاروں میل کا سفر کریں گی۔
۱۵۔ماں باپ کی عزت واحترام ختم ہو جائے گا‘‘۔

(الفیض التقی فی حل مشکلات ابن عربی ص ۳۶)

باب دوم

ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ

سلسلۂ قادریہ کے بانی

محبوب سبحانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی

علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی ولادت ایران کے مشہور صوبہ گیلان میں قصبہ نیفا اور براویت دیگر یلق میں صحیح روایت کے مطابق اول شب ماہ رمضان المبارک ۴۷۱ھ کو ہوئی ۔ یہ صوبہ ساحل کیپسین پر واقع ہے۔اس کے مغرب میں ''آذر بائیجان'' مشرق میں ''مازندران'' جنوب میں ''قزوین'' اور شمال میں ایک دریا ہے جو اس صوبہ کے درمیان حد فاصل کا کام کرتا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کے والد ماجد کا نام حضرت ابوصالح موسیٰ جنگی دوست اور والدہ ماجدہ کا نام ام الخیر فاطمہ تھا جو مشہور صوفی بزرگ حضرت عبداللہ صومعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صاجزادی تھیں۔والد ماجد کی طرف سے شجرۂ نسب حضرت امام حسن اور والدہ ماجدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب حضرت امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر منتہی ہوتا ہے اس لئے آپ بلا شبہ حسنی اور حسینی سید ہیں، حسنی شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

''شیخ عبدالقادر جیلانی بن ابی صالح موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ زاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنیٰ بن ابی محمد الحسن بن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین''۔

والدہ ماجدہ کی طرف سے جو شجرہ شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک

پہنچتا ہے وہ اس طرح ہے۔

''ام الخیر امۃ الجبار بنت عبداللہ صومعی بن ابی الجمال بن محمد بن ابی محمود طاہر بن سید ابی العطا عبداللہ بن سید ابی کمال عیسی بن سید علاء الدین محمد الجواد بن امام علی رضا بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم''۔

آپ کا نسب نامہ حضرت شیخ ابراہیم السامرائی کے بقول چاروں خلفائے راشدین سے ملتا ہے۔

اوست در جملہ اولیاء شہباز چو پیغمبر درانبیاء ممتاز

آپ کی والدہ ماجدہ انتہائی عارفہ کاملہ تھیں روز وشب کے معمولات یاد الٰہی میں بسر ہوتے، والدہ ماجدہ کے شکم میں خلاف فطرت آپ سترہ مہینے رہے۔ ۱۷/ماہ مکمل ہونے کے بعد ایک شب جب آپ کی والدہ ماجدہ نماز تہجد سے فارغ ہوئیں کہ اچانک دردزہ ہوا آپ کے والد ماجد کسی دایہ کو بلانے گھر سے باہر گئے تو دشمنوں کے خوف سے گھر کا دروازہ بند کر گئے۔ لیکن جب وہ دایہ شمعونہ بنت جفان کو لے کر آئے تو گھر کا منظر کچھ عجیب تھا دروازہ کھلا ہوا تھا، ہر طرف روشنی بکھری ہوئی تھی، مسلسل انوار وتجلیات کی بارش ہو رہی تھی۔ آسمان سے بادل کا ٹکڑا اندر آتا اور روشنی بکھیر کر واپس چلا جاتا، والد ماجد نے جب اس کی تفصیل آپ کی والدہ سے جاننی چاہی تو انھوں نے فرمایا:

''آپ کے جاتے ہی پہر رات رہے لڑکا پیدا ہوا اور مکان کا دروازہ خود بخود کھل گیا اور یہ ابر کے ٹکروں کے آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا، یہ خوشبو، یہ خنکی اور یہ روشنی اسی نومولود لڑکے کی بدولت ہے''۔

(حقیقت گلزار صابری ص ۵۰)

آپ کی ولادت کے وقت سے ہی ظہور کرامت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

۱۔ جس رات آپ کی ولادت ہوئی اس رات جیلان میں کسی لڑکی کی ولادت نہیں ہوئی۔

۲۔ ولادت کے وقت ذکر الٰہی سے آپ کے لب ہائے مبارک جنبش میں تھے۔
۳۔ آپ کی ولادت رمضان المبارک کی چاند رات ہوئی اس لئے آپ نے پورے رمضان دن میں دودھ نہیں پیا۔صرف افطار کے وقت ہی دودھ پیتے۔
۴۔جس وقت آپ شکم مادر میں آئے اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ کی عمر ساٹھ سال کی تھی اور عام طور پر اس عمر میں توالد وتناسل کے امکانات ختم ہوجاتے ہیں۔
۵۔ ولادت کے وقت آپ کا چہرہ اس قدر روشن تھا کہ جو عورت بھی آپ کو دیکھتی وہ دیکھتی ہی رہ جاتی۔(محبوب المعانی (قلمی) ص ۴۱۸)

جب شعور بیدار ہوا، پڑھنے کے قابل ہوئے،تو والدہ ماجدہ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے مجھے اللہ تعالیٰ کے کام کے لئے چھوڑ دیجئے اور مجھے اجازت دیجئے تاکہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بغداد چلا جاؤں۔جب والدہ ماجدہ نے وجہ دریافت کی اور میں نے اپنا مقصد بیان کیا تو وہ بے ساختہ رونے لگیں،اٹھ کر گھر میں گئیں اور اسّی دینار نکال کر لائیں اور کہنے لگیں کہ یہ تمہارے والد کی میراث ہے چالیس دینار دوسرے بھائی کے حصے کے انھوں نے نکال لئے اور چالیس دینار میرے حصے کے میرے جامہ میں بغل کے نیچے سی دئے اور مجھ کو سفر کی اجازت دے دی اور یہ عہد لیا کہ میں ہر حال میں سچ بولوں گا۔وہ مجھے رخصت کرنے کے لئے دروازہ تک آئیں اور ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے فرمایا:

اے فرزند جاؤ خدا کے لئے میں تم سے تعلق منقطع کرتی ہوں،اب قیامت
تک میری تمہاری ملاقات نہیں ہو سکے گی''۔(نفحات الانس ص ۴۵۴)

۱۸ر سال کی عمر ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں آپ نے بغرض تعلیم بغداد کا سفر کیا،بغداد جاتے ہوئے سفر میں ڈاکوؤں کا قافلہ ملا،جب انھوں نے آپ سے درہم و دینار کے بارے میں سوال کیا تو والدہ ماجدہ کے حکم کے بموجب آپ نے سب کچھ سچ سچ بتادیا اس سے سارے ڈاکو حیرت میں پڑ گئے اور پھر سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور ہوئے کہ جب یہ بچہ اپنی والدہ کے حکم کا اس طرح پاس رکھ رہا ہے اور ایک ہم ہیں اپنے خالق کے حکم کی نافرمانی میں لگے ہوئے اسی وقت ان سب لوگوں نے سچے دل سے توبہ کیا اور پھر خدا کے احکام کے

مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد و پیمان لیا۔

آپ کے ہاتھوں پر توبہ کرنے والے سب سے پہلے یہی ڈاکو تھے۔اٹھارہ سال کی عمر میں آپ بغداد پہنچے اور مدرسہ نظامیہ میں داخلہ لے کر تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔ حصول علم میں کن مصائب و مشکلات سے آپ کو دو چار ہونا پڑا اس کی تفصیل سوانح کی دوسری کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔یہاں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بغداد کی سرزمین پر آپ کے قدم پڑتے ہی رحمت وانوار کی بارش ہونے لگی۔ بھجۃ الاسرار میں نورالدین شطنوفی لکھتے ہیں۔

''آپ کی آمد سے عراق کی سرزمین پر ایسی بارش ہوئی کہ وہ سرسبز وشاداب ہوگئی، گمراہی زائل ہوگئی، ہدایت کا راستہ صاف ہوگیا،لکڑیاں خوشبودار ہوگئیں، صحرا محفوظ ہو گئے، کنکریاں موتی بن گئیں، پانی شہد بن گیا۔عراق کا سینہ محبت سے لبریز ہوگیا،اورآپ کے محاسن سے نجد کے دل میں وجد پیدا ہوگیا۔مشرق میں آپ کے نور ہدایت کی روشنی سے بجلی چمکنے لگی اور مغرب میں آپ کی عظمت کے ذکر سے گرج پیدا ہوگئی''۔

(بہجۃ الاسرار ص ۱۰۵)

بغداد پہنچنے کے بعد آپ نے بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ علمائے بغداد کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کر کے دینی علوم حاصل کئے اوران میں کمال حاصل کیا۔ابوزکریا یحییٰ بن الخطیب تبریزی، ابوالوفا بن عقیل البغدادی المظفری،ابوبکر احمد بن المظفر ، ابو غالب محمد بن الحسن الباقلانی اور قاضی ابوسعید (مبارک بن علی) المخرمی جیسے اساطین علم وفن سے اکتساب علم وفن کیا۔اور علوم وفنون میں مہارت پیدا کی، شیخ احمد دبّاس کی صحبت میں رہ کر روحانی تربیت حاصل کی آپ ہی نے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں مقتدائے اولیاء ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تھی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کے فضل وکمال اور علوم شرعیہ میں مہارت کے تعلق سے تو یہاں تک لکھا ہے کہ عراق کے علماء ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے طالبان علم وفضل کے آپ بلاشبہ مرکز بن گئے تھے۔تشنگان علم کی سیرابی کے لئے

حضرت ابوسعید مخرمی نے اپنا مدرسہ آپ کے سپرد کردیا جس میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ہزار ہا طلبہ نے اس علمی سرچشمہ سے اپنی پیاس بجھائی آپ کے درس کا چرچا دور دور تک ہوگیا مدرسہ کی عمارت ناکافی ہوگئی تو طلبہ مدرسہ ملحق رباط (سرائے) کے دروازہ پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے لگے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی ''حنبلی'' مسلک کے پیروکار تھے، مسلک احناف وشوافع چھوڑ کر اس مسلک کی پیروی کرنے کی وجہ یہ تھی کہ امام احمد بن حنبل کا مسلک روز افزوں زوال پذیر ہورہا تھا اس کے مقلد دن بہ دن کم ہوتے جارہے تھے اس لئے آپ نے اسی مسلک کی پیروی کی تاکہ یہ مسلک باقی رہ سکے اگر آپ نے اس مسلک کی پیروی نہ کی ہوتی تو یہ مسلک دنیا سے ختم ہوگیا ہوتا، یا پھر اس کے پیروکار پوری دنیا میں مٹھی بھر مسلمان رہ گئے ہوتے۔ آپ کی ذات گرامی دین اور اس کے احکام کو زندگی بخشنے کے لئے عالم وجود میں آئی تھی اس لئے آپ نے امام ابوحنیفہ کا مشہور مسلک چھوڑ کر فقہ میں حضرت امام احمد بن حنبل کی تقلید کی اور دوسرے فقہی مسالک کی طرح اسے بھی زندہ جاوید بنادیا۔ "تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے اسلام" کے مصنف لکھتے ہیں۔

> ''حضرت غوث پاک اپنے وقت میں امام زمانہ اور مجتہد دہر تھے تاہم آپ نے شافعی مسائل کی اقتدا کی اور بعد اس کے حضرت امام احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا تو حنبلی مسلک اختیار کرلیا۔ جب لوگوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مذہب غریب ہوگیا تھا چند معدود آدمی ہی اس مذہب کے پیرو رہ گئے تھے اگر میں یہ مذہب اختیار نہ کرتا تو چند برس میں یہ مذہب زائل ہوجاتا''۔ (تذکرۃ الکرام ص ۴۳۹)

شیخ عبدالقادر جیلانی نے دور طالب علمی سے روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے تک جس طرح ریاضت ومجاہدہ کیا اس کی نظیر تاریخ اسلام میں نہیں ملتی عراق کے جنگلوں میں پچیس سال آپ نے ایسے گزارے نہ کسی کو آپ جانتے نہ کوئی آپ کو جانتا تھا۔ اس دوران خواہشات نفس کا گلا گھونٹتے ہوئے مدائن کے ویران جنگلوں میں صحرا نوردی کرتے رہے

۔گری پڑی چیزیں کھا کر زندگی بسر کی ،پانی پر اکتفا کیا۔چالیس سال مسلسل عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ،پندرہ سال عشا کی نماز پڑھنے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر کرتے ۔صحرائے عراق کی سیاحت کے دوران آپ نے وہیں کس ایسی پہاڑی پر چلہ کیا جہاں کسی بزرگ (شیخ) کے قدم نہیں پہنچے تھے ۔ چھ چھ برس کے عرصہ کے بعد آپ نے سواسو کروڑ اسم ذات باری کے ورد مکمل فرمائے اور اٹھارہ برس مسلسل اپنے روزہ کا افطار خرمہ سے کرتے رہے۔ جب اس چلہ سے فراغت ہوئی تو آپ نے عہد کیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گا جب تک میرا خدا اپنے ہاتھ سے نہ کھلائے ،اس طرح آپ نے پورے ایک سال تک کچھ نہ کھایا اور نہ کچھ پیا اس دوران آپ مسلسل مراقبہ میں رہے، جب آپ ریاضت ومجاہدہ کے اس مراحل سے گزر رہے تھے تو حضرت ابوسعید مبارک بن علی مخرمی جو آپ کے شیخ خرقہ ہیں انھیں الہام ہوا، وہ فرماتے ہیں۔

''شب دوشنبہ گیارہویں محرم ۵۱۰ھ کو مجھے الہام ہوا کہ ایک ہمارا دوست ہمارے ہاتھ سے کھانا کھانے کا مشتاق ہے اور اسی امید میں ایک سال سے کچھ نہیں کھایا ہے صرف شغل نوری ملکوتی میں مصروف ہے۔ یہ حکم باطن سن کر میں اپنے مکان سے روانہ ہوا اس دن میرے گھر کھیر بنی تھی، میری زوجہ نے کھیر دسترخوان میں باندھ کر میرے حوالے کردی۔ جب گھر سے قریب ستر قدم باہر چلا گیا تو میں اسم اعظم جنیدیہ کی تلاوت شروع کردی ،نماز صبح کے قریب ایک پہاڑی پر شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملاقات ہوئی اور وہاں میں نے الہامی حکم کی تعمیل کی۔'' (حقیقت گلزار صابری ص ۵۰)

حضرت ابوسعید مخرمی (وفات ۵۱۱ھ) نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے حضرت ابوسعید مخرّمی کو بھی خرقہ پہنایا۔ جو خرقہ شیخ ابوسعید مخرمی نے آپ کو پہنایا وہ وہی خرقہ تھا جو سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو پہنایا تھا، جو حضرت حسن بصری اور دیگر مشائخ کے واسطے سے آپ تک پہنچا تھا۔اس خرقہ کی مزید تفصیل مراۃ الجنان جلد اول میں دیکھی جاسکتی ہے۔

علم ظاہری آپ نے بغداد کے علماء سے حاصل کی اور علم باطنی کے لئے آسمان روحانیت کے نیر اعظم حضرت حماد دباس (وفات ۵۲۵ھ) کی صحبت اختیار کی۔ انھی کی خدمت میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کیں اور شرف بیعت حاصل کیا۔ شیخ دبّاس کی صحبت نے آپ کو کندن بنا دیا تھا اور انھوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ ایک موقع سے فرمایا تھا۔

''اس عجمی کا ایسا قدم ہے کہ ایک وقت اس کا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوگا جس وقت اسے حکم ہوگا کہے گا'' میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے''
یہ جملہ فرماتے ہی تمام اولیاء اپنی گردنیں جھکا لیں گے''۔

(نفحات الانس ص ۴۵۶)

شیخ حماد دبّاس کا ۵۲۵ھ میں وصال ہوگیا مگر ان کی یہ پیشین گوئی صد فی صد درست ثابت ہوئی، ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ اپنی خانقاہ میں جلوہ افروز تھے، بغداد کے تقریباً پچاس اہم مشائخ آپ کے اردگرد ہالہ بنائے ہوئے تھے، اس وقت کے آسمان ولایت کے ماہ ونجوم میں حضرت شیخ علی ہیتی (وفات ۵۶۴ھ) شیخ بقابن بطو (وفات ۵۵۳ھ) شیخ ابو سعید قیلوی (وفات ۵۵۷ھ) شیخ ابو نجیب سہروردی (وفات ۵۹۰ھ) شیخ قضیب البان موصلی (وفات ۵۷۰ھ) اور شیخ ابو سعود کے اسما بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات سے آپ محو گفتگو تھے کہ دوران گفتگو آپ کی زبان حق ترجمان سے یہ جملہ نکلا۔

قدمی ھذہٖ علیٰ رقبة کل ولی اللہ
(یہ میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے)

یہ جملہ سنتے ہی سب اپنی گردنیں خم کر کے آپ کی سیادت وولایت کو تسلیم کیا اس وقت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان خرسان کے کسی پہاڑ میں مصروف مجاہدہ تھے۔ جب ان کے کانوں تک یہ آواز پہنچی تو انھوں نے سب سے پہلے اپنی گردن جھکا دی پھر فرمانے لگے بل علیٰ عینی وراسی صرف گردن پر ہی نہیں بلکہ میرے سر اور آنکھوں پر ہے۔

غوث اعظم درمیان اولیاء چوں محمد درمیان انبیاء

آپ تمام اولیائے کاملین کے سردار ہیں اور مرتبہ غوثیت پر اس وقت تک فائز رہیں گے جب تک حضرت امام مہدی کا ظہور نہیں ہوجاتا ہے۔ اقطاب، ابدال واوتاد کی تقرریاں آپ ہی کے ذریعہ ہوتی ہیں، دفتر ولایت بلاشبہ سرزمین بغداد میں ہے۔ صاحب ''منبع الانساب'' لکھتے ہیں۔

''اقطاب، وابدال اوراوتاد کی تقرری اور برخاستگی اوراحوال اولیاء کا سلب کرلینا حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک میں ہے۔ جسے چاہتے ہیں منصب ولایت سے برخاست کر کے دوسرے کو اس کی جگہ مقرر فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ ایک ابدال کی وفات ہوگئی حضرت کی خدمت میں ایک کافر قسطنطنیہ سے آیا ہوا تھا آپ نے اس کے بال تراشے، مسلمان بنایا، محمد نام تجویز فرمایا، اپنی کلاہ مبارک اس کے سر پر رکھی اور ابدال کی جماعت میں شامل کردیا۔
رجال غیب میں سے ایک فرد ہوا کے دوش پر کہیں جارہے تھے جب وہ بغداد مقدس کے سمت الراس پر (فضا) میں پہنچے تو ان کے دل میں خیال گزرا کہ بغداد مقدس میں کوئی دوسرا ان کا ہم پلہ نہیں ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کشف سے اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کا مرتبۂ حال سلب کرلیا وہ جوان فضا سے آستانہ غوث اعظم پر گر پڑے۔ سرکار غوث اعظم نے حضرت شیخ علی ہیتی کی سفارش سے ان کی خطا معاف کی انھوں نے توبہ کی اور پھر ہوا میں پرواز کرتے ہوئے چلے گئے''۔

(منبع الانساب ص ۴۲۰)

آپ کی عظمت کا اظہار قلم سے ممکن نہیں کہ بیان کر سکے۔ میدان نبوت میں جو عظمت سر بلندی پیغمبر آخر الزماں احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو حاصل ہے وہی عظمت وسربلندی باب ولایت میں سیدنا سرکار خوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کو حاصل ہے۔ کسی نے آپ کے فضائل ومناقب پر مشتمل طویل منقبت لکھی جس

کے چند بند ذیل میں نقل کیے جارہے ہیں۔

غوث اعظم شاہ جیلاں امر حق   قطب اقطاب آں من خیر خلق
کاشف اسرار سر سر مدی   واقف انوار نور احمدی
عالم توریت وانجیل وزبور   واقف ابطان فر قانی چونور
مخزن اسرار سّر ذوالجلال   شاہ عبد القادر صاحب کمال
خذ یدی من شر آفات الزماں   الاماں یا شاہ جیلاں الاماں
گلشن باغ نبوت را تو زیب   مسند قطبیت از تو در شکیب
حسنی ازجد وحسینی ہم زام   فائقی حقا تو از جملہ امم
زندہ دیں ازتو برجست ازتراب   یافتی از حق محی الدیں خطاب
چوں بقدم مصطفےٰ بروے قدم   ظلمت کفر از میاں شد منعدم
اسم تو رمزے نمود حرز جاں   الاماں یا شاہ جیلاں الاماں
انت نور من سراج الاحمدی   انت سرّ من رموز السر مدی
انت نور النور من نور النبی   انت سر السر من سر الخفی
شد ز تو ارباب دیں را افتخار   دم زنند ازوصف تو لیل ونہار
من چہ گویم وصف ایں خیر البشر   کنت خیرا امتاں را زیب و فر
نور شمع احمدی در تو عیاں   الاماں یا شاہ جیلاں الاماں
مہر ومہ درحکم توہم سال و ماہ   روز وشب از امر تو گیریند راہ
جملہ افلاک وزمیں وہر چہ ہست   زیر ید قدرتت ہستند پست
چوں توئی محبوب رب العالمیں   جملہ اشیا می نہند بر سر زمیں
ہر کہ گردن زیر حکم تو نہاد   مر اورا از ہر سے سری کشاد
اسم تو ورد زبان انس وجاں   الاماں یا شاہ جیلاں الاماں

(منبع الانساب، سیدمعین الحق حسینی ص ۱۴۱۸)

علم ظاہری اورعلم باطنی دونوں میں جب آپ پوری طرح سے آراستہ ہوگئے

تو آپ نے خلق خدا کی رشد وہدایت کے لئے وعظ وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا، پند وموعظت اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ بندگان خدا کی اصلاح فرمائی۔آپ نے اپنی زندگی کا سب سے پہلا وعظ ۵۲۱ھ/۱۱۲۷ء میں حلبہ کے مقام پر دیا جس میں عام بندگان الٰہی کے علاوہ بے شمار اولیائے کرام اور ملائکہ شریک تھے۔آپ کی وعظ وتبلیغ کی مجلسوں میں اس قدر بھیڑ ہونے لگی کہ تل رکھنے کی جگہ نہ ہوتی،سامعین کی کثرت سے جب مسجد ومدرسہ کی زمین ناکافی ہوگئی تو شہر کے باہر عیدگاہ کے کھلے احاطے میں وعظ وتبلیغ کی مجلسیں منعقد ہونے لگیں اور اس میں ہزار ہاہزار اور بقول صاحب بهجة الاسرار ستر ہزار افراد شریک ہونے لگے۔

وكان الناس يجيئون على الخيل والبغال والحمير والجمال ويقفون على دائر المجلس كالسور وكان يحضرالمجلس نحو سبعين الفا.(بهجة الاسرار ص ۹۲)

(لوگ گھوڑوں گدھوں کھچروں اور اونٹوں پر سوار ہوکر آتے اور مجلس وعظ میں شریک ہوتے بسا اوقات ان کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ جاتی)

آپ کے دور میں آپ کے خطبات کی بڑی دھوم تھی،مجلس وعظ میں حاضرین کی کثرت کے باعث مدرسہ کی جگہ تنگ ہوگئی۔۵۲۸ھ میں مدرسہ کی عمارت کی توسیع ہوئی اور اس کام کے لئے بیرون شہر وسیع وعریض میدان کا بھی انتخاب ہوا۔اکثر مورخین نے سامعین کی تعداد ستر ہزار سے زیادہ بتائی ہے جن میں اکابر مشائخ عراق،علمائے کرام، مفتیان عظام،کے علاوہ ملائکہ،جنات اور رجال الغیب بکثرت موجود ہوتے۔آپ کے وعظ وتبلیغ کا اثر براہ راست سامعین کے قلوب پر پڑتا اور وہ بجلی کی طرح اپنا کام کرجاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ہر مجلس میں مشرف بہ اسلام ہونے والوں اور بے عملی سے توبہ کرنے والوں کا تانتا بندھ جاتا۔آپ کے مواعظ وخطبات کا مجموعہ فتوح الغیب اور الفتح الربانی کے نام سے مطبوعہ شکل میں آج بھی دستیاب ہے،ان کا اردو زبان میں ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' میں ہے کہ

''آپ نے بیعت اور خانقاہی تربیت کے طریقوں کو بھی مرکز توجہ بنایا۔

بیعت کا طریق، اہل ارشاد میں پہلے سے مروج تھا۔لیکن شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسے وسعت اور تازگی بھی دی اور نظم وضبط بھی بخشا، شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ان کا جاری کردہ طریقہ قادریہ لاکھوں نفوس کوفیض یاب کر چکا تھا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ کے خلفا اور قادری خانقاہوں کا سلسلہ نہ صرف عالم اسلام میں اصلاح وارشاد کی ایک وسیع تحریک کی صورت اختیار کر گیا بلکہ غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کا ایک موثر ذریعہ بھی ثابت ہوا''۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ لاہور پنجاب جلد۱۲اص۹۳۴ مطبوعہ۱۹۸۶ء)

حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کی پوری زندگی عبادت اور بندگان خدا کی رشد وہدایت میں گذری آپ کی ذات اقدس سے اسلام کو بے حد فروغ ہوا۔آپ کے مریدین کی تعداد شمار سے بالاتر ہے جن صاحبان طریقت کو آپ نے خلافت کی دولت سے سرفراز کیا ان کی بھی طویل فہرست ہے جنھوں نے اکناف عالم میں اسی مشن کو آگے بڑھایا جس کی ترویج واشاعت میں آپ مصروف تھے۔ان میں سے چند مشاہیر کے نام یہ ہیں۔

۱۔حضرت شیخ ابوعمرو عثمان مرزوق قرشی (وفات۵۶۴ھ)
۲۔حضرت شیخ قضیب البان الموصلی (وفات۵۷۰ھ)
۳۔حضرت شیخ ابوالحسن الرفاعی (وفات۵۷۲ھ)
۴۔حضرت شیخ صدرالدین قونوی (وفات۶۳۰ھ)
۵۔حضرت شیخ موفق الدین مقدسی (وفات۶۲۲ھ)
۶۔حضرت شیخ ابوسعید قیلوی (وفات۵۵۷ھ)
۷۔حضرت شیخ احمد بن مبارک (وفات۵۷۲ھ)
۸۔حضرت شیخ ابوسعید بن شبلی (وفات۵۷۹ھ)
۹۔حضرت شیخ ابومدین شعیب المغربی (وفات۵۹۰ھ)

۱۰۔حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (وفات ۶۳۲ھ)

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا عقیدہ وہی تھا جو اس زمانہ میں علمائے اہل سنت وجماعت کا ہے۔وہ سلف صالحین کے مسلک پر پوری طرح کاربند تھے۔وسیلہ،علم غیب،تصرف واختیار، نہ صرف نبی کے لیے خاص مانتے تھے بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ کی عطا سے ہر اس کا مقرب بندہ اس وصف سے متصف ہوسکتا ہے۔چوں کہ بزرگان قادریہ میں نسبت فاروقی کا ظہور ہے اور نسبت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت موسوی تھی۔اس لئے جلال الٰہی اور عظیم الشان تصرفات کا ظہور حضرت غوث اعظم سے بہت ہوا، یہاں صرف ایک واقعہ آپ کے معاصر حضرت خضر الحسینی کا درج کیا جارہا ہے۔اس سے آپ کی روحانی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے،وہ فرماتے ہیں۔

''مجھ سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے ۵۶۰ھ میں فرمایا کہ موصل چلے جاؤ وہاں قدرت تمہیں اولاد عطا کرے گی پہلے لڑکا ہوگا اس کا نام محمد رکھنا اس لڑکے کو ایک عجمی نابینا حافظ قرآن کی تعلیم دے گا جس کا نام علی ہوگا اور یہ تیرا بچہ سات سال کی عمر میں صرف سات ماہ کے اندر قرآن پاک حفظ کرلے گا اور تیری عمر چورانوے سال چھ ماہ اور سات یوم ہوگی اور تیری موت مکمل تندرستی اور بصحت بصارت وسماعت باربل کے مقام پر ہوگی''۔

ان کے صاحبزادے ابوعبداللہ کا بیان ہے کہ ۵۶۱ھ میں میری ولادت موصل میں ہوئی میرے والد خضر الحسینی نے میرے واسطے ایک نابینا کو حفظ قرآن کے لئے مقرر فرمایا اور جب ان کا نام اور وطن دریافت کیا گیا تو انہوں نے اپنا نام علی اور وطن بغداد بتایا اس وقت میرے والد کو حضرت شیخ کا فرمان یاد آیا اور ان کی وفات بھی حضرت شیخ کے قول کے عین مطابق ۹ رصفر المظفر کو باربل کے مقام پر ہوئی اور انتقال کے وقت ان کے ہوش وحواس اور قویٰ بالکل درست تھے۔''(قلائد الجواہر ص ۱۲۶)

حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی سنت مصطفیٰ ادا کرتے ہوئے چار بیویوں سے عقد کیا تھا اپنی ازدواجی زندگی کے تعلق سے آپ فرماتے ہیں۔

''میں مدت سے شادی کا خواستگار تھا مگر وقت کے خراب ہونے کے باعث میں شادی کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا لہٰذا میں صبر کرتا رہا یہاں تک کہ جب اس کا مقررہ وقت آگیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے چار بیویاں عطا فرمائیں ان میں سے ہر ایک بیوی میری مرضی اور منشا کے مطابق نکلی پس یہ ثمرہ ہے میرے اس صبر جمیل کا جو شادی کرنے کے سلسلے میں میں کرتا رہا''۔(عوارف المعارف ص ۳۱۳)

جن چار خواتین سے آپ نے عقد کیا ان میں ایک شیخ احمد کی دختر تھیں جن کا نام بی بی فاطمہ تھا ان سے تین لڑکے متولد ہوئے۔

۱۔سیف الدین عبدالوہاب

۲۔تاج الدین عبدالرزاق

۳۔عبدالعزیز

دوسری بیوی سے پانچ فرزند متولد ہوئے، تیسری بیوی جو شیخ نعمان کی دختر تھیں ان سے تین لڑکے متولد ہوئے اس طرح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے کل گیارہ فرزند تھے۔لیکن اول الذکر اہلیہ محترمہ جن سے تین صاحبزادگان متولد ہوئے انھیں سے سلسلہ نسب جاری رہ سکا۔باقی آٹھ فرزند سے کوئی اولاد نرینہ نہ ہوئی۔آپ کے جن فرزندوں کے نام کتب سوانح میں ملتے ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۲۔حضرت شیخ شرف الدین عیسیٰ جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۔حضرت شیخ سراج الدین عبدالجبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۔حضرت شیخ شمس الدین عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۵۔حضرت شیخ ابواسحاق ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۶۔حضرت شیخ ابوالفضل سید محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۷۔حضرت شیخ ابوعبدالرحمٰن سید عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۸۔حضرت شیخ ضیاء الدین ابونصر موسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۹۔حضرت ابوزکریا یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۰۔حضرت شیخ ابوعبداللہ علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۱۔حضرت شیخ ابوبکر تاج الدین عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول ص ۱۶۹)

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے وصال کے تعلق سے کتب سوانح میں کئی روایتیں پائی جاتی ہیں۔کسی نے کہا ہے کہ آپ کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا اور کسی نے لکھا ہے کہ آپ ۵۸۳ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے ،جن مورخین نے آپ کی ولادت کا سنہ ۴۷۱ درست مانا ہے ان کے نزدیک آپ کی وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی اور جن کے نزدیک سنہ رحلت ۵۸۳ھ ہے انھوں نے سنہ ولادت ۴۹۱ھ کو درست قرار دیا ہے اس اختلاف کی پوری تفصیل راقم السطور کی کتاب " ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی قطب الھند شیخ عبد الوھاب جیلانی نامی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے جو دہلی سے ۱۹۹۹ء میں لاہور سے ۲۰۰۰ء میں اور کراچی سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوچکی ہے۔سنہ وصال میں اختلاف کیوں نہ ہو لیکن اتنا مسلم ہے کہ ماہ ربیع الآخر بروز جمعرات آپ کا وصال ہوا بڑے فرزند سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی نے جنازہ کی نماز پڑھائی بغداد باب الازج کے مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

یوم وصال کے تعلق سے ۱۱ر۱۷ر اور ۱۸ر تین تاریخوں کا ذکر مورخین اور سوانح نگاروں نے کیا ہے مگر زیادہ شہرت ۱۱ر تاریخ کو ملی اور اس تاریخ کو ان کے عقیدت مند گیارہویں کے نام سے پورے عالم اسلام میں بڑی دھوم سے مناتے ہیں۔اکثر بزرگان دین کا بھی اسی پر عمل رہا ہے۔محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہر سال گیارہویں بڑے عقیدت واحترام سے مناتے تھے۔بعض علماء نے لکھا ہے کہ

گیارہویں شریف حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بڑے پیر دستگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پردہ فرمانے کی تاریخ نہیں بلکہ سرکار دوعالم ﷺ کے فاتحہ چہلم کی تاریخ ہے جسے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ہر سال بڑی عقیدت واحترام کے ساتھ منایا کرتے تھے۔اس حقیقت کا انکشاف حضرت مولانا شاہ عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہے۔وہ اپنی ملفوظات میں فرماتے ہیں۔

''گیارہویں کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان ہر ماہ ربیع الاول کی گیارہ تاریخ کو رسول اکرم ﷺ کا فاتحہ چہلم فرماتے تھے آپ کے دوسرے متبعین بھی انھیں تاریخوں میں یہی فاتحہ گیارہویں کے نام سے منانے لگے۔رفتہ رفتہ یہ گیارہویں شریف خود سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب ہوگئی ۔آج کل جو گیارہویں منائی جاتی ہے اس میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کا فاتحہ ہوتا ہے اور ان کے نام سے نیاز دلائی جاتی ہے حالانکہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۷/ربیع الثانی کو پردہ فرمایا تھا''۔(انوارالرحمٰن ص ۹۷)

گیارہویں شریف منانے کے علاوہ توشہ حضرت غوث اعظم بھی ان کے عقیدت مند انتہائی ادب واحترام کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے کرتے ہیں۔اس تعلق سے صاحب ''اقتباس الانوار'' لکھتے ہیں۔

''حضرت غوث اعظم کا توشہ بھی قضائے حاجات اور کفایت مہمات کے لئے کبریت احمر کا اثر رکھتا ہے،لیکن یہ توشہ حصول مقصد سے پہلے کرنا چاہئے،اس کی تفصیل یہ ہے۔سوا پانچ سیر میدہ،اور یہی مقدار شکر،تری اور روغن (گھی)،سوا سیر مغز بادام اور اسی مقدار میں مغز پستہ،وکشمش، نارجیل،(گری) اور ایک چھٹانک قرنفل اور اسی مقدار دارچینی، قلمی اور الائچی خورد،ان تمام اشیاء کو اکٹھا کر کے حلوہ بنایا جائے اور حضرت اقدس

کے لئے فاتحہ دے اور صلحا یعنی نیک لوگوں کے سوا اور کسی کو نہ کھلائے اور گھر سے باہر نہ بھیجے اور تمام اہل مجلس حاجت براری کے لئے دعا کریں البتہ حصول مقصد کے بعد بھی تھوڑی بہت شیرینی کا فاتحہ حضرت اقدس کے لئے دے"۔(اقتباس الانوار ص۲۰۴)

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا ذریعہ معاش تجارت تھا منجانب اللہ خلق خدا کی ہدایت پر مامور تھے۔رشد وہدایت کے علاوہ تصنیف وتالیف کے فرائض بھی انجام دئے جن تصانیف تک راقم السطور کی رسائی کسی نہ کسی شکل میں ہوسکی ہے ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ غنية الطالبين

۲۔ الفتح الربانی والفیض الرحمانی

۳۔ فتوح الغيب

۴۔ جلاء الخاطر فی الباطن والظاهر

۵۔ الفيوضات الربانيه فی الاوراد القادريه

۶۔ بشائر الخيرات

۷۔ تحفة المتقين وسبيل العارفين

۸۔ حزب الرجا والاشهاد

۹۔ الرسالة الغوثية

۱۰۔الكبريت الاحمر فی الصلوٰة على النبی

۱۱۔مراتب الوجود

۱۲۔يواقيت الحكم

۱۳۔ معراج لطيف المعانی

۱۴۔ سر الاسرار ومظهرا لانوار

۱۵۔ آداب السلوك والتوسل الى منازل الملوك

۱۶۔ رساله قادريه

۱۷۔ رساله غوثيه

۱۸۔ فوائد من كلام الجيلى

۱۹۔ مكتوبات عبد القادر جيلانى

۲۰۔ نودونه نام حضرت غوث اعظم

۲۱۔ شرح قصيده سريانى

۲۲۔ ديوان غوث اعظم (فارسى)

۲۳۔ ديوان غوث اعظم (عربى)

آپ کی تالیف الغنية لطالبى طريق الحق (غنية الطالبين) آپ کے افکار وخیالات پر مشتمل اہم تصنیف ہے۔اس عظیم تالیف کے مندرجات میں شریعت وطریقت کا اصل لب لباب بیان کرتے ہوئے مسلمانوں میں ایمان وعمل کے احیا کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

اس فہرست میں وہ تمام تصانیف شامل ہیں جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے خود لکھی ہیں یا وہ آپ کے ملفوظات ومکتوبات ودواوین ہیں جو دوسرے اصحاب قلم نے جمع کئے ہیں، یہ بھی سچ ہے کہ شیخ کی جملہ تصانیف کی یہ فہرست ایک جگہ نہیں ملتی متعدد کتابوں کی مدد سے یہ فہرست تیار کی گئی ہے اس میں بیشتر کتابیں میری نظر سے نہیں گذری ہیں کتب سیر وسوانح میں ان کے اسما ضرور ملتے ہیں اس لئے ان کا اندراج یہاں کردیا گیا ہے۔

حضرت غوث اعظم کی ذات گرامی سے صرف سلسلہ قادریہ ہی نہیں بلکہ کئی ایک سلاسل کے مشائخ کرام کو حصہ ملا ہے۔نقشبندیہ، چشتیہ،سہروردیہ اور کبرویہ سلسلوں کے مشائخ کرام نے آپ سے فیوض وبرکات حاصل کئے ہیں۔سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز نے مدینہ شریف سے بغداد آکر آپ کی خدمت میں حاضری دی اور تقریباً اٹھاون دن آپ کے پاس رہ کر فیوض وبرکات حاصل کئے۔حضرت خواجہ یوسف ہمدانی حضرت غوث اعظم کی صحبت میں رہے اور جب سلسلہ سہرودیہ کے بانی اول حضرت شیخ ابو

النجیب سہروردی آپ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہوتے تو اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے۔

''وضو کرلو اور اپنے دلوں کی نگہداشت کرلو اور خبر دار ہو جاؤ کیوں کہ میں ایسے شخص کی خدمت میں جاتا ہوں جس کا دل اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرتا ہے''

حضرت شیخ الشیوخ ابوالنجیب فرمایا کرتے تھے مجھے جو کچھ ملا ہے وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی برکت سے ملا ہے۔سلسلہ سہروردیہ میں روح پھونکنے والے شیخ المشائخ حضرت سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی اکثر آپ کی بارگاہ میں حاضری دیا کرتے تھے اور تصوف کے جس مدارج تک آپ پہنچے ہیں اس میں حضرت غوث اعظم کی توجہ کا عمل دخل زیادہ ہے۔

شہر نقشبند اور شہر اجمیر و سہرورد محمور ہیں ز بادۂ فیضان دستگیر

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی جو تعلیمات اور اقوال ہیں وہ زود اثر دواؤں کی طرح دلوں پر اثر کرتی ہیں یہی وجہ ہے جس کثرت سے لوگ ان سے قریب ہوئے اور اسلام کی روشنی سے اپنے قلوب کو منور کیا اس کی مثال مشکل سے ہی ملتی ہے۔وہ فرماتے ہیں۔

۱۔موجودہ زمانے میں جس چیز کا فقدان ہے وہ اخلاص ہے۔

۲۔عالم اگر زاہد نہ ہو تو وہ اپنے زمانے والوں پر عذاب ہے۔

۳۔محبت دنیا کے علاوہ ہمارا کوئی اور گناہ نہ بھی ہو پھر بھی ہم دوزخ کے حقدار ہیں

۴۔اپنی مصیبتوں کو چھپاؤ اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہوگی۔

۵۔بندہ کو چاہئے کہ وہ دانستہ طور پر یا نادانی میں اللہ عزوجل کی قسم نہ کھائے۔

۶۔تواضع ایک عمدہ شئی ہے اس کے سبب عبادت گزار کا مقام بلند ہو جاتا ہے۔

۷۔تنہائی میں خاموش رہنا بہادری نہیں مجلس میں خاموش رہنے کی کوشش کرو۔

۸۔میانہ روی نصف رزق اور اچھے اخلاق نصف دین ہے۔

۹۔تمام اچھائیوں کا مجموعہ علم سیکھنا،عمل کرنا اور دوسروں کو سکھانا ہے۔
۱۰۔گمنامی اختیار کرو کیوں کہ شہرت کے بمقابل اس میں زیادہ امن وسکون ہے۔
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اسی عظمت کے پیش نظر لوگ آپ کا نام دعاؤں میں شامل کر کے اللہ کی رحمت کے طلب گار ہوتے تھے۔حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

''ایک روز شیخ علی بن عیسیٰ کی خدمت میں کسی وظیفہ کی درخواست کی گئی تو فرمایا یہ دعا ہے اسے اس طرح پڑھو۔

رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد ﷺ نبیاً وبسید الشیخ عبد القادر شیخاً وقدوۃً واماماً

(میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اسلام کو اپنا مذہب محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی اور شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کو اپنا شیخ ومقتدا اور امام مان کر راضی ہوا)

سلسلہ قادریہ میں جو دوگانہ رائج ہے جب حضرت شیخ عبدالوہاب متقی سے اس کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

"صلوھا ونواھا وھکذا اصلی رکعتین ھدیۃ لسیدی الشیخ محی الدین عبد القادر الجیلی"

(اسے پڑھو اور اس طرح نیت کرو میں بھی اس طرح یہ دوگانہ نیت کر کے پڑھتا ہوں کہ اس کا ثواب سیدی شیخ محی الدین عبدالقادر کو پہنچاتا ہوں)
(زادالمتقین ص۳۱۲)

شیخ عبدالقادر جیلانی اور عظمت توحید

توحید کے معانی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو اس کی ذات اور صفات میں شریک سے پاک ماننا۔یعنی جیسا اللہ ہے ویسا ہم کسی کو اللہ نہ مانیں،اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو اللہ تصور کرتا ہے تو وہ اللہ کی ذات میں شرک کرتا ہے،علم،سمع

بصر وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، اگر ان صفات میں کسی دوسرے کو برابر کا شریک ٹھہرائیں تو ہم مشرک ہوں گے۔ (توحید وشرک، سعید احمد کاظمی ص ۵ لاہور ۱۹۹۲ء)

توحید ہی وہ بنیادی کلمہ ہے جس کی طرف تمام انبیا ومرسلین نے دعوت دی ہے اور پھر ان کے جانشین علماء کرام اور مشائخ عظام نے اسے اپنی عملی سرگرمیوں کا محور بنایا۔ امام ابن ابی العز "شرح العقیدة الطحاویه" میں لکھتے ہیں۔

" هذهٖ كلمة التوحيد التى دعت اليها الرسل كلهم "

(شرح العقیدۃ الطحاویہ ص ۱۱۱ بیروت ۱۳۹۱ھ)

(یہی توحیدی کلمہ ہے جس کی دعوت تمام انبیاء ومرسلین نے دی ہے)

توحید باضابطہ ایک علم بھی ہے جس کی تعریف ابن خلدون نے اس طرح کی ہے۔

توحید ایک ایسا علم ہے جس میں ایمان کے صحیح عقیدوں کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا جاتا ہے اور جس سے اہل بدعت کو جو سلف (صالحین) اور اہل سنت کے عقائد ونظریات سے منحرف ہو چکے ہیں انہیں رد کیا جاتا ہے۔

(دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ۶ ص ۶۸۲ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۶۲ء)

یہاں جس توحید سے متعلق بحث کی جارہی ہے وہ علم توحید نہیں بلکہ خالص توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہیں، توحید باری تعالیٰ پر تمام بندگان خدا کا اتفاق ہے مگر اس اتفاق کی توجیہیں اور تشریحیں جداگانہ ہیں، کوئی صفات باری کو عین مانتا ہے تو کوئی غیر اور بعض لاعین اور لاغیر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ فلسفیانہ بحثیں ہیں یہاں غیر ضروری ہونے کے باعث جس سے احتراز کیا جارہا ہے، اس وقت موضوع بحث دراصل وہ توحید ہے جو مشائخ اور بزرگان دین کے یہاں متعارف ہے، سلطان المحققین حضرت سیدنا شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے ایک مرید کو بذریعہ خط توحید کی حقیقت کو اس طرح سمجھاتے ہیں۔

بزرگوں کے نزدیک از روئے شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت اجمالاً توحید کے چار درجے ہیں۔

۱۔توحید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ زبان سے صرف لا الٰہ الا اللہ کہے مگر دل سے رسالت اور توحید حق کا انکار کرے ایسے لوگوں کو شریعت کی زبان میں منافق کہا جاتا ہے۔

۲۔توحید کا دوسرا درجہ۔اس درجہ میں دو طرح کے لوگ شامل ہیں ایک قسم کے لوگ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں اور دل میں بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس جماعت کے لوگ عام مسلمان ہیں ۔دوسرے وہ لوگ ہیں جو زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں اور دل میں اعتقاد صحیح بھی رکھتے ہیں مگر وہ چونکہ اہل علم ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر سیکڑوں دلیلیں قائم کرتے ہیں۔اس جماعت کے لوگ متکلمین کہلائے جاتے ہیں۔

۳۔توحید کا تیسرا درجہ:اس درجہ میں موحد مومنین شامل ہیں جو باتباع پیر طریقت مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہیں، رفتہ رفتہ انھوں نے یہ ترقی ضرور حاصل کی ہے کہ نور بصیرت ان کے دل میں پیدا ہوگیا ہے۔اس نور سے اسے اس بات کا مشاہدہ ہے کہ فاعل حقیقی ہی اللہ تعالیٰ کی ایک ذات ہے سارا عالم کٹھ پتلی کی طرح ہے کسی کو کوئی اختیار نہیں۔

۴۔توحید کا چوتھا درجہ ان مقربین بارگاہ الٰہی کے لئے خاص ہے، جو کثرت سے اشغال واذکار اور ریاضت ومجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے اس مقام تک پہونچ جاتے ہیں کہ بعض اوقات شش جہات میں اللہ تعالیٰ کے سوا انھیں کچھ نظر نہیں آتا۔تجلیات صفاتی کا ظہور اس شدت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے کہ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں ،جس طرح ذرات آفتاب کی پھیلی ہوئی روشنی میں نظر آتے ہیں ۔دھوپ میں جو ذرہ دکھائی دیتا ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ ذرہ نیست ونابود ہو جاتا ہے یا ذرہ آفتاب ہو جاتا ہے بلکہ جہاں آفتاب کی پوری روشنی ہوگی وہاں ذروں کو چھپ جانے کے علاوہ چارہ ہی کیا؟

پیش توحید او نہ کہنہ نہ نو است   ہمہ ہیچ اند ہیچ اوراست کہ اواست

کے بود ما ز ما جدا ماندہ   من و تو رفتہ و خدا ماندہ

(اس کی توحید کے سامنے نیا اور پُرانا کیا سب ہی ہیچ ہیں ۔وہ وہی ہے

جیسا کہ وہ ہے۔لفظ ما سے ما کب تک الگ رہے گا من وتو بیچ سے اٹھ گیا

اور خدا باقی رہ گیا۔)

(مکتوبات صدی مکتوب نمبر اص ۴۷ کلکتہ ۱۹۹۳ء)

سطور بالا میں توحید کے جو چار درجے بتائے گئے ہیں اور ان میں جو فرق ہے اسے درج ذیل کی مثال سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

اخروٹ جو ایک سوکھا پھل ہے اس میں دو قسم کے پوست اور ایک قسم کا مغز ہوتا ہے۔ پھر مغز میں روغن ہے۔ اس مثال کی روشنی میں ان تمام بندگان الٰہی کی جو موحدین ہیں ان کی درجہ بندی اس طرح کی جاسکتی ہے۔

۱۔ منافقین کی توحید پہلے چھلکے کے درجے میں ہے کیونکہ وہ چھلکا کسی قسم کا نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ عام مسلمانوں اور متکلمین کی توحید دوسرے چھلکے کے درجے میں ہے۔ یہ چھلکا کچھ کارآمد ہوتا ہے۔

۳۔ عارفانہ توحید مغز کے درجہ میں ہے، اس کا فائدہ اور اس کی خوبی ظاہر ہے۔

۴۔ موحدانہ توحید روغن کے درجہ میں ہے، اس کی تعریف کی حاجت نہیں۔

انبیاء ومرسلین، صحابہ وتابعین، مشائخ کرام وبزرگان دین کا تعلق اسی موحدانہ توحید سے ہے۔ جو اپنے رب کی رضا کے حصول کے لئے ہمیشہ ذکر وفکر میں نہ صرف مصروف رہتے ہیں بلکہ اپنے متبعین وپیروکاروں کو اسی سے اپنا رشتہ قائم کرنے اور اسی کی عبادت وریاضت سے اپنے قلوب کو منور ومجلیٰ کرنے کی طرف زور دیتے رہتے ہیں۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے بھی توحید کی کچھ اسی طرح وضاحت فرمائی ہے۔ انھوں نے بھی توحید کے چار درجے بتائے ہیں، وہ فرماتے ہیں۔

''پہلا درجہ، ایمان باللسان ہے یہ منافقوں کا ایمان ہے۔ دوسرا درجہ کلمہ توحید کے معنیٰ کی تصدیق ہے (تصدیق بالقلب) یہ عام مسلمانوں کا ایمان ہے۔ تیسرا درجہ بطریق کشف اس کا مشاہدہ کرنا ہے یہ مقام مقربین کا ہے یہ اس طرح کہ اسباب کثیرہ کو دیکھتے ہوئے یہ جانے کہ

سب واحد قہار سے ہیں ۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کو نہ دیکھے، یہ صدیقین کا مشاہدہ ہے جسے صوفیہ فنافی التوحید کہتے ہیں"۔
(المرشدالامین،امام غزالی ص۲۴۳ دہلی ۱۹۸۸ء)

اس وضاحت کے باوجود صوفیاء نے توحید کی پانچ بنیادیں بتائی ہیں جس پر صوفیا زندگی بھر عمل پیرا رہے۔حضرت حضرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

" اصو لنا فی التوحید خمسة اشیاء : رفع الحدث،اثبات القدم ، وهجر الاوطان ، مفارقة الاخوان ، ونسیان علم ما جهل .(کشف المحجوب شیخ علی ہجویری لاہور ۱۹۷۸ء)
(توحید میں ہمارے نزدیک پانچ چیزیں بنیاد ہیں ا۔رفع حدث ۲۔اثبات قدم ۳۔ترک وطن ۴۔مفارقت اخوان ۵۔اور معلوم ونامعلوم سب کو بھول جانا)

سطور بالا میں جو فلسفیانہ اصطلاحیں قائم کی گئی ہیں ان میں رفع حدث سے مراد ماسوا اللہ تعالیٰ کی نفی،اثبات قدم سے مراد اللہ تعالیٰ کا اثبات،ترک وطن سے مراد خواہشات نفس سے دست برداری اور مفارقت اخوان سے مراد غافل لوگوں کا اللہ تعالیٰ سے ترک تعلق ہے۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی توحید کے متوالے تھے ان کی زندگی کا کوئی لمحہ مرضیٔ رب کے خلاف نہیں گزرا ان کی پوری زندگی توحید پرستی کی مکمل آئینہ دار رہی ،توحید کے تعلق سے جو آپ کا موقف تھا اسے آپ نے اپنے خطبات اور مجالس میں واضح لفظوں میں بیان کیا ہے وہ ایک مقام پر توحید کے تعلق سے اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''وہ صابر کی طرف سے دونوں کے بھید چھپانے کا اشارہ ہے،ایسے وقت میں کہ حضوری میں وارد ہو اور دل مقامات افکار کی انتہا سے گزر چکا ہو، وہ وصال کے اعلیٰ درجات کے منازل اسرار تعظیم تک چڑھ جائے،تجرید کے قدموں سے تقرب تک چلے،تفرید کی سعی سے قرب تک چڑھے،اور اس کے ساتھ دونوں جہاں سے لاشئی ہو جائیں، دونوں ملک سے برہنہ ہو

جائے، وصف وجود اور حکم ذات سے علیحدہ ہو جائے ایسے حال میں کہ وہ
ان باتوں کا مطالعہ کرتا ہو جو کہ اس کے دل پر خدا کی طرف سے خطرات
آتے ہیں۔صحیح تفرید کا متلاشی ہو، اپنے وصف میں صدق کا طالب ہو۔
(بہجۃ لاسرار، نورالدین شطنو فی ص۳۵۲ جام نور دہلی)

توحید کے تعلق سے سیدنا شیخ عبدالقادرر جیلانی ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

''توحید یہ ہے کہ ایسی ذات کے مشاہدہ سے جو کہ نقص سے پاک ہو
موجودات سے چشم پوشی کرنا۔عارف وحدانی الذات ہے جس کو کوئی قبول
نہیں کرتا نہ وہ کسی کو قبول کرتا ہے''۔

(بہجۃ الاسرار، نورالدین شطنو فی ص۴۸۳)

ان خیالات کی روشنی میں یہ بات منقح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ سطور بالا میں توحید کا جو چوتھا درجہ ہے یہ اسی کی تشریحات ہیں جسے بآسانی ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے اس کی تفہیم کے لئے ایسا دل چاہئے جو مہبط انوار تجلیات ربانی ہو۔یہی وجہ ہے کہ بغیر نور بصیرت کے جن لوگوں نے ان مشائخ کرام کے اقوال کی تعبیر وتشریح کی ان سے غلطیاں ضرور سرزد ہوئی ہیں اور مباحث تصوف کو ایک جھوٹی حقیقت سے تعبیر کرنے لگے ہیں۔ذیل میں ہم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ان اقوال اور خطبات سے ان اقتباسات کو پیش کررہے ہیں جو عظمت توحید کے باب میں سنگ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے مدرسہ میں ۳۰؍رجب المرجب ۵۴۶ء کو جمعہ کے دن صبح کے وقت علماء کی مجلس میں جو خطبہ دیا تھا اس کا تعلق عظمت توحید سے ہی تھا، فرماتے ہیں۔

"وحد الحق عز وجل حتیٰ لا یبقیٰ فی قلبك من جمیع
الخلق ذرۃً لا تریٰ داراً ولا دیا راً التوحید یقتل الکل
کل الدواء فی التو حید للحق عز وجل وفی الاعراض
عن حیۃ الدنیا اھرب عن ھٰذہ الحیۃ الیٰ ان یجیئك

الحواء فيقلع اضراسها وينزل سمها ويقربك اليه ويعرفك صنعته ويسلمها اليك ومابقى فيها اذية "

(الفتح الربانی ص ۱۲۸ مطبوعه ۱۳۰۲ھ)

(خدا کو وحدہ لاشریک جان یہاں تک کہ تیرے قلب میں جمیع مخلوق میں سے ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے، تجھے نہ کوئی مکان نظر آئے، نہ میں۔توحید سب کونیست ونابود کردے، خدا کی توحید پر رہنے اور دنیا کے سانپ سے اعراض کرنے میں پوری دوا موجود ہے۔اس سانپ سے بھاگ تا کہ تیرے پاس حوا آئے اور اس کا دانت اکھاڑے زہر دفع کرے، تجھے اس کے قریب کردے اس کی ترکیب بتائے اور اس حالت میں تیرے حوالے کردے کہ اس میں اذیت کا مادہ باقی نہ رہے۔)

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ بندوں کو چاہئے کہ اپنا رشتہ صرف اور صرف اپنے معبود سے استوار رکھیں اور اپنی تمام آرزوئیں اور تمنائیں اپنے رب سے ہی حاصل کریں، وہ فرماتے ہیں۔

''اے لڑکے خدا کے سوا اور کسی چیز میں مصروف نہ ہو دنیا اسی کی ہے اور رزق اس کی مخلوق ہے۔اس نے روزی مقرر کردی ہے۔ملائکہ تیری رزق کے موکل ہیں خیر وشر اسی کی جانب سے ہے''۔

(فیض سبحانی ترجمہ فتح ربانی ص ۲۵۲ دہلی ۱۹۰۳ء)

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ہر مسئلہ کا حل اللہ تعالیٰ کی مبارک ذات کو ہی سمجھتے ہیں۔چنانچہ جب بھی کوئی سوال کرتا تھا تو بندوں کی توجہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے تقویٰ کی طرف موڑ دیتے تھے۔ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رزق کے تعلق سے اس نے کچھ آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔

''اے لڑکے اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے آگے کوئی دروازہ بند نہ رہے تو خدا سے ڈر یہ ہر دروازہ کی کنجی ہے۔خدا فرماتا ہے ومن يتق الله يجعل

له مخرجاً (جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لئے نجات کا سامان فراہم کرتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اپنے نفس، اہل، مال اور اہل زمانہ کے باب میں خدا سے معارضہ نہ کر! کیا تجھے اس سے شرم نہیں آتی کہ خدا کسی شی کے تغیر وتبدل کا حکم کرے کیا تو اس سے بڑا حاکم یا زیادہ عالم یا زیادہ رحم کرنے والا ہے"۔

(فیض سبحانی ترجمہ فتح ربانی ص ۱۵)

شیخ جیلانی اس بات پر بھی زور دیتے تھے کہ لااله الا اللهکی کثرت کرو اور مزاج توحید کو توانا بناؤ۔ مزاج توحید بنانے کے لئے کلمۂ توحید کی کثرت بہت ضروری ہے۔ شیخ فرماتے ہیں۔

"اے قوم لا الہ الا اللہ خالص دل سے کہہ کر اپنے شیطان کو دبلا کرو، نہ کہ فقط اس لفظ سے۔ کلمۂ توحید شیاطین انس وجن کو جلا ڈالتا ہے۔ کیوں کہ یہ کلمہ شیاطین کے لئے نار اور موحدین کے لئے نور ہے۔ جب کہ تیرے دل میں چند در چند معبود ہیں تو زبان سے لا الہ الا اللہ کیوں کر کہتا ہے؟۔ خدا کے سوا تو جس پر اعتماد رکھے اور بھروسہ کرے وہ تیرا بت ہے۔ دل میں شرک ہو تو زبان توحید تجھ کو نفع نہ دے گی۔ قلب ناپاک ہو تو جسم کی طہارت بے کار ہے موحد کا شیطان دبلا ہوتا ہے اور شرک کو خود اس کا شیطان دبلا کر دیتا ہے۔ (فیض سبحانی ترجمہ فتح ربانی ص ۱۲۰)

توحید پرستی شیخ کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا۔ زندگی بھر آپ نے اپنے متبعین و پیرو کاروں کو اسی کی تعلیم دی اور خود بھی اسی مسلک پر گامزن رہے۔ قوم کو خطاب کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

"اے قوم خدا کو ایک جانو اس کے دروازہ سے نہ ٹلو اس سے مانگو غیر سے نہ مانگو اس سے مدد چاہو غیر سے مدد نہ چاہو اس پر توکل کرو غیر پر اعتماد نہ رکھو اور اے خاص لوگو تم اپنے نفس اسے سونپ دو اپنے متعلق اس کی تدبیر

پر رضا مند ہو جاؤ اس کے ذکر میں مشغول رہو نہ کہ سوال میں تم بعض
کتابوں میں خدا کا یہ قول نہیں دیکھا جو شخص میرے ذکر میں مشغول ہو کر
مجھ سے سوال نہیں کرتا میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ دیا کرتا ہوں''۔
(فیض سبحانی ترجمہ الفتح الربانی ص۱۴)

حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ والرضوان کے اس خطاب سے یہ بات اچھی طرح مترشح ہوتی ہے کہ صرف اور صرف خدا سے اپنی حاجت طلب کرنی چاہئے کسی اور سے اپنی ضرورت بیان نہیں کرنی چاہئے حالانکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ ہندوستان کے خوش عقیدہ سنی مسلمان اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں اوران مشائخ کے واسطہ سے اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتے ہیں۔شرعی اعتبار سے یہ کیوں کر جائز ہے؟ اس کی توضیح اوراس کے جواز پر دلیل حضرت علامہ سعید احمد کاظمی نے اپنی کتاب ''توحید وشرک'' میں ایک حدیث قدسی کے حوالے سے پیش کی ہے اس حدیث قدسی کا مفہوم یہ ہے۔

''جب بندہ کثرت نوافل سے اللہ تعالیٰ کا مقرب بن جاتا ہے۔تو میں
اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ
سنتا ہے اوراس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اوراس کے
پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں
اسے ضرور دیتا ہوں''۔ (بخاری شریف جلد دوم ص۹۶۳ مطبع مجتبائی دہلی)
وہ اس حدیث قدسی کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نور کے جلوے اس بندہ کے ہاتھ پاؤں ،دل اور دماغ میں ظاہر ہوں گے تو یہ ہر آسان اور ہر مشکل اور ہر دور ونزدیک کی چیز پر قادر ہو جائے گا۔اب بتائے کہ جب مشکل بندے کی قدرت میں ہوگئی تو مشکل کشا نہیں تو اور کیا ہے۔

مگر خوب یاد رہے خدا کا مشکل کشا ہونا ذاتی ہے اور بندے کا مشکل کشا ہونا عطائی ہے۔کیونکہ بندہ اگر کسی کی کوئی مشکل حل کرتا ہے یا حاجت پورے کرتا ہے تو اللہ

کی دی ہوئی طاقت واختیار سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ ہمارا یہ عقیدہ شرک کی تمام جڑوں کو کاٹنے والا ہے اب بتائے کہ لوگ عین توحید کو شرک کہتے ہیں تو اسلام پھر کیا ہوگا؟۔

(توحید وشرک ص ۱۸ لاہور ۱۹۹۲ء)

رب تعالیٰ کی معرفت کا ادراک بہت ضروری ہے شیخ نے اس پر زیادہ زور دیا ہے کہ بغیر معرفت رب کے اس کی محبت اور اس کی عظمت صحیح معنوں میں دل کے اندر جا گزیں نہیں ہو سکتی۔ چونکہ رب کی معرفت حاصل نہیں ہو پاتی اس لئے وہ طرح طرح کی برائیوں میں گرفتار رہتے ہیں۔ سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

''معرفت الٰہی تمام بھلائیوں کی جڑ ہے جب تو طاعت الٰہی بکثرت کرے گا تو وہ تجھ کو اپنی معرفت عطا فرما دے گا اسی لئے پیغمبر اسلام علیہ السلام نے فرمایا کہ طاعت کے باعث اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنی معرفت دیتا ہے اور جب بندہ طاعت چھوڑ دیتا ہے تو خدا معرفت کو سلب نہیں کرتا بلکہ قلب میں مخفی کر دیتا ہے تا کہ قیامت کے دن اس پر حجت قائم کرے اور یہ فرمائے میں نے تجھ کو اپنی معرفت کی تمیز دی تجھ پر احسان کیا تھا تو نے اپنے علم پر عمل کیوں نہیں کیا''۔ (فیض سبحانی ترجمہ الفتح الربانی ص ۲۱۴)

کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ اسی مفہوم کی وضاحت ''فتوح الغیب'' میں اس طرح ملتی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''خدا تعالیٰ کی ذات ازل سے بے ہمتا ہے اور تمام چیزیں اس نے بعد میں پیدا کی ہیں اور ان کی اشیاء کی برائیاں اچھائیاں بھی بعد کی پیداوار ہیں اور اسی خالق حقیقی کو ہر چیز کی ابتدا وانتہا کا علم ہے وہ اپنے فعل میں حکیم ہے وہ تخلیق کو مضبوط بناتا ہے اس کا کوئی کام بے سود اور بے فائدہ نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی چیز کو باطل اور بے کار پیدا کرتا ہے اس لئے اس کے افعال میں نقص اور عیب کی نسبت کرنا اسے برا کہنا تمہارے لئے

مناسب نہیں''۔(فتوح الغیب ص ۶۹ بریلی شریف)

شیخ عبدالقادر جیلانی نے زندگی بھر توحید کا پرچار کرتے رہے اور جب دم واپسی کا وقت آیا تو اس وقت بھی آپ نے اسی کو مضبوطی سے تھامے رہنے پر اپنے فرزندوں کو تعلیم دی۔اپنے تمام صاحبزادگان کو یکجا کیا اور وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

" علیك بتقوی الله لاتخف احداً سوی الله ولاترج احداً سوی الله وکل الحوائج الی الله ولا تعتمد الا علیه وا طلبها جمیعاً منه ولاتثق باحد غیر الله۔ التوحید، التوحید اجماع الکل (ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو اور خدا کے سوا کسی سے امید نہ رکھو اور اپنی تمام ضروریات اللہ کے سپرد کردو صرف اس پر بھروسہ رکھو اور سب کچھ اسی سے مانگو خدا کے سوا اور کسی پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرو توحید اختیار کرو کہ توحید سب کا اجماع ہے۔ساتھ میں آپ نے یہ بھی فرمایا اذ صح القلب مع الله لا یخلو منه شئی ولا یخرج منه شئی۔

جب دل خدا کے ساتھ درست ہوتا ہے تو کوئی چیز اس سے چھوٹتی نہیں اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل کر جاتی ہے''۔

(تاریخ مشائخ قادریہ، غلام یحییٰ انجم جلد اول ص ۲۷ ادہلی ۲۰۰۳ء)

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی آمد اور ترویج واشاعت

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی رشد وہدایت کے لئے انبیا ومرسلین کو مبعوث فرمایا۔تمام انبیائے کرام نے اپنے اپنے زمانے میں پیغام حق کو عام وتام کیا اور ایک خدا کی عبادت واطاعت کی تلقین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کو بیک وقت دو خاص نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا وہ نبی بھی تھے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے انھیں منصب ولایت بھی سرفراز فرمایا تھا۔ولایت میں رجوع الی اللہ اور نبوت میں رجوع الی الخلق ہوتا ہے یعنی نبی اپنی نبوت کے واسطے سے فیضان حق ،مخلوق خداوندی تک پہنچاتا ہے اسی نکتہ کی بنیاد پر بعض علماء نے نبی کی ولایت کو نبی کی نبوت سے افضل مانا ہے،مگر علمائے اہل سنت کے نزدیک ایسا نہیں وہ نبی کی نبوت کو نبی کی ولایت سے بہرحال افضل مانتے ہیں۔

صحابی اور ولی کے درمیان بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ ہے۔قرب نبوت کی وجہ سے درجہ ولایت سے بہرہ مند ہونے والے کو صحابی کہتے ہیں اور قرب ولایت کی وجہ سے فیض نبوت سے منصب ولایت پر فائز ہونے والے کو ولی کہا جاتا ہے۔اب ان دونوں کے درمیان فرق کرنے والی شئی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گا کہ ولایت ایک الگ منصب ہے اور صحابیت ایک جداگانہ منصب ہے۔جس طرح نبی ولی سے افضل ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح علمائے اہل سنت کے نزدیک ایک صحابی بھی ولی سے افضل ہوتا ہے،(سید الاولیاء، طارق جہلمی ،ص ۲۷ جہلم پاکستان ۱۹۹۸ء) سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد کار نبوت کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لئے صحابہ وتابعین اور علماء وصالحین کی مقدس جماعت میدان عمل میں آئی۔ چونکہ یہ حضرات انبیاء ومرسلین کے وارثین تھے اس لئے ان حضرات کی اتباع وپیروی کو بندگان الٰہی نے لازم وضروری سمجھا۔نبوی مشن کو پائیہ

تکمیل تک پہنچانے کے لئے جس طرح انبیاء ومرسلین نے معجزات کا سہارا لیا ٹھیک اسی طرح اولیائے کرام نے اپنے کردار وعمل اور کرامات کے ذریعہ بندگان الٰہی کے دلوں کو رام کیا۔ یہ انھیں حضرات کی شبانہ روز مساعی کا ثمرہ ہے کہ آج چہار دانگ عالم میں ایمان کی روشنی نظر آ رہی ہے۔ان بندگان حق کی اسی عظمت کے پیش نظر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن وہ میرے دوستوں میں ہوں گے۔شیخ محمد بن حسن السلمی اپنی کتاب ''کتاب الاربعین فی التصوف'' میں باب الدلیل علیٰ ان الصوفیۃ ھم رفقاء رسول اللہ ﷺ '' کے تحت یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔

"عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال وقف رسول اللہ ﷺ یو ماً علی اصحاب الصفۃ فراء فقرھم وجھدھم وطیب قلوبھم فقال ابشروا یا اصحاب الصفۃ من بقی من امتی علی النعت الذی انتم علیہ راضیاً بما فیہ فانہ من رفقائی یوم القیامۃ "

(حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ۔ایک روز رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ کے پاس کھڑے ہوکر ان کی غریبی،محنت،اور رضا کا مشاہدہ فرمایا پھر فرمایا:

اے اصحاب صفہ تمھیں بشارت ہو جو بھی میری امت میں سے اس طرح رہے گا جیسا کہ تم ہو دریں حال کہ وہ اپنے حال پر خوش ہوگا تو وہ قیامت کے دن میرے رفقا میں سے ہوگا)

(کتاب الاربعین فی التصوف ص۱ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد ۱۹۸۱ء)

اولیاء اللہ نے جس طرح اپنی شبانہ روز مساعی سے پیغام حق دنیا کے اندر عام وتام کیا اس کی کوئی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ یہ انھیں حضرات کی پیہم کاوشوں کا ثمرہ ہے کہ آج دنیا کے ہر خطے میں اسلام کے متوالے موجود ہیں۔سر زمین ہند پر محمود غزنوی سے لے کر

شہاب الدین غوری تک تمام سلاطین وقت کو جو فتوحات حاصل ہوئیں ان کے پیچھے انھیں اولیاء اللہ اور مردان خدا کا ہاتھ تھا۔ اگر ان حضرات نے اپنی برکات وتصرفات سے ان سلاطین اور لشکران اسلام کی پشت پناہی نہ کی ہوتی اور دعوت حق کا پرچم نہ بلند کیا ہوتا تو آج ملک ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ جن صوفیا ومشائخ نے دعوت حق کی نشر واشاعت میں اپنی پوری زندگی بسر کی ان میں تمام سلاسل طریقت کے مشائخ شامل ہیں۔

حضرت مالک بن دینار کاسرکوٹ کیرلا
حضرت تمیم داری پارہ پلی کیرلا
حضرت سیدنا شیخ ابوالحسن علی ہجویری لاہور
حضرت سیدنا سالار مسعود غازی بہرائچ شریف
حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر شریف
حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی ناگور شریف
حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی پاکستان
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی
حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء دہلی
حضرت بابا فرید الدین گنج شکر پاکستان
حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہار
حضرت محمد غوث گوالیاری، مدھ پردیش
حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلی
حضرت مخدوم صابر علاء الدین کلیری
حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی
حضرت بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ شریف کرناٹک
حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھہ اتر پردیش
حضرت خواجہ باقی باللہ دہلی

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی پنجاب
حضرت قمیص اعظم قادری بنگال
حضرت سیدنا محمد اجھری بہار
حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی
حضرت سیدنا مخدوم مہائمی ممبئی مہاراشٹر
حضرت عبدالرحمٰن بلبل شاہ کشمیر
حضرت شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی کشمیر
حضرت سید مخدوم محمد غوث اوچی لاہور
حضرت شیخ ابوالفتح محمد ملتانی بیدر کرناٹک
حضرت سیدنا شیخ بدرالدین بیدر کرناٹک
حضرت سیدنا شاہ ہاشم حسینی علوی بیجاپور کرناٹک
حضرت شیخ عبداللطیف الحموی لاابالی کرنول آندھراپردیش
حضرت شیخ رفیع الدین احمد غریب نواز حیدرآباد تلنگانہ
حضرت شیخ غوث الدین قادری احمد آباد گجرات
حضرت سیدنا وارث علی شاہ دیوہ بارہ بنکی اترپردیش
حضرت بہاءالدین شطاری دولت آبادی مہاراشٹر علیھم الرحمة والرضوان

اس طرح نہ جانے کتنے مشائخ ہیں جنھوں نے اپنے خون جگر سے سرزمین ہند پر شجر اسلام کی نہ صرف آبیاری کی بلکہ اپنی شبانہ روز مساعی سے اسے ایسا تناور درخت بنایا جس نے اپنے سائے میں پورے ہندوستان کو لے لیا۔

ہندوستان میں تصوف کب داخل ہوا پہلے کس بزرگ نے اس علم شریف سے باشندگان ہند کو متعارف کرایا یہ بجائے خود ایک اہم سوال ہے جس کے جواب میں اگر صرف اتنا کہا جائے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے ساتھ ساتھ تصوف کی بھی اشاعت ہوگئی تھی تو بے جا نہ ہوگا اس لئے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کا اہم فریضہ بیشتر انھیں نفوس

قدسیہ نے دیا جو تصوف کے مدارج علیا پر فائز تھے۔ ''تعمیر حیات'' لکھنو میں ہے۔

''ہندوستان میں مسلمانوں کے دور کا آغاز صوفیائے کرام ہی کی ذات سے ہوا اور حضرت علامہ سید علی ہجویری (وفات ۴۶۵ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کشف المحجوب لکھ کر پہلی مرتبہ سرزمین ہندوستان کو اسلامی تصوف سے روشناس کر کے اس خطہ تاریک کو اسلام کی روشنی سے منور اور دین وتوحید کی دولت سے مالا مال کیا۔ خصوصاً پنجاب کا پورا علاقہ آپ کے خوان فیض وکرم سے زلّہ ربا ہوا اس لیے دنیا آپ کو داتا گنج بخش کے لقب سے یاد کرتی ہے''۔

پھر امیر کبیر سید علی ہمدانی (وفات ۷۷۰ھ) نے سرزمین ہند کو اشاعت دین حق کے لیے منتخب کیا اس مقدس شخصیت کو جو چیز یہاں کھینچ کر لائی وہ نسرین ونسترن کی جانفزا خوشبو، وادی کشمیر کا حسن وجمال اور ہمالیہ کی چوٹیوں کی سربلندی نہ تھی بلکہ غیرت ومحبت اور شفقت ومحبت کا وہ جذبہ تھا جس سے سرفروشی جانبازی جہد ومجاہدہ وایثار کا شہباز پرواز کرتا ہے۔ میر سید علی ہمدانی نے اس سرزمین کو بزور شمشیر فتح نہیں کیا بلکہ درد ومحبت سے فتح کیا اخلاص وروحانیت سے زیر کیا اور جذب وشوق سے جیتا اور اپنے تین ہی دوروں میں پورا خطہ مسلمان بنالیا۔

سطور بالا کے حقائق کا اعتراف معتصم عباسی آزاد نے بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''درحقیقت ہندوستان میں اسلام کی اشاعت اور اس کی مقبولیت صوفیوں کی مرہون منت ہے اس لیے تصوف کو یہاں مذہبی زندگی میں بنیادی حیثیت حاصل رہی''۔

اور اس ابنیادی حیثیت میں روزفزوں اضافہ ہوتا ہی رہا ان میں اس قدر وسعت ہوئی اوران کے اثرات اس طرح بڑھے کہ وہ بے شمار چیزیں جو معاشرہ کی تباہی وبربادی کا پیش خیمہ سمجھی جاتی تھیں صوفیا کی تعلیمات سے دور ونفور کیا۔ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی منگولوں کی پیدا کی ہوئی ابتری کو صوفیا نے روحانی سلاسل کے قیام سے پورا کیا۔ ''کشف المحجوب'' کے مطابق تو صرف بارہ سلاسل طریقت تھے جن میں دو سلاسل مردود اور باقی دس

مقبول تھے۔لیکن مرورایام کے ساتھ ان میں اس قدر اضافہ ہوا کہ ہندوستان میں ہی صرف سولہویں صدی میں چودہ ایسے سلاسل کا ذکر ملتا ہے جن کا تذکرہ ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' میں کیا ہے بقول گوپی چند نارنگ ان چودہ سلاسل میں جن چار سلاسل کو قبول عام حاصل ہوا وہ یہ ہیں۔

۱۔شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (وفات ۵۶۱ھ/۱۱۶۵ء) کا قادریہ

۲۔شیخ شہاب الدین الدین سہروردی (وفات ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) کا سہروردیہ

۳۔شیخ عبداللہ شاذلی (وفات ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء) کا شاذلیہ

۴۔مولانا جلال الدین رومی) وفات ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) کا مولویہ

ان میں مولویہ ترکی میں اورشاذلیہ زیادہ تر مصر،شمالی افریقہ،عرب اور شام میں مقبول ہوا۔ہندوستان میں قادریہ اور سہروردیہ کا سکہ رائج رہا۔برصغیر ہندوستان میں ان دو سلسلوں کے علاوہ اور جو سلسلے رائج ہیں ان میں خواجگان اور چشتیہ سلسلے نہایت ہی مشہور ہیں ،سلسلہ خواجگان کو خواجہ محمد اتالیسوی (وفات ۵۶۲ھ) اور چشتیہ کو شیخ ابواسحاق شامی (وفات ۳۲۹ھ) سے منسوب کیا جاتا ہے۔گو چشتیہ کو ہندوستان میں پھیلانے اور پروان چڑھانے کا شرف خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (وفات ۶۳۲ھ/۱۲۳۵ء) کو حاصل ہے۔

سلسلہ قادریہ کو جو عظمت ہندوستان میں حاصل ہے وہ اور دیگر سلاسل کو حاصل نہیں اس کا اعتراف متعدد مشائخ کرام اور ارباب دین ودانش نے کیا ہے۔مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۳۴ھ) نے اپنی ''مکتوبات'' حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وفات ۱۱۷۶ھ) نے ''ہمعات وتفہیمات'' میں بانی سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان اور ان کے فضائل وکمالات سے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ان کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (وفات ۱۰۵۲ھ) شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شیخ احمد رضا خاں قادری کے علاوہ کئی ارباب فضل وکمال نے عظمت قادریہ سے متعلق کتابیں اور تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔۔موجودہ دور کے تمام سلاسل طریقت میں یہ سلسلہ انتہائی اہم ہے،اس سلسلہ کا فیضان چشتیہ،سہروردیہ،اورنقشبندیہ سب میں پایا جاتا

ہے جس کا اعتراف تاریخ تصوف پر لکھنے والوں نے یکساں طور پر کیا ہے۔

اس عظیم سلسلہ کا قیام اور رواج ہندوستان میں کب ہوا اور اس کی نشو ونما کہاں ہوئی اس سلسلے میں ارباب فکر ونظر کے مختلف خیالات ونظریات ہیں ذیل میں دی گئی تحریروں کی روشنی میں ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے قیام اور فروغ سے متعلق سنہ متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون؟

یہ سلسلہ ہندوستان میں کب پہنچا، ہندوستان میں اس سلسلہ کو لانے والے اولین شیخ کون ہیں؟ اس سلسلہ میں بڑا اختلاف ہے۔ اکثر لوگوں نے لکھا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کی ہندوستان میں آمد کے دوسو سال بعد یہ سلسلہ ہندوستان پہنچا اور اولین شیخ حضرت شاہ نعمت اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں لیکن اس رائے کی مخالفت کرتے ہوئے حمید اللہ شاہ ہاشمی لکھتے ہیں۔

> ''حضرت سخی سرور (وفات ۱۱۸۱ء) حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے براہ راست باطنی تعلیم حاصل کر کے پاک وہند میں تشریف لائے تھے، چنانچہ سلسلہ قادریہ کو یہاں پر لانے والے اولین بزرگ حضرت سخی سرور ہیں نہ کہ شاہ نعمت اللہ قادری۔ یہ الگ بات ہے کہ سلسلہ کو فروغ نہ حضرت سخی سرور سے حاصل ہوا اور نہ شاہ نعمت اللہ قادری سے بلکہ حضرت مخدوم گیلانی اور ان کے خلفا نے اس سلسلہ کو پاک وہند میں مقبول بنایا''۔ (حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی ص ٦١)

پروفیسر خلیق احمد نظامی کی رائے میں ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا قیام ورواج پندرہویں صدی کے وسط میں ہوا، وہ لکھتے ہیں۔

> ''پندرہویں صدی کے وسط میں قادریہ اور شطاریہ کے سلسلے ہندوستان میں قائم ہوئے قادریہ سلسلہ کو شاہ نعمت اللہ قادری نے ہندوستان میں قائم کیا سید محمد غوث جیلانی مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی، سید موسیٰ، شیخ عبدالحق

محدث دہلوی نے اس سلسلہ کو عہد مغلیہ میں فروغ دیا''۔

(تاریخ مشائخ چشت ص۱۳۴ دہلی ۱۹۵۳ء)

اس بات کا کئی مورخین نے اعتراف کیا ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو قائم کرنے والے سیدنا محمد غوث جیلانی اوچی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں ان کی ذات ستودہ صفات سے سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں سلسلہ قادریہ کا آغاز ہندوستان میں ہوا۔ صفی حیدر لکھتے ہیں۔

''سلسلہ قادریہ کا آغاز ہندوستان میں بعہد سلطان سکندر لودھی حضرت سید محمد غوث سے ہوا۔ آپ کا سلسلہ نو واسطوں سے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بانی سلسلہ قادریہ تک پہنچتا ہے''۔

(صفی حیدر، تصوف اور شاعری ص۸۸ لاہور ۱۹۴۸ء)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے اولین مبلغ سید محمد غوث گیلانی نہیں بلکہ سید محمد غوث گوالیاری ہیں۔ اس حقیقت کا انکشاف ''مطالعہ اسلامیات'' کے مصنف حسن واصف عثمانی نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''ہندوستان میں محمد غوث گوالیاری (وفات ۱۵۶۲ء) سلسلہ قادریہ جاری کرنے والے بزرگ ہیں''۔ (مطالعۂ اسلامیات ص۱۱۴۲لہ آباد ۱۹۸۷ء)

اس رائے پر تبصرہ کرتے ہوئے ''ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی کون؟'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ

''حسن واصف کا یہ نظریہ اس لئے توجہ طلب ہے کیوں کہ سیدنا محمد غوث گوالیاری کی سنہ وفات ۹۷۰ھ ہے۔ اسّی سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ ۹۷۰ھ میں اسّی سال کے اخراج سے سنہ ولادت ۸۹۰ھ متعین ہوتا ہے''۔

خزینۃ الاصفیا میں سید محمد غوث گوالیاری کی سنہ وفات اس طرح مندرج ہے۔

''وفات آں جامع الکرامات باتفاق اہل اخیار در سال نہصد وہفتاد

(۹۷۰ھ) است کہ بتاریخ پانزدھم رمضان المبارک بوقوع آمد ومدت عمر
ہشتاد سال وقبر در گوالیار است''۔

(غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۳۳۳ لکھنؤ)

دوسری بات یہ بھی ہے کہ سیدنا محمد غوث گوالیاری کا تعلق سلسلہ قادریہ سے کہیں زیادہ سلسلہ شطاریہ سے ہے۔ ہندوستان میں آپ کی شہرت بحیثیت شطاری بزرگ کے ہے ۔شطاریہ وہ سلسلہ ہے جسے شیخ ابوزید طیفور ابن عیسیٰ ابن آدم بسطامی نے قائم کیا اور عبداللہ شطاری بخاری (وصال ۸۹۰ھ) اسے لے کر ہندوستان آئے اور سیدنا محمد غوث گوالیاری اوران کے نسبتی بھائی شیخ پھول اور شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے ہندوستان میں اس سلسلہ کو ترقی دی''۔ (مسعود احمد، شاہ محمد غوث گوالیاری ص ۱۴)

مختصر یہ کہ جن مشائخ قادریہ کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ یہ سلسلہ قادریہ کے پہلے بزرگ ہیں جن کے ذریعہ سلسلہ قادریہ ہندوستان آیا اور فروغ حاصل کیا، وہ یہ ہیں۔

۱۔حضرت شاہ نعمت اللہ قادری دکن (وفات ۸۳۴ھ/۱۴۳۰ء)
۲۔حضرت شاہ نعمت اللہ قادری گوڑ فیروز آباد پنجاب (وفات ۱۰۷۵ھ/۱۶۶۴ء)
۳۔حضرت شیخ سخی سرور پاکستان (وفات ۵۷۷ھ/۱۱۸۱ء)
۴۔حضرت سید محمد غوث گیلانی اوچ لاہور پنجاب (وفات ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء)
۵۔حضرت سید محمد غوث گوالیاری (وفات ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء)
۶۔حضرت سیدنا محمد قادری امجھر شریف بہار (وفات ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء)
۷۔حضرت پیر عطاء اللہ شاہ بغدادی (وفات ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء)
۸۔حضرت قمیص قادری بن ابوالحیات قادری سادھورہ خضر آباد (وفات ۹۹۲ھ)
۹۔حضرت سیدنا بہاء الدین قادری شطاری دولت آباد (وفات ۹۲۱ھ/۱۵۱۵ء)
۱۰۔حضرت میر سید اسمٰعیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رنتھور (وفات ۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء)
۱۱۔سیدنا شیخ تاج الدین عبدالرزاق بن حضرت غوث اعظم (وفات ۶۲۳ھ)

۱۲۔حضرت شیخ عبداللہ انصاری بدایونی (وفات بہ عہد قطب الدین ایبک)
۱۳۔حضرت خواجہ سید عرب بخاری بدایوں (وفات ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء)
۱۴۔قطب الہند سیدنا شیخ سیف الدین عبدالوہاب جیلانی بن سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی (وفات ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء)(علیهم الرحمة والرضوان)

اس طرح کل چودہ مشائخ کرام ہیں جن کے بارے میں کتب تواریخ میں ملتا ہے کہ یہ لوگ سلسلہ قادریہ کے اولین مبلغ کی حیثیت سے ہندوستان آئے اور اپنے شبانہ روز مساعی اور تبلیغی کاوشوں سے ہندوستان کی سرزمین پر علم وایقان کا اجالا پھیلایا۔لیکن اس سلسلہ میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ موخر الذکر بزرگ فرزند غوث اعظم قطب الہند حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی وہ پہلے بزرگ ہیں جو خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور سلسلہ قادریہ کو ہندوستان میں قائم کیا اس تعلق سے تمام تر تفصیل " ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون ؟ اور" ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی قطب الہند شیخ عبد الوهاب جیلانی "نامی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے جو ہندوپاک سے متعدد بار شائع ہوچکی ہیں۔

حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی کے علاوہ حضور غوث پاک کی اولاد میں حضرت مخدوم سید اوچی بن سید محمد ماہ بن سید شاہ امیر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سیف الدین عبدالوہاب جیلانی خلف اکبر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دیار روم سے برصغیر میں آئے اور قصبہ اوچ میں سکونت پذیر ہوئے ۔پانچویں صدی ہجری میں گازرونیوں کے خانودہ کے سربراہ سید صغیر الدین قدس سرہ نے اپنے عینی خواہر زادہ کو خرقہ خلافت عطا کیا اور حکم دیا کہ برصغیر میں چلے جاؤ جہاں تمہارا اونٹ بیٹھ جائے وہیں قیام کرلینا اللہ تعالیٰ کی مشیت وہ اونٹ لاہور میں اوچ کی سرزمین پر ٹھہرا اور آپ وہیں مقیم ہوگئے ۔مخدوم سید جلال الدین بخاری قدس سرہ الباری نویں صدی ہجری میں اوچ پہنچے اور وہیں مستقل قیام پذیر ہوگئے۔مخدوم سید عبدالقادر ثانی ،حضرت سید عبداللہ ،حضرت سید مبارک شاہ ،حضرت سیدنا شاہ عبدالرزاق اور حضرت سیدنا مخدوم سید حامد اور

اسی طرح نہ جانے کتنے مشائخ قادریہ ہندوستان کی سرزمین پر آسودہ خواب ہیں۔

غوث اعظم کے دوسرے فرزند حضرت سیدنا عبد الرزاق کی اولاد میں سید محمد اسماعیل تنبوری دسویں صدی ہجری میں دہلی اور آگرہ تشریف لائے اور خاندان قادریہ کی سجادگی اس علاقہ میں قائم ہوئی۔حضرت سیدنا شاہ قمیص قادری (وفات ۹۰۲ھ) کا نسب نامہ بھی فرزند غوث اعظم حضرت سیدنا عبد الرزاق جیلانی سے ملتا ہے۔آپ سیاحت کرتے ہوئے برصغیر میں تشریف لائے کچھ عرصہ بنگال میں رہے پھر پنجاب آئے اور شمالی پہاڑوں کے دامن میں خضر آباد کے مضافات میں موضع سادھوڑا میں قیام پذیر ہوئے،اسی دور کے دوسرے بزرگ شیخ کمال کیتھلی سرزمین عراق سے ملک ایران کے راستے مشہد،نجف اشرف ،تبریز اور اصفہان ہوتے ہوئے شہنشاہ بابر کے آخری دور میں ہندوستان آئے اور کیتھل کو اپنے مستقل قیام کے طور پر منتخب کیا۔آپ کا شجرۂ نسب ۱۲/ویں پشت میں حضرت غوث اعظم سے مل جاتا ہے،آپ کو سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ فضیل قادری عرف زندہ پیر (وفات ۹۷۹ھ) سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔

(تذکرہ مشائخ قادریہ،محمد دین کلیم ص ۱۴۵ لاہور ۲۰۰۱ء)

حضرت سیدنا شاہ عبداللہ (وفات ۱۰۳۷ھ) ابن سید عمر مہتھالوی کا نسب نامہ بھی بارہ واسطوں سے حضرت غوث اعظم سے جاملتا ہے آپ پندرہ سال کی عمر میں برصغیر میں وارد ہوئے اور دہلی کے نواح میں لونی کے قریب مہتھال میں سکونت پذیر ہوئے۔حضرت سیدنا عبداللہ بغدادی قدس سرہ گیارہویں صدی ہجری میں دہلی پہنچے۔

(قصر عارفاں،احمد علی چشتی جلد دوم ص ۲۶۲ لاہور ۱۹۸۸ء)

ہندوستان میں سلسلہ قادری کب آیا اس سلسلے میں ایک بحث کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے تفصیلی بحث کا یہ مقالہ متحمل نہیں تاہم یہ مسلم ہے کہ سلسلہ قادریہ ہندوستان میں اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ سلسلہ چشتیہ،سلسلہ قادریہ کے ہند میں آنے کے بعد کچھ تو اس کے بانی سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی کے ذریعے ہندوستان میں سلسلے پھیلے جس میں خاص طور سے ہریانہ و پنجاب کے علاقے جو راجستھان سے متصل ہیں ان کے اثرات وہاں پائے

جاتے ہیں اوراس کے علاوہ ان مشائخ کے ذریعہ یہاں قادریت کی شمع خوب روشن ہوئی جو باہر سے ہندوستان آئے۔

یہ مبارک سلسلہ قادریہ ہندوستان میں جن مشائخ کے ذریعہ پہنچا ان میں سرفہرست فرزند غوث اعظم سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی ہیں جو حضرت خواجہ غریب نواز کے ساتھ کسی سفر میں ہندوستان تشریف لائے، آپ کے علاوہ غیر منقسم ہندوستان میں اس سلسلہ کی نشر واشاعت کے تعلق سے مورخین جن مشائخ کو اولیت سے سرفراز فرماتے ہیں ان میں درج ذیل مشائخ قابل ذکر ہیں۔

١۔ حضرت سید جمال حیات المیر قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جن لوگوں نے ہندوستان کی سرزمین پر سلسلہ کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کیا ان میں حضرت سید حیات المیر قادری جو غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کے پوتے تھے لاہور تشریف لائے حضرت سیدنا غوث اعظم نے آپ ہی کے لئے حیات جاوداں کی دعا فرمائی تھی جو منظور ہوئی ''تحقیقات چشتی'' کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۵۲۲ھ مطابق ۱۲۲۸ء میں ہوئی، ہوش سنبھالنے کے بعد کسی سنہ میں آپ نے ہندوستان کا سفر کیا پاکستان کے مشہور بزرگ حضرت شاہ عبداللطیف برّی آپ ہی کے خلیفہ وجانشین تھے۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ، محمد دین کلیم ص ۱۲۸ لاہور ۱۹۸۸ء)

٢۔ حضرت شاہ نعمت اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت شیخ ہیں آپ کا آبائی سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

''شاہ نعمت اللہ بن سید ابو بکر بن سید شاہ نور بن سید جعفر بن سید محمد بن سید بہاء الدین بن سید داؤد بن سید ابو العاص احمد بن سید حسن بن سید موسیٰ بن سید علی بن سید محمد بن سید متقی بن سید صالح بن سید ابی صالح بن سید عبد الرزاق بن حضرت غوث اعظم''

حضرت شاہ نعمت اللہ نے اپنے والد سے بیعت حاصل کر کے خرقۂ خلافت

حاصل کیا ان کا وصال ۸۳۴ھ/۱۴۳۰ء میں ہوا مزار مبارک کوہ پہکھکی وہمنور میں ہے۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۱۱۴)

شاہ نعمت اللہ قادری کے نام سے دو بزرگ پائے جاتے ہیں جن کی ذات والا صفات سے غیر منقسم ہندوستان میں سلسلہ قادریہ رواج پذیر ہوا ان میں ایک کا تعلق دکن جب کہ دوسرے بزرگ کا تعلق گوڑ فیروز آباد پنجاب سے تھا اول الذکر کی سنہ وفات ۱۴۳۰ء ہے جب کہ موخر الذکر ۱۶۶۴ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔شاہ نعمت اللہ دکنی نے ہندوستان میں بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی سلسلہ قادریہ قائم کیا اس کی تائید شیخ محمد اکرام کی درج ذیل تحریر سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

> ''شاہ نعمت اللہ قادری دکنی نے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو رائج کیا اگر چہ یہ سلسلہ ان سے نہیں چلا لیکن تقدمیت کا شرف انھیں کو حاصل ہے۔''
>
> (شیخ اکرام،رودکوثر ص ۶۳ لاہور ۱۹۷۹ء)

موخر الذکر شاہ نعمت اللہ فیروز آبادی نے بنگال میں اس سلسلہ کو فروغ بخشا بقول شیخ محمد اکرام:

> ''بنگال میں سلسلہ قادریہ کے جس بزرگ کا نام سب سے پہلے پایا جاتا ہے وہ گوڑ فیروز آباد کے شاہ نعمت اللہ قادری تھے جو نارنول میں پیدا ہوئے اور سیر وسفر کے دوران راج محل آئے جو شاہ شجاع کے زمانہ میں بنگالہ کا حاکم تھا شاہ شجاع نے آپ کی بڑی قدر کی آخری ایام میں آپ گوڑ کے نواحی قصبہ فیروز آباد تشریف لائے اور وہیں ۱۶۶۴ء میں وفات پائی''۔
>
> (شیخ اکرام،رودکوثر ص ۵۱۳)

۳۔سید مخدوم محمد غوث قادری اوچی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بڑے فرزند حضرت سیدنا عبدالوہاب جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے احفاد میں سے ہیں، جب ہلاکو

نے بغداد کو تباہ و برباد کر دیا تو مخدوم محمد غوث گیلانی کے بزرگ بغداد سے حلب چلے گئے اور حلب ہی میں مخدوم محمد گیلانی کی ولادت باسعادت ہوئی، مخدوم محمد گیلانی صاحب عظمت وکرامت اور علوم معقول منقول کے جامع تھے اور قدرت نے آپ کو دنیاوی جاہ وجلال سے بھی نوازا تھا (اخبار الاخیار ص۲۲) ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء میں آپ اوچ لاہور تشریف لائے مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم کچھ زمانے تک لاہور محلّہ کوفت گراں اور کچھ عرصہ ناگور (راجستھان) میں سکونت پذیر رہے اور وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی، صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' لکھتے ہیں۔

''ومدتے درناگور سکونت ساخت ودر آنجا مسجدے تعمیر فرمود''۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص۱۱۶ لاہور ۱۲۸۴ھ)

آپ نے ناگور شریف میں جو مسجد تعمیر کرائی وہ آج بھی ''درگاہ بڑے پیر ناگور شریف'' میں موجود ہے۔اس مسجد میں نماز پنجگانہ ہوتی ہے، راقم السطور کو اس مسجد میں بارہا نماز کی ادائیگی کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔

تذکرہ صوفیائے پنجاب کے مصنف نے بھی آپ کا ذکر اپنی تالیف میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''سب سے پہلے ہندوستان میں طریقۂ قادریہ کے جن بزرگ کا پتا چلتا ہے وہ دکن کے شاہ نعت اللہ قادری تھے لیکن ان سے یہ سلسلہ نہیں پھیلا اور سب سے پہلے ہندوستان میں جس بزرگ نے سلسلہ قادریہ کا آغاز کیا وہ مخدوم شیخ محمد گیلانی حلبی تھے''۔

(تذکرہ صوفیائے پنجاب اعجاز الحق قدوسی ص ۵۳۹ سلمان اکیڈمی ۱۹۹۶ء)

اعجاز الحق قدوسی نے اپنی تصنیف میں ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی کے تعلق سے جس شیخ کا ذکر کیا ہے غالباً یہ وہی بزرگ ہیں جنھیں سید محمد غوث گیلانی (وفات ۱۵۱۷ء) سے شہرت ملی، اگر ایسا ہے تو ان کا ذکر پروفیسر خلیق احمد نظامی اور شیخ محمد اکرام نے

بھی کیا ہے مگر" تذکرہ اولیائے ہند" کے مصنف نے سید محمد غوث گیلانی کی ذات کو ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کی نشر واشاعت کے تعلق سے سبب اولین قرار دیا ہے وہ اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سید محمد گیلانی اہل علم اور خدا ترس بزرگ تھے سخاوت اور بہادری ان کی ذات میں نمایاں تھی، آپ نے باضابطہ مخلوق کی ہدایت کا اہم فریضہ انجام دیا، بڑے بڑے امرا اور علماء آپ کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے، سلطان سکندر لودھی نے آپ سے بیعت کی، اس طرح عقیدت مندوں کا ایک لمبا تانتا بندھ گیا آپ کی ذات باب برکت سے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا فیضان جاری ہوا اور ہندوستان میں اس سلسلہ کی نشر واشاعت کے اولین شخص قرار دیئے گئے''۔

(،تذکرہ اولیائے ہند مرزا محمد اختر جلد٣ص١٨ دہلی)

سلطان سکندر لودی کے عہد میں سلسلہ قادریہ کے آغاز کا تصور صفی حیدر نے بھی پیش کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''سلسلہ قادریہ کا آغاز ہندوستان میں بعہد سلطان سکندر لودھی حضرت سید محمد غوث سے ہوا آپ کا سلسلہ نو واسطوں سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی بانئ سلسلہ قادریہ تک پہنچتا ہے''۔(تصوف اور شاعری ص ٨٨)

ڈاکٹر یعقوب عمر نے بھی لکھا ہے۔

''جہاں تک مستند روایات ملتی ہیں اس کی رو سے حضرت عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے سب سے پہلے جس نے اس سرزمین پر قدم رکھا وہ حضرت مخدوم محمد گیلانی تھے۔ ہندوستان میں ١۴٨٢ء کے لگ بھگ آئے سکندر لودھی کو ان سے بڑی عقیدت تھی انھوں ١۵١٧ء میں انتقال فرمایا''

(مطالعہ اسلامیات ص١۴۴)

۴۔حضرت سید محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو جاری کرنے والے پہلے بزرگ سید محمد غوث گیلانی نہیں بلکہ سید محمد غوث گوالیاری ہیں اس حقیقت کا انکشاف " مطالعہ اسلامیات " کے مصنف حسن واصف عثمانی نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''ہندوستان میں محمد غوث گوالیاری (وفات ۱۵۶۲ء) سلسلہ قادریہ کے جاری کرنے والے ہیں''۔

(مطالعہ اسلامیات حسن واصف عثمانی ص ۱۴۴ الہ آباد ۱۹۸۷ء)

حسن واصف عثمانی کا نظریہ توجہ طلب ہے اور وہ اس لئے کہ سیدنا محمد غوث گوالیاری کی سنہ وفات ۹۷۰ھ ہے۔۸۰ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے ۹۷۰ھ میں ۸۰ سال کے اخراج سے سنہ ولادت ۸۹۰ھ متعین ہوتی ہے ''خزینۃ الاصفیاء'' میں سید محمد غوث گوالیاری کی سنہ وفات اس طرح مندرج ہے۔

''وفات آں جامع الکرامات باتفاق اہل اخیار در سال نہصد و ہفتاد (۹۷۰ھ) است کہ بتاریخ پانزدھم رمضان المبارک بوقوع آمد و مدت عمر ہشتاد سال و قبر او در گوالیار است''۔

(غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ ص ۳۳ لکھنؤ)

دوسری بات یہ بھی ہے کہ سیدنا محمد غوث گوالیاری کا تعلق سلسلہ قادریہ سے کہیں زیادہ سلسلہ شطاریہ سے ہے، ہندوستان میں آپ کی شہرت بحیثیت شطاری بزرگ کے ہے ۔شطاریہ وہ سلسلہ ہے جسے عبداللہ شطاری بخاری (وفات ۸۹۰ھ) نے قائم کیا تھا اور سیدنا محمد غوث گوالیاری اور ان کے نسبتی بھائی شیخ پھول اور شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی نے ہندوستان میں اس سلسلہ کو ترقی دی''۔(تاریخ سلسلہ فردوسیہ معین الدین ص ۷۰)

۵۔حضرت سیدنا سید محمد قادری الجھری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ان تفصیلات کی روشنی میں سید محمد غوث گوالیاری کو ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا

بانی کہنا تاریخی حقائق کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کی ولادت کے تقریباً پچاس سال قبل خانوادۂ قادریت کے چشم و چراغ حضرت سیدنا محمد قادری بغدادی ۸۴۶ھ میں ہندوستان کی سرزمین پر اپنے چالیس خلفاء کے ساتھ ورود مسعود فرما چکے تھے، انھوں نے اشاعت اسلام کے ساتھ سلسلہ قادریہ کو فروغ بخشا اور ان کے چالیس خلفا بہار اور اس کے اطراف ونواح کے صوبوں میں پھیل کر اس سلسلہ کے فروغ میں منہمک ہوگئے، سید فضل الحق قادری لکھتے ہیں۔

''سلسلہ قادریہ کے سب سے پہلے بزرگ حضرت سیدنا سید محمد اجھری ہیں اور آپ کے بعد مخدوم محمد گیلانی (وفات ۹۲۳ھ) اوچہ، شاہ قمیص قادری (وفات ۹۹۳ھ) محلّہ گڑھ بہار شریف اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی (وفات ۱۰۵۲ھ) حضرت میاں میر لاہوری (وفات ۱۰۴۵ھ) نے اس سلسلہ کو فروغ دیا''۔

(سید الہند اور آپ کا اسلامی مشن، فضل الحق ص۱۴ بنارس ۱۹۸۲ء)

حضرت سید محمد قادری اجھری ہندوستان اس وقت تشریف لائے جب ۸۰۱ھ/ ۱۳۹۸ء میں تیمور دہلی کو تاراج کرکے اور سلطنت تغلقیہ کو برباد کرکے چلا گیا تھا، ہندوستان میں ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، نہ جانے کتنے خودساختہ راجہ ومہاراجہ عالم وجود میں آچکے تھے، ظلم وتشدد کی فضا عام تھی کمزوروں اور ضعیفوں پر مظالم ومصائب کے پہاڑ توڑے جارہے تھے ایسے عالم میں سید محمد قادری ۸۴۶ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے صوبہ بہار میں ایک ویران جگہ چشمہ کے کنارے اپنا عصا گاڑتے ہوئے فرمایا اب میں اسی جگہ سکونت پذیر ہوتا ہوں تو بھی متحرک نہ ہونا آپ کے خلیفہ شیخ علی شیرازی جو آپ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے تھے فرماتے ہیں۔

''پس عصا کہ در دست داشت بر کنار چشمہ فرو برد گفت من دریں جا ساکن شدم تو نیز متحرک مشو در حال عصا سبز وشاخہائے پُر از گل ومیوہ ہائے برآورد''۔ (مناقب محمدیہ شیخ علی شیر شیرازی ص۲۷ لاہور ۱۳۴۰ھ)

سطور بالا میں جس عصا کا ذکر ہوا وہ عصا دراصل سلسلہ قادریہ کے سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کا تھا جسے بطور تبرک ونشانی آپ کے والد ماجد سیدنا سید محمد درویش قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے آپ کو تاج اور خرقہ کے ساتھ عطا فرمایا تھا اور ساتھ ہی وصیت بھی کی تھی کہ اس عصا کے زمین پر نصب کرنے کے بعد جہاں شاخیں اور کونپلیں نکل آئیں وہیں سکونت اختیار کر لینا۔(شیخ علی شیرازی، حاشیہ مناقب محمدیہ ص۲۷)

والد ماجد کی وصیت کے مطابق آپ نے وہیں بود وباش اختیار کر لی آپ کے شرف بخشنے کے باعث اس سرزمین کو امجد کہا جانے لگا جواب کثرت استعمال اور امتداد زمانہ کے باعث ''اجھر'' ہو گیا ہے۔(سید الہند اور آپ کا اسلامی مشن ص۲۳)

حضرت سیدنا سید محمد نے اپنے والد ماجد کے حکم کے بموجب دوران سفر ہندوستان میں موضع سرہرپور متصل کچھوچھہ مقدسہ صوبہ اتر پردیش میں اپنے ہی خانوادہ کے ایک بزرگ حضرت سیدنا تاج الدین ابو عبد الرزاق کی دختر نیک اختر فاطمہ عرف بی بی پیارن سے رسم مناکحت فرمائی۔(اذکار طیبہ، انیس احمد ص۳۴)

حضرت سیدنا محمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات پاک سے ہندوستان میں جس طرح سلسلہ قادریہ کا فروغ ہوا اس کی ایک طویل داستان ہے مختصر یہ کہ آپ نے کئی راجاؤں مہاراجاؤں کو ان کے ظلم وتشدد کی بنا پر بحکم الٰہی فنا کے گھاٹ اتارا پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات سے وہاں کے عوام کو روشناس کر کے اپنے سے قریب کیا اور یہ سلسلہ آپ کی حیات مقدسہ تک چلتا رہا۔ ربیع الاول ۹۴۰ھ میں آپ نے وفات پائی وفات سے کچھ قبل لفظ ''عشق'' آپ نے دو بار ارشاد فرمایا تھا تکرار ''عشق'' ہی مادہ تاریخ وصال ہے۔

(مراۃ الکونین غلام نبی، ص ۳۹۸ لکھنؤ ۱۳۱۲ھ)

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت اور فروغ آپ کی ذات اقدس سے ہوا اس کا اعتراف پروفیسر محمد طیب ابدالی نے درج ذیل لفظوں میں کیا ہے۔

'' سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت سیدنا محمد القادری البغدادی الاجھری کا قدم مبارک ہندوستان میں ۸۴۶ھ میں پہنچا اور

آپ نے اس دیار میں سلسلہ قادریہ کی تعلیمات روحانی وباطنی کی ترویج واشاعت کی۔آپ کے بعد آپ کے خلفا وجانشینوں نے اس فیضان کا زیادہ سے زیادہ اجرا کیا، پابندی شریعت اور اتباع سنت پر سختی سے گامزن رہے۔رسوم جہالت وشرک وبدعات کا قلع وقمع کیا،تزکیہ نفس وتصفیہ قلب کی تعلیم کی خدمت خلق ورشد وہدایت کی توسیع کی ان سب حقائق نے سلسلہ قادریہ کومقبول عام بنایااوراس کی اشاعت کافی ہوئی“۔

(جادہ عرفاں ص ۲۱۰)

پروفیسر طیب ابدالی نے اس کا دعویٰ تونہیں کیا کہ سید محمد قادری اجھری ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے اولین بزرگ ہیں انھوں نے موزوں ترین بات کہی ہے بلاشبہ سیدنا محمد قادری کی ذات والا صفات سے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا فیضان زیادہ سے زیادہ جاری ہوا اوران کے خلفا کے ذریعہ بہاراوراس سے ملے ہوئے دیگر صوبوں میں قادری فیوض وبرکات کے کئی چشمے رواں ہوئے۔

اس سلسلے میں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بغداد سے ہندوستان روانہ ہوتے وقت آپ کے والد ماجد نے ہندوستان جاکر اپنی ہی نسل میں شادی کرنے کے لیے بھی فرمایا تھا ۔شیخ علی شیرازی لکھتے ہیں۔

”وقت وداع پدر بزرگوارش فرمودا ے پسر اگر چہ حاجت نیست نصیحت وادب ونکوئی زیرا کہ خدائے تعالیٰ ہمہ بخشندہ است بتو لیکن مزاج تجرد وتفرید از تزویج می نماید ازیں موجب ترا اندر زمی کنم باید کہ بجا آری وزنے درعقد آری از اعیان واشراف خصوصاً از برادران مثل سید احمد قادری کہ در ہند رفتہ متوطن گردید درنسل اومناکحت میسر آید جائے دیگر نکنی دریں معنیٰ ہرگز تغافل نورزی“۔(مناقب محمدیہ ص ۴۰)

والد ماجد کے حکم کے بموجب آپ نے دوران سفر ہندوستان میں موضع سرہرپور متصل کچھوچھہ مقدسہ صوبہ اترپردیش میں اپنے ہی خانوادہ کے ایک بزرگ حضرت سید تاج

الدین ابوعبدالرزاق کی دختر نیک اختر فاطمہ عرف بی بی پیارن سے رسم مناکحت فرمائی‘‘۔
(اذکار طیبہ ص۳۴)

اس واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ خانوادہ قادریت کے بزرگ نویں صدی عیسوی ہجری کے قبل ہی ہندوستان میں آکر متوطن ہو چکے تھے اور شمع قادریت کی لو سے ہزاروں گم گشتگان راہ کو راہ حق وصداقت سے ہمکنار کر چکے تھے۔

۶۔حضرت پیر عطاء اللہ شاہ بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نویں صدی ہجری کے قبل ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں سلسلہ قادریہ کے بزرگ ہندوستان میں موجود تھے لیکن انھیں زیادہ اہمیت حاصل نہ تھی اس حقیقت کا انکشاف سید شمیم احمد ڈھاکہ کے اس مقالہ سے ہوتا ہے جو’’بہار کے صوفیائے کرام‘‘ کے عنوان سے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

’’بہار میں ساتویں، آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے نصف اول تک قادریہ سلسلہ کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں رہی گو اس سلسلہ کے متعدد بزرگ بنگال و بہار میں موجود تھے مگر ان کا حلقہ اثر زیادہ وسیع نہ تھا مخدوم الملک کے معاصرین میں اس سلسلہ کے سب سے مشہور ومعروف بزرگ پیر عطاء اللہ شاہ بغدادی (وفات ۸۱۷ھ) ہیں جن کا مزار مقدس بہار شریف میں محل پیرا اور شیر پور کے درمیان سڑک سے تھوڑی دور پرندی کے کنارے واقع ہے، یہ جگہ عرف عام میں’’پیرستہ گھاٹ‘‘ کہلاتی ہے’’پیرستہ‘‘ لفظ پیر عطا شاہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے، قادریہ سلسلہ کی دوسری مشہور ہستی حضرت داؤد قریشی کی ہے جو حضرت صدرالدین راجو قتال بخاری (وفات ۸۰۹ھ) کے مرید وخلیفہ تھے، قادریہ سلسلہ کو زیادہ عروج مغلوں کے دور میں ہوا اور آج یہ حال ہے شاید ہی کوئی ایسی خانقاہ یا گدی ہو جہاں اس سلسلہ میں بیعت نہ لی جاتی

ہو یا اس کا فیضان نہ پہنچا ہو۔

(سید شمیم احمد ڈھاکہ، بہار کے صوفیائے کرام۔معارف جلد ۶ ص ۴۵۴

درج بالا عبارت کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں سلسلہ قادریہ کی بنیاد ہندوستان میں پڑ چکی تھی مگر فروغ اسے نویں صدی ہجری کے نصف اول میں حاصل ہو سکا۔

۷۔حضرت سید ابوالحیات قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بنگال میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت میں جس اہم شخصیت نے کلیدی کردار ادا کیا ہے وہ حضرت قمیص اعظم قادری علیہ الرحمۃ والرضوان (ولادت ۸۹۷ھ وفات ۹۹۲ھ) کے والد ماجد سید ابوالحیات علیہ الرحمۃ والرضوان تھے جن کو سیدنا شیخ عبد الرزاق قادری جیلانی (وفات ۶۲۳ھ) سے سلسلہ کی نسبت حاصل تھی۔وہ بغداد سے تشریف لا کر قصبہ سادھورہ خضر آباد میں مقیم ہوئے۔ان کے تذکرہ میں پروفیسر غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ یہی وہ اول بزرگ ہیں جن کی ذات سے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو فروغ ہوا، وہ لکھتے ہیں۔

> ''ابوالحیات اول بغداد سے ہندوستان آئے اور چندے بنگال میں تشریف رکھی۔پھر قصبہ سادھورہ خضر آباد جو انبالہ کے علاقہ میں ہے آئے اور سکونت اختیار کی اور ایک شخص نصر اللہ نامی نے جو عامل اور عالم تھے۔اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی۔اس کے بطن سے سید شاہ قمیص پیدا ہوئے جو مادر زاد ولی تھے۔باپ نے ان کو ظاہری اور باطنی تعلیم دی ہزاروں ان کی ذات بابرکت سے کمالات صوری و معنوی کو پہنچے۔گویا سلسلہ قادریہ ان کی ذات بابرکت سے ہند میں شائع ہوا ان کی اولاد سادھورہ میں رہتی ہے۔
>
> (غلام سرور لاہوری، حدیقۃ الاولیاء ص ۴۰ لاہور ۱۹۷۶ء)

مفتی غلا سرور لاہوری کی درج بالا تحریر سے اتنا تسلیم کر لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ جس طرح سلسلہ قادریہ کے دوسرے مشائخ سے اس سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا اسی

طرح سید ابوالحیات اوران کے فرزند دلبند حضرت شاہ قمیص قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات نے بھی اس سلسلہ کی اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

۸۔حضرت سیدنا بہاء الدین قادری شطاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سلسلہ قادریہ رضویہ کے بانی امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان (وفات ۱۹۲۱ء) ہیں انھیں خانوادہ مارہرہ شریف کے ایک بزرگ قدوۃ العارفین خاتم الاکابر حضرت سید آل رسول قدس سرہ (وفات ۱۲۹۶ھ) سے بیعت وخلافت حاصل تھی انھی کے واسطہ سے یہ سلسلہ حضرت شاہ برکت اللہ مارہروی سے ہوتے ہوئے حضرت سیدنا بہاء الدین شطاری دولت آبادی علیہ الرحمہ سے جاملتا ہے۔حضرت سیدنا بہاء الدین قادری شطاری دولت آبادی (وفات ۹۲۱ھ) وہ جلیل القدر بزرگ شخصیت ہیں جن کی عظمت کا اندازہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے درج ذیل شعر سے لگایا جاسکتا ہے۔

منتقیٰ جوہر زجیلاں سید احمد الاماں   بے بہا گوہر بہاء الدین بہا امداد کن

درج بالا شعر میں مصرع ثانی سے سیدنا شیخ بہاء الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی مراد ہے جب کہ مصرع اولیٰ سے ان کے پیر ومرشد سیدنا احمد الجیلانی (وفات ۸۵۳ھ) کی ذات مراد لی گئی ہے۔حضرت سید بہاء الدین قادری نے نویں صدی ہجری کی ابتدا میں زیارت حرمین شریفین کے دوران خاص حرم شریف میں آپ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل کیا تھا انھوں نے سلسلہ قادریہ کے اوراد اشغال سے متعلق ایک کتاب بھی لکھی تھی جس میں انھوں نے اپنا انتساب سلسلہ قادریہ سے جس انداز میں کیا ہے وہ قابل مطالعہ ہے اس کی صراحت مختصر طور پر شیخ عبدالحق نے اس طرح کی ہے۔

لقن شیخ السمٰوات والارضین شیخ محی الدین عبد القادر الجیلی ابنه الشیخ عبد الرزاق ولقن شیخ عبد الرزاق شیوخاً بعد شیوخٍ الیٰ شیخی ومرشدی سید احمد الجیلی القادری الشافعی وشیخی لقنی جمیع

الاذکار والبسنی الخرقة القادریة فی الحرم الشریف تجاہ الکعبة۔' (شیخ عبدالحق،اخبارالاخیار ص۱۶۰ دہلی)

سیدنا بہاء الدین قادری علیہ الرحمہ نے قادریت کا بیش بہا فیضان سرزمین بیت اللہ پر سید احمد جیلانی سے حاصل کیا اور ہندوستان واپس آکر اسے جاری وساری فرمایا ہندوستان کی اکثر وبیشتر قادری خانقاہیں ایسی ہیں جن کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے بطور خاص صوبہ اتر پردیش کی اکثر خانقاہوں کا روحانی تعلق آپ ہی کی ذات گرامی سے ہے۔تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ کے مصنف لکھتے ہیں۔

''آپ (سید بہاء الدین) کی ذات مقدس سے ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کی ترویج ہوئی۔جوق در جوق لوگ آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور آپ کے فیض صحبت سے بے شمار لوگ سلسلہ ارادت میں شامل ہوکر ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئے یہی وجہ ہے کہ آج بھی سلسلہ قادریہ سے کروڑوں افراد منسلک ہیں اور آپ کا فیض روحانی اہل ہند پر جاری وساری ہے''۔

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ،عبدالمجتبیٰ ص۲۷۹ دہلی ۱۹۸۹ء)

حضرت سیدنا بہاء الدین قادری نے کس سنہ میں فریضہ حج ادا کیا اس کا پتا نہ چل سکا ورنہ یہ تعین کرنے میں آسانی ہوجاتی کہ سیدنا سید محمد الجھری کو ہندوستان میں قادریت کی اشاعت میں تقدم اور اولیت حاصل ہے یا سیدنا بہاء الدین قادری کو، سیدنا سید محمد الجھری علیہ الرحمہ کی سنہ وفات ۹۴۰ھ ہے اور سید بہاء الدین ۹۲۱ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے نویں صدی ہجری ہی میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا اور خلق خدا کو اس سلسلہ کے فیوض وبرکات سے مستفیض فرمایا۔

اب تک ہمارے سامنے ارباب فکر ونظر کی جتنی تحریریں آئی ہیں اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ نویں صدی ہجری کے نصف اول میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت خوب ہوئی

لیکن اس سے قبل ہی اس سلسلے کی بنیاد ہندوستان میں پڑ چکی تھی اگر چہ ہمارے بعض مورخین اور دانشوروں نے اس حقیقت سے چشم پوشی کی ہے اوراس کی وجہ شاید یہ ہوسکتی ہے کہ ہندوستان میں تصوف کے موضوع پر لکھنے والوں کا تعلق اکثر سلسلہ چشتیہ اور دوسرے سلاسل سے ہے اس لیے وہ قادریت سے متعلق تمام تر موادفراہم کرنے میں دلچسپی نہ لے سکے اور ایک دوسرے کی تحریروں کو بنیاد بنا کر آگے بڑھ گئے اس مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ اگر مذکورہ نظریات وخیالات پر آمنا وصدّقنا کہہ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بغداد معلیٰ میں اس عظیم سلسلہ کی بنیاد پڑنے کے تقریباً دو ڈھائی سوسال بعد یہ سلسلہ ہندوستان پہنچا حالاں کہ یہ معاملہ قابل غور بھی ہے اور باعث عجب بھی کیوں کہ جب راقم السطور نے تصوف پر لکھی جانے والی کتابوں کا بالاستیعاب جائزہ لیا تو ایسے حقائق سامنے آئے جن سے صرف نظر کسی صورت میں ممکن ہی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہمارے مورخین وسوانح نگاروں کو اس کا ذکر اپنی تصانیف میں کرنا تو کجا اس کی نشاندھی کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔

۹۔حضرت میر سید اسماعیل قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت میر سید اسماعیل قادری حضرت میر سید ابدال کے بیٹے تھے ۸۰۹ھ میں ولادت ہوئی سلسلہ قادریہ کے اہم بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے اخبارالاخیار میں ہے۔

''آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے ہندوستان میں سیدنا عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے سلسلہ کو جاری کیا'' (اخبارالاخیار اردو ص ۴۳۹)

مفتی غلام سرور لاہوری نے اخبارالاخیار کی یہ عبارت درج کر کے یہ ثابت کر نے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا اجرا کرنے والوں میں جن چند بزرگان دین کا نام آتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی تھے لیکن ان کی تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اولیت انھیں نہیں بلکہ ان کے آباء واجداد کو حاصل تھیں ،مفتی غلام سرور اخبارالاخیار کے حوالہ سے ہی لکھتے ہیں۔

''اول کسیکہ از سلاسل خاندان عالیشان قادریہ اعظمیہ رونق افزائے ہندوستان شد بزرگان سید اسماعیل بودند کہ قبل از نشان احدی از اولا دحق باحضرت غوثیہ رخ بہ ہندوستان نکرد و اگر کرد قیام نپذیرفت و بہ برکت نفس آں سید الاولیاء خلق کثیر بہدایت وارشاد رسید''۔

(خزینۃ الاصفیاء ص ۱۲۶)

(قادری خانوادہ کے پہلے جو بزرگ ہندوستان آئے وہ میر سید امساعیل کے آباواجداد تھے ان سے پہلے کسی نے ہندوستان کا رخ نہیں کیا اور اگر تشریف لائے بھی تو اقامت نہیں فرمائی ان کے آباء واجداد میں سے کون بزرگ پہلے ہندوستان تشریف لائے ہیں ان کی ذات بابرکت سے بے شمار بندگان خدا کو ایمان کی دولت ملی)

میر سید اسماعیل کے آباء واجداد میں کس نے پہلے ہندوستان کا رخ کیا اس کی کہیں وضاحت نہیں ملتی لیکن اتنا طے ہے کہ اس خانوادہ کے بزرگ جب بھی ہندوستان تشریف لائے ان کے دست حق پرست پر بے شمار لوگوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

''اخبار الاخیار'' کے مترجم نے براہ راست میر سید اسماعیل کے بارے میں لکھا ہے کہ وہی سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے اور سلسلہ قادریہ کا اجرا کیا جب کہ مفتی غلام سرور نے اخبار الاخیار کے حوالہ سے جو عبارت درج کی ہے اس سے اس کی تائید نہیں ہوتی ایسا لگتا ہے کہ مترجم سے سہواً 'بزرگان'' کا لفظ ترجمہ کرنے سے رہ گیا ہے۔ میر سید اسماعیل کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

سید اسماعیل بن سید ابدال بن سید نصر بن سید محمد بن سید موسیٰ بن سید عبدالجبار بن ابی صالح بن سیدنا عبدالرزاق بن محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضرت میر سید اسماعیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لمبی عمر پائی۔ ۹۹۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار مقدس رنتھبور میں مرجع انام میں ہے۔

۱۰۔حضرت شیخ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت شیخ عبداللہ انصاری بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان وہ قدیم بزرگ ہیں جن کی ذات سے ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کو زیادہ فروغ حاصل ہوا یہ بزرگ حضرت ایوب انصاری کی اولاد میں سے تھے ''جھنڈے والے'' سے شہرت حاصل تھی۔جھنڈے والے پیر کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ سلطان محمد غوری کی سپاہ میں علمبردار رہے اسی مناسبت سے آپ کو ''جھنڈے والے پیر'' سے شہرت حاصل ہوئی۔آپ کا مزار مقدس شہر بدایوں کے کھنڈ ساری محلّہ میں مسجد کے عقب میں ایک حریم کے اندر ہے اور اہل بدایوں آپ کو ''جھنڈے والے پیر'' ہی کے نام سے جانتے ہیں۔

شیخ عبداللہ انصاری کو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے بے حد عقیدت تھی جو جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا اسے وہ ''غوثیہ علم'' کہتے تھے آج بھی ۱۰ربیع الثانی کی شب میں اس جھنڈے (غوثیہ علم) کو غسل دے کر غلاف تبدیل کیا جاتا ہے اور فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ مردان خدا کے مصنف ضیاء علی قادری لکھتے ہیں۔

> ''شیخ عبداللہ انصاری شیخ احمد رفاعی سے مرید ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا شریعت وطریقت سے آگاہ قادری مشرب بزرگ تھے،اپنے خاندان کے ستر افراد کو ساتھ لے کر بہ نیت جہاد قطب الدین ایبک کے ہمراہ ۵۹۹ھ میں بدایوں تشریف لائے اور مرتبہ شہادت پایا''۔
>
> (مردان خدا،ضیا علی قادری اص ۷ ۱۰ ابریل ۱۹۹۰ء)

ہندوستان اور قبۃ الاسلام بدایوں میں آپ کی تشریف آوری سے بصد وثوق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا قیام چھٹی صدی ہجری میں ہو چکا تھا اور مذکورہ بالا شواہد سے اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ اس کا فروغ رفتہ رفتہ ہونے لگا تھا صرف قبۃ الاسلام بدایوں کی سرزمین پر ایسے ۲۶ مشائخ وبزرگان دین آسودہ خواب ہیں جن کا روحانی تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا ان شواہد کی روشنی میں یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ نویں صدی ہجری کے

قبل ہندوستان میں اس سلسلہ کا وجود نہیں ملتا اس کا قیام نویں صدی ہجری میں ہوا اور بعد کے ادوار میں اس کی نشر واشاعت ہوئی۔

انھیں بانی سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے ارادت کا فیضان حاصل تھا بہ نیت جہاد قطب الدین ایبک کے ہمراہ ۵۹۹ھ میں بدایوں تشریف لائے۔آپ سلطان کی فوج میں علم بردار تھے جو علم آپ کے ہاتھ میں تھا اس کا نام آپ نے ''غوثیہ علم'' رکھا تھا غوثیہ علم آج بھی بدایوں شریف کے محلّہ کھنڈ ساری میں موجود ہے۔راقم کو اس کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا ہے وہیں آپ کا مزار مقدس بھی ہے۔مردان خدا کے مصنف لکھتے ہیں۔

> ''شریعت وطریقت سے آگاہ قادری مشرب بزرگ تھے سلطان محمد غوری کی سپاہ میں علم بردار رہے اپنے ساتھ ستر اشخاص کو لے کر بہ نیت جہاد قطب الدین ایبک کے ہمراہ ۵۹۹ھ میں بدایوں تشریف لائے اور مرتبۂ شہادت پایا''۔(مردان خدا،ضیاءعلی اشرفی ص ۱۰۷ ابریل ۱۹۹۰ء)

۱۱۔حضرت خواجہ سید عرب بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مدینۃ الاولیاء بدایوں کی سرزمین پر ایک ایسے دوسرے بزرگ کا بھی پتا چلتا ہے جن کا سلسلہ بیعت وخلافت صرف ان کے والد ماجد کی وساطت سے بانی سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان تک پہنچ جاتا ہے وہ شخصیت تھی حضرت خواجہ سید عرب بخاری علیہ الرحمہ کی جو سلطان الاولیاء محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء کے رشتے میں نانا ہوتے تھے۔

خواجہ سید عرب بخاری سید اعظم ابوعبیداللہ جعفر ثانی کی اولاد میں سے تھے اجداد کا وطن بخارا تھا بعد میں وہاں سکونت ترک کر کے غزنی چلے آئے تھے۔یہیں ۵۵۱ھ میں ان کی ولادت ہوئی قطب الدین ایبک کے عہد حکومت میں اہل وعیال کے ہمراہ ہندوستان آ گئے اور لاہور میں قیام کیا ۶۰۶ھ میں قبۃ الاسلام کی کشش سے لاہور سے بدایوں تشریف لے

آئے اور سوتھا محلّہ میں قاضی حسام الدین ملتانی کی مسجد کے قریب مسکن گزیں ہو گئے۔

(مردان خدا ص۱۲۹)

خواجہ سید عرب بخاری کے والد ماجد خواجہ ابو المفاخر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلیفہ تھے انھوں نے اپنے والد ماجد سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔

سید عرب بخاری اپنے زمانے کے ممتاز بزرگان دین میں سے تھے۔ صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ امیرانہ زندگی بسر کرنے کی عادت تھی ۔فیاضی اور مہمان نوازی میں طاق تھے، دوچار مہمان بلا ناغہ روزانہ آپ کے دستر خوان پر ہوتے تھے ۔۸؍ شوال المکرّم کو وصال ہوا مولانا حسن صغانی نے نماز جنازہ پڑھائی ، شیخ فتح اللہ شیرازی ، (وفات ۶۲۱ھ) اور ملا عبد اللہ مکی (وفات ۶۲۷ھ) نے قبر میں اتارا، مزار مقدس اندرون شہر جانب شمال وجے نگلہ پروفیسرس کالونی کے قریب ایک مختصر حریم کے اندر ہے کسی صاحب دل نے قطعۂ تاریخ وصال اس طرح لکھا ہے۔

چوں آں سید عرب ماہ طریقت — بجنت رفت زیں دنیائے فانی

''نصیر یاوراں'' تاریخ رحلت — شنیدم ز ندائے ملہم غیب

(مردان خدا ص۱۳۵)

مذکورۃ الصدر دونوں بزرگوں کی ہندوستان اور پھر قبۃ الاسلام بدایوں میں تشریف آوری سے بصد وثوق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا قیام چھٹی صدی ہجری میں ہو چکا تھا۔اس سلسلہ کا فروغ بھی رفتہ رفتہ ہونے لگا تھا،صرف قبۃ الاسلام بدایوں کی سرزمین پر ایسے چھبیس اولیائے کرام آسودۂ خواب ہیں جن کا روحانی تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ان شواہد کی روشنی میں یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ نویں صدی ہجری کے قبل ہندوستان میں اس سلسلہ کا وجود نہیں ملتا۔

مردان خدا کے مصنف ضیاء علی قادری سے راقم السطور نے ان بزرگوں سے متعلق مزید تفصیل جاننے کے لئے جب یکم نومبر ۱۹۹۴ء کو ملاقات کی اور اس کتاب سے

متعلق دریافت کیا جہاں مصنف نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے تو وہ فرمانے لگے۔

''مردان خدا کا اصل ماخذ ملا عبد القادر بدایونی (وفات ۱۰۰۴ء) کی تصنیف ''کشف الغطا فی احوال اصحاب الصفاء'' ہے، یہ کتاب عربی زبان میں تھی اور ۱۹۴۷ء تک بدایوں میں محفوظ رہی جس گھر میں یہ کتاب تھی، اسی ہنگامہ میں پاکستان سے آئے ہوئے شرنارتھیوں نے اس گھر کو آگ لگادی اور دوسری کتابوں کے ساتھ یہ کتاب بھی جل کر راکھ ہوگئی، البتہ اس کا دوسرا نسخہ لندن کی ایک لائبریری میں محفوظ ہے۔

مردان خدا کے دوسرے مآخذ میں مولوی عبد الولی بدایونی کی ''باقیات الصالحات'' ہے جو فارسی زبان میں بشکل مخطوطہ محفوظ ہے، یہ کتاب تقریباً ''کشف الغطا'' کا چربہ ہے، ''تاریخ اولیائے بدایوں'' غالباً اسی کتاب کا ترجمہ ہے، اس کتاب سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے۔

خان بہادر مولوی رضی الدین فرشوری نے ''تذکرۃ الواصلین'' کے نام سے شیخ اکرام اللہ محشر بدایونی کی فارسی تصنیف ''روضہ صفا'' کا ترجمہ کیا تھا جو نظامی پریس بدایوں سے شائع ہو چکا ہے، اصل کتاب ہنوز طباعت کی منتظر ہے، ''روضہ صفا'' کا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں بھی ہے، ان کتابوں کے علاوہ ''طبقات الاولیاء فی مدینۃ الاولیاء'' جسے ''جامع بصیرین'' بھی کہا جاتا ہے سے استفادہ کیا ہے۔

ضیاء علی بدایونی کی گفتگو اور ماخذ کے طور پر استعمال کی ہوئی کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو انھوں نے مردان خدا میں لکھا ہے وہ مستند حوالوں کی روشنی میں لکھا ہے اگر مصنف ان حوالوں کی نشاندھی اپنی وقیع تصنیف میں فرمادیتے، تو کتاب مستند ہی صرف نہیں ہوتی بلکہ اس کی وقعت میں مزید چار چاند بھی لگ جاتے۔

خواجہ سید عرب بخاری کو اپنے والد سے سلسلہ قادریہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔آپ کے والد سیدنا غوث اعظم کے مرید وخلیفہ تھے تذکرۃ الواصلین کے مصنف

لکھتے ہیں۔

''تذکرہ اولیائے ہند کے مصنف نے آپ کے والد کو پیران پیر غوث اعظم کا خلیفہ لکھا ہے اس لئے آپ کا قادری ہونا متفق ہے''۔

(تذکرۃ الواصلین، محمد رضی فرشوری حاشیہ ص ۷۱ بدایوں ۱۹۴۵ء)

بدایوں شریف میں ۶۲۸ھ میں وصال ہوا مولانا رضی الدین حسن صغانی نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ فتح اللہ شیرازی اور ملا عبد اللہ مکی نے قبر میں اتارا مزار مقدس اندرون شہر بدایوں جانب شمال وجے نگلہ پروفیسرس کالونی کے قریب ایک حریم کے اندر ہے۔

(مردان خدا ص ۱۳۶)

۱۲۔شیخ محمد احمد قطب الدین مدنی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کے ہمشیر زادہ تھے ہندوستان تشریف لائے۔مزار اقدس کڑہ مانکپور میں ہے۔۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء میں وفات پائی۔

(تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۱۲۸)

آپ بانی سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کے ہمشیر زادہ تھے ولادت مدینہ منورہ میں ہونے کی وجہ سے انھیں مدنی کہا جاتا ہے اپنے ماموں زاد بھائی سیدنا تاج الدین عبد الرزاق اور شیخ نجم الدین کبریٰ سے علمی استفادہ کیا اور علم وفضل میں یکتائے روز گار ہوئے فتنہ مغول میں جب والد ماجد کی شہادت ہوگئی تو بغداد سے ترک وطن کر کے غزنی آگئے اور وہاں مدتوں قیام کیا جب مدینہ منورہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضری ہوئی تو وہاں انھیں کافران ہند سے جہاد کر کے اشاعت دین حق کرنے اور اس سرزمین کو اپنا مستقل رہائش گاہ بنانے کی بشارت ہوئی اور اس سلسلے میں سلطان غزنی سے بھی امداد واعانت حاصل کرنے کا حکم صادر ہوا، بشارت کے مطابق وہ غزنی تشریف لے گئے، سلطان وقت کے سامنے سرکار دو عالم ﷺ کی بشارت اور اپنے دل کا مقصد بیان کیا، سلطان غزنی کو بھی اس معاملہ کی اطلاع بارگاہ رسالت سے ہوچکی تھی، بادشاہ ان کی ملاقات سے بہت خوش ہوا پہلے

تو اس نے انتہائی نیاز مندانہ انداز میں اپنی بیٹی کو ان کے بیٹے سید نظام الدین کے عقد میں دیا۔ پھر اٹھارہ ہزار کا لشکر جرار جس میں سید فخر الدین، قاضی شیخ احمد، محتسب عثمانی، سید احمد، سید احسن، سید محمد حاجی جمال اور شجاع الدین جیسے سردار اور فیروز چندن، حمید اور بایزید جیسے سالار تھے ان کی قیادت میں روانہ کیا۔ یہ لشکر اسلام غزنی سے دہلی پہنچا راستے میں کسی نے کوئی مزاحمت نہ کی، جس وقت ان کی سربراہی میں مجاہدین اسلام کا یہ قافلہ ہندوستان پہنچا اس وقت غالباً یہاں قطب الدین ایبک فرمانروا تھا، شیخ ابراہیم السامرائی لکھتے ہیں۔

لعله فی ا یام قطب الدین ایبك فجاهد معه فی سبیل الله

(علماء العرب فی شبهة القارہ ص ۳۵)

سید محمد قطب الدین مدنی نے دہلی پہنچ کر کچھ دنوں قیام کیا اور اپنی صلاحیت کی بنا پر شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے پھر دہلی سے قنوج پر چڑھائی کی وہاں کے راجہ راٹھور کے فوجوں سے گھماسان کی جنگ ہوئی جس میں انھیں کامیابی ملی۔ دوسرے روز راجہ جے چند نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کی فوجوں پر حملہ کر دیا راجہ کے لشکر کا مقابلہ ان کے بڑے لڑکے سید نظام الدین کی قیادت میں کیا گیا سید احسن، شیخ منہاج الدین، امیر قیام الدین، سید یوسف جیسے تجربہ کار مجاہدین نے اس موقع سے اپنی جنگی مہارت کا ثبوت دیا اور دشمنان اسلام کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے، راجہ قنوج کو شکست فاش ہوئی اس نے اپنے قلعہ کو خیر آباد کہا اور نویں ماہ شعبان کو کڑہ مانک پور کی طرف چلا گیا، قلعہ قنوج پر اسلامی پرچم بلند ہوا کچھ فوجیں وہیں ٹھہر گئیں اور سید نظام الدین کچھ فوجیں اپنے ساتھ لے کر کڑہ مانک پور کی طرف عازم سفر ہوئے۔ چوں کہ قلعہ کڑہ مانک پور بہت مضبوط اور مستحکم تھا بغیر توپوں کے اس کی فتح ممکن نہ تھی اس لئے راجہ قنوج کی توپیں بھی اپنے ساتھ لیتے گئے اور دوران جنگ جن دشمنان اسلام کو بندی بنایا گیا تھا انھیں سے توپوں کو کھنچوایا گیا۔ اس طرح مجاہدین اسلام کا یہ قافلہ قنوج سے ۲۲/شعبان المعظم کو چل کر ۵/رمضان المبارک کو کڑہ مانک پور کے حدود میں داخل ہو گیا۔

جب کڑہ مانک پور کے راجہ کو لشکر کی آمد کی خبر ملی تو اس نے عوام کو شہر سے باہر

جانے کا حکم دے دیا اور انھی جوانوں کو روکا جو لڑائی میں کام آسکتے تھے وہاں پہنچتے ہی سید نظام الدین نے توپوں کے ذریعہ پہلے تو قلعہ کا محاصرہ کیا اور پھر گولہ باری کا سلسلہ شروع کردیا لشکر اسلام کی طاقت دیکھ کر راجہ کڑہ کی فوجیں کچھ سہم سی گئیں، جنگ وجدال کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا خدا تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی اس لئے لشکر اسلام کا ۱۱ / ذی قعدہ کو باضابطہ طور پر کڑہ کے قلعہ پر قبضہ ہوگیا، اگرچہ اس معرکہ میں کچھ مجاہدین اسلام نے ضرور درجہ شہادت پائی مگر میدان انھیں کے ہاتھ رہا۔

قلعہ کڑہ کا محاصرہ کرتے ہی سید قطب الدین مدنی نے اپنے دوسرے فرزند سید تاج الدین کو دو ہزار کا لشکر دے کر قلعہ مانک پور فتح کرنے کے لئے بھیج دیا قلعہ کڑہ پر مسلمانوں کے حملے کی خبر پاتے ہی مانک پور کا راجہ اپنا قلعہ چھوڑ کر فرار ہو چکا تھا بڑی آسانی کے ساتھ بس تھوڑی ہی محاربت کے بعد قلعہ مانک پور فتح ہوگیا۔حاجی جمال اس معرکہ میں شہید ہو گئے اور حسب وصیت انھیں اس قلعہ کے اندر ہی دفن کیا گیا۔ راجہ مانک پور اپنی حفاظت کے لئے قلعہ کو خالی کر کے راجہ بنارس کے پاس چلا گیا۔مگر اسے وہاں بھی امان نہ ملی لشکر اسلام نے اس کا وہاں بھی تعاقب کیا۔جب راجہ بنارس کو مسلم مجاہدین کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ گھبرا سا گیا اور اس گھبراہٹ میں اس نے اپنی جان دے دی اور راجہ مانک پور دہشت زدہ ہوکر راجہ کنتت کے پاس جو الہ آباد کے جنوب میں واقع ہے چلا گیا۔

سید قطب الدین مدنی جس زمانہ میں کڑہ مانک پور کا قلعہ فتح کرنے میں مصروف تھے، انھی ایام میں ان کا مرید ومعتقد قطب الدین ایبک علاقہ اودھ میں اپنی فوجی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔جب سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو وہ اپنے مرشد کی امداد واعانت کی خاطر خود کڑہ مانک پور پہنچا اور جنگی مہم میں حصہ لیا۔جس کے باعث قلعہ کڑہ مانک پور کو فتح کرنے میں جلد کامیابی ملی، کڑہ مانک پور کا علاقہ لشکر اسلام کے زیر نگیں آتے ہی سید قطب الدین مدنی نے اپنے دونوں ہمشیر زادے سید علاء الدین اور سید قاسم کی قیادت میں کچھ فوجوں کو وہاں بھیجا اور یہ حکم دیا کہ راستہ میں جو سر اطاعت خم کردے اسے نہ چھیڑنا اور جو مزاحم ہوں انھیں مت چھوڑنا۔جب یہ لوگ اپنی فوجوں کے ساتھ راجہ ہنس کے

بسائے ہوئے شہر ''ہنسوہ'' پہنچے اور راجہ کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ تلوار لے کر میدان میں نکل آیا۔لشکر اور اس راجہ کی فوج کے درمیان جنگی جھڑپیں ہوئیں۔اس جنگ میں راجہ ہنس مارا گیا۔سید علاء الدین بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے۔'' باسم درگاہ'' کے نام سے جو خانقاہ وہاں مشہور ہے اسی میں سید علاء الدین آرام فرما ہیں۔(آئینہ اودھ ص ۵۴)

کڑہ مانک پور فتح ہونے کے بعد امیر کبیر سید قطب الدین مدنی اپنی رہائش کے لئے اسی جگہ کا انتخاب کیا مولانا ابوالحسن ندوی کے بقول کڑہ مانک پور ہی میں قیام پذیر ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

> ''امیر کبیر سید قطب الدین محمد مدنی (وفات ۶۷۷ھ) نجم الدین کبریٰ کے خلفا میں سے تھے سلطان قطب الدین ایبک یا شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں ہندوستان آئے ایک عرصہ تک شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہے پھر کڑہ مانک پور فتح کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے''۔
>
> (تاریخ دعوت وعزیمت جلد سوم ص ۱۸۹)

کڑہ مانک پور میں قیام کرنے کے بعد وہاں ایک مسجد کی تعمیر فرمائی وہ پانچ اینٹیں جو مکہ معظّمہ سے آپ اپنے ہمراہ لائے تھے اسی میں نصب کر دیں، پانی نہ ہونے کے باعث مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ درپیش آئی تو انھوں نے اپنا عصا زمین پر مارا اس سے پانی کا چشمہ برآمد ہوا اس پانی سے انھوں نے گارے کا کام لیا، آب زمزم جو ان کے ہمراہ تھا اس کے چند قطرے بھی اسی پانی کے چشمے میں ملا دیئے جس سے اس کی عظمت دوبالا ہو گئی۔مسجد کی تعمیر، چشمے کے اخراج اور ان کے بود و باش اختیار کرنے کے سبب وہ سرزمین صد رشک فردوس بریں بن گئی،سید لعل محمد نے "مدح کڑہ سادات'' میں اس سرزمین کے تعلق سے جو نقشہ کھینچا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔صاحب آئینہ اودھ اسی کے حوالہ سے لکھتے ہیں

مقام دل پذیر وخوش فضائے　　سواد دلکش وجنت نمائے
میان کافران واژگونہ　　زمکہ وزمدینہ شد نمونہ
زہے عالی مقام و پُرسعادت　　کہ آنجا شاہ کردہ استقامت

زہے چاہ کہ آب فیض ہر دم بروں آید از وچوں چاہ زمزم
ہر آں مومن کہ آبش خورد یکبار شدہ محفوظ از نار جہنم
(آئینہ اودھ ص ۵۵)

امیر کبیر قطب الدین محمد مدنی نے ہندوستان میں اپنی آمد اور کڑہ مانک پور میں اپنے قیام سے اس سرزمین کو صدرشک بریں بنادیا اور سرزمین کے باشندوں کو ان کی ذات والا صفات سے جو ابدی سعادت اور دارین کی دولت میسر آئی اس کا کوئی شمار نہیں ،ان کی زندگی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ صوبہ اودھ کو قنوج کے راجہ سے خلاصی آپ ہی کی کوششوں سے عمل میں آئی مولوی مسعود علی محوی لکھتے ہیں۔

''دوسری قابل ذکر جماعت وہ ہے جس کا بہ سرکردگی امیر کبیر قطب الدین محمد مدنی چھٹی صدی ہجری میں آنا بیان کیا جاتا ہے اس اہم فتوحات میں قنوج ،قلعہ کڑہ اور مانک پور وغیرہ سمجھے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ صوبہ اودھ کو قنوج کے راجہ سے خلاصی دلانا اسی جماعت کی سعی جمیل کا نتیجہ تھا''۔

(مخدوم زادگان فتح پور مسعود علی محوی ص ۳۲ حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ)

سید قطب الدین مدنی کا وصال ایک قول کے مطابق ۶۰۸ھ اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۳؍رمضان المبارک ۶۷۷ھ کو کڑہ مانک پور میں ہوا اور وہیں اپنے بڑے فرزند سید نظام الدین کے روضہ اطہر کے غربی جانب مدفون ہوئے۔ ہر سال انھیں تاریخوں میں وہاں عرس کا اہتمام کیا جاتا ہے عرس کے علاوہ ہندی مہینہ چیت میں بانجھ عورتوں کا ایک میلہ بھی وہاں لگتا ہے۔ان کی درگاہ کے احاطہ میں ایک بہیڑہ کا درخت ہے جس کے متعلق عام لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کا پھل جس بانجھ عورت کے کپڑے پر گر جائے وہ خدا کے فضل وکرم سے صاحب اولاد ہو جاتی ہے۔

(تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم ص ۳۴ دہلی ۲۰۱۱ء)

۱۳۔فرزندغوث اعظم سیدنا تاج الدین عبدالرزاق قادری رحمۃ اللہ علیہ

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت اور آمد کے تعلق سے سوائے سید شمیم ڈھاکہ کے تمام ارباب فکر ونظر نے نویں صدی ہجری سے ہی اس کی ابتدا کو تسلیم کیا ہے۔ صرف انھوں نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں اس سلسلہ کی بنیاد ہندوستان میں پڑ چکی تھی ان کی تحریروں کی روشنی میں ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی نہ تو بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی حضرت نعمت اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں اور دوسرے مورخین کی تحریروں کے بموجب سیدنا بہاء الدین قادری شطاری اور سیدنا غوث گیلانی اوچی علیہما الرحمۃ والرضوان ہیں۔مقبول الرحیم مفتی (پاکستان) کی تحریروں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کی بنیاد ہندوستان میں سیدنا شیخ تاج الدین عبد الرزاق علیہ الرحمۃ والرضوان (وفات ۶۲۳ھ) کی آمد سے ہی پڑ چکی تھی، آپ ہندوستان میں کس سنہ میں تشریف لائے اس کی تحقیق تو نہ ہوسکی لیکن ان کی تحریروں سے اتنا متحقق ہو جاتا ہے کہ وہ ہندوستان تشریف لائے اور سلسلہ قادریہ کا فیضان یہاں جاری فرمایا" تذکرہ قادریہ" کے مصنف لکھتے ہیں۔

> ''برصغیر پاک وہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے فیوض وبرکات کا سلسلہ ان کی زندگی ہی میں اس سرزمین پر پہنچ گیا تھا سب سے پہلے ان کے بڑے فرزند سیدنا عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہندوستان تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد واپس بغداد تشریف لے گئے۔ اس کے بعد سے آج تک برصغیر پاک وہند سے کسب فیض کے لئے مشائخ اولیاء صلحا، امرا، وسلاطین اور عوام الناس کی بغداد آمد ورفت کا سلسلہ جاری ہے۔'

(شہزادہ غوث الوریٰ سیدنا غوث الاعظم نمبر منہاج القرآن ص ۵۷ لاہور ۱۹۸۷ء)

اسی سفر میں آپ نے لاہور کا بھی سفر کیا مشہور مورخ لاہور محمد دین کلیم لکھتے ہیں۔

''آپ لاہور بھی تشریف لائے اور بے شمار لوگ آپ سے فیضیاب وبیعت ہوئے''۔

مفتی مقبول الرحیم کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے دور حیات ہی میں ان کے فرزند سیدنا شیخ تاج الدین عبد الرزاق علیہ الرحمۃ والرضوان (وفات ۶۲۳ھ) کی ہندوستان آمد سے ہی ساتویں صدی ہجری ہی میں سلسلہ قادریہ کی بنیاد پڑ چکی تھی۔آپ ہندوستان کس ماہ وسنہ میں تشریف لائے اس کی تحقیق تو نہیں ہوسکی لیکن ان کی تحریروں سے اتنا متحقق ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان تشریف لائے تھے اور فیضان قادریہ یہاں جاری فرمایا تھا'' تذکرہ قادریہ ''کے مصنف لکھتے ہیں۔

''برصغیر پاک وہند کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادرالجیلانی کے فیوض وبرکات کا یہ سلسلہ ان کی زندگی ہی میں اس سرزمین میں پہنچ گیا تھا۔سب سے پہلے ان کے بڑے فرزند سید عبد الرزاق علیہ الرحمۃ والرضوان ہندوستان تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام فرمانے کے بعد واپس بغداد تشریف لے گئے۔اس کے بعد سے آج تک برصغیر پاک وہند سے کسب فیض کے لئے مشائخ،اولیاء،صلحاء امراء وسلاطین اورعوام الناس کی بغداد آمدورفت کا سلسلہ جاری ہے''۔

(مقبول الرحیم مفتی،شہزادہ غوث الوریٰ،منہاج القرآن،سیدنا غوث اعظم نمبر ص ۵۷، ۱۹۸۷ء)

''تذکرہ قادریہ ''کے مصنف مقبول الرحیم مفتی کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بانی سلسلہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات مقدسہ میں یہ سلسلہ ہندوستان کی سرزمین پر پہنچ گیا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ دونوں کی نشوونما سرزمین ہند پر ساتھ ساتھ ہوئی۔

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے فروغ کے تعلق سے اہل دانش وبینش اور ارباب تحقیق کے مختلف نظریات ہیں جس کی تفصیل تصوف اور تاریخ تصوف کے موضوع پر لکھی

جانے والی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ تادم تحریر ایسی کوئی جامع کتاب راقم السطور کی نگاہوں کے سامنے سے نہیں گزری ہے جس میں شرح وبسط کے ساتھ جنوبی اور شمالی ہند کے مشائخ طریقت قادریہ کی دینی خدمات اور شبانہ روز تبلیغی کاوشوں کا جائزہ لیا گیا ہو، راقم نے اس سلسلے میں پہل کی مگر اب تک صرف شمالی ہند کے تعلق سے ہی ''تاریخ مشائخ قادریہ'' کے نام سے تین جلدیں ہی مرتب کرسکا ہے۔ اگر خدا نے توفیق دی اور صاحبان ثروت نے تعاون کیا تو ان شاء اللہ جنوبی ہند کے تعلق سے بھی مشائخ قادریہ کی خدمات اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ عاشقانِ اولیاء کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ زیر نظر کتاب میں جنوبی ہند کے کچھ اہم مشائخ کرام کی دینی وتبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کب آیا اور کن حضرات کی شبانہ روز مساعی سے ہندوستان میں اس سلسلہ کی نشر واشاعت ہوئی اس سلسلے میں متعدد لوگوں کے متعدد خیالات ونظریات ہیں جس نے جتنی ہی زیادہ دریائے تحقیق وجستجو میں غوطے لگائے ہیں اس نے اتنے ہی تحقیق کے موتی نکالے ہیں۔ ورنہ عام طور پر ہوتا یہی ہے کہ ایک دو کتابوں کو سامنے رکھ کر ہی اسی پر اپنے افکار ونظریات کی محل تعمیر کردی جاتی ہے اگر ان کتابوں میں کسی مصنف سے کسی طرح کی کوئی لغزش ہوگئی ہے تو عام طور پر سبھی اس کا ارتکاب کرکے لغزش کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ نقل کتابت میں غلطیوں کا امکان عام سی بات ہے۔ آج سے چھ سات صدی پیشتر کی تحریریں آپ دیکھیں جس میں نہ تو نقطوں کا اہتمام کیا جاتا تھا اور نہ ہی الفاظ کے شوشے واضح ہوتے تھے۔ ایسی عبارتوں کے نقل کرنے میں عام طور سے لوگ غلطی کرہی جاتے ہیں۔ چوں کہ مجھے دو ایک مخطوطات کے ایڈٹ کرنے کا شرف حاصل ہے اس لئے میں تحریروں اسرار ورموز اور ان کے نشیب وفراز سے اچھی طرح واقف ہوں جیسے سبعین اور تسعین کو لے لیجئے اگر اس پر نقطہ نہ ہو اور شوشوں کی وضاحت نہ ہو تو یقیناً تسعین کو سبعین اور سبعین کو تسعین پڑھا جائے گا جو حضرات مخطوطہ شناس ہیں اور عہد بہ عہد کے رسم الخط سے واقف ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ ہمارے یہاں معیار تحقیق یہ ہے کہ فلاں نے لکھا ہے لہٰذا اب کسی تحقیق کی ضرورت نہیں، یہ سوچ ارباب تحقیق

کے لئے مثبت نہیں۔

جیسا کہ راقم نے سطور بالا میں ذکر کیا کہ اتنے افراد ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا اور سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت فرمائی جس کے ہاتھ جو کتاب لگی اس نے اسی کی روشنی میں اپنی بحث و تحقیق کو سمیٹ کر الفاظ کا جامہ پہنا دیا اور دوسرے شواہد کی طرف اس کی نظر نہیں گئی۔ راقم نے اپنی تحقیق میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے اولین مبلغ کوئی دوسرا نہیں خود بانی سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے فرزند ارجمند قطب الہند سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی ہیں جو سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور درگاہ بڑے پیر نا گور شریف میں آسودۂ خواب ہیں۔ راقم نے اپنے موقف کی تائید میں عام مصنفین کی طرح کتابوں کے حوالوں ہی کو کافی نہیں سمجھا ہے بلکہ اپنے موقف کی تائید میں درجنوں دستاویزات وفرامین بھی بطور شواہد پیش کئے ہیں جس کی تفصیل ہندوستان مین سلسله قادریه کے بانی قطب الهند شیخ عبد الوهاب جیلانی نامی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے اور خود راقم نے عراق میں رہنے والے کئی ایک اہل علم کے انٹرویو بھی لئے اور مزار مبارک کے تعلق سے ان سے استفسار بھی کیا۔ اس موضوع پر آستانہ عالیہ قادریہ بغداد شریف کے صاحب سجادہ جناب سید ظفر احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جشن صد سالہ تاج الفحول بدایوں شریف میں اس موضوع پر بالمشافہ گفتگو بھی کی ہے۔ انہوں نے اس تعلق سے اپنی لاعلمی کا اظہار بھی کیا۔ آستانہ غوث اعظم کے صاحب سجادہ ہونے کے ناطے انھیں اس کی خبر ضرور ہونی چاہئے، کیوں کہ وہ سیدنا غوث پاک کے فرزند ارجمند تھے ان کی انھیں نیابت حاصل تھی۔ مگر انھیں بھی ان کے مزار اقدس کی خبر نہیں۔ ہمارے مورخین نے اسی قیاس پر کہ وہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ لہٰذا ان کا وصال بھی وہیں ہوا ہوگا اور تدفین بھی وہیں عمل میں آئی ہوگی۔ اسی قیاس کی بنیاد پر اس وقت کے مصنفین نے جو کچھ لکھ دیا بعد کے لوگوں نے اسی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اسی کو نقل کرتے رہے راقم بھی اسی کو بنا کر اپنی تحقیق کا محل کھڑا کر سکتا تھا مگر میرے سامنے اور بھی

شواہد تھے جس کی بنیاد پر مجھے ہندوستانی مصنفین کی تصانیف اور دوسرے شواہد سے اپنے موقف کومربوط کر کے پیش کرنا پڑا چوں کہ یہ ایک بالکل نئ تحقیق تھی اس لئے اس تحقیق پر کچھ لوگوں نے حیرت واستعجاب کا اظہار کیا، کچھ لوگوں نے ستائش کی اور کچھ لوگوں نے اسے بالکل ہی رد کردیا، اس انکار کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس سے ان کی خودساختہ خاندانی عظمت اور مالی منفعت مجروح ہورہی تھی۔

راقم السطور تجزیاتی مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ فرزند غوث اعظم سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی ہی ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے اولین مبلغ ہیں جو خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور خطہ مارواڑ میں ''ناگور'' کوسکونت کے لئے منتخب فرمایا۔راقم اپنے موقف کی تائید میں ہندوستانی مصنفین کے نوک قلم سے نکلی ہوئی کئی ایک کتابوں کے حوالے دیئے ہیں اور شاہی دستاویزات وفرامین سے بھی اسے آراستہ کیا ہے۔ثبوت میں جو کتابیں پیش کی گئی ہیں ان میں عین القلوب العارفین ، خلاصة الامور ،جواهر الاعمال ، محبوب المعانی کے علاوہ اور متعدد چھوٹے چھوٹے کتابچے مخطوطات کی شکل میں ہیں جو آستانہ بڑے پیر ناگور شریف میں محفوظ ہیں ۔ان مخطوطات میں اس خانوادہ کے تعلق سے تفصیلات ہیں ۔محبوب المعانی فارسی زبان میں دوضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جس میں سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ رحمۃ الباری اوران کے خانوادہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔جس کا عکس راقم السطور کی ذاتی کتب خانہ ''دانش کدہ'' میں محفوظ ہے۔

ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کے بانی
فرزند غوث اعظم سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی ناگور
علیہ الرحمۃ والرضوان

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت کے تعلق سے مختلف روائتیں پائی جاتی ہیں گزشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ جن کا ذکر آچکا ہے۔راقم السطور کی تحقیق کے مطابق غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے بڑے فرزند سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی ناگور شریف راجستھان،غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ہمراہ چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان تشریف لائے۔بعض مورخین نے جو یہ لکھا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے ہندوستان آنے کے دوسوسال بعد سلسلہ قادریہ ہندوستان میں داخل ہوا محل نظر ہے۔

سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی علیہ الرحمہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے بڑے فرزند تھے۔آپ کی پیدائش ۲؍شعبان المعظم ۵۲۲ھ مطابق ۲؍جولائی ۱۱۲۸ء کو بغداد میں ہوئی والد ماجد کے علاوہ بغداد اور عجم کے دوسرے شہروں میں ارباب علم وفضل سے اکتساب علم کیا۔فقہ کی تعلیم آپ نے اپنے والد ماجد اور مشہور عالم غالب بن بنا سے حاصل کی اور انھیں سے حدیث کی سماعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ ابن رجب نے طبقات الحنابلہ میں ابن الحسینی سے بھی سماعت کا ذکر کیا ہے۔سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ ابو القاسم ابن الحصین ابن السمر قندی اور ابوالوقت سے بھی سماعت کا شرف حاصل ہے۔
(مراۃ الجنان جلد ۸ص ۴۵۴)

حصول علم کی غرض سے آپ نے عجم کے شہروں کا بھی سفر کیا وہاں کے اساتذہ اور

صاحبان فضل وکمال کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے علم وفضل میں کمال پیدا کیا۔صاحب "خزینۃ الاصفیا" آپ کا ایک بیان نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''وقتے در بلاد عجم مسافر بودم و بعد حصول علوم بہ بغداد آمدم''۔

(ایک وقت میں عجم کے شہروں میں بغرض تعلیم مسافر تھا پھر حصول علم کے بعد بغداد واپسی ہوئی)(خزینۃ الاصفیا جلد اص ۱۱۰)

تعلیم سے فراغت کے بعد والد ماجد کے قائم کردہ مدرسہ میں ۵۴۳ھ سے بیس سال کی عمر سے ہی درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور جب والد ماجد کا وصال ہوگیا تو اپنی صلاحیت کے سبب اس مدرسہ کے آپ مدرس اول کی حیثیت سے تدریسی فرائض انجام دینے لگے،۔ساتھ ہی وعظ وافتاء کا سلسلہ بھی شروع کر دیا اور والد ماجد کی اجازت سے وعظ بھی فرمانے لگے۔پہلی بار جب آپ نے وعظ کہنا شروع کیا تو اس کا سامعین پر کیا اثر پڑا اس کی تفصیل خود آپ کی زبانی سنئے فرماتے ہیں۔

''جب میں نے اپنے والد ماجد کی موجودگی میں وعظ کہنا شروع کیا تو سامعین کے دلوں پر اس وعظ کا کچھ بھی اثر نہ ہوا کسی کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔ناچار سامعین نے والد ماجد سے وعظ کہنے کے لئے فرمایا میں منبر سے نیچے آیا والد ماجد منبر پر تشریف لے گئے اور اس طرح وعظ بیان کیا کہ اہل مجلس دھاڑیں مار کر رونے لگے۔جب وعظ وتبلیغ کا سلسلہ ختم ہوا تو والد ماجد سے میں نے مجمع پر ایسی کیفیت طاری ہونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ تم جو کچھ بھی بیان کرتے ہو خود ہی سے بیان کرتے ہو اور میرے پس پشت کوئی اور ہوتا ہے''۔

(خزینۃ الاصفیاء جلد اص ۱۱۰)

لیکن جب حضرت سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی کو اپنے والد ماجد کی جانشینی کا شرف حاصل ہوا تو ان کے وعظ میں وہی کیفیت اور تاثیر پیدا ہوگئی جو والد ماجد کے زبان وبیان میں ہوتی تھی۔''مدرسۃ الازج''میں بیٹھ کر تشنگان علم کی پیاس بجھائی اور وعظ

وتبلیغ کے ذریعہ خلق خدا کی رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیا۔

آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر خلیفہ ناصر لدین اللہ نے ۵۸۳ھ میں مظلوموں کی دادرسی کے محکمہ کا آپ کو نگران اعلیٰ بنادیا۔آپ نے حکومت کی جانب سے حاصل ہونے والی اس ذمہ داری کو جس حسن وخوبصورتی کے ساتھ انجام دیا اس کا ذکر صاحب" قلائد الجواهر "نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''آپ بہت جلد عوام کی ضروریات کو پورا فرمایا کرتے تھے،حدیث ووعظ اور افتاء ومناظرہ کے ساتھ عدالتی احکام بھی نافذ فرماتے ،آپ کے ادب وظرافت سے لوگ بہت متاثر تھے''۔(قلائد الجواہر ص۱۵۴)

فقہی امور میں آپ بہت ماہر تھے والد ماجد کی طرح فقہی جزئیات پر آپ کی گرفت بہت مظبوط تھی مشکل سے مشکل ترین فقہی مسائل کو چشم زدن میں آپ حل کردیا کرتے تھے۔صاحب قلائد الجواهر آپ کی فقہی بصیرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اہل بغداد آپ کو بہت بڑا بذلہ سنج اور فہیم سمجھتے تھے آپ کے والد محترم کی طرح اولاد میں آپ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں ہوا''۔(قلائد الجواہر ۱۵۵)

آپ کی فقہی عظمت وبصیرت کا اعتراف تمام سوانح نگاروں نے یکساں طور پر کیا ہے ۔آپ کی علمی عظمت اور کمال کا ذکر کتے ہوئے" مسالك السالكين" کے مصنف لکھتے ہیں۔

''بہت سے لوگوں نے آپ سے علم وفضل حاصل کیا ،آپ بڑے فقیہ شیریں کلام تھے۔مسائل خلافیہ ، وعظ گوئی ، اورخوش بیانی میں ید طولیٰ رکھتے تھے اورنہایت بامروت ، کریم النفس اور صاحب جود وسخا اور اعلیٰ درجہ کے متین وادیب کامل اور بڑے عابدوزاہد تھے۔آپ کو مقبولیت عامہ حاصل تھی''۔

(مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین دفتر اول ص۳۷۰)

آپ شریعت وطریقت دونوں کے علم بردار تھے اور والد ماجد کے نقش قدم پر چل

کر اشاعت دین حق کا اہم فریضہ انجام دیا۔ بحر زخار کے مصنف نے آپ کی علمی وروحانی کمالات کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے۔

"دستگیر بن دستگیر کونین ، نور العین بلکہ عین غوث الثقلین ، مطلع قصیدہ خانوادہ قطبیت ، حسن مطلع دیوان محبوبیت ، برحروف کمال شاہد اعراب ،قطب وحدت حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلف اعظم وخلیفہ معظم ہیں ، مالک ملک شہزادگی ، سلطان سلطنت آزادگی ، صاحب مطالعہ صحیفہ وجہ اللہ ، لمعہ انوار رسول اللہ ، سجدہ نشین قطب ربع مسکوں ، از دیوان صمدیت مصرع موزوں ،فوارہ فیض نورانی ، گوشوارہ کرامت جاودانی ، صاحب دولت حسبی ونسبی ،مورد معاملات کسبی ووہبی ، بہ نگاہش تاثیر اکسیر اعظم ، در نطقش اثر اعلیٰ ومعظم ،خلیفہ خلیفہ رسول الٰہی ،غریق بحر محبت نامتناہی"۔

(بحر زخار جلد دوم ص ۱۵۸)

آپ کے نوک قلم سے نکلی ہوئی دو کتابوں کا بھی پتا چلتا ہے جو تصوف کے موضوع پر معلومات کا خزانہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ جواھر الاسرار

۲۔ لطائف الانوار

درج بالا تحریروں کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا علمی پایہ بہت بلند تھا اور آپ نے اپنے والد ماجد کی نیابت میں اشاعت دین حق کے تعلق سے جو خدمات انجام دی ہیں وہ بلاشبہ قابل تقلید اور لائق اتباع ہیں۔ان تمام محاسن اور کمالات کے باوجود قدیم کتب سوانح میں آپ کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے اور اگر ملتے بھی ہیں تو ایک ہی تحریر کئی ایک کتابوں میں ملتی ہے۔اس کی وجہ غالبًا یہ ہوسکتی ہے کہ جب آپ بغداد میں رہے ہی نہیں تو وہاں کے مصنفین اور سوانح نگاروں کو آپ کے بارے میں تفصیلی جانکاری کہاں سے حاصل ہوتی ؟ آپ تو حضرت خواجہ معین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کے ہمراہ ۵۸۵ھ میں

ہندوستان آ گئے تھے اس لئے ہندوستانی مصنفین نے آپ کے بارے میں لکھا اور تفصیل سے لکھا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی کے ہمراہ جب سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی اپنے والد ماجد کے ایما سے اپنی اہلیہ عائشہ، اور خادم مظفر کو ساتھ لے کر ہندوستان روانہ ہوئے تو والد ماجد نے تبرکات کے طور پر لوٹا، عصا آپ کو عنایت کیا اور خواجہ بزرگوار کے حصہ میں قبقاب (کھڑاؤں)اور آفتابی (چھتری) آئی۔خواجہ بزرگوار اپنے تمام ہمراہیوں کو لے کر بزرگان دین کی زیارت اور فیوض وبرکات حاصل کرتے ہوئے پرتھوی راج چوہان کے عہد حکومت میں راجستھان کے علاقۂ مارواڑ اجمیر میں چھ ماہ کی مدت میں پہنچے ۔اس زمانہ میں اجمیر میں ہر کنکر شنکر کی حیثیت رکھتا اور ہر پتھر دیوتا سمجھا جاتا تھا۔اس کی پرستش کی جاتی تھی کہیں سے اللہ اکبر کی صدا کانوں میں نہیں سنائی دیتی تھی اس علاقہ کی عظمت اس لئے بھی زیادہ تھی کیوں کہ اہل ہنود کی تاریخ میں ہے کہ جو پہلی دیوار ہندوستان کے پہاڑ پر بنائی گئی وہ اجمیر میں ہے اور جو پہلا تالاب ہندوستان کی سرزمین پر تیار کیا گیا وہ پشکر ہے۔ یہ تالاب اجمیر سے چار کوس کے فاصلے پر ہے اور کسی مہینہ میں ہنود چھ روز تک اس تالاب میں مسلسل اشنان (غسل) کرتے ہیں۔جو ہندو قیامت کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ قیامت کا آغاز پشکر تالاب سے ہی ہوگا''۔(عین القلوب العارفین ص ۵)

ابھی خواجہ بزرگوار اپنے قافلہ کے ساتھ ہندوستان پہنچے بھی نہیں تھے کہ نجومیوں کے ذریعہ خواجہ صاحب کی آمد کی خبر راجہ رائے پتھورا (پرتھوی راج چوہان) کو پہلے سے ہی ہو چکی تھی اور یہ خبر اس کو اس کی والدہ نے دی تھی جو علم نجوم میں بڑی مہارت رکھتی تھی ، صاحب'' سیر وسفر '' کے مصنف لکھتے ہیں۔

> ''قبل تشریف آوری خواجہ بزرگ رائے پتھورا کی والدہ جو علم نجوم وسحر میں یکتائے روزگار تھی۔حضرت خواجہ کی آمد سے رائے پتھورا کو مطلع کر چکی تھی کہ اتنے زمانہ کے بعد ایک مرد صاحب کمال فقیر صورت اس ملک میں آئے گا اور وہی تیری عزت ودولت کے باعث زوال ہوگا''۔(سیر وسفر ص ۲۳۷)

راجہ رائے تھورا خواجہ صاحب کو ہندوستان داخل ہونے سے روکنے کے لئے نہ جانے کتنی ترکیبیں اختیار کی ہوں گی ،مگر مشیت ایزدی کے مطابق خواجہ بزرگوار ہندوستان آگئے اور جہاں راجہ رائے پتھورا سریرآرائے سلطنت تھا وہیں اس کی ناک کے نیچے بت خانوں کے درمیان قیام پذیر ہوئے۔ان اجنبی لوگوں کو دیکھ کر اس کے خدام حیرت میں پڑ گئے فوراً راجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

''ایک اجنبی شخص ہمارے بت خانوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے وہاں اس کا بیٹھنا اس لئے مناسب نہیں کیوں کہ ہمارے مذہب سے اس کا مذہب مختلف ہے۔اسے وہاں سے ہٹانے کا حکم صادر فرمائیں ۔راجہ اپنے کسانوں کو حکم دیا کہ اس فقیر کو تالاب کے کنارے سے ہٹا کر میرے ملک سے ہی باہر کردو تعمیل حکم کے لئے جب تمام خدام اکٹھے ہوکر خواجہ بزرگوار کے پاس پہنچے اور آپ کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کی تو خواجہ صاحب نے ایک مشت خاک زمین سے اٹھائی اور اس پر آیت الکرسی پڑھا پھر دم کر کے راجہ کے خدام کی طرف پھینک دیا جس کا فوری طور پر اثر یہ ہوا کہ سب لوگ بے حس وحرکت زمین پر گر پڑے کسی میں بھی اٹھ کر بھاگنے کی سکت نہ رہی''۔(خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۶۰)

راجہ کے ان خدام نے اپنی مدد کے واسطے مندروں کے مہنتوں کا سہارا لینا چاہا مگر انھوں نے پوری بات سننے کے بعد بڑی سنجیدگی سے کہا:

''اے سرداران من این درویش کہ آمدہ است در دین خود بسیار صاحب کمالات است باو بسر نخواہم شد مگر بعلم سحر وفسوں'' (سیر الاقطاب ص ۱۲۶)

(اے میرے دوست یہ فقیر جو آیا ہوا ہے اسے اپنے دین میں بہت کمال حاصل ہے سحر وفسوں کے علاوہ کسی چیز سے بھی مقابلہ اس سے آسان نہیں)

سب لوگوں نے جادو سیکھا اور بڑے بڑے ملک کے نامی گرامی جادوگر خواجہ بزرگوار کے مقابل آئے مگر سب کو اپنی منہ کی کھانی پڑی خواجہ صاحب پر کسی کا جادو نہ چل سکا

سب سے بڑا جادوگر جوگی جے پال بھی اپنے مقصد میں ناکام رہا، اس نے تو خواجہ بزرگوار کی خدمت میں ہتھیار ڈال کر کلمہ پڑھ لیا۔سب سے بڑے مندر کا سب سے بڑا مہنت شادی دیو کے دامن اسلام سے وابستہ ہوتے ہی پرتھوی راج چوہان کے مملکت کی چولیں ہل گئیں اور جب اناساگر کا واقعہ انھوں نے دیکھا تو حیرت سے سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔جب خواجہ بزرگوار رائے پتھورا کی فوج کے نرغہ میں تھے،اسی وقت آپ کو پانی کی ضرورت کا احساس ہوا تو آپ نے شادی دیو جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس سے کہا یہ پیالہ لو اور جا کر حوض سے پانی بھر کر لاؤ مگر یاد رکھنا پیالے کو حوض میں ڈالنے سے پہلے ''یابدوح''ضرور کہنا،شادی دیو نے پیالہ ہاتھ میں لیا اور حوض کے پاس گیا جیسے ہی'' یابدوح'' کہہ کر اس نے پیالہ ساگر میں ڈالا تو ساگر کا سارا پانی پیالے میں سمٹ آیا، جے پال جوگی اور اس کے تمام حوارین خواجہ بزرگوار کی یہ کرامت دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے ۔اس کرامت کا ذکر شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کے ایک مرید نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''ایں قدح بردار واز حوض پُر کردہ بیار وقت پُر کردن بگوئی ''یابدوح
''شادی فی الحال قدح را برداشت ونام خدائے تعالیٰ برزبان راند چوں
بکنار آب رفت گفت یابدوح وقدح را در آب نہاد بفرمان الٰہی تمام آب
حوض در قدح شادی در آمد گویا کہ در حوض آب نبود شادی قدح را
برداشت بخدمت خواجہ بایستاذ''۔(رسالہ خواجہ معین الدین ص ۲۷)

حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی اپنی اہلیہ حضرت عائشہ اور اپنے خادم مظفر کے ہمراہ خواجہ بزرگوار کی معیت میں پورے چھ ماہ رہے پھر خواجہ صاحب سے وداع ہو کر والد ماجد کی وصیت کے مطابق عراق کی جانب چلے اور سیر وسیاحت کرتے ہوئے شام کے وقت میڑتہ جنگل میں پہنچے جس کا نام ''سوالکھ'' تھا، یہ وہی مارواڑ کا جنگل ہے جو راجستھان میں کئی میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔اس زمانہ میں نہ ہی میڑتہ روڈ تھا اور نہ ہی میڑتہ سٹی ہر چہار جانب جنگل ہی جنگل تھا۔ ہر طرح کے درندے اور وحشی جانور اس جنگل میں راج کرتے تھے،اسی جنگل میں ایک خوبصورت مندر بھی تھا جس کی زیارت کے لئے

دور دور سے اہل عقیدت آیا کرتے تھے، اس مندر کی تعمیر پر اس زمانے میں راؤ انا اور رائے پتھورا نے تین لاکھ روپئے خرچ کئے تھے۔ کتب تواریخ میں ملتا ہے کہ اس مندر میں ہندو عقیدے کے مطابق پانچ پانڈوؤں نے وہاں پوجا پاٹ کی تھی۔ راجہ رائے پتھورا کی لڑکی سال میں دو بار پورے شاہی اعزاز کے ساتھ سیر وشکار اور مندر میں پوجا پاٹ کی غرض سے آتی تھی، اس کے ساتھ نوسو سوار اور ہزاروں پیادے ہوتے، اس مندر میں دو بڑے بت تھے ایک عورت کی شکل کا جس کا نام ''دیبی'' اور دوسرا مرد کی شکل کا جس کا نام ''مہادیو'' تھا۔ اس مندر کا ذکر صاحب'' خلاصۃ الامور '' نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

دراں دیر دو بت بود بے مثال ۔۔۔ یکے مثل زن بود دیگر رجال
یکے نام دیبی بود سیم رنگ ۔۔۔ دگر بود اسود مہادیو سنگ
پرستادن بہر دیوی رجیم ۔۔۔ بدہ دختر رائے آنجا مقیم
نہ صد سوار و پیادہ ہزار ۔۔۔ برائے پرستش نمودہ قرار
زاجمیر چوں شاہ بر آمدند ۔۔۔ بہ نزد ہماں دیر در آمدند

(خلاصۃ الامور ص۴)

اسی جنگل میں مندر کے پاس حضرت سیدنا سیف الدین جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عصا نے زمین کو پکڑ لیا اور اسی جگہ آپ ایک سایہ دار درخت کے نیچے فروکش ہو گئے کیوں کہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی نے عصا بطور نشانی مرحمت کرتے وقت فرمایا تھا کہ'' جس مقام پر یہ عصا زمین پکڑ لے سمجھ لینا کہ تمہارا جائے قیام وہیں ہوگا''۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر سجدۂ شکر ادا کیا اور وہیں بستر ڈال دیا۔ راجہ رائے پتھورا کی لڑکی راج کنور جب اپنے معمول کے مطابق پورے شاہی اعزاز کے ساتھ جنگل میں آئی اور اس کے فوجیوں نے جب یہ دیکھا کہ پیکر حسن وجمال شخصیت وہاں مندر میں مصروف عبادت ہے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جلد اس کی خبر راج کنور کو دی، یہ خبر سنتے ہی وہ آگ بگولہ ہو گئی اور ان کا سر قلم کر کے اپنے پاس لانے کا حکم دیا، جب اس نیت سے فوجی آپ کے پاس پہنچے اور راج کنور کا حکم سنایا تو سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی بارگاہ رب العزت میں دست

بدعا ہوکر عرض کرنے لگے۔

''تو علیم مطلق ودانائے برحق کہ ایں ضعیف تنہا دریں دیار رسیدہ ودختر راجہ ایں جا بخونریزی ایں جانب قصد نمودہ است

سپردم بتومائیہ خویش را   تودانی حسابم کم وبیش را

(تو علیم مطلق اوردانائے حقیقی ہے یہ بندۂ ضعیف اس دیار میں اکیلا ہے دختر راجہ میری خوں ریزی کا قصد کرچکی ہے ایسی صورت میں صرف تیرا ہی سہارا ہے۔)

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی اور اپنا عصا پتھر پر مارا دفعتاً ایک اژدہا نمودار ہوا جس نے تمام فوجیوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ صاحب عین القلوب العارفین لکھتے ہیں۔

ازیں حال چوں شہ خبر یافتند   عصا خویشتن را بسنگے زدند

ازاں سنگ یک مار گشتہ پدید   کسے ہمچناں اژدہائے ندید

بفرمودن شاہ آں تند مار   بگرد سپاہ جملہ کردہ حصار

(عین القلوب العارفین ص ۲۳)

(جب اس حال سے آپ کو آگاہی ہوئی تو آپ نے اپنا عصا ایک پتھر پر مارا جس سے ایک سانپ (اژدہا) نمودار ہوا، ایسا اژدہا سانپ کسی نے نہ دیکھا ہوگا، آپ کے کہنے سے اس اژدہے نے تمام فوجیوں کو اپنے حصار میں لے لیا)

اس منظر سے تمام فوجی مارے ہیبت سے کانپنے لگے، الحاح وزاری کے ساتھ آپ کی خدمت میں رہائی کی التماس کرنے لگے، اس عرض ومعروض میں صبح ہوگئی۔ جب اس کی خبر راج کنور کو ملی تو اس نے اپنے دربانوں کے ذریعہ یہ پیغام آپ کی خدمت میں بھیجا کہ میرے فوجیوں کو رہائی عطا فرمائیں یہ میری آپ سے عاجزانہ درخواست ہے اور مجھے دولت ایمان سے مشرف فرمائیں۔ خلاصۃ الامور کے مصنف نے لکھا ہے۔

ازیں حال مارا رہائی دہید   زایمان مرا تاج شاہی دہید

آپ نے راج کنور کی یہ درخواست قبول کی اور سانپ کو حکم دیا کہ تو چلا جا آپ کا حکم ملتے ہی سانپ واپس چلا گیا۔ جب اس رہائی کی خبر راج کنور کو ہوئی تو اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی اپنے تمام سواروں اور پیادوں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں انتہائی نیازمندانہ انداز میں حاضر ہوئی اور اپنے تمام فوجیوں کے ساتھ آپ کے دست اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوگئی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے راج کنور کو اپنی زوجیت میں قبول کرلیا اور اس کا اسلامی نام ''زینب'' رکھا۔ صاحب'' جواھر الاعمال'' لکھتے ہیں۔

بصد صدق جملہ شریعت رسول　　بیک بارگی دین کردہ قبول
وآں دختر رائے عصمت مآب　　بعقد آں شہنشاہ شد کامیاب
در اسلام چوں طالع بخشش کشود　　ملقب مسماۃ زینب نمود

(جواہر الاعمال ص ۵۰۷)

راج کنور کے عقد مناکحت کا ذکر صاحب'' محبوب المعانی'' نے بھی کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ بلقیس وقت یعنی راج کنور اپنے عہد کے سلیمان کی خلوت نشیں ہوگئیں۔ اس دختر راجہ کا نام ''زینب'' اور دوران سیاحت سوالکھ جنگل میں جس محل میں قیام پذیر ہوئیں تھیں اس کا نام'' دار الحاجات'' رکھا گیا۔ مصنف کی اصل عبارت یہ ہے۔

'' آں دختر راجہ بطلوع اختر طالع ہمایوں بمناکحت ہمائے سعادت اوج علویت ولایت رواج از دواج یافت وآں بلقیس وقت انیس وجلیس خلوت سلیمان عہد گردید۔۔۔۔ حضرت شاہ عبد الوہاب نام دختر راجہ بی بی زینب نہادند نام آستانہ شریفہ بی بی زینب دار الحاجات مقرر کردند''۔

(محبوب المعانی ص ۵۳۹)

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی نے فرمایا کہ اسی جگہ ایک شہر آباد کیا جائے اور چوں کہ ناگ کے گھیرنے کے باعث تم لوگوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت پیدا ہوئی اور تم سب دامن اسلام سے وابستہ ہوئے اس لئے اس

شہر کا نام ''ناگ گھیر'' رکھا جائے۔ یہ وہی ''ناگ گھیر'' شہر ہے جواب کثرت استعمال سے ''ناگور'' ہوگیا ہے۔ ناگور کی وجہ تسمیہ کے تعلق سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایک دوسری بھی توجیہ پیش کی ہے۔

''ناگور کا اکثر حصہ رائے پتھورا کا آباد کردہ ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ پتھورا نے اپنے ایک افسر سے جو جانوروں کے گھاس دانہ کی نگرانی کرتا تھا کہا کہ گھوڑوں کے طویلہ کے لئے کوئی مناسب اوراچھی جگہ کی تلاش کی جائے وہاں میں شہر بھی آباد کروں گا وہ افسر بہت گھوما پھرا جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں اب شہر ناگور آباد ہے تو اس نے ایک دنبی کو دیکھا کہ اس کے بچہ پیدا ہوا ہے اور ایک بھیڑیا اس بچہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو دنبی نے اپنے بچے کو پیچھے کر کے اس بھیڑئے پر حملے کی تیاری شروع کی اس نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا کہ یہ مردانہ جگہ ہے اور اس جنگل کا آب و گیاہ گھوڑوں کے لئے مفید ہے چنانچہ وہاں ایک شہر آباد کر کے اس کا نام ''نوانگر'' یعنی نیا شہر رکھا۔ سلطان شہاب الدین غوری جب یہاں پہنچے اور پتھورا کو مار گرایا تو ان کی ترک فوجوں کے زمانہ میں یہ لفظ ''ناگور'' بن گیا''۔

(اخبارالاخیار ص ۵۹)

ویسے تو اس تعلق سے مورخین نے اور بھی وجہیں لکھی ہیں مگر قرین قیاس یہی ہے جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا۔

حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی نے اپنی شبانہ روز مساعی سے راجستھان اور ہریانہ کی سرزمین پر ایمان و یقین کا اجالا پھیلا دیا اور خلق خدا کی وہیں اصلاح وتربیت فرمائی۔ وہیں آپ کا وصال ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ آج وہ درگاہ برسوں سے ''درگاہ بڑے پیر'' کے نام سے مشہور ومتعارف ہے اور اہل عقیدت وہاں حاضری دے کر اپنے رب سے ان مشائخ کرام کے واسطے سے مرادیں پاتے ہیں۔

سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی کی وفات اور مدفن کے تعلق سے مورخین

کے درمیان بڑے اختلافات ہیں عرب مورخین اور ہندوستانی مورخین کی جدا گانہ رائے ہیں۔عرب مورخین سال وفات ۵۹۳ ھ،۶۰۳ ھ اور مدفن حلبہ بغداد لکھا ہے جب کہ ہندوستانی مورخین کا خیال ہے کہ آپ کا وصال ۶۰۳ ھ میں ہوا اور تدفین ہندوستان کے قدیمی اور تاریخی شہر ناگور میں عمل میں آئی۔ہندوستان کے جن مورخین اور سوانح نگاروں نے آپ کا مدفن شہر ناگور لکھا ہے ان میں درج ذیل کتابیں اور ان کے مصنفین اہم ہیں۔

۱۔ محبوب المعانی در کشف تنزلات رحمانی
محمد صادق بن حسین مشربی قادری

۲۔ عین القلوب العارفین محمد بن یوسف بن محمد نصیر الدین بخاری، بارانی

۳۔ جواہر الاعمال محمد یوسف

۴۔ خلاصۃ الامور سید احمد علی

۵۔ اوراد قادریہ خواجہ سید فیض بخش

۶۔ دیوان قمر سید یٰسین علی قمر

الحاج حافظ سید یٰسین علی قمر نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ عبارت درج کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

''میرے مکرم جناب حضرت مولانا بادشاہ حسین رعنا مرحوم لکھنوی نے اوراد قادریہ (جو ۲۱۱ جلوس کی تصنیف ہے) سے درج ذیل عبارت نقل کر کے بھیجی تھی درگاہ دار الحاجات معلیٰ ومقدس قطب الہند شیخ سیف الدین شیخ الجن والانس حضرت شاہ شاہاں محی الدین جیلانی درناگور است کہ جمیع اولیائے عظام ہند تابع ایں جناب فیض مآب اند''۔

از برکت قدوم تو ہندوستاں پُر شدہ از اولیاء چوں بوستاں
(دیوان قمر ص ۷)

اوراد قادریہ کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

''تمام شد ایں کتاب در شاہجہاں آباد از دست فقیر خواجہ بخش سید عبد الرشید

یوم پنجشنبہ بوقت عشا بتاریخ ہفتم ماہ ربیع الاول ۔۔جلوس محمد شاہ بادشاہ ۱۱۳۶ھ''۔(دیوان قمر ص ۷)

سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی کا مدفن بغداد ہے یا ناگور اس سلسلے کی تمام تر تفصیل راقم السطور کی تصنیف'' ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی قطب الھند سیدنا سیف الدین عبد الوھاب جیلانی '' میں دیکھی جاسکتی ہے۔اس تصنیف میں تاریخی حقائق وشواہد کے ساتھ سلاطین کے دستاویزات وفرامین کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ'' درگاہ بڑے پیر'' ناگور میں جو بزرگ آسودۂ خواب ہیں وہ فرزند غوث اعظم سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی اور ان کے خانوادہ کے لوگ ہیں۔

آپ کی نماز جنازہ رضی الدین قریشی مشہدی نے پڑھائی جو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری (وفات ۶۲۵ھ) کے فرزند تھے۔رجب دین سے شہرت حاصل تھی اصل نام عبداللہ اور عرفیت رضی الدین تھی ۔انھی کا عقد بی بی حافظہ جمال بنت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہوا تھا۔حضرت مولانا رضی الدین مشہدی کو حضرت سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی سے بے حد انسیت تھی اسی لئے بعد وصال انھوں نے جنازہ کی نماز پڑھانے کا اہم فریضہ انجام دیا۔

آپ کے مزار مقدس کی تعمیر ناگور کے گورنر شمس الدین دوانی نے ۷۵۸ھ میں کرائی۔حوض شمسی کے اوپر آپ کا آستانہ قابل دید ہے۔دور دور سے لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں اور فیوض وبرکات سے مالا مال ہوتے ہیں اور اس درگاہ سے رشد وہدایت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے ۔موجودہ سجادہ نشین سید صداقت علی قادری ناگوری سے درگاہ روز وشب ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ہندوستان کے مختلف گوشوں سے زائرین یہاں آکر کسب فیض کرتے ہیں اور گوہر مراد سے اپنا دامن بھر کر واپس جاتے ہیں۔جو شجرۂ طریقت اس درگاہ سے مریدین کو دیا جاتا ہے سیدنا غوث پاک علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد اس خانوادہ کے مشائخ کا راقم السطور نے نظم کیا ہے جو اس طرح ہے۔

شجرۂ طریقت سلسلہ عالیہ قادریہ وہابیہ

قطب الہند حضرت سیدنا شیخ سیف الدین عبدالوہاب جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان ناگور

یا الٰہی رحم فرما مصطفٰے کے واسطے　　یارسول اللہ کرم کیجئے خدا کے واسطے
مشکلیں حل کر شہِ مشکل کشا کے واسطے　　کر بلائیں رد شہیدِ کربلا کے واسطے
سیدِ سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ ہمیں　　علم حق دے باقرِ علم ہدیٰ کے واسطے
صدقِ صادق کا تصدق صادق الاسلام کر　　بے غضب راضی ہو کاظم اور رضا کے واسطے
بہرِ معروف وسری معروف دے بے خودسری　　جندِ حق میں گن جنیدِ باصفا کے واسطے
بہرِ شبلی شیرِ حق دنیا کے کتّوں سے بچا　　ایک کا رکھ عبدِ واحد بے ریا کے واسطے
بوالفرح کا صدقہ کر غم کو فرح دے حسن وسعد　　بو الحسن اور بوسعید سعد زا کے واسطے
قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا　　قدر عبد القادر قدرت نما کے واسطے
فضل رب دائم خدایا ہم فقیروں پر رہے　　شاہ سیف الدین کی صدق وصفا کے واسطے
روزِ محشر ہو شفاعت اس معاصی کی خدا　　شہ شفیع الدیں محمد بے ریا کے واسطے
نصرت دینِ نبی کا دے خدایا حوصلہ　　شہ نصیر الدیں محمد حق رسا کے واسطے
کر ہمیں حسن سعادت سے خدایا شادکام　　سیدی مسعود شاہ بے ریا کے واسطے
شاہ میراں سیدی سید علی وشمسِ دین　　بخش دے جرم وخطا ان اولیاء کے واسطے
روزِ محشر رحمت حق، سر پہ رہے سایہ فگن　　بندۂ حق غوث اوچی کی رضا کے واسطے
ہر بلا طوفان سے محفوظ رکھنا اے خدا　　شہ خلیل اللہ کی صبر ورضا کے واسطے
شاہ موسیٰ عبد قادر کاملانِ راہ حق　　دولت دارین دے ان اصفیا کے واسطے
وارث دین نبی کا فخر ہو حاصل مجھے　　فخر دین وشاہ وارث حق نما کے واسطے
شاہ حامد شہ شفیع الدین اور دیوان شاہ　　لطف اپنا عام کر ان اصفیاء کے واسطے
فتح دے، نصرت عطا کر دین احمد کے لیے　　شہ نصیر الدین احمد کی رضا کے واسطے
فتنۂ دجّال سے محفوظ رکھنا اے خدا　　مرشدی مہدی علی کی اتقا کے واسطے

سیدی اکبر علی ومرشدی سید حسن صدقہ حسنین دے ان کی ولا کے واسطے
نقش ہو دل میں محمد نام کندہ ہو علی سیّدی سید محمد پارسا کے واسطے
جرأت احقاق حق ابطال باطل دے مجھے پیر ومرشد ذوالفقار باصفا کے واسطے
صدق وصفا کی راہ پر ہم کو چلانا اے خدا مرشدی سید صداقت کی رضا کے واسطے

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے کہ کئی ایسے مشائخ ہیں جن کے بارے میں مورخین نے دعوی کیا ہے کہ ان کے ذریعہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت ہوئی ۔کون پہلے آیا کون بعد میں یہ مسئلہ تو موضوع بحث بن سکتا ہے لیکن اس بات پر تمام مصنفین اور سوانح نگاروں کا اتفاق ہے کہ ان مشائخ کرام کے ذریعہ ہندوستان کے چپہ چپہ میں قادریت کا فیضان عام وتام ہوا اور ان کے خلفا اور پھر خلفا کے خلفا کے ذریعہ رشد وہدایت کا یہ سلسلہ تادم تحریر جاری وساری ہے۔سلسلہ قادریہ کی جن شاخوں نے ہندوستان میں شہرت حاصل کی ان میں کچھ اہم سلاسل کا ذکر سطور زیریں میں کیا جارہا ہے۔

سلسلہ قادریہ برکاتیہ منسوب بہ حضرت شاہ برکت اللہ مارہرہ ایٹہ
سلسلہ قادریہ محمدیہ منسوب بہ حضرت سیدنا محمد القادری اجھر بہار
سلسلہ قادریہ مجیبیہ منسوب بہ حضرت مجیب اللہ شاہ پھلواروی
سلسلہ قادریہ وارثیہ منسوب بہ حضرت وارث رسول نما بنارسی
سلسلہ قادریہ منعمیہ منسوب بہ حضرت منعم پاک بہار
سلسلہ قادریہ رزاقیہ منسوب بہ حضرت شاہ عبدالرزاق بانسہ لکھنؤ
سلسلہ قادریہ رضویہ منسوب بہ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلی
سلسلہ قادریہ نوریہ منسوب بہ حضرت مصطفیٰ رضا نوری بریلی
سلسلہ قادریہ علیمیہ منسوب بہ حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی
سلسلہ قادریہ راج شاہیہ منسوب بہ حضرت میاں راج شاہ سوندھ ہریانہ
سلسلہ قادریہ قمیصیہ منسوب بہ حضرت قمیص اعظم قادری بنگال
سلسلہ قادریہ نصیریہ منسوب بہ حضرت شاہ نصیرالدین اولیاء بنگال

سلسلہ قادریہ حبیبیہ	منسوب بہ حضرت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن اڑیسہ
سلسلہ قادریہ امجدیہ	منسوب بہ حضرت مولانا شاہ امجد علی گھوسی مئو
سلسلہ قادریہ نعیمیہ	منسوب بہ حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی
سلسلہ قادریہ عزیزیہ	منسوب بہ حضرت شاہ عبدالعزیز مبارک پور
سلسلہ قادریہ حشمتیہ	منسوب بہ حضرت مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیت
سلسلہ قادریہ مشاہدیہ	منسوب بہ حضرت مولانا محمد مشاہد رضا پیلی بھیت

علیهم الرحمة والرضوان

اعضا وجوارح کا ذکر

''ذکر صرف زبان سے ہی نہیں ہوتا بلکہ بندگان حق اپنے تمام اعضا وجوارح سے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، جن اعضا کے ذریعہ وہ ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ، دل، روح، اور زبان

۱۔ ہاتھ کا ذکر یہ ہے کہ اس کے ذریعہ کمزور اور غریب لوگوں کی مدد کی جائے۔

۲۔ پاؤں کا ذکر یہ ہے کہ پاؤں سے چل کر علماء وصلحا کی زیارت کی جائے۔

۳۔ آنکھ کا ذکر یہ ہے اس سے بارگاہ الٰہی میں گریہ زاری کی جائے۔

۴۔ کان کا ذکر یہ ہے کہ اس سے حکمائے اسلام کی باتیں سنی جائیں۔

۵۔ دل کا ذکر یہ ہے کہ دل میں دنیائے فانی سے انقطاع اور دار باقی کی طرف مراجعت اختیار کی جائے۔

۶۔ روح کا ذکر یہ ہے کہ رویت باری تعالیٰ کا اشتیاق رکھے۔

۷۔ زبان کا ذکر یہ ہے کہ اس سے قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔

(مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۳۴)

باب سوم

شمالی ہند میں سلسلہ قادریہ کی مشہور درگاہیں

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا ابراہیم ایرجی ''نظام الدین'' دہلی علیہ الرحمة والرضوان

دہلی ہندوستان کی راجدھانی ہے اور اسے یہ شرف برسوں سے حاصل ہے، اس شہر کا پہلا نام اندر پرست تھا۔ راجہ بکر ماجیت سے تین سو برس قبل ''راجہ دہلو'' کے نام سے اس شہر کا نام دہلی پڑا۔ یہ شہر کئی بار ویران ہوا مگر اس کی رونق اور حسن و جمال میں کوئی فرق نہ پڑا ۔سلاطین ہند کے ساتھ ہی سلاطین علم وفن اور تاجداران روحانیت کا بھی یہ شہر ہر دور میں مرکز رہا ہے۔ اسی علمی و دینی مرکزیت کے پیش نظر بائیس خواجگان والے چوکھٹ کے اس شہر کو بعض مورخین نے ''حضرت دہلی''، ''قبۃ الاسلام'' اور ''خرد مکہ'' جیسے اہم خطابات اور القابات سے نوازا ہے۔ ہر سلسلہ کے مشائخ کرام نے اس شہر کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لئے منتخب کیا۔ ایک زمانہ میں دہلی کے اندر صوفیاء ومشائخ کی اس درجہ کثرت تھی کہ بقول خلیق احمد نظامی ایسی دو ہزار خانقاہیں تھیں جن کے نام ونشان پائے جاتے تھے۔ ان خانقاہوں میں چھوٹے بڑے امیر وغریب ہندو مسلمان مرد عورت سبھی حاضر ہوتے۔ سلسلہ قادریہ کے جن مشائخ نے روحانیت کی فضا ہموار کی اور بندگان حق کو قادریت کے فیوض وبرکات سے ہم کنار کیا ان میں حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت سید ابراہیم ایرجی، حضرت عبدالعزیز شکر بار، حضرت شیخ بہلول، حضرت شاہ عبدالرزاق گیلانی۔ حضرت سید عبدالرحمان گیلانی، شہزادہ داراشکوہ قادری، حضرت سید ہرے بھرے شاہ، حضرت شاہ ابو لمعالی دہلوی، حضرت سید حسن رسول نما، حضرت شاہ میر محمد زکریا قادری، حضرت صوفی شاہ آبادانی، اور حضرت سید شاہ بڑے قادری علیہم الرحمۃ والرضوان قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابراہیم ایرجی علیہ الرحمہ، حضرت بہاء الدین دولت آبادی (وفات ۹۲۱ھ) کے مرید وخلیفۂ خاص تھے جو پیر ومرشد کے حکم سے دین حق کی نشر واشاعت کے

لئے دہلی تشریف لائے،آپ کا مزار مقدس درگاہ نظام الدین اولیاء میں حضرت امیر خسرو کے آستانہ کے سامنے ایک گنبد کے اندر ہے،جس کا نہ کوئی مستقل دروازہ ہے اور نہ ہی صاحب مزار کے نام کا کوئی کتبہ،زیارت کے لئے صرف ایک آہنی کھڑکی کھلی رہتی ہے۔راقم نے ایک اہل خیر کے کہنے کے بموجب اس خانقاہ کو بہتر انداز میں تعمیر کرانے اور عام زیارت کے لئے کھولنے کی اجازت کچھ سجادگان بطور خاص حضرت خواجہ حسن نظامی ثانی سے طلب کی مگر کوشش ناکام رہی۔

حضرت سیدنا شیخ ابراہیم ایرجی قادری کا وطنی تعلق ایرج سے ہے،ایرج ضلع جالون کا ایک قصبہ ہے لیکن "تذکرہ مشائخ شیراز ہند" کے مصنف کی رائے اس سے قدرے مختلف ہے وہ لکھتے ہیں۔

> ''ایرج کا علاقہ ریاست محمود آباد کالپی کا ایک حصہ تھا یہ ریاست ایک طویل عرصہ تک سلاطین شرقیہ کی باج گذار رہی وہاں کے علما اور صوفیا نے بھی اس عہد میں علمی وادبی کاموں میں بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیا اور اسلام کی اشاعت کے لیے بیش بہا خدمات انجام دیں''۔

(تذکرہ مشائخ شیراز ہند،میاں محمد سعید ص۳۳۲ لاہور ۱۹۸۵ء)

حضرت سیدنا براہیم ایرجی نے بچپن ایرج میں گزارا اور عمر کے آخری دور میں ترک وطن کر کے سلطان سکندر کے عہد میں دہلی آئے اور آتے ہی اپنی گوناگوں خصوصیات اور کردار وعمل کے باعث مشائخ دہلی میں نمایاں اور ممتاز ہوگیے اور رفتہ رفتہ میاں شیخ عبداللہ دہلوی،میاں لادن،اور عبدالقادر صابون گر جیسے دہلی کے دوسرے اہم مشائخ آپ کے معتقدین اور حلقہ بگوش میں شامل ہوگئے۔

حضرت سیدنا شیخ ابراہیم ایرجی کے والد ماجد کا نام معین الدین بن عبدالقادر بن مرتضیٰ الحسنی القادری تھا،نسبی رشتہ کے تعلق سے آپ سیدنا شاہ عبدالرزاق بن حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی علیہما الرحمۃ والرضوان کے پوتے ہوتے تھے۔

(تذکرہ مشائخ قادریہ ہند ص۱۶۲ دیوبند ۱۳۹۸ھ)

اس دور کے ارباب علم وفضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے علوم عقلیہ ونقلیہ سب میں مہارت پیدا کی، علم وفن میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا، اس زمانہ میں ایسا کوئی عالم نہیں تھا جسے آپ کا ہم پلہ سمجھا جاتا، رات دن کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے منطق وفلسفہ کے مشکل سے مشکل ترین مباحث کو اس طرح حل کر دیتے کہ کم پڑھا لکھا انسان بھی ان مباحث کو بڑی آسانی سے سمجھ جاتا، جو بھی آپ سے ملنے آتا وہ بھی مطالعہ کتب میں مشغول ہو جاتا، آپ نے باضابطہ درس وتدریس کا فریضہ انجام نہیں دیا لیکن آپ سے استفادہ کرنے والوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔لوگ آپ کی خدمت میں آتے اور مشکل سے مشکل ترین مسائل کا حل لے کر جاتے، علم وفن میں مہارت کا شہرہ اس قدر تھا کہ بس! نہ جانے کہاں کہاں سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور علمی فیضان سے سیراب ہوتے، کتب تواریخ میں ملتا ہے کہ شیخ عبدالعزیز حسن اور دو ایک بزرگ ایسے ہیں جنھیں آپ نے باضابطہ تصوف کا درس دیا ہے، درس وتدریس کا آپ کے پاس موقع ہی کہاں تھا شب وروز کے لمحات کتب بینی میں وقف کر رکھے تھے، کتب بینی میں صرف عبارت کی تفہیم پر دھیان نہیں دیتے تھے بلکہ ان کی اغلاط کی اصلاح بھی فرماتے تھے۔شاید ہی کوئی کتاب ہو جو آپ کی نظر سے گزری ہو اور اس پر آپ کا قلم نہ چلا ہو، اسی علمی عظمت کے اعتراف میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے۔

الحق درزمان او ہیچ کس بدانش او نبود (اخبار الاخیار ص ۲۳۹)

(حقیقت یہ ہے کہ آپ کے زمانے میں علم ودانش میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا)

حضرت سیدنا ابراہیم ایرجی علم وفضل اور تقوی وتدین میں اپنی مثال آپ تھے، قدیم وجدید تمام مورخین نے آپ کی علمی لیاقت کا یکساں اعتراف کیا ہے۔ زبدۃ المقامات کے مصنف ہاشم کشمی لکھتے ہیں۔

''سید ابراہیم مردے بود از اعلام دانشمنداں علوم عقلی ونقلی چنانکہ در عہد او بہ شہر دہلی کسے نہ بود'' (زبدۃ المقامات محمد ہاشم کشمی ص ۱۰۱ استنبول ۱۹۷۷ء)

مولوی رحمان علی نے علوم عقلیہ ونقلیہ کے علاوہ رسمی وحقیقی تمام علوم میں آپ کی بالغ

نظری کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ مشکل سے مشکل ترین مسائل کو اس طرح حل فرما دیتے کہ علم سے تھوڑی بہت شُد بُد رکھنے والا انسان آسانی سے مسائل کو اس طرح سمجھ لیتا کہ پھر اسے دوبارہ کسی استاد کی حاجت نہیں رہ جاتی ،فرماتے ہیں۔

''دانشمند کامل بر سائر علوم عقلی و نقلی و رسمی و حقیقی عبور نمودہ کتب بسیار از ہر علوم مطالعہ کردہ و تصحیح فرمودہ و مشکلات آں راچناں حل کردہ کہ ہر کس ادنیٰ مناسبتے باشد نظر در کتاب او کافی بود، واحتیاج استاد نداشت''۔

(رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ص ۷)

الاعلام کے مصنف نے بھی لکھا ہے۔

''کہ ایک خداترس صوفی ہونے کے باوجود علم و فضل میں اونچا مقام رکھتے تھے، اس معاملہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا ان کے دور میں علمی دنیا میں جو انھیں شہرت ملی وہ کسی اور کو حاصل نہ ہو سکی''۔

حضرت میر سید ابراہیم ایرجی کو علم و فن میں بالا دستی حاصل تھی صاحب بحر زخار ''تذکرۃ الاصفیا'' کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''آپ بہت بڑے بزرگ اور صاحب برکات تھے۔ عالم کامل اور تمام علوم عقلیہ نقلیہ، رسمیہ و حقیقیہ پر کامل عبور رکھتے تھے، ہر علم و فن کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کی تصحیح کی اور ان کے مشکل مقامات کو اس طور پر حل کیا کہ جس شخص کو اس فن مین ادنیٰ مناسبت ہو گی ان کے مطالعہ سے حظ وافر حاصل کرے گا، کسی استاذ کی رہنمائی درکار نہیں ہو گی ، دہلی میں آپ جیسا کوئی عالم موجود نہیں تھا۔ آپ کے کتب خانہ کی اکثر کتابیں آپ ہی کی لکھی ہوئی تھیں۔ آپ کے معاصرین نے کتابوں میں غلطیاں نہیں پائیں''۔ (بحر زخار جلد دوم ص ۲۴۸)

شیخ ابراہیم ایرجی صاحب علم و فضل کے علاوہ اب وہ سلسلہ قادریہ کے اہم بزرگ کی حیثیت سے متعارف ہیں، علم تصوف سے آپ کو گہرا لگاؤ تھا اس سلسلے میں آپ نے کئی

مشائخ کی صحبت اختیار کی تھی اور ان کے خانوادوں کے ارتباط اور اوراد وظائف اور اذکار وارشاد کے طریقے بھی حاصل کیے تھے۔سلسلہ قادریہ میں آپ بیعت حضرت شیخ بہاء الدین شطاری قادری علیہ الرحمۃ والرضوان سے تھے،انھی سے سلسلہ کی اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔تمام سلاسل میں سلسلہ قادریہ آپ کو زیادہ محبوب وپسندیدہ تھا۔ اپنے شیخ کی نظر میں آپ بہت زیادہ محبوب تھے۔حضرت سیدنا شیخ بہاء الدین قادری دولت آبادی نے اپنا ''رسالہ شطاریہ'' آپ ہی کے لئے لکھا تھا۔آپ کی ذات ستودہ صفات سے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو کافی تقویت ملی۔

(غلام یحییٰ انجم: تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم ص۲۲۲ دہلی ۲۰۰۶ء)

آپ کی ذات ستودہ صفات سے اس سلسلہ کو کافی تقویت ملی، ہندوستان میں جاری مشہور سلسلہ ''سلسلہ قادریہ رضویہ'' کے اہم مشائخ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔سلسلہ قادریہ اس سلسلہ کی وہ واحد شاخ ہے جس سے دنیا کے لاکھوں افراد وابستہ ہیں۔ ماہنامہ حجاز جدید میں درج عبارت کے بقول:

> ''سید ابراہیم کو سلسلہ قادریہ کی دولت شیخ عبد العزیز شکر بار اور مخدوم بھکاری علیہما الرحمۃ والرضوان سے حاصل ہوئی تھی،اور آپ کی ذات سے شیخ پیارے بن شیخ الاسلام شیخ چاند نے فیض ارادت قادریہ اخذ کیا تھا''۔

(حجاز جدید دہلی ص ۵۷ نومبر ۱۹۸۹ء)

حضرت میر سید ابراہیم ایرجی کے مرشد کی حیثیت سے مخدوم شیخ بھکاری علیہ الرحمہ کا ذکر تو کئی ایک تذکرہ نویسوں نے کیا ہے لیکن عبد العزیز شکر بار کے تذکرہ میں ملتا ہے کہ انھوں نے میر سید ابراہیم کو فیض پہنچانے کے بجائے ان سے فیض حاصل کیا ہے۔''ملت راج شاہی'' کے مصنف اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> ''وہ (عبد العزیز شکر بار) مدت تک حضرت سید ابراہیم ایرجی کی خدمت میں رہے اور آپ سے فیض یاب ہوئے اور خرقہ قادریہ پہنا''۔

(ملت راج شاہی: معین قادری راج شاہی: ص ۸۴)

حضرت سید ابراہیم ایرجی کا علمی فیضان جس طرح عام ہوا اسی طرح روحانی فیضان بھی عام وتام ہوا، وقت کے جلیل القدر مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا آپ کی قربت لوگ اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھتے تھے، ہر ایک شخص آپ کی قربت کا طلب گار رہتا تھا، علمی وروحانی فیضان حاصل کرنے والوں کی ہمیشہ بھیڑ لگی رہتی تھی، خُلق محمدی کے آپ ایسے پیکر تھے کہ ہر ایک شخص خوش و بامراد ہوکر آپ کے در دولت سے واپس جاتا، البتہ بعض معاملوں میں آپ اصولوں کے بڑے پابند تھے۔مطالعہ کی کتابیں سوائے اپنے خاص دوستوں کے کسی اور کو نہیں دیتے تھے، آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں میں اگر کسی کی خواہش یہ ہوتی کہ آپ سے کتابیں لے کر اپنے گھر جا کر سکون سے مطالعہ کرے تو اس کی اس خواہش کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔مرزا آفتاب بیگ کے بقول:

”آپ لوگوں کی جہالت، بے انصافی، اور ناحق شناسی کی وجہ سے اپنی کتاب سوائے دوستوں کے کسی کو نہ دیتے تھے“۔

(رہنمائے مقامات مقدسہ، مرزا آفتاب بیگ ص ۲۷)

پھر بھی آپ کی خدمت میں جو شخص آتا آپ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اخلاق و کردار کے ایسے حسین پیکر تھے کہ تمام تر مشغولیات و مصروفیات کے باوجود خلق خدا کی دلجوئی میں طاق تھے۔” تذکرۃ العابدین “کے مصنف آپ کے اخلاق کریمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”آپ کمالات ظاہری و باطنی و جذب و عشق و محبت الٰہی میں مصروف تھے اور مقتدائے زمانہ تھے نہایت خلیق، و ہر دلعزیز جس پر تصور ہوتا تھا کہ خلق محمدی سب آپ کے اندر آ گیا ہے“۔

(تذکرۃ العابدین، نذیر احمد دیوبندی ص ۴۷ امطبوعہ ۱۳۱۷ھ)

حضرت میر سید ابراہیم ایرجی نے کبھی محفل سماع میں شرکت نہ کی اور نہ ہی اسے پسند فرمایا اس سلسلے میں آپ کا بڑ امحتاط رویہ تھا، ایک بار کا ذکر ہے کہ شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آج حضرت خواجہ قطب الدین

بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عرس ہے، اگر آپ مجلس میں شرکت فرمائیں تو مناسب ہوگا ۔آپ نے جواب میں فرمایا تم چلے جاؤ اور قبر کی زیارت کرو بعد میں ان کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر غور سے سننا کہ حضرت خواجہ کیا فرماتے ہیں؟

''حکم کے مطابق حضرت رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر پر بیٹھ کر ان کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے ۔مجلس سماع گرم تھی قوال اور صوفی سب جوش وخروش میں تھے کہ اس وقت خواجہ قطب الدین نے مجھ (رکن الدین) سے فرمایا کہ ان بدبختوں نے ہمارا دماغ کھالیا ہے اور ذہن پریشان کر رکھا ہے''۔(اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص۵۱۲ دہلی ۱۹۹۴ء)

آپ کے خلفا میں حضرت سید قاری محمد نظام عرف شاہ بھکاری رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۸۹۰ھ وفات ۹۸۱ھ) نے بڑی شہرت حاصل کی۔ بیعت وارادت کا شرف حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ خلافت واجازت کی انمول دولت بھی آپ کو حضرت ابراہیم ایرجی سے ملی۔اور حضرت شاہ بھکاری پر پیرومرشد کی جو عنایات ہوئیں اس کا ذکر خود آپ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

''میں نے فیروز آباد میں حضرت ابراہیم ایرجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا تو حضرت نے ایسی عنایات فرمائیں جو بیان سے باہر ہیں، چند ماہ حضرت کی خدمت اقدس میں رہا۔روزانہ کوئی نہ کوئی انکشاف ضرور ہوتا تھا درس وتدریس کے متعلق کبھی کبھی فرماتے کہ تم سے قرأت خوب ادا ہوتی ہے اور آواز بھی عمدہ ہے۔تمہارے آنے سے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے''۔

مرشد نے ایک روز حضرت قاری نظام الدین عرف شاہ بھکاری سے دریافت فرمایا کہ انما الاعمال بالنیات کے کیا معانی ہیں؟ حق بین وحق شناس مرید نے ایسے نکات بیان کیے کہ شیخ پر ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہوگئی اور فرمایا کہ پھر کہو: اس سے خوش ہو کر سر

مبارک سے ٹوپی اتار کر مرید ارشد کے سر پر رکھ دی اور فرمایا کہ حدیث شریف کے معنیٰ بیان کرنے کے لیے ایسا ہی اچھا منھ چاہیئے پھر روزانہ کے وظائف دریافت فرما کر اپنی کتاب جس میں وظائف لکھے ہوئے تھے اور ساتھ میں حضرت سید احمد بخاری قدس سرہ کا پیرہن عطا فرمایا۔آپ چند روز کے بعد رخصت ہو کر اپنے وطن کاکوری تشریف لائے اور تمام حالات اپنے والد ماجد سے عرض کئے۔

حضرت قاری نظام الدین عرف شاہ بھکاری اپنے والد ماجد ہی کی خدمت میں تھے کہ چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا ابراہیم ایرجی فیروز آباد سے چرکھاری تشریف لائے ہیں اور وہاں سے دہلی تشریف لے جائیں گے۔والد گرامی نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ اے نظام الدین! تمھیں چرکھاری پہنچنا مناسب ہے اس لئے کہ دہلی کا سفر تمھارے لیے تکلیف سے خالی نہیں۔چوں کہ مرشد برحق کی بارگاہ میں حاضر ہونا ضروری تھا،اس لیے آپ نے چرکھاری کے لیے رخت سفر باندھا اور پورے دس دنوں کی مسافت طے کر کے اپنے مرشد برحق کی بارگاہ میں پہنچے۔اس مقام پر بھی مرشد کی بے پناہ عنایت اور فضل وکرم آپ پر رہا جس کی تفصیل آپ خود ہی بیان فرماتے ہیں۔

> ’’میں اس عنایات والطاف کے قابل نہ تھا ایک دن فرصت پا کر مرشد برحق کی خدمت میں عرض کیا اے مرشد برحق! میرے ساتھ آپ کی جتنی عنایتیں ہیں ان کے شکریہ کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں اور نہ ہی میری زبان شکریہ ادا کرنے کی قوت رکھتی ہے۔اگر مجھے ارشاد غوثیہ پر آگاہی ہوتی تو میں کسب میں عزم کرتا تا کہ مجاہدہ میں قاصر نہ رہ جاؤں‘‘۔

مرشد برحق نے فرمایا کہ بہت اچھا ہوا کہ تم نے آغاز سخن کر دیا اور یہ باتیں میرے دل میں کئی دن سے تھیں،اس لیے اب میں نے حضرت بہاء الملۃ والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ سب تم کو پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں سوائے ان دو چیزوں کے کہ ان دونوں کی اجازت دینی مصلحت کی وجہ سے اپنے مخدوم زادہ حضرت مولانا حافظ سید ابراہیم بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست اقدس پر موقوف رکھتا ہوں اور دوسرے حضرت ابراہیم

ایرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتب وصایا اجازت نامہ کے ساتھ اور ایک مہر عنایت کر کے وطن کی طرف روانگی کی اجازت مرحمت فرمادی۔

آپ کے خلفا کی صحیح تعداد اور ان کی تفصیلات یکجا طور پر کہیں نہیں پائی جاتی ہیں ۔مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی نے تذکرہ علمائے ھند کے حوالہ سے آپ کے درج ذیل خلفا کا تذکرہ کیا ہے جو اس طرح ہے۔

۱۔حضرت شیخ رکن الدین بن عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۔حضرت شیخ عبدالعزیز بن حسن دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۳۔حضرت شیخ نظام الدین سیف الدین کاکوری لکھنؤ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۴۔حضرت شیخ عبداللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۵۔حضرت بندگی شیخ پیارے بن شیخ الاسلام شیخ چاند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۶۔حضرت شیخ میاں لادن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۷۔حضرت شیخ عبدالقادر صابون گر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص۲۸۶)

حضرت سیدنا ابراہیم ایرجی کا وصال ۹۵۳ھ مطابق ۱۵۳۲ء میں اسلام شاہ کے عہد حکومت میں ہوا۔مزار مقدس درگاہ نظام الدین اولیاء میں حضرت امیر خسرو کی زیارت گاہ کے سامنے ایک کمرہ میں واقع ہے بڑی بافیض بارگاہ ہے۔ ہر سال ان کا عرس ان کے معتقدین ومتوسلین بڑے تزک واحتشام کے ساتھ انھی تاریخوں میں مناتے ہیں ۔مگر اندر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے درگاہ نظام الدین اولیاء کے باہر جہاں جگہ ملتی ہے منالیتے ہیں، یہ سلسلہ برسوں سے جاری ہے راقم السطور نے اس عرس میں کئی مرتبہ شرکت کی ہے اور وعظ وخطاب بھی کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مہرولی

عليه الرحمة والرضوان

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ولادت ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء میں اسلام شاہ سوری کے عہد حکومت میں ہوئی، علمائے دہلی کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کر کے علم وفن میں کمال حاصل کیا۔ ان کے والد کی تمنا تھی کہ میرا بیٹا علوم دینیہ میں کمال حاصل کر کے سچا دین کا خام بنے اور ساتھ ہی عبادت وریاضت سے گہری وابستگی برقرار رہے۔اسی لئے وہ نصیحت وہدایت کے طور پر اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے''ملاّئے خشک وناہموار نباشی'' والد ماجد کی اس نصیحت پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بڑی سختی سے عمل کیا۔ ۳۸ سال کی عمر میں ۹۹۴ھ/۱۵۸۵ء میں حجاز مقدس کا سفر کیا۔ علمائے حرم کی خدمت میں حاضری دے کر بخاری ومسلم کا درس لیا۔اس سفر حج کی روداد شیخ عبدالحق محدث دہلوی خود اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

> ''۱۵۸۵ء میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی غرض سے میں عازم مکہ ہوا چند ماہ مرزا نظام الدین احمد صوبہ دار کی درخواست اور التجا پر گجرات میں قیام کیا، کشتی کے ذریعہ بحر محیط کو پار کر کے مکہ معظّمہ پہنچا اور بیت اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور شیخ علی متقی کے جانشین وخلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی ہندی کی یقین آفریں تلقینات سے مکہ مکرمہ کے اندر مشرف ہوا۔ اس کے بعد آرام گاہ رسول ﷺ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا۔ میں نے اثنائے راہ ایک قصیدہ حضور ﷺ کے مدائح پر اس خیال سے تصنیف کیا کہ اگر حضور ﷺ کمال فضل وکرم سے اپنے جمال جہاں آرا کی زیارت کرائیں تو میں یہ قصیدہ آپ کے روبرو بطور نذر پیش کروں

۔ جب میں مدینہ شریف پہنچا شرف زمین بوسی کے حصول کے بعد مسجد نبوی میں منبر سے متصل اقامت اختیار کی ۔ وہاں کے شرفا کہتے تھے یہ شخص رسول اللہ ﷺ کا بلایا ہوا ہے ۔اس رات بعد نماز عشا مجھ پر استغراق کی کیفیت طاری ہوئی ایک شخص بلند آواز میں یہ کہتا ہوا آیا کہ یہ پیغمبر ﷺ کا مہمان ہے اور دو تازہ کھجوریں عنایت کیں، جب استغراق کی کیفیت ختم ہوئی تو میں نے دونوں کھجوریں اپنے ہاتھ میں دیکھیں، ایک میں نے خود کھالی اور دوسری میں نے امانتاً اپنے بیٹے کے لیے رکھ لیں، وطن واپس آنے کے بعد اپنے فرزند نور الحق کو کھلا دی''۔

(بحر زخار جلد دوم ص۱۷۹)

کچھ دیر بعد جب استغراق کی کیفیت طاری ہوئی تو میں نے دیکھا کہ جناب اطہر ومطہر رسول خدا ﷺ مسجد کے منبر پر رونق افروز ہیں اور فرمارہے ہیں وہ قصیدہ پڑھو جو تم نے اثنائے سفر لکھا ہے۔شیخ عبد الحق نے کمال فصاحت وبلاغت اور انتہائی ولولہ شوق کے ساتھ قصیدہ پیش کیا۔سرکار دوعالم ﷺ کی طرف سے پان عنایت ہوا۔

وہیں پر آپ کی ملاقات شیخ عبد الوہاب متقی سے ہوئی ان کی ملاقات سے آپ کی زندگی میں نکھار آگیا، پورے تین سال حجاز مقدس کی برکتوں سے آپ فیضیاب ہوئے۔چار مرتبہ سرکار دوعالم ﷺ کے مزار مقدس پر برہنہ پا حاضری دی اور ارادہ یہ تھا کہ عمر گرانمایہ رسول اکرم ﷺ کے قدموں میں گزار دیں مگر شیخ متقی کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی۔انھوں نے ہی ہندوستان واپس ہونے کے لئے فرمایا تھا اس لئے چاہتے ہوئے بھی تین چار سال سے زیادہ اس مقدس سرزمین پر نہ رہ سکے۔۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء میں ہندوستان واپس آگئے ۔اور جب واپس ہوئے تو رسول اکرم ﷺ کی حدیثیں آپ کے سر پر تھیں ان احادیث کی ترویج واشاعت کے لئے آپ نے ہندوستان کی سرزمین پر باضابطہ ایک مدرسہ قائم کیا اور تمام بدعات وگمراہیاں جو باطل قوتوں کے حاوی ہونے کی وجہ سے سماج میں در آئی تھیں حدیث نبوی سے ان کا قلع قمع کیا اور ہندستان واپسی پر ہی اپنی مشہور تصنیف اخبار الاخیار کی

تصنیف فرمائی۔ شیخ عبد الحق محدث دھلوی نامی کتاب کے مصنف کے بقول:

"شمالی ہندوستان میں اس زمانہ میں آپ کا قائم کردہ یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں شریعت وسنت کی آواز بلند ہونے لگی کیوں کہ اس مدرسہ کا نصاب تعلیم دوسری درسگاہوں اور مدارس سے مختلف تھا۔ یہاں پر قرآن حدیث نبوی کو تمام دینی علوم کا مرکزی نقطہ قرار دے کر تعلیم دی جاتی تھی"۔
(شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۳۷)

حدیث کی اسی بیش بہا خدمت کے پیش نظر اکثر مورخین اور علماء ومحدثین نے آپ کے لئے" ناشر الحدیث فی بلاد الھند" جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی شخصیت "اعظم العلماء والمحدثین واکمل الکملاء والمتصوفین" میں سے تھی، اس حقیقت کا اعتراف اور دوسرے مصنفین ومورخین نے کیا ہے اور واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ حدیث نبوی کی ہندوستان میں جو گرم بازاری ہوئی وہ دراصل آپ ہی کی جہد مسلسل کا نتیجہ ہے، بلاشبہ اس ملک میں حدیث رسول کی اشاعت کا اولین سہرا آپ ہی کے سر ہے۔(ذکر جمیع اولیائے دہلی ص ۸۸)

آپ کی ذات اقدس سے ہندوستان میں حدیث شریف کی خوب نشر واشاعت ہوئی شیخ وجیہ الدین اشرف لکھتے ہیں۔

"ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت فرمائی، ہر چہار جانب متبحر علما سند حدیث کے حصول کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے۔آج تک یہ فیض سند حدیث جاری ہے کہ طبقہ بہ طبقہ لوگ واقف حدیث ہو رہے ہیں۔" (بحر زخار جلد دوم ص ۱۷۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شخصیت "در کف جام شریعت در کف سندان عشق" کی مکمل آئینہ دار تھی۔والد ماجد کی ہدایت کے باعث اگر ایک طرف وہ علم وفن کے شہ سوار تھے تو دوسری طرف روحانیت کے تاجدار کی حیثیت سے بھی انھیں شہرت ملی اور اس درجہ دنیائے تصوف میں کمال حاصل کر لیا کہ ملا عبدالقادر بدایونی کو لکھنا پڑا۔

در تصوف رتبہ بلند دارد (منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۱۱۳)

(تصوف کے بلند مرتبہ پر فائز تھے)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کو کئی سلاسل طریقت کا فیضان حاصل تھا، سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ حامد گنج بخش قادری کے فرزند ار جمند حضرت سیدنا موسیٰ گیلانی اوچی سے مرید تھے، اور ۹۸۰ھ میں انھی سے سلسلہ قادریہ کی اجازت وخلافت حاصل کی تھی ۔سلسلہ قادریہ سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا جب تک آپ بقید حیات رہے سلسلہ قادریہ کے فیضان سے ارباب شوق کو مستفیض فرماتے رہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

''ان کے دل کا ریشہ ریشہ شیخ جیلانی کے عشق میں گرفتار تھا''۔

(حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، خلیق احمد نظامی ص ۱۴۲ ادہلی ۱۹۵۳ء)

حضرت سیدنا شیخ عبد الحق محدث دہلوی علمی کمالات کے منبع وسر چشمہ تھے ان کی پوری زندگی پرورش لوح وقلم میں بسر ہوئی، حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی سے والہانہ عقیدت تھی۔شیخ وجیہ الدین اشرف لکھنوی نے لکھا ہے۔

عظیم الشان ولی، مرتبہ غوثیت کے حامل، شیخ علی متقی ہندی کے خلیفہ، وجانشین، شیخ عبد الوہاب ہندی سے مکہ معظّمہ کے اندر ایک خرقہ اور پیروں کی امانتیں پائی تھیں، نیز وہیں پر ایک سیاح درویش جس کا نام میں نے کتاب میں لکھا ہوا پایا ہے، خرقہ واجازت، کثیر امانت وعنایت، اور مرحمت کے ساتھ پایا، مغرب، مصر اور عرب کے کثیر مشائخ سے قسم قسم کے فیوض وبرکات حاصل کیے، غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ جیسے ان اشعار میں بیان کیا ہے جس سے حضرت غوث پاک کی روحانیت سے مخصوص نسبت کا فیض ظاہر ہوتا ہے۔

غوث اعظم دلیل راہ یقیں　　بہ یقیں رہبر اکابر دیں
شیخ دارین ہادیٔ ثقلین　　زبدۂ آل سید کونین
بادشاہ ممالک قربت　　رہ نورد مسالک غربت
اوست در جملہ اولیاء ممتاز　　چوں پیمبر در انبیاء ممتاز

اولیاء بند ہاش از دل وجاں　　قدم او بر گردن ایشاں
وصف تعریف او زمن نکوست　　خود کرامت او معروف اوست
من کہ پروردہ نوال ویم　　عاجز از مدحت کمال ویم
ہمہ در بحر غرق احسانم　　ای فدائے درش دل وجانم
در دو عالم بہ اوست امیدم　　ہست با او امید جاویدم

(بحر زخار جلد دوم ص ۱۷۸)

۹۴ سال کی عمر پائی ۱۰۵۲ھ میں وصال ہوا، فرزند ارجمند شیخ نور الحق محدث دہلوی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حسب وصیت حوض شمسی کے اوپر مدفون ہوئے۔آپ نے اپنی زندگی میں درج ذیل وصیتیں کیں۔

۱۔مجھے حوض شمسی کے اوپر دفن کیا جائے۔
۲۔قبر کو وسیع کریں حد اعتدال سے تجاوز نہ کریں۔
۳۔قبر کے اندر گچ نہ کریں۔
۴۔قبر کی دیواریں کچی اینٹ سے اوپر لائی جائیں۔
۵۔اوپری دیوار میں ایک طاق بنائیں جس میں پیروں کے شجرے رکھے جائیں۔

(محدث دہلوی ص ۱۵)

جس طرح آپ نے وصیت فرمائی تھی آپ کے پس ماندگان نے مکمل طور پر آپ کی وصیت پر عمل کیا اس طرح آفتاب علم وفن دنیا کی نگاہوں سے روپوش ہوگیا۔ ''شیخ اولیاء'' سے تاریخ ولادت اور ''فخر العلماء'' سے تاریخ سنہ رحلت کا مادہ برآمد ہوتا ہے۔

عبادت وریاضت اور احادیث نبویہ کی ترویج واشاعت کے علاوہ آپ نے مختلف موضوعات پر کثرت سے کتابیں لکھیں اس بے پناہ مصروفیت کے باوجود آپ نے تصنیف وتالیف کے لئے کہاں سے وقت نکالا یہ بجائے خود ایک تعجب خیز امر ہے اس موضوع پر اظہار تعجب کرتے ہوئے مراۃ الحقائق کے مصنف لکھتے ہیں۔

''میں حیران ہوں کہ وہ کون سے اوقات ہوتے تھے کہ جن میں نوبت

تصانیف اس قدر کتب کی ہوتی تھی اور تعلیم علم ظاہری و باطنی طالبان کو دی
جاتی تھی اور وعظ و تلقین عام طور پر ہوتا تھا اور شب خیزی وعبادت خاص
عمل میں آتی تھی، اور ضروریات لازمی دینوی انجام پاتی تھیں۔ میرے
نزدیک سوائے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ حضرت کی
کرامت ہے"۔(مراۃ الحقائق ص ۸۷)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصانیف کی تعداد سو ہے، اس کا ذکر عبدالحمید لاہوری محمد صالح کمبوہ اور خافی خان جیسے دیگر اہم مورخین نے کیا ہے۔ لیکن سو کتابوں کے اسماء کسی نے نہیں گنائے ہیں اور جس نے اس کی تفصیل لکھی ہے، انھوں نے کتاب المکاتیب والرسائل میں درج مکتوب کو الگ الگ ایک مستقل رسالہ کے طور پر شمار کرایا ہے۔ راقم اپنی کتاب تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم میں ص ۲۵۱ پر شیخ کی ۶۰ اہم کتابوں کے نام بتائے ہیں۔ جن میں سے کچھ اہم تصانیف یہ ہیں۔

۱۔لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ شریف عربی
۲۔اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف فارسی
۳۔شرح مختصر
۴۔شرح موجز مسمیٰ بجامع البرکات بر مشکوٰۃ
۵۔اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ
۶۔رسالہ اصول حدیث
۷۔مدارج النبوۃ
۸۔شرح صراط مستقیم از مجد الدین فیروز آبادی
۹۔شرح فتوح الغیب
۱۰۔اخبار الاخیار فی سیر الابرار
۱۱۔جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب
۱۲۔ما ثبت بالسنۃ فی الایام والسنۃ

۱۳۔رسالہ اورادستہ درعمل ایام واورادسبعہ ومعاش شبانہ وروزانہ

۱۴۔رسالہ درود

۱۵۔رسالہ تکمیل الایمان

۱۶۔آداب الصالحین

۱۷۔زادالمتقین

۱۸۔فتح المنان فی تائید مذہب النعمان

۱۹۔رسالہ زکات الحق

۲۰۔رسالہ زکات العشق

۲۱۔رسالہ دراحوال ائمہ اثناعشرہ

۲۲۔رسالہ حلیہ شریف پیغمبر اسلام ﷺ

۲۳۔رسالہ مرج البحرین فی الجمع بین الطرفین

۲۴۔رسالہ تسلیۃ المصیب الاسبیل الاجروالثواب

۲۵۔رسالہ درتاریخ ہندوجنگ

۲۶۔مجموعہ مکاتیب یک صد

۲۷۔انوارالجلیۃ فی احوال مشائخ الشاذلیۃ

۲۸۔تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف

۲۹۔ہدایت الناسک الیٰ طریق المناسک

۳۰۔ترغیب اہل السعادات

۳۱۔تنبیہ العارف بماوقع فی العوارف

۳۲۔دیوان نعت ومناقب

۳۳۔سفینہ (مستند دعائیں،اعمال اہل مغرب کی اجازات وغیرہ)

ان حضرات کے علاوہ سلسلہ قادریہ کے جو مشائخ دہلی کی سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں ان کی تعداد ۲۷ ہے،جن میں درج ذیل حضرات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۔حضرت شیخ محمد حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۹۴۴ھ/۱۵۳۷ء)

۲۔حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء)

۳۔حضرت شیخ بہلول قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء)

۴۔حضرت شیخ عبدالرحیم ہادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء)

۵۔حضرت شیخ عبدالرزاق گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء)

۶۔حضرت شیخ محمد محسن قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء)

۷۔حضرت شیخ ابوالقاسم ہرے بھرے شاہ رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۵ء)

۸۔حضرت شیخ حبیب اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء

۹۔حضرت سید شاہ عبدالرحمان شاہ گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات بہ عہد اورنگ زیب)

۱۰۔حضرت شاہ سرمد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء)

۱۱۔حضرت شیخ نورالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء)

۱۲۔حضرت شیخ بایزید قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۷۸ھ/۱۶۶۷ء)

۱۳۔حضرت شاہ ابوالمعالی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء)

۱۴۔حضرت شاہ عنایت اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء)

۱۵۔حضرت سید حسن رسول نما قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۱ء)

۱۶۔حضرت شاہ عبدالعزیز قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۱۱۶ھ/۱۷۰۴ء)

۱۷۔حضرت شاہ نوراللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳ء)

۱۸۔حضرت شاہ میر محمد زکریا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء)

۱۹۔حضرت شاہ بہلن عرف بھولو شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۰۴ھ/۱۷۹۸ء)

۲۰۔حضرت صوفی شاہ آبادانی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء)

۲۱۔حضرت سید شاہ بڑے قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء)

۲۲۔حضرت اخوند حافظ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء)

آستانہ عالیہ صاحب عرس قاسمی

حضرت شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن مارہرہ شریف، یوپی

علیہ الرحمۃ والرضوان

بندگان حق کی رشد وہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء ومرسلین کو مبعوث فرمایا ۔سلسلۂ نبوت ورسالت ختم ہونے کے بعد العلماء ورثۃ الانبیاء کے مطابق علماء ومشائخ نے کار نبوت کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور پوری دنیا میں اس نبوی مشن کو فروغ دینے میں بے پایاں جد وجہد فرمائی، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں یہ اللہ کے مقرب بندے نہ پہنچے ہوں اور اسلام کی تابانی سے اس خطہ کو منور نہ فرمایا ہو،انبیاء اور وارثین انبیاء نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہندوستان کو بھی سرفراز فرمایا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنا جانشین حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان ہی کی سرزمین پر مبعوث فرمایا پھر وہ سرزمین عرب تشریف لے گئے۔اس طرح صحابہ، تابعین اور علماء ومشائخ دین سے ہمیشہ ہندوستان کی سرزمین مرکز انوار وتجلیات اور آماجگاہ ایمان ویقین بنی رہی۔

شمالی ہندوستان میں اولین مبلغ کی حیثیت سے سیدنا سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ والرضوان (شہادت ۴۲۴ھ) تشریف لائے اور باضابطہ طور پر کفار ومشرکین سے جہاد کرکے دین حق کی نشر واشاعت فرمائی، یہاں تک کہ اپنی جان عزیز کا نذرانہ بھی راہ خدا میں دے دیا مگر اس مہم سے اپنے قدم کو پیچھے نہ ہٹایا، دین حق کی اشاعت کی خاطر جب ان کی آمد مشرقی یوپی میں اودھ کے علاقہ میں ہوئی تو اودھ کے راجاؤں میں کھلبلی مچ گئی اور پورے علاقہ میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ:

''ملک اودھ میں ایک قوم ملچھ ترک اس حیلہ جہاد میں واسطے غارت گری

ملک ومال اور بے دین کرنے یہاں کے آدمیوں کو آئی ہوئی ہے''۔

(آئینہ اودھ م ابوالحسن مانکپوری ص ۳۵ کانپور ۱۳۰۴ھ)

لکھنؤ کے پورب بستی گونڈھ، بلرام پور، بہرائچ، سدھارتھ نگر کے راجہ جب تک جداگانہ طور پر سید سالار مسعود غازی سے برسر پیکار تھے اس وقت تک وہ ان پر حاوی نہ ہو سکے۔ لیکن جب ان راجاؤں نے متحد ہو کر یکبارگی حملہ کیا تو وہ حملہ آپ کے لئے جان لیوا ثابت ہوا اور عین جوانی کے عالم میں آپ کی شہادت تو ضرور ہوگئی مگر شمالی ہندوستان بطور خاص اتر پردیش میں جو آپ نے اسلام کی شمع روشن کی اس کی تابانی سے وہ علاقہ آج بھی منور ہے جس کے اعتراف میں آج بھی ہزاروں عقیدت مند روزانہ ان کی بارگاہ میں حاضری دے کر ان کی اس دینی خدمات اور عظمت جلالت قدر کا اعتراف کرتے ہیں۔

اتر پردیش میں اشاعت اسلام کے تعلق سے جس دوسری شخصیت کا نام لیا جا سکتا ہے وہ خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ کے مورث اعلیٰ حضرت سید محمد صغریٰ مرید وخلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے۔ یہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے کفر وضلالت کی اس وادی میں قدم رکھا اور اس خطہ ارضی کو اسلام کی دلکش نورانیت سے بقعہ نور بنا دیا۔ حضرت سید محمد صغریٰ کفر وضلالت کی اس وادی تک کس طرح پہنچے اس کی تفصیل صاحب اصح التواریخ نے اس طرح لکھی ہے۔

''آپ کے جد اعلیٰ سید علی عراقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ترک وطن فرما کر قریہ واسطہ میں تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے یہ قریہ عراق عجم وعراق عرب کے در میان واقع ہے حضرت سید علی عراقی کے احفاد میں سے حضرت سید ابوالفرح واسطی اپنے چار صاحبزادوں کے ساتھ سلطان محمد غزنوی کے دور میں واسطہ سے غزنی تشریف لائے ان میں سے ایک صاحبزادے سید ابوفراس ہیں جو جد سادات بلگرام کہلاتے ہیں، سید ابوالفرح تو کچھ عرصہ بعد ایک صاحبزادے کے ہمراہ واپس تشریف لے گئے اور بقیہ تین صاحبزادوں نے ہندوستان کا قصد فرمایا سید ابوفراس نے جاجیز میں

اقامت اختیار فرمائی ان ہی کے احفاد میں سے حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جنہوں نے سلطان شمس الدین التمش کے ایما پر راجہ بلگرام پر جو سخت کافر اور بڑا سرکش تھا جہاد کیا اوراس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ میں فتح پائی۔سلطان نے بلگرام کا وسیع علاقہ حضرت کی جاگیر میں دے دیا۔بلگرام کا اصل نام پہلے ''سری نگر'' تھا حضرت نے تبدیل فرما کر اس کا نام بلگرام رکھا اس وقت سے حضرت کا خاندان حضرت سید میر عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک بلگرام میں رہا۔''

(اصح التواریخ جلد اول ص ۹ برکاتی پبلشرز کراچی ۱۹۸۸ء)

ڈسٹرکٹ گزٹیر ہردوئی میں بلگرام کے اصل نام کے تعلق سے لکھا ہے کہ ''کہتے ہیں کہ اس (بلگرام) کا نام سری نگر تھا جس کو رائیکوار'' راجہ سری رام جنہوں نے نویں یا دسویں صدی میں ''ٹھٹیراؤں'' کو مار بھگایا تھا آباد کیا تھا قصبہ کے جنوب میں جو ٹیلہ ہے وہ اس راجہ کا تھا''۔(ڈسٹرکٹ گزٹیئر ہردوئی ص ۳۶۰ بحوالہ سلطان الشہداء ص ۲۰۵ علی گڑھ ۲۰۰۸ء)

اس بستی کو بلگرام کے نام سے اس قدر شہرت ملی کہ لوگ اس بستی کا اصل نام ''سری نگر'' بھول گئے۔آج بھی یہ بستی اسی نام سے متعارف ہے۔صاحب البرکات نے اپنے ایک دوھے میں اس بستی کے اصل نام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ہم باسی سری نگر کے آئے بسے سب چھور ۔۔۔ مارہرہ سے نگر موں جہاں شاہ نہیں، چور
ہم پورب کے پوربیا جات نہ بوجھے کوئے ۔۔۔ جات پات سو بوجھے جو دُھر پورب کا ہوئے

(اصح التواریخ جلد اول ص ۱۷)

اسی خانوادہ کے ایک عظیم ترین بزرگ حضرت سیدنا شاہ عبد الجلیل علیہ الرحمۃ والرضوان عہد جہانگیری ۱۰۱۷ھ میں مارہرہ تشریف لائے مارہرہ ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ہے جس کی بنیاد راجہ منی رام کے ایما پر اس نواح کے حکام نے رکھی۔نام کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مارہرہ کی بستی سروپ گنج کی نئی شکل ہے جو پہلے ذرا فاصلے پر تھی جسے علاء الدین

خلجی نے یہاں کے رہزنوں اور ڈاکوؤں کی شرارت سے غضب ناک ہوکر تہس نہس کر ڈالا پھر ۶۹۹ ھ میں خلجی کے ضلع دار راجہ منی رام نے سروپ گنج سے ہٹ کر ایک ویرانے میں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ چونکہ اس آبادی کی بنیاد لوٹ مار اور ایک آبادی کو تہس نہس کرنے کے بعد رکھی گئی تھی اس لئے اس مناسبت سے نام مارہرہ تجویز ہوا یعنی بربادی کے بعد سبزہ زاری، حروف تو وہی رہے مگر اس کے حرکات وسکنات میں تبدیلی آگئی، میر عبدالجلیل کے قدموں کی برکت اور ان کے خانوادہ کے اجلہ مشائخ کرام کی عظمت وروحانیت کے باعث یہ سرزمین اسم بامسمیٰ رشک فردوس بن گئی، اس سرزمین کی عظمت وفضیلت کے تعلق سے صاحب تذکرہ حضرت سیدنا شاہ ابوا لقاسم اسماعیل حسن وقار مارہروی فرماتے ہیں۔

مثل مکہ شد مارہرہ مقام برکات شہرتے یافت چوں طیبہ زقیام برکات
درگہش گشت مطاف عرفاء وکملاء قدسیان خم پئے تعظیم وسلام برکات
مرقدش ہشت تجلی گہہ نور یزداں ہمچوں مہر است منور ہمہ بام برکات

(اصح التواریخ جلد اول ص ۴۸)

صاحب تذکرہ حضرت سیدنا شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن اسی خانوادہ کے وہ فرد جلیل تھے جس نے برکاتیت کی تجدید فرمائی اور بزرگان مارہرہ کی عظمتوں کا ڈنکا برصغیر میں بجایا اور اپنے کردار وعمل سے اس خانقاہ کی ایسی تصویر پیش کی کہ آج خانقاہوں کی دنیا میں جس خانقاہ کا نام بڑے ادب واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے وہ مارہرہ ہی ہے، اس موقع سے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

تازہ بتو اے جان تن مارہرہ خاندان وبرکات وچمن مارہرہ

حضور سیدنا شاہ ابوالقاسم کی ذات والا صفات کی ولادت باسعادت خاتم الاسلاف وافتخار الاخلاف حضرت سید شاہ محمد صادق قدس سرہ (وفات ۱۳۲۶ھ) کے گھر تیسری محرم الحرام ۱۲۷۲ھ کو مارہرہ مطہرہ میں ہوئی۔ سید ابوالقاسم اور شاہ جی سے شہرت ملی آپ کے نانا سید شاہ غلام محی الدین نے اسماعیل حسن نام تجویز کیا۔ سلسلہ نسب واسطہ

بواسطہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک اس طرح پہنچتا ہے۔

''محمد اسماعیل حسن بن سید شاہ محمد صادق بن سید شاہ اولا د رسول احمدی بن سید شاہ آل برکات ستھرے صاحب بن سید شاہ حمزہ بن سید شاہ آل محمد بن سید شاہ برکت اللہ بن سید شاہ اویس بن سید شاہ عبد الجلیل بن سید شاہ عبد الواحد بن سید شاہ ابراہیم بن سید شاہ محمد قطب الدین بن سید شاہ محمد ماہرو شہید بن سید شاہ بدھ بن سید شاہ کمال الدین بن سید شاہ قاسم بن سید شاہ حسن بن سید شاہ نصیر الدین بن سید حسنین بن سید عمر بن سید محمد صغریٰ جد اعلیٰ قبائل سادات بلگرام بن سید علی بن سید حسین بن سید ابوالفرح ثانی بن سید ابوفراس بن سید ابوالفرح الواسطی جد اعلیٰ قبائل سادات زیدیہ بلگرام وبارہ وغیرہا بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید سوم بن سید عمر بن سید زید دوم بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ ملقب بموتم الاشبال بن سید زید شہید رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بن حضرت سید الساجدین امام زین العابدین ملقب بہ سجاد بن سلطان الشہداء شہید کربلا امام حسین بن حضرت امیر المومنین مولی المسلمین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم زوج حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حضور سید الانبیاء حضرت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم''۔

(اصح التواریخ جلد اول ص ۳۵)

حضرت سیدنا ابوالقاسم نے شعور بیدار ہوتے ہی تعلیم کی طرف توجہ فرمائی متعدد علماء ومشائخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ علم ظاہری اور علم باطنی دونوں میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔'' تاریخ خاندان برکات'' میں ہے۔

''مولوی عبد الشکور صاحب مہامی بن شاہ عبد الغنی صاحب بن شاہ رمضان صاحب ومولی محمد علی صاحب لکھنوی وشیعی مولوی محمد حسن صاحب سنبھلی ومولانا حضرت شاہ عبد القادر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ومولوی

فضل اللہ صاحب فرنگی محلی سے علوم درسیہ پڑھے اور حافظ ولی داد خاں صاحب مارہروی وحافظ قادر علی صاحب لکھنوی وحافظ عبدالکریم صاحب ملکپوری سے قرآن شریف حفظ کیا''۔

(تاریخ خاندان برکات اولا درسول محمد میاں قادری ص ۵۷ برکاتی پبلشرز کراچی ۱۹۸۷ء)

حفظ کلام اللہ کی تکمیل پر والد ماجد حضرت سیدنا شاہ محمد صادق علیہ الرحمہ کو حد درجہ خوشی ہوئی اوراس خوشی میں حضرت کی فرمائش پر یادگار کے طور پر سیتاپور میں ایک مسجد کی تعمیر کرائی گئی حضرت تاج العلماء ''تاریخ خاندان برکات'' میں فرماتے ہیں۔

''بحمد اللہ تعالیٰ ۱۳۰۰ھ میں حج وزیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور جوانی کی عمر میں خود اپنے دلی شوق سے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور ۱۲۹۳ھ میں اختتام فرمایا حضرت کے چھوٹے چچا سید شاہ محمد عسکری صاحب نے فقرہ ''حافظ شد'' میں اس کی تاریخ فرمائی اور حضرت کے والد ماجد قدس سرہ نے اس کی خوشی میں حضرت کی فرمائش سے سیتاپور میں مسجد تعمیر فرمائی''۔(تاریخ خاندان برکات ص ۶۰)

علم ظاہری کی تکمیل کے بعد باطنی علوم کی طرف متوجہ ہوئے تو خاندانی معمولات کی تعلیم والد ماجد کے علاوہ حضرت سیدنا شاہ آل رسول، حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین نوری میاں اور تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی علیھم الرحمۃ ولرضوان سے حاصل کی بیعت وارادت اور اجازت وخلافت کی دولت بے بہا نانا شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہ سے ملی، حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین نوری میاں حضرت ظہور حسین چھٹو میاں اور والد ماجد سیدنا شاہ محمد صادق نے بھی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی سے بھی آپ کو بعض اوراد وظائف کی اجازت مخصوصہ حاصل ہوئی۔مولانا محمود احمد قادری لکھتے ہیں۔

''اپنے نانا شاہ غلام محی الدین سے مرید ہوئے حضرت تاج الفحول مولانا

شاہ عبد القادر بدایونی سے کسب علم کیا اپنے والد حضرت شاہ محمد صادق صاحب اور حضرت نوری میاں سے خلافت واجازت حاصل کی''۔

(تذکرہ علمائے اہل سنت، محمود احمد ص ۲۹ کانپور ۱۳۹۱ھ)

اس طرح خاندانی بزرگوں سے آپ کو جملہ تیرہ سلاسل اور قرآن واحادیث سے مسلسلات ومصافحات کی اجازتیں عطا ہوئیں جن کی تفصیل رسالہ مبارکہ النور والبھاء لاسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء میں دیکھی جاسکتی ہے۔

روحانیت کی تکمیل کے بعد حضرت سیدنا شاہ ابوالقاسم حسن شاہ جی میاں اپنے والد ماجد خاتم الاسلاف کی وفات کے چالیس دن بعد مسند برکاتیت پر رونق افروز ہوکر زیب سجادہ ہوئے۔حضرت تاج العلماء کے بقول۔

''بعد وصال حضرت جدی حضرت کے چہلم کے روز حسب دستور قدیم خاندان حضرت والد ماجد قبلہ وکعبہ دامت برکاتہم العالیہ زینت افزائے سجادہ غوثیہ برکاتیہ احمدیہ کے فیوض وبرکات حضرت سے بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہیں اور حضرت اپنے اسلاف کرام کی یادگار ہیں۔اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے آمین''۔

(تاریخ خاندان برکات ص ۶۰)

خانقاہ برکاتیہ میں جب رسم سجادگی کی تقریب منائی جاتی ہے تو وہ منظر بڑا دیدنی ہوتا ہے۔ہر طرف انوار وتجلیات کی برسات ہوتی ہے۔عمائدین ومشائخ کا بڑا جمگھٹا ہوتا ہے، کچھ اسی طرح کا سماں آپ کی رسم سجادگی کے موقع پر بھی تھا۔آپ کے صاحبزادے رسم سجادگی کی تقریب کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ہمارے یہاں رسم سجادگی اسی طرح چلی آتی ہے کہ سجادہ نشین متوفی کے انتقال کے بعد اس کے چہلم کے دن کنبہ وبرادری وشہر اطراف کے اعزہ واقارب وعمائد ومتوسلین عوام وخواص جمع ہوتے ہیں اور اس کے بیٹے یا اس کی عدم موجودگی میں بھائی وغیرہ وارث شرعی کو (جو اس شخص سے

بیعت واجازت سجادہ نشینی بھی رکھتا ہو جس کی جگہ وہ سجادہ نشین ہونا چاہتا ہے)بزرگان خاندان وعمائد واکابر متوسلین تبرکات خاندانی مثل خرقہ وعمامہ وسیلی وتسبیح وغیرہ (جو ہر ایک گھر میں اپنے اپنے بزرگوں کے علیٰحدہ علیٰحدہ بھی ہم لوگوں کے پاس ہیں اور بعض مشترک ہیں)ہمراہ لے کر درگاہ شریف لے جاتے ہیں اور وہاں جس بزرگ کا وہ قائم مقام ہونا چاہتا ہے اس کے مزار یا حضور صاحب البرکات قدس سرہ کے مزار مبارک پر تبرکات ولباس رکھ کر بزرگان سلسلہ سے توسل واستعانت کر کے فاتحہ پڑھ کر پھر ان تبرکات سے اس شخص کو آراستہ کر کے سامنے فقراء وخدام اللہ پکارتے ہوئے مجمع کے ساتھ واپس لاتے اور مکان سجادہ نشینی میں جو اپنے اپنے ساتھ الگ ہیں مسند سجادہ نشینی پر اجلاس کراتے ہیں اور اس کے بعد حاضرین نذور پیش کرتے ہیں اور معتقدین بیعت کرتے ہیں اور رسم سجادہ نشینی تمام ہو جاتی ہے۔(تاریخ خاندان برکات ص۱۰۳)

جس وقت حضرت سیدنا شاہ ابوالقاسم شاہ جی میاں مسند سجادگی پر رونق افروز ہوئے اس وقت آپ کو تیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی لیکن سلسلہ قادریہ سے آپ کو خاندانی روایت کے مطابق بڑا گہرا لگاؤ تھا۔اس لئے آپ نے اسی سلسلے کو فروغ بخشا ،اسی کے فیوض وبرکات سے مریدین ومتوسلین کو مالا مال کیا اور رات دن اسی سلسلے کی اشاعت کی جدوجہد فرمائی ، بے شمار علماء ومشائخ کو اسی سلسلے میں مرید کیا اور خلافت کی دولت بے بہا سے سرفراز فرمایا، چونکہ آپ کے قول وفعل اور کردار وعمل میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار برکتیں ودیعت فرمائی تھیں، اس لئے خلقت آپ کی طرف والہانہ طور پر متوجہ ہوتی ،دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ آپ کی نظر کرم پڑتے ہی نہ جانے کتنے لوگوں کی دنیا بدل گئی ،نہ جانے کتنے ویران دل آباد ہو گئے اور نہ جانے کتنے کفر وشرک سے آلودہ دلوں میں ایمان کا اجالا پھیل گیا۔کتنے گمراہوں کو آپ کی ذات سے راہ ہدایت نصیب ہوئی۔الغرض آپ کی ذات بڑی بافیض تھی لیکن سب سے بڑی خوبی آپ میں یہ تھی کہ احیائے سنیت اور تصلب فی الدین کے معاملے

میں آپ اپنے اسلاف کے سچے جانشین تھے۔تذکرہ علمائے اہل سنت میں ہے۔

''(آپ) تصلب فی الدین میں بزرگان مارہرہ کے قدم بہ قدم تھے''۔

(تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۲۹)

مشائخ مارہرہ کا تصلب فی الدین کس طرح تھا اس کی تائید درج ذیل عبارت سے حاصل کی جا سکتی ہے۔حضور تاج العلماء فرماتے ہیں۔

''ہمارے اسلاف کرام اور ان کے اخلاف فخام سب بحمدہ تعالیٰ ہمیشہ سے دین اسلام و مذہب مہذب اہل سنت و جماعت سے آراستہ و پیراستہ چلے آتے تھے اور خوب اپنے اس دین متین اور مذہب مہذب میں تعصب و تصلب کو مقبول و محمود جانتے اور مانتے اور بتاتے رہتے تھے''۔

(تاریخ خاندان برکات ص ۹۹)

تصلب فی الدین جو اس خانقاہ کا طرہ امتیاز رہا ہے اس کی نظیر خانقاہ حشمتیہ پیلی بھیت کے علاوہ اور کہیں مشکل سے ہی ملے گی ان حضرات نے بلاخوف لومۃ لائم ہر دور میں احقاق حق اور ابطال باطل کا اہم فریضہ انجام دیا۔یہی وجہ ہے کہ یہ خانقاہ ہر دور میں مسلمانان اہل سنت کے لئے مرکز توجہ رہی۔یہ مشائخ خود بھی متصلب فی الدین تھے اور اپنے متعلقین و متوسلین کو بھی اسی پر عمل پیرا رہنے کی ان لفظوں میں تلقین فرماتے۔

''مذہب اہل سنت و جماعت پر ایسے جمے ہوئے رہیں کہ دوسرے متعصب جانیں اور شریعت مطہرہ کو اپنا دستور العمل بنائیں مذہب اہل سنت کے پھیلانے اور بدعت کو مٹانے اور بد دینوں بے دینوں کے رد کو اپنا مقصود ٹھرائیں، خصوصاً وہابیہ، دیوبندیہ، نجدیہ کا رد سب شریروں سے زاید گندے اور اسلام کو نقصان پہنچانے اور جڑ کو کھودنے میں بدترین کفار ہیں، اہل سنت کے جتنے مخالف مثلاً وہابی رافضی، ندوی، نیچری، چکڑالوی، غیر مقلد، قادیانی اور گاندھوی وغیرہم ہیں ان سب کو اپنا دشمن جانیں ان کی بات نہ سنیں ان کے پاس نہ بیٹھیں ان کی کوئی تحریر نہ دیکھیں دین وایمان سب

سے زیادہ عزیز چیز ہیں ان کی محافظت میں حد سے زیادہ کوشش فرض ہے‘‘
(ملفوظات مشائخ مارہرہ ابوحماد مفتی احمد میاں برکاتی ص ۱۳۱ برکاتی پبلشرز کراچی)

تصلب فی الدین جو مشائخ مارہرہ کا وطیرہ رہا اس کی پاسداری حضرت سیدنا ابوالقاسم زندگی بھر کرتے رہے، جادۂ حق سے ذرہ برابر کبھی انحراف نہیں کیا اصولوں کے پکے تھے، اپنا ہو بیگانہ غلط باتوں پر ہر ایک کی سرزنش فرماتے، دوست ہو یا دشمن جس میں مذہبی اعتبار سے پلپلاپن دیکھتے اس سے دوری اختیار فرماتے اور بسا اوقات مناسب انداز میں اسے ٹوک بھی دیتے۔ چنانچہ التوائے حج کی تردید میں محکمہ مذہبی امور کے صدر الصدور حیدرآباد کے ایک نواب صاحب جو مشائخ مارہرہ کے معتقدین میں سے تھے کا فتوی جب روز نامہ صحیفہ حیدرآباد دکن میں شائع ہوا اور وہ فتویٰ آپ کی نظر سے گزرا تو چراغ پا ہو گئے اور فوراً ہی اپنے فرزند حضرت تاج العلماء مولانا اولاد رسول کو اس کا جواب لکھنے کا حکم صادر فرمایا اتفاقاً وہی نواب صاحب جب ایک مرتبہ ۲۵ رشعبان ۱۳۴۶ھ کو بغرض حصول فیوض و برکات خانقاہ مارہرہ تشریف لائے اور آپ سے ملاقات کی تو آپ نے آغاز گفتگو ہی میں ان سے فرمایا:

’’نواب صاحب بزرگوں سے ہم تک جو قریبی مراسم چلے آرہے ہیں اس کے لحاظ سے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو کچھ نصیحت کردوں۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است اگر خاموش بہ نشینم گناہ است

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

نواب صاحب آپ کے محکمہ مذہبی امور ریاست دکن کی جانب سے جو نجدیوں کی حمایت اور اہل سنت کے فتوی التوائے حج کی مخالفت میں جو فتویٰ شائع ہوا ہے یہ اسلام اور مسلمانوں کی خیر طلبی و نیک خواہی کی بھی خلاف ورزی ہے اور اسلامی ریاست دکن کے حق نمک خواری کی بھی خلاف ورزی ہے نواب صاحب اپنے ریزہ خواروں میں خلاف توقع اپنی

تنقیدسن کرسراسیمہ ہوگئے اور بولے حضرت التوائے حج کا فتویٰ اس سے پہلے تو کبھی نہیں دیا گیا اس پر حضرت نے فوراً فتح القدیر اور فتاوی قاضی خاں منگا کر دکھائے ،جن میں قرامطہ ملاعنہ کے عہد میں امام ابوالقاسم صفار نے اور امام ابوبکر اسکاف نے ۳۲۶ ھ اور امام ابو بکر جصاص نے بغداد میں اور علامہ دمیری نے خوارزم میں اور امام ابوالفضل کرمانی نے خراسان میں اور امام عبداللہ ثلجی اور امام ابن شجاع وغیرہم ائمہ معتمدین نے اپنے اپنے عہد میں ظالموں کے تسلط اور غلبہ سے راستوں کا امن جاتے رہنے اور خطرات بڑھ جانے کے پیش نظر التوائے حج کے فتوے صادر فرمائے۔

نواب صاحب اپنے خلاف فتاوائے اسلام کی تفصیلات سن کر حواس باختہ ہوگئے اور کچھ دیر غور وفکر کے بعد بولے حضرت علماء وائمہ سے التوائے حج کے فتوے تو دیئے مگر عملاً وواقعاً کبھی حج ملتوی نہیں رکھا گیا۔اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا:

نواب صاحب میں نے آپ کو عالم دین تو کبھی نہیں جاناہاں ادب وتاریخ دانی میں آپ کی شہرت سنتا تھا اس لحاظ سے آپ کی گفتگو بڑی حیرت انگیز ہے اور پھر حضرت نے شیخ الاسلام علامہ سید احمد زینی دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف تاریخ مکہ موسوم بہ خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الاسلام منگا کر دکھائی''۔

(ماہنامہ اشرفیہ (سیدین نمبر) ص ۲۸۴ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۰۰۲ء)

اذان ثانی کے مسئلہ میں جب علمائے بدایوں اور علمائے بریلی دوخانوں میں بٹ گئے تو اس موقع سے بھی حضرت سیدنا شاہ اسمٰعیل حسن قادری نے بڑا موثر کردار ادا کیا اور اس تعلق سے جن کے فتاوے قرآن واحادیث سے زیادہ قریب تھے ان کی حمایت فرمائی اس سلسلے میں آپ نے اپنی قربت وقرابت کو درمیان میں حائل نہیں ہونے دیا۔علمائے بدایوں

اذان ثانی مسجد کے اندر خطیب کے سامنے کہنے کے قائل تھے جب کہ علمائے بریلی کا موقف دیگر اذانوں کی طرح اس کا بھی خارج مسجد کا تھا۔

اذان ثانی کے تعلق سے جو فتویٰ امام اہل سنت نے صادر فرمایا تھا حضرت سیدنا ابوالقاسم شاہ اسماعیل حسن قادری نے اس فتوی کی نہ صرف حمایت کی بلکہ اس کا نفاذ بھی فتویٰ ملتے ہی اپنی مسجد خانقاہ برکاتیہ سرکار کلاں وخورد دونوں مساجد میں کروادیا اور پھر علمائے بدایوں اور اعلیٰ حضرت کے درمیان صلح ومصالحت میں لگ گئے مگر مشکل یہ تھی کہ علمائے بدایوں اس جدوجہد میں حضرت شاہ ابوالقاسم کو اعلیٰ حضرت کا طرفدار سمجھتے تھے۔جب انہیں علمائے بدایوں کے تعلق سے ان کے اس نظریہ کا احساس ہوا تو حضرت ابوالقاسم شاہ جی میاں نے فرمایا:

> ''جناب خود سمجھ لیں کہ مراسم محبت ومروت اور تعلیم وتعلم وقدامت رشتہ توسل جو فقیر کو حضرات اکابر مدرسہ قادریہ کے ساتھ ہے اس کا عشر عشیر مولوی احمد رضا خاں صاحب سے نہیں اور نہ ہوسکتا ہے بلکہ معاملات دنیاوی میں تو مولوی احمد رضا خاں صاحب ہمارے اعزہ مخالفین کے ساتھ ہیں مگر یہ معاملہ دینی ہے اگر ہمارا جانی دشمن بھی دین کے معاملہ میں حق پر ہوگا تو ہم کیا بلکہ سب سچے مسلمان اس کے ساتھ ہوں گے''۔

(شمامۃ العنبر ص ۲۱ بحوالہ سیدین نمبر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور ص ۱۵۲)

حضرت سیدنا شاہ اسماعیل حسن خانقاہ میں گوشہ نشینی کی زندگی گذارنے کے ساتھ ساتھ ملکی حالات پر بھی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ملک میں ہونے والے سیاسی اتھل پتھل پر آپ کی گرفت بڑی مضبوط تھی تحریک خلافت ہو یا تحریک ترک موالات ،تحریک تقسیم ہند ہو یا تحریک قیام پاکستان ہر معاملہ میں مشائخ مارہرہ کا موقف وہی تھا جو ان کے اکابر علماء ومشائخ کا رہا ہے۔جب کہ ملت کے بعض علماء کا موقف بالکل علمائے حق کے برخلاف تھا۔ تحریک خلافت جو خالص مسلمانوں کا معاملہ تھا اس میں مسٹر گاندھی کو نہ جانے کیوں بڑی اہمیت حاصل تھی ،گاندھی جی کے خطبے پڑھے گئے ،انہیں مذکر ومدبر کہا گیا، ظفر الملک نے کہا

کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو مسٹر گاندھی نبی ہوتے ،مولوی عبدالباری فرنگی محلی نے کہا کہ میں نے ان کو اپنا رہنما تسلیم کرلیا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں وہی میں کرتا ہوں گاندھی کے تعلق سے اس قسم کے بیانات صادر کرنے سے ہماری ملت کے بعض علماء نہیں تھکتے تھے۔حالانکہ اس خلافت کا مقصد نہ تو ترکوں کی حمایت واعانت تھی اور نہ ہی مسلمانوں کی زبوں حالی کے تدارک کی کوشش، سچ تو یہ ہے کہ یہ لوگ نہ صرف ہندوؤں سے موالات بلکہ ان کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈالے ہوئے تھے۔علمائے اہل سنت کوسرے سے ہی یہ بات ناپسند تھی چنانچہ انہوں نے خلافت کمیٹی کی نازیبا حرکتوں کا سخت نوٹس لیا۔ مولانا احمد رضا خاں نے ان کے موقف کی بڑی سخت مخالفت کی ، دوراندیش علماء نے اس موقف کو سراہا۔مولانا کوثر نیازی سابق وزیر حکومت پاکستان فرماتے ہیں۔

> ’’تحریک ترک مولات ،تحریک ہجرت ،تحریک خلافت اور ایک اور بحث ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب ان سارے موضوعات پر جو امام احمد رضا کا نقطہ نظر تھا ہر چند کہ اس پر گرد اڑائی جارہی ہے لیکن علمی سیاست کے تقاضوں سے جس قدر ہم آہنگ اور دینی اقدار کی ترجمانی سے جس قدر نزدیک اور حقیقت پر مبنی جو ان کا موقف ہے کسی اور کا نہیں ،تحریک ترک موالات میں جب قائدین کانگریس نے یہ صدادی کہ انگریز سے ہر قسم کا تعلق ختم کیا جائے تو انہوں نے کہا کہ صرف انگریز سے ہی کیوں ہندو سے کیوں نہیں؟ ہر مشرک اور تمام کافر کے بارے میں ترک موالات کا وہی حکم ہے جو انگریز کے بارے میں ہے پھر ہندو کے ساتھ مل کر انگریز کے خلاف یہ تحریک چلانا گاندھی کی آندھی میں گرفتار ہونے کے مترادف تھا۔اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) نے جو اس سلسلہ میں سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے وہ حقیقتاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے عین مطابق تھا۔‘‘ (مجلّہ امام احمد رضا ص ۲۷ کراچی ۱۹۹۰ء)

جماعت رضائے مصطفیٰ جو علمائے اہل سنت کی ایک باوقار اور سنجیدہ تنظیم تھی اس

کے پلیٹ فارم سے ابوالکلام آزاد اور ان کے ہم نواؤں کو اتمام حجت تامہ پیش کیا گیا جس کا جواب ان لوگوں سے نہ بن پڑا پھر اس تعلق سے ''انصار الاسلام'' بریلی کے زیر اہتمام ایک سہ روزہ کانفرنس منعقد کی گئی جس کا دعوت نامہ حضرت سیدنا ابوالقاسم شاہ اسماعیل حسن کو بھی دیا گیا اور اس میں شرکت کی زوردار انداز میں تاکید بھی کی گئی۔ ناسازگی طبع کے باعث آپ اس اجلاس میں شرکت تو نہ کر سکے مگر بھرپور انداز میں اس کی تائید فرمائی اور اس تعلق سے ایک خط اعلیٰ حضرت کے نام ۱۲؍ شعبان المکرّم ۱۳۳۹ھ کو ارسال فرمایا جس میں بعد آداب والقاب آپ نے لکھا۔

''کرامت نامہ جناب کا شرف صدور لایا تھا میں نے اس کے ورود سے قبل ارادہ مصمم شرکت جلسہ انجمن انصار الاسلام کر لیا تھا مگر تین چار روز سے میری کمر میں درد ایسا ہو گیا ہے کہ نماز بھی بمشکل ادا کرتا ہوں اور شب سے تحریک نزلہ ہے اور بخار آ گیا ہے جس کے سبب سفر سے معذور ہو گیا ہوں مگر دل وجان سے شریک اس انجمن مقدسہ کا ہوں اور اس کی اعانت مالی وجانی کرنے کو موجود ہوں۔ اس کے مقاصد حمایت سلطنت اسلام وحفاظت مقامات مقدسہ واعانت مظلومین محفوظی وپابندی عقائد وحکام شریعت غرائے محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کرنے کو بہت مستحسن جانتا ہوں اور اجتناب واحتراز از اتحاد ومحبت وداد ومخالفین دین مبتدعین وکفار ومشرکین کا لازم وضروری جانتا ہوں۔ جیسا کہ یہی طریقہ مرضیہ ہمارے اجداد کرام حضرت سیدنا مرشدنا میر عبدالواحد صاحب بلگرامی اور حضرت جدی مرشدنا سید شاہ حمزہ صاحب وحضرت جدی شمس الدین ابو الفضل حضرت آل احمد اچھے میاں صاحب وحضرت جدی ومرشدی حضرت سید شاہ آل رسول صاحب وحضرت اخی المعظم سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرھم کا رہا ہے میرا یہ عریضہ جلسہ انجمن میں پڑھ کر سنا دیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ متوسلان خاندان برکاتیہ جن

کا طرز عمل ہمارے اجداد وا کابر قدس سرھم کے اس مرضیہ کے خلاف ہو
ان سے ہم کو کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ان کو ہم سے تعلق ہے۔
(مفاوضات طیبہ ،مکتوبات شاہ اسماعیل حسن قادری) مکتوب ۵۸ دار
الاشاعت برکاتی مارہرہ)

تحریک پاکستان کے تعلق سے مشائخ مارہرہ کا موقف دوراندیشانہ تھا اگر چہ اس موقع سے علمائے اہل سنت دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔مشائخ مارہرہ ان کے ساتھ تھے جو مطالبہ پاکستان کو تو درست قرار دیتے تھے لیکن تقسیم ہند کی مخالفت کرتے تھے۔ایسے لوگوں کی قیادت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں کے ہاتھوں تھی۔اس تعلق سے ایک فتویٰ مارہرہ مطہرہ کے صاحب سجادہ مولانا سید اولا درسول علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہے مارہرہ مطہرہ وہ مرکز عقیدت ہے کہ وہاں سے اٹھنے والی ہر آواز سنی مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن جاتی ہے، انھوں نے ہمیشہ وہاں کے فیصلے کو بسر وچشم قبول کیا ہے۔جب آپ سے محمد عمر خاں قادری رضوی لکھنوی نے مسلم لیگ اور اس کے بانی محمد علی جناح کی پالیسیوں کے تعلق سے استفتاء کیا تو اس کا بڑا مبسوط اور مدلل جواب آپ نے تحریر فرمایا جو ایٹہ سے ۱۹۳۹ء میں ''مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ استفتاء اور اس کے جواب کا تفصیلی مطالعہ تو ۳۲ ورقی رسالے میں کیا جا سکتا ہے۔البتہ سائل کے سوال نمبر ۵ کے تحت جو جواب آپ نے دیا اسے موقع ومحل کی مناسبت سے یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

''مسلم لیگ ہر مسلمان کو اپنے جھنڈے کے نیچے ہندو مسلم اتحاد کے لئے لاتی ہے اور ساتھ ہی اس ناپاک ونامراد منجر بہ کفر وضلالت والحاق واتحاد کی خباثت وہلاکت بھی قرآنی آیات اور مشاہدات وآیات سے روشن کردی جس سے ثابت ہو گیا کہ زید وغیرہ کا قول باطل اور جو شخص مسلم لیگ کے اس اسلام کش اتحادی جھنڈے کے نیچے آجائے وہ جنتی نہیں بلکہ دوزخ کے عذاب الیم کی طرف جائے گا۔

لیگ بدمذہبوں بددینوں کی ایک معجون مرکب جماعت ہے خود اس کا صدر
ایک رافضی بددین ہے اور اس کے ارباب حل وعقد کرتا دھرتا اگر بالفرض
خالصتاً نہیں تو بھی غالب اکثریت کے اعتبار سے یقیناً قطعاً مغرب زدہ
تعلیم یافتگان جدید بے قید آزاد نیاچر اور وہابیہ اور رفاض وغیرھم مرتدین
ومبتدعین ہی نہیں اور اس کے عام ارکان میں بھی بکثرت بد مذہب اور
بددین بھرے ہوئے ہیں۔علاوہ بریں دو اہم ترین مقاصد جن کے لئے
اس کی تباہی ہوئی یعنی وہی آزادی اور اتحاد دونوں کی شرعی نقطہ نظر اور
احکام کی رو سے سخت اشد شناعت وبطالت اور ان کا منافی مناقض احکام
ایمان و قرآن ہونا اور منجر باشد کفر وضلال وموجب سخت وبال ونکال ہونا
واضح کر چکے اور یہ مقاصد وہ ہیں جن کا تحریری اقرار کئے بغیر کوئی شخص لیگ
کارکن اور ممبر نہیں ہوسکتا''۔

(مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری سیداولا درسول ص ۱۲۱ ایٹہ ۱۹۳۹ء)

حضور تاج العلماء کتاب وسنت کی روشنی میں مسلم لیگ کی اعانت جن اصولوں کی بنیاد پر ناجائز وحرام قرار دیتے تھے انھیں اصولوں کی بنیاد پر دوسرے اکابر علمائے اہل سنت مسلم لیگ سے اظہار تنفر فرماتے تھے۔مسلم لیگ میں چونکہ قادیانی، رافضی، دیو بندی، نیچری سب شامل تھے اور علمائے اہل سنت کے نزدیک سب ہی کافر ومرتد ہیں مگر بقول حضور حافظ ملت:

''مسلم لیگ ان سب کفار مرتدین کو مسلمان بتا کر ان سے اتحاد وداد
والفت ومحبت ہی کی تعلیم دیتی ہے''۔

(الارشاد، عبدالعزیز مرادآبادی ص ۵ بیت الانوار گیا بہار ص ۱۳۶۵ھ)

یہ بات مسلم لیگ کے دستور اساسی میں ہے اور مسلم لیگ اپنے دستور اساسی سے کس طرح انحراف کرسکتی ہے؟۔اسی لئے تو برکاتی مفتی حضرت علامہ شریف الحق امجدی نے لکھا ہے۔

''مسلمانان ہند خواہ وہ قادیانی ہوں یا وہابی یا نیچری ان سے باہمی ربط نیز

دیگر ممالک کے مسلمانوں کے ساتھ رشتہ اخوت قائم کرنا اور صرف یہی
نہیں بلکہ ان تمام مرتدین کے عقائد کفریہ کو ترقی دینا ان کی حفاظت کرنا
لیگ کا بنیادی نصب العین ہے جیسا کہ اس کے دستور اساسی میں تصریح
ہے ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی حقوق اور مفاد کی ترقی اور
حفاظت کرنا''۔ (دستور اساسی آل انڈیا مسلم لیگ (ب) الارشاد ص ۵)

ہندو و مسلم اتحاد کا نعرہ ایسا زہر تھا جس نے کئی مسلمانوں کو اپنی چپیٹ میں لے لیا جن لوگوں نے حصول اقتدار کے لئے یہ نعرہ دیا ان میں گاندھی جی پیش پیش تھے۔ان کے دل میں مسلمانوں کے تئیں کیا جذبات تھے اس کا اظہار ظفر الاسلام کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''گاندھی درحقیقت پردے ہی پردے میں اسلام اور مسلمانوں کا سخت
دشمن اور اپنی قوم کا خالص بہی خواہ ہے اور وہ مسلمانوں کا پکا بدخواہ دشمن ہے
قرآن نے صاف صاف سنا دیا'' مشرک تمھارے بدخواہ ہیں ان کے
مونہوں سے بہت کچھ عداوت ظاہر ہو چکی ہے اور جو عداوت ان کے
سینوں میں دبی ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو ان کے مونہوں سے
ظاہر ہو چکی ہے۔ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں تم کو بتا دیں اگر تم عقل رکھتے ہو
اور فرمان الٰہی ہرگز ہرگز غلط نہیں ہوسکتا''۔

(ظفر الاسلام جمیل الرحمان خاں ص ۳ حسنی پریس سوداگران بریلی)

حضور سیدنا شاہ اسماعیل حسن علیہ الرحمہ کی مصروفیات چہار گونہ تھی وہ ایک بڑی خانقاہ کے صاحب سجادہ تو تھے ہی ساتھ ہی ان کی نظر ملکی مسائل پر بھی تھی۔رشد و ہدایت اور بیعت وارشاد اور خانقاہی انتظام وانصرام کا معاملہ اس کے علاوہ تھا۔لیکن اس گونا گوں مصروفیات کے باوجود انھوں نے پرورش لوح وقلم کی طرف بھی توجہ فرمائی۔انھوں نے اپنے مریدین کی تربیت کتابوں کے علاوہ خطوط لکھ کر بھی کی ان کے خطوط کو اردو ادب کا بہترین شہ پارہ کہا جا سکتا ہے۔آپ کی قلمی مصروفیات کے تعلق سے تاج العلماء فرماتے ہیں۔

حضرت قبلہ وکعبہ دامت برکاتہم القدسیہ اپنے معمولات کثیرہ دینیہ ودنیاویہ شبانہ روز مساعی سے تالیف وتصنیف کی فرصت بہت ہی کم پائی اور بوقت فرصت جو یہ شغل فرمایا بھی تو متعدد مبسوط تصنیف دوسروں کو دے دیں جن میں بعض ان کے نام سے شائع بھی ہوچکی ہیں اوراس لئے ان کے نام بتانے کی ضرورت نہیں۔ان کے علاوہ اور بعض تصانیف بھی ہیں جن میں بعض ابھی غیر مرتب ہیں جیسے ''مجموعہائے شجر ہائے خاندان'' منظوم جس میں حضرت نے تمام شجر ہائے طریقت قدیم وجدید کو جو خانوادہ عالیہ برکاتیہ میں ہیں۔فارسی زبان میں نظم فرمایا ہے نیز حضرت نے کبھی کبھی نعت ومنقبت میں بھی کچھ فکر فرمائی اور بعض اعزہ کی تواریخ ولادت ووفات بھی نظم فرمائی ہیں۔بہر حال جو کتابیں آپ کے نوک قلم سے منظر عام آئیں اورآپ کے نام سے شائع ہوئیں ان کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے۔

۱۔مجموعہائے شجرہ خاندان (منظوم)

۲۔مجموعہ مسائل شرعیہ (اشارہ بالسبابہ، وحی میں دخل شیطان کارد، تلفظ نیت، معنی بدعت کی تحقیق، اور مسئلہ سماع جیسے دس رسائل ہیں۔

۳۔رسائل ردالقضامن الدعافی اعمال دفع الوباء

۴۔مجموعہ نعت ومنقبت اور بعض اعزہ کی منظوم تواریخ ولادت ووفات

۵۔مفاوضات طیبہ (مکتوبات)

۶۔گلدستہ چمنستان سنیت

۷۔کرامات ستھرے میاں

جن تصانیف کا سطور بالا میں ذکر ہوا ان میں کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں آپ کی جتنی تحریریں نظر سے گزری ہیں ان سے آپ کی فکری جولانیت، جذبہ حق پسندی، علمی تبحر کا پتا چلتا ہے۔ان تحریروں کی روشنی میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر آپ کو زمانہ نے فرصت دی ہوتی اور تصنیف وتالیف کی طرف ادنیٰ توجہ ہی فرمائی ہوتی تو ہم سنیوں کا خزانہ آپ کے قلمی سرمایہ سے پُر ہوتا۔خانقاہی مصروفیات سے جو بھی وقت بچتا اسے آپ مطالعہ کتب میں صرف فرماتے۔یہی وجہ تھی آپ میں علمی استحضار اور حاضر جوابی کا مادہ بہت

تھا جب بھی سنیت کے خلاف کسی کا کوئی مضمون شائع ہوتا تو آپ اس کا سخت نوٹس لیتے اور بغیر کسی تاخیر کے اس کا جواب اسی رسالہ میں شائع کراتے۔جس میں وہ قابل اعتراض مضمون شائع ہوا ہوتا آپ کے اس طرح کے مقالات پیسہ نامی اخبار لاہور سے شائع ہوتے تھے۔آپ کے ان مقالات کا ایک مجموعہ آپ کے فرزند حضور تاج العلماء نے " گلدستہ چمنستان سنیت" کے نام سے مرتب فرمایا ہے۔ان مضامین کی ترتیب کے تعلق سے جو مرتب کو دشواریاں لاحق ہوئی ہیں اس کا ذکر کرتے ہوئے مرتب کتاب حضور تاج العلماء فرماتے ہیں۔

''ان میں سے بعض مضامین کسی قدر بغیر کسی کمی وبیشی کے ساتھ بعض اخباروں میں فقیر کے نام سے شائع شدہ اس وقت بھی فقیر کے پیش نظر ہیں جن کی تاریخ اشاعت ونام اخبار شائع کنندگان کا حوالہ ان کے حاشیئے پر دے دیا ہے اور بعض مضامین کے متعلق فقیر کو یہ پتا اس وقت نہ ملا کہ اب سے پہلے کبھی شائع ہوئے یا نہیں اور ان کے ساتھ ان کی کوئی تاریخ بھی لکھی ہوئی نہ ملی لہٰذا فقیر نے تاریخ تحریر کے لحاظ سے جمع وترتیب میں تقدیم وتاخیر کا چنداں لحاظ نہیں رکھا ہے۔ان میں بعض مضامین کے عناوین خود حضرت کے قائم فرمائے ہوئے ہیں اور بعض کے بمناسبت مضمون فقیر نے قائم کر دیئے ہیں۔ جملہ مضامین جو اس مجموعہ میں مندرج ہیں فقیر کے ظن غالب میں کوئی بھی ۱۳۳۱ھ کے بعد کا تحریر فرمودہ نہیں ہے''۔(گلدستہ چمنستان سنیت ،اولا د رسول ص ۲)

حضرت کے مکتوبات کی بھی اہمیت مسلم ہے وہ تمام مکتوبات کسی خاص مقصد کے تحت کسی خاص شخص کے پاس لکھے گئے ہیں لیکن ان کی افادیت عام ہے۔وہ تمام مکاتیب معلومات افزا اور تاریخی حقائق ومعارف کا گنجینہ ہیں، وہ مختصر ہونے کے باوجود بھی انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہیں۔ان مکاتیب کو مرتب کرتے وقت مرتب کو جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اس کے تعلق سے تاج العلماء فرماتے ہیں۔

''ہر مکتوب کے اوپر جو اس کے نمبر شمار نام ومقام مکتوب الیہ اور تحریر یا روانگی کی تاریخ خود حضرت کے روز ناچے وغیرہ سے معلوم ہوئے مشتمل ہے۔ فقیر نے قائم کیا اور بعد کو خود اصل مکتوب تمام وکمال یا اس کا ملخص ومحصل خود حضرت ہی کی اصل عبارت والفاظ میں درج کیا ہے اور بعض مکاتیب کے ختم پر اور بعض کے اندر بین القوسین ان سے متعلق بعض فوائد اور ضروری تشریحات کا بھی جو اکثر خود حضرت قدس سرہ کے روز نامچہ سے ماخوذ ہیں اضافہ کر دیا۔ اس سلسلے میں جا بجا مکتوب الیھم کے بعض تحریرات کا مضامین کے خلاصے میں حضرت کے مفاوضات عالیہ کی وضاحت کے لئے دیئے ہیں۔ نیز جن صاحبان کو حضرت نے کوئی نصیحت دین فرمائی اس کی تعمیل اور قبول پر مشتمل ان کی تحریر یا اس کا خلاصہ مل گیا ہے تو اس کا حوالہ بھی اس لئے دے دیا ہے کہ دیندار مسلمان ان کے اس اخلاص اور حق پسندی پر تحسین آفریں کہیں اور خود بھی اس طریقہ مرضیہ پر چلیں''۔

(مفاوضات طیبہ ص۲،۳)

ان مکاتیب کا مطالعہ اس مقالہ کے تمام قارئین کے لئے مفید ہوگا لیکن اگر کسی کی رسائی ان مکتوبات تک نہ ہو سکے تو اس کی اہمیت کا اندازہ پروفیسر جمال الدین اسلم کی اس تحریر سے لگا سکتے ہیں۔

''مفاوضات طیبہ کا مطالعہ کریں گے تو قادری برکاتی مشائخ کے عقائد کا سراغ ملے گا، ان کا تصلب فی الدین، دنیا اور دنیاداروں سے ان کی علیحدگی بد دینوں اور ان سے رغبت رکھنے والوں سے ان کی دوری سے واضح اشارے ملیں گے اس کے علاوہ تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے میں مفاوضات طیبہ کو ایک اہم تاریخی دستاویز سمجھتا ہوں اس کے مطالعہ سے ایک شیخ طریقت عالی مرتبت کے اپنے مریدین ومتوسلین کے ساتھ دیرینہ تعلقات کی داستان نظروں کے سامنے آجاتی ہے، پیری ومریدی کیا

ہے، مفاوضات طیبہ اس موضوع پر ایک نادر علمی تحفہ ہے‘‘۔

(اہل سنت کی آواز سالنامہ مارہرہ ۱۹۹۶ء)

اس طرح حضرت ابوالقاسم حسن علیہ الرحمہ نے اپنی زبان وقلم سے دین کی نشر واشاعت اور قادریت کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا اور ہر اعتبار سے خانقاہ کی عظمتوں کو دوبالا کیا اور اس خانقاہ کے فیوض وبرکات کو عام وتام کرنے کی ہر ممکن جدوجہد فرمائی اور اپنی شبانہ روز مساعی سے اس کی تجدید کا اہم فریضہ انجام دیا۔

۱۳۴۷ھ میں وصال پُر ملال ہوا۔ مزار مقدس خانقاہ برکاتیہ میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے دل کی یہ تمنا تھی کہ مقامات مقدسہ کے علاوہ اگر کہیں میری قبر ہو تو وہ مارہرہ ہی میں ہو۔ آپ کی اس تمنا کا پتا آپ کے اس مکتوب سے چلتا ہے جسے آپ نے تاج العلماء کی خوش دامن کو ۱۰ رجمادی الآخر ۱۳۳۸ھ کو لکھا تھا۔

’’میں مارہرہ میں پیدا ہوا مارہرہ میں جوان ہوا مارہرہ میں بوڑھا ہوا مارہرہ میں ہدایت پائی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اگر خدانخواستہ مقامات مقدسہ کے علاوہ کہیں مدفن ہو تو مارہرہ میں ہو‘‘۔ (مفاوضات طیبہ مکتوب ۴۱)

آپ کی اس خواہش کی تکمیل ہوئی اور وفات حسرت آیات کے بعد آپ کا مدفن خانقاہ مارہرہ میں مرجع انام بنا۔ اللہ تعالیٰ قبر اطہر پر اپنی رحمتوں کا ساون بھادوں برسائے۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے آباواجداد قندھار کے موقر قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے۔ محمد سعید اللہ خاں جو عالی جاہ شجاعت جنگ بہادر کے لقب سے مشہور تھے۔ مغل بادشاہوں کے عہد میں سلطان محمد نادر شاہ کے

ہمراہ لاہور تشریف لائے۔گوناگوں خوبیوں کے باعث ''شش ہزاری'' منصب تفویض ہوا اور لاہور کا شیش محل انہیں جاگیر میں دیا گیا اور جب دہلی آئے تو حکومت وقت کی جانب سے انہیں ''شجاعت جنگ'' کا خطاب ملا۔انھیں کے اخلاف میں حضرت مولانا شاہ نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۹۷ھ) کے گھر بریلی شریف میں ۱۰رشوال المکرّم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴رجون ۱۸۵۶ء روز شنبہ بوقت ظہر جس فرزند ارجمند کی ولادت ہوئی اسی کا نام احمد رضا تھا۔سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

احمد رضا خاں بن مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں بن مولانا حافظ کاظم علی خاں بن مولانا شاہ محمد اعظم خاں بن محمد سعادت علی خاں (علیہم الرحمة والرضوان)

(حیات اعلیٰ حضرت ،ظفر الدین قادری جلد اول ص ۲ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۲ء)

ابتدائے عمر میں بسم اللہ خوانی ہوئی عام طور سے چار سال چار ماہ اور چار دن کی مدت میں بچہ کی بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کی جاتی ہے مگر خدا کے فضل سے آپ نے چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کرلیا تھا۔ذہانت وفطانت کا وافر حصہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا۔اس کا اندازہ ذیل کی اس عبارت سے لگایا جاسکتا ہے جو الف ،با پڑھتے وقت پیش آیا تھا ۔پروفیسر مختار الدین احمد سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے ایک مقالہ'' امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ'' میں لکھتے ہیں۔

''استاذ نے بسم اللہ کے بعد الف ،با ،تا ،ثا ،جس طرح پڑھایا جاتا ہے پڑھایا آپ پڑھتے رہے جب لام الف کی نوبت آئی تو آپ خاموش رہے استاد نے دوبارہ کہا میاں لام الف ،آپ نے فرمایا دونوں حروف تو پڑھ چکے ہیں ل بھی اور الف بھی۔اب یہ دوبارہ کیوں؟ جد امجد مولانا رضا علی خاں موجود تھے، بولے بیٹا استاد کا کہنا مانو جو کہتے ہیں پڑھو حضرت نے تعمیل کی اور جد امجد کی طرف دیکھا وہ فراست سے سمجھ گئے کہ اس بچہ کو

شبہ ہو رہا ہے کہ حروف مفردہ میں ایک مرکب لفظ کیسے آگیا فرمایا بیٹا تمھارا
شبہ درست ہے۔مگر شروع میں جو تم نے الف پڑھا ہے وہ الف دراصل
ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے اور الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور
ساکن کے ساتھ ابتدا ممکن نہیں اس لئے ایک حرف لام اول میں ملا کر اس
کا تلفظ بنانا مقصود ہے آپ نے فرمایا تو کوئی بات نہیں ایک حرف ملا دینا
کافی تھا لام کی کیا خصوصیت ہے با، دال، سین اول میں لا سکتے ہیں۔جد
امجد نے غایت محبت و جوش میں گلے سے لگایا دل سے دعائیں دیں پھر
اس کی توجیہ ارشاد فرمائی۔"

(انوار رضا (امام احمد رضا نمبر) ص ۳۳۵ لاہور ۱۳۹۷ھ)

بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران عجب عجب انداز سے آپ نے اعتراضات کر کے اپنے اساتذہ کو حیرت میں ڈال دیا۔اہل علم میں جن حضرات تک آپ کے تعلق سے اس طرح کی باتیں پہنچیں وہ متعجب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔آپ کی ابتدائی زندگی میں پیش آنے والے اس طرح کے کئی ایک چشم دید علمی واقعات کا ذکر "حیات اعلیٰ حضرت" کے مصنف ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری نے اپنی شاہکار تصنیف میں پیش کیا ہے۔

مولانا احمد رضا قادری نے علوم وفنون کی بیشتر تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی البتہ ابتدائی تعلیم کے لئے آپ نے مرزا غلام قادر بیگ اور مکتب کے دوسرے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔چودہ سال کی عمر میں ۱۴؍شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء کو علوم مروجہ کی تحصیل سے فراغت ہوئی اور ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء میں جب زیارت حرمین شریفین کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں حضرت سید احمد زینی دحلان مفتیٔ شافعیہ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن سراج مفتیٔ حنفیہ سے حدیث، فقہ، اصول اور تفسیر وغیرہ کی سند و اجازت حاصل کی۔مولانا رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند میں یہاں تک لکھا ہے۔

"۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء میں پہلی بار بیت اللہ کے لئے والد ماجد کے ہمراہ
تشریف لے گئے قیام مکہ معظّمہ کے دوران شافعی عالم حسین بن صالح

جمال اللیل ان سے بے حد متاثر ہوئے اور تحسین وتکریم کی موصوف نے
اپنی تالیف الجوھرۃ المضئیۃ کی عربی شرح لکھنے کی فرمائش کی چنانچہ
مولوی احمد رضا خاں نے صرف دو روز میں اس کی شرح تحریر فرمادی اور اس کا
تاریخی نام ’’ النیرۃ الوضئیۃ فی شرح الجوھرۃ المضئیۃ
(۱۲۹۶ھ) رکھا۔ بعد میں تعلیقات وحواشی کا اضافہ کرکے اس کا تاریخی نام
الطرۃ الرضئیۃ علی النیرۃ الوضئیۃ (۱۳۰۸ھ) تجویز کیا‘‘۔
(تذکرہ علمائے ہند رحمان علی، ص ۱۶ لکھنؤ ۱۹۱۴ء)

اس عظیم کارنامہ کے باعث آپ کی علمی عبقریت کا شہرہ پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا۔ جو بھی آپ کی تحریریں پڑھتا وہ آپ کی علمی جلالت قدر کا نہ صرف اعتراف کرتا بلکہ معاً اس کے دل میں آپ کی زیارت کا شوق بھی انگڑائیاں لینے لگتا۔ پہلی بار سفر حج کے دوران علمائے عرب نے آپ کو اجازت اور اسناد سے نوازا۔ لیکن ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء میں جب دوسری بار بارادۂ حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کی علمی عبقریت کی شہرت کے باعث وہاں کے علماء نے خود آپ سے علمی استفادہ کیا اور علمی اسناد واجازات حاصل کیں۔ مولانا محمود احمد نے تذکرہ علمائے اھل سنت میں لکھا ہے۔

’’۱۳۲۳ھ میں دوسری بار حاضری دی، یہ حاضری بہت شان سے ہوئی۔
دیار عرب کے علماء ومشائخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ اجازت وخلافت
حاصل کیں اور آپ کے علمی تبحر کا اعلان کیا‘‘۔
(تذکرہ علمائے اہل سنت، محمود احمد ص ۴۳ کانپور ۱۳۹۱ھ)

سفر حرمین کے دوران علمائے حرم نے بعض فقہی اور کلامی مسائل میں آپ سے مذاکرہ بھی کیا اور کچھ علمی استفسار بھی کیئے جس کا جواب آپ نے جس محققانہ انداز میں دیا اس سے علمائے حرم ششدر رہ گئے۔ مولوی عبدالحئی رائے بریلوی نے اپنی تالیف "الاعلام (نزھۃ الخواطر)" میں علمائے حرم کی حیرانی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

" اعجبوا بغزارۃ علمہٖ وسعۃ اطلاعہٖ علی المتون الفقھیۃ

والمسائل الخلافیة وسرعة تحریرہٖ وذکائہٖ "۔

'(الاعلام بمن فی تاریخ الھند من الاعلام ، عبد الحئی رائے بریلوی جلد ۸ ص ۵۲ لکھنؤ ۱۹۹۱ء)

علمائے حرمین نے آپ کی توجہ جس علمی مسئلہ کی طرف مبذول کرائی تھی یا جو استفتاء آپ کے سامنے پیش کیا تھا اس کا تعلق کرنسی نوٹ سے تھا۔کرنسی نوٹ کا مسئلہ علمائے حرم کے درمیان عقدۂ لاینحل بنا ہوا تھا مگر جب آپ کے سامنے یہ سوال آیا تو اس مسئلہ کا قلم برداشتہ جواب آپ نے جس بصیرت وبصارت کے ساتھ دیا۔اس کا اندازہ اہل علم ہی لگا سکتے ہیں۔ عربی زبان میں لکھی گئی اس کتاب کا نام آپ نے ''کفل الفقیه الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم "(۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء) رکھا ہے ۔مگر صاحب الاعلام نے اس کتاب کی تصنیف کا سنہ ۱۳۲۳ھ بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

" کفل الفقیه الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم " الذی الفه فی مکة سنة ثلاث وعشرین وثلاث مائة الف

(الاعلام جلد ۸ ص ۵۲)

اسی سفر میں علمائے حرم کے سوال پر علم غیب کے موضوع پر بھی ایک محققانہ رسالہ لکھا تھا اور یہ رسالہ ۲۶/اور ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو دونشستوں میں ساڑھے آٹھ گھنٹے میں تحریر کیا تھا۔جیسا کہ اس کتاب میں مرقوم ہے۔

جو علماء علم غیب کے منکر ہیں جن میں اکثر ہندوستانی ہیں انہوں نے دوران سفر حج یہ سوال کیوں اٹھایا اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا شاہ احمد رضا قادری فرماتے ہیں۔

''انہوں نے جانا کہ میں مکہ معظّمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت میں مشغول ہوں اور اپنے مولیٰ محبوب ﷺ کے شہر کی جانب جانے کی جلدی ہے تو انہوں نے یہ سوال اٹھایا اس طمع پر کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دل کا لگا ہونا اور کتابیں پاس نہ ہونا مجھے اظہار جواب سے روک دے گا تو اس میں ان کی عید وخوشی ہو جائے گی''۔

(الدولۃ المکیۃ ،احمد رضا خاں ص ا ے مطبوعہ بریلی)

ظاہری طور پر اس بے سر وسامانی کے عالم میں بھی امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری نے ان کے اٹھائے ہوئے سوالوں کا منہ توڑ عالمانہ جواب دیا اور علم غیب مصطفےٰ ﷺ کے ثبوت میں قرآنی آیات واحادیث نبوی اور قوانین شریعت کے انبار لگا دئے ۔جب یہ کتاب علمائے حرمین شریفین کے سامنے پہونچی تو اس قدر عجلت میں لکھی گئی عالمانہ کتاب کا متحیر ہو کر صرف خیر مقدم ہی نہیں کیا بلکہ اس کے مصنف کی علمی عبقریت کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا ۔اس کا اندازہ ان علما کی تقاریظ سے لگایا جاسکتا ہے جوانھوں نے " الدولة المكية بالمادة الغيبية " کے تعلق سے تحریر فرمائی ہے۔جس کی تفصیل " فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں " نامی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بعض ہندوستانی علماء کی طرف سے مولانا شاہ احمد رضا قادری پر یہ الزام تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے علم کو علم الٰہی کے مماثل قرار دیتے ہیں درج بالا کتاب میں مولانا احمد رضا خاں قادری نے اپنے اوپر لگائے گئے اس الزام اور تہمت کی تردید فرمائی ہے۔اس کتاب پر جن علما نے اپنے خیالات قلم بند فرمائے ہیں ان میں درج ذیل شخصیتیں قابل ذکر ہیں۔

ا۔ شیخ یوسف اسمٰعیل النبهانی صاحب جواهر البحار، فلسطین

۲۔ شیخ العلام محمد سعید بن محمد مفتی شافعیه ،مکه معظمه

۳۔ شیخ عبد اللّٰه بن عبد الرحمان سراج مفتی حنفیه ،مکه معظمه

۴۔ شیخ عبد اللّٰه بن حمید مفتی حنبلیه ،مکه معظمه

۵۔ شیخ محمد صالح بن علامه شیخ صدیق کمال سابق مفتی حنفیه، خطیب وامام مسجد حرام ،مکه معظمه

۶۔ رئیس الخطباء والا ئمة والمدرس فی مسجد الحرام شیخ احمدابوالخیر بن عبد اله میر داد علیه الرحمه ،مکه معظمه

۷۔شیخ عبد اللّٰه بن صدقه بن زینی دحلان جیلانی مدرس مسجد حرام ،مکه معظمه

۸۔شیخ محمد صالح بن شیخ محمدبا فضل امام شافعیه
مسجد حرام، مکه معظمه

۹۔شیخ احمد الجزائری بن السید احمد مدنی مفتی مالکیه مدینه

انھیں اجلہ علمائے کرام کی طرح مکہ معظّمہ مدینہ منورہ اور دیگر بلاد اسلامیہ کے تقریباً ۶۱؍علماء کرام نے تقاریظ لکھیں اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔جن کی تفصیل "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں " نامی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة

مولانا شاہ احمد رضا قادری کو متعدد اور بعض تذکرہ نویسوں کے مطابق اٹھاون علوم وفنون میں ملکہ حاصل تھا۔ان علوم میں آپ نے اپنی تصانیف بھی چھوڑی ہیں اور ہر تصنیف تحقیق وتدقیق کے اعتبار سے بلند تر ہے۔جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا ہے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔اس طرح آپ کی چھوٹی بڑی ایک ہزار تصانیف کا پتا چلتا ہے۔جن میں بیشتر ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہیں۔ان تمام کتابوں میں ترجمہ قرآن پاک 'کنزالایمان فی ترجمه القرآن" العطا یا النبویة فی الفتاوی الرضویة "اور "حدائق بخشش" نے کافی شہرت ومقبولیت حاصل کی۔آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد اختلاف عقیدہ کے باوجود مولوی عبدالحئی رائے بریلوی بھی آپ کی علمی جلالت قدر کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے فرماتے ہیں۔

" کان عالماً متبحراً کثیر المطالعة واسع الاطلاع له قلم
سیال وفکر حامل فی التالیف "۔ (الاعلام جلد ۸ ص ۵۲)

امام احمد رضا فاضل بریلوی حدیث، تفسیر، فقہ واصول فقہ الغرض تمام شرعی علوم میں بڑی مہارت تھی۔ان مضامین کے جزئیات پر آپ کی گہری نظر تھی۔لیکن بحیثیت فقیہ آپ کو جو شہرت ملی وہ آپ کے معاصر علما کے حصے میں نہ آسکی۔ہزار ہا فتاوی کے آپ نے قرآن واحادیث کی روشنی میں مدلل جوابات دیئے۔اس زمانہ میں فقہی بصیرت کے معاملہ

میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ بلاد اسلامیہ کے تمام مفتیان کرام آپ کے نوک قلم سے لکھے گئے فتاوی کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ الاعلام کے مصنف نے فقہی بصیرت کے تعلق سے درج ذیل رائے قائم کی ہے۔

" یندرنظیره فی عصرہٖ فی الاطلاع علی الفقه الحنفی وجزئیاته یشهد بذالك مجموع فتاواه "۔

(الاعلام جلد ص ۵۲)

مولانا شاہ احمد رضا کی فقہی بصیرت پر مولانا حسن رضا نے پٹنہ یونیورسٹی سے پی، ایچ۔ ڈی کر کے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔انہوں نے آپ کی فقاہت کے تعلق سے بڑی تفصیلی گفتگوفرمائی ہے۔موصوف کا تحقیقی مقالہ " فقیه اسلام " کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔اپنے تحقیقی مقالہ کے ''پیش گفتار'' میں وہ لکھتے ہیں۔

''فتاوی رضویہ کے مطالعہ کے دوران مجھے اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں متعدد اصحاب کمال کے چہرے نظر آتے ہیں میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو ایک ایسے فقیہ کی تصویر ابھرتی ہے جو قوت اجتہاد بصیرت فکر، ذہانت وتعقل اور علمی استحضار میں دور دور تک اپنا جواب نہیں رکھتا''۔

(فقیہ اسلام، حسن رضا خاں ص۱۲ پٹنہ ۱۹۸۱ء)

مولانا احمد رضا قادری نے جس گہرائی کے ساتھ فقہ کا مطالعہ کیا اور جس توجہ اور انہماک کے ساتھ بلاد اسلامیہ سے آئے ہوئے فتاوی کا جواب دیا اس کی نظیر دوسرے مفتیان کرام کے یہاں نہیں ملتی ہے۔آپ کے فتاوی کے مجموعے بلاشبہ فقہی انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتے ہیں۔ جہازی سائز کے ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے اگر تعلیقات وحواشی کے ساتھ ان فتاوی کو شائع کیا جائے تو اس کی کئی جلدیں تیار ہو جائیں گی۔ یہ بتاتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ اس نہج پر کام حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سابق ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ لاہور نے کیا ہے جس کی تمام جلدیں شائع ہو چکی ہیں

ہندوستان میں ان تمام جلدوں کو خوبصورت انداز میں برکات رضا پور بندر گجرات نے ۳۰ر جلدوں میں شائع کر دیا ہے جس کا ایک سیٹ مجھے بھی ہدیۃً بھیجا گیا ہے۔ فجزاهم الله تعالیٰ خير الجزاء۔

سطور بالا میں " فتاوی رضویه "کو فقہ اسلامی کا انسائیکلو پیڈیا لکھا گیا ہے۔ یہ میری ذاتی رائے نہیں بلکہ اس دور کے محققین کا بھی یہی خیال ہے۔ڈاکٹر محمد طفیل ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد اپنے ایک مقالہ " فتاوی رضویه کے فقهی مصادر "میں لکھتے ہیں۔

> ''یہ کتاب درحقیقت فقہ اسلامی کا ایک دائرۃ المعارف ہے اگر فتاوی رضویہ میں بیان کردہ مسائل کو انضباطی ترتیب سے مرتب کیا جائے تو یقین ہے کہ یہ فقہ اسلامی کا ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا ہوگا''۔

(معارف رضا ص۲۶ کراچی ۱۴۱۶ھ شمارہ نمبر ۱۵)

آپ کی فقہی بصیرت کا اعتراف متعدد ارباب دین ودانش اور صاحبان فکر ونظر نے کیا ہے جس کی تفصیل امام احمد رضا قادری سے متعلق سوانحی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے ڈاکٹر سر محمد اقبال کا وہ بیان درج کیا جارہا ہے جسے انھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اساتذہ کے درمیان حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑنے پر فرمایا:

> ''وہ بے حد ذہین اور باریک بیں عالم دین تھے فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا ان کے فتاوی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور ہندوستان کے لئے نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ مشکل سے ملے گا''۔

(پیغامات رضا حصہ سوم ص۱۰ ادارۃ المصنفین اردو بازار لاہور)

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن

مولانا شاہ احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ''فتاوی رضویہ'' کے علاوہ اور جن تصانیف نے شہرت دوام بخشی ان میں کنز الایمان کا خصوصی مقام ہے۔قرآن حکیم کے اس ترجمہ نے حقانیت وصداقت کی اس دنیا میں اپنا وقار اور معیار صرف برقرار ہی نہیں رکھا بلکہ اس نے ایوان باطل میں تہلکہ مچا دیا،اس ترجمہ میں عظمت توحید اور ناموس رسالت کا بھرپور پاس رکھا گیا ہے بقول مولانا یٰسٓ اختر مصباحی:

> ''اس جامع بلیغ ترجمہ کے اندر عظمت توحید کا پاس ولحاظ رکھا گیا ہے کہ دوسرے اردو تراجم قرآن میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی یہ ترجمہ قرآن کتاب وسنت کا وہی شارح وترجمان ہے جس نے سبحان السبوح جیسی معرکۃ الآرا کتاب لکھ کر امکان کذب باری تعالیٰ کے سارے دلائل وبراہین کی دھجیاں بکھیر دیں اور اس کے جواز کے قائل بڑے بڑے اساطین وصنادید کی زبانیں گنگ ہوکر رہ گئیں۔''

(ماہنامہ حجاز جدید دہلی ص ۷ ستمبر ۱۹۹۲ء)

امام احمد رضا قادری نے قرآن حکیم کا ترجمہ کر کے ملت اسلامیہ پر احسان عظیم کیا ہے اور وہ اس لئے کہ اس زمانے میں جتنے قرآن حکیم کے تراجم موجود تھے اس میں کسی نہ کسی طرح شان رسالت میں تنقیص کے پہلو نمایاں تھے اور کما حقہ عظمت توحید ربانی کا اظہار نہیں ہوتا تھا مگر آپ کا ترجمہ قرآن ان تمام خامیوں سے قطعاً مبرا ہے۔اس ترجمہ کے سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کے جتنے تراجم اردو زبان میں موجود ہیں ان میں چند ہی تراجم ایسے ہیں جو قرآن حکیم کی عربی عبارت سے دوسری زبانوں میں منتقل ہوئے ہیں ورنہ بیشتر تراجم قرآن ایک دوسرے تراجم کی نقل یا اس کا چربہ ہیں جو حضرات قرآن کریم کے ترجموں کا مطالعہ کرتے ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں۔

ترجمہ قرآن کنز الایمان کس طرح وجود میں آیا اس کی تفصیل ''سوانح اعلیٰ

حضرت'' کے مصنف مولانا بدرالدین احمد رضوی نے اس طرح لکھی ہے۔

''واقعہ یوں ہے کہ صدرالشریعہ حضرت مولانا حکیم امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی آپ نے وعدہ تو فرمالیا لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چونکہ ترجمہ کے لئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لئے آپ رات میں سوتے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدرالشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دینی کام بھی شروع ہوگیا۔ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ بولتے جاتے اور صدرالشریعہ اس کو لکھتے رہتے''۔

(سوانح اعلیٰ حضرت، بدرالدین احمد ص۳۷۳ بار پنجم دھنباد بہار ۱۹۸۴ء)

بعض ترجمہ نگاروں کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ انہیں قرآن حکیم کے ترجمہ کے وقت کس قدر دشوار گزار مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔انھوں نے کئی ایک کتب تفاسیر کا مطالعہ کیا ہے لیکن پھر بھی وہ آیات قرآنی کی روح کو سمجھنے سے قاصر رہے۔اس کے برخلاف مولانا احمد رضا خاں قادری نے کتب احادیث وتفاسیر کی طرف رجوع کیے بغیر اپنے وسعت مطالعہ کی بنیاد پر جس برجستگی کے ساتھ صدرالشریعہ مولانا حکیم امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو ترجمہ قرآن رقم کرایا وہ آپ کی عبقریت اور قرآنی علوم میں مہارت کی بین دلیل ہے۔اور دوسرے وہ مترجمین جن کی عقل ودماغ کی رسائی روح قرآن تک نہ پہونچ سکی۔انہوں نے ضلال کا ترجمہ ''گمراہی'' ہی کیا ہے۔ان تشریحات کی روشنی میں مولانا احمد رضا خاں قادری نے ملت اسلامیہ کو عظمت توحید ورسالت کا درس دے کر جس طرح ایمان کو جلا بخشی ہے وہ قابل قدر ہے ان کی اس برجستگی اور بے ساختگی سے روح قرآن پوری طرح اپنی آب وتاب کے ساتھ ترجمہ میں موجود ہے۔ بقول

ملک شیر محمد اعوان:

''اس ترجمہ سے قرآنی حقائق ومعارف کے اسرار منکشف ہوتے ہیں جو عام طور سے دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے یہ ترجمہ سلیس شگفتہ رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیھم السلام کے ادب واحترام اور عزت وعظمت کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے''۔(محاسن کنزالایمان،شیر محمد خان اعوان ص ۲۷ لاہور)

اس موقع سے میں ایک اور مثال کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھوں گا جس کی وضاحت ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ڈائرکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور پاکستان نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''سورۂ والضحیٰ میں آنحضرت علیہ السلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ووجدك ضالًا فهدىٰ مولانا (احمد رضا) اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں اور ''میں نے تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی ''آنحضرت ﷺ کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ زمانۂ نبوت سے پہلے بھی ان کے دامن وقار وتمکنت پر قبائلی رسم ورواج یا اہل مکہ کی بت پرستی وگمراہی کا کوئی داغ نہیں ہے۔اس لئے اس آیت کریمہ میں لفظ ضلال کا وہی ترجمہ زیادہ مناسب ہے جو مولانا نے کیا ہے۔

(پیغام رضا (امام احمد رضا نمبر) ص ۱۹۱ دہلی ۱۹۹۶ء)

حدائق بخشش

حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری کے نام کا سکہ بساط علم وفن پر تو چل ہی رہا تھا ادبی دنیا میں بھی آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہ رہی جنہیں اردو ادب کا اعلیٰ ذوق حاصل ہے انہوں نے آپ کی ادبی صلاحیت کا لوہا مانا ہے۔اردو ادب میں نعت کے مقدس فن سے جنہیں شغف ہے ان کے دلوں میں آپ کی عظمت بھرپور ہے آپ کی شاعرانہ عظمت اور

مہارت فن کا اعتراف اردو ادب کے محققین نے کیا ہے۔شاعری کے جن اسرار ورموز کو اپنا کر آپ نے اپنی شاعری کو جلا بخشی ہے بیشتر شعراء کے یہاں اس کا فقدان نظر آتا ہے۔حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری خود اپنی شاعری کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ　　بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی　　یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ
توشہ غم واشک کا ساماں بس ہے　　افغان دلِ زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو　　نقش قدم حضرت حساں بس ہے

(حدائق بخشش احمد رضا خان ص ۱۳۴ ممبئی ۱۹۹۷ء)

اردو شاعری کے حوالے سے آپ کی شخصیت پر کئی ایک ارباب علم ودانش نے اپنی تحقیقات جمع کر کے عصری جامعات سے ڈاکٹریٹ کی اسناد حاصل کیں مگر مقام تعجب ہے کہ بعض یونی ورسٹی اور کالج کے طلبہ اردو کے اس باکمال شاعر کے نام سے بھی واقف نہیں اس کی اصل وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ یہ مسئلہ بہرحال اب بھی محل نظر ہے؟ اس پہلو پر بھی ہمیں سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا احمد رضا خاں اصلاً نعت گو شاعر ہیں اس سلسلہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں نعت گوئی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ایسا کیوں نہیں اسے اساطین ادب اچھی طرح جانتے ہیں۔یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ حاصل کائنات فخر موجودات ﷺ کے نواسوں سے متعلق تو مرثیہ کے لئے اردو ادب کے صفحات میں جگہ ہے مگر اس ذات کی نعت مقدس کے لئے اردو ادب میں کوئی جگہ نہیں جن کی بے پناہ شفقتوں کے سبب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہرت دوام ملی۔

اردو ادب کی تاریخ میں مولانا احمد رضا بریلوی کو کیوں نہیں محفوظ کیا گیا اس کی کئی ایک وجہیں ہیں جس کی وضاحت کا یہاں کوئی موقع نہیں،اس سلسلہ میں محققانہ گفتگو آپ کی شاعری پر ریسرچ کرنے والے محققین نے ضرور کی ہوگی۔بہرحال اس وقت جو اردو ادب کے ذمہ دار ہیں انہیں اپنے تعصب کا عینک اتار کر کھلے دل سے آپ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف

کر لینا چاہئے کیوں کہ مولانا احمد رضا خاں قادری وہ واحد شاعر ہیں جن کا مشہور زمانہ سلام

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام　　شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش ص ۳۶)

اور چہار لسانی نعت مبارک

لم یات نظیرك فی نظر مثل تو شد نہ پیدا جانا

جگ راج کا تاج تورے سرسو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

(حدائق بخشش ص ۲۱)

عالم اسلام میں کثرت سے پڑھی جاتی ہے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس مقبول عام نعت وسلام کے شاعر مولانا احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی ہیں۔

حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری نے اپنی شاعری میں بانئ سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے جس والہانہ عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کے مشہور زمانہ دیوان ''حدائق بخشش'' میں سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے متعلق کئی ایک منقبتیں شامل ہیں۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا　　اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا　　اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

مزرع چشت وبخارا وعراق واجمیر　　کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

یارب بجمال نام عبد القادر　　یارب بنوال عام عبد القادر

منگر بقصور ونقص ما قادریاں　　بنگر بکمال تام عبد القادر

(حدائق بخشش ص ۴)

اس کے علاوہ تقریباً انہتر (۶۹) رباعیاں الف سے یا تک کی ردیف میں ہیں جن کا تعلق سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی سے ہے۔

آپ کا سلسلۂ بیعت چونکہ قادری مشرب سے تھا اور اسی سلسلہ کی آپ کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی اس لئے بانئ سلسلہ قادریہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ

والرضوان اوراس سلسلہ سے وابستہ بزرگان دین جن کا تعلق بدایوں اور مارہرہ سے تھاان کی شان میں بھی مناقب لکھ کر آپ نے اپنی عقیدت اور وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ چونکہ آپ کی شاعرانہ عظمت پر یہاں کوئی بحث مقصود نہیں اس لئے یہاں اس موضوع پر گفتگو سے صرف نظر کیا جار ہا ہے۔تاہم اتنا مسلم ہے کہ جن شعرائے کرام نے اردوادب کواپنا کر اسے شہرت دوام سے ہمکنار کیا۔مولانا احمد رضا خاں قادری کی شخصیت بحیثیت شاعر ان میں بہت نمایاں ہے۔شریعت کے دائرہ میں رہ کر قرآن حکیم کی روشنی میں شاعری کرنا اور نہ صرف شاعری کرنا بلکہ اسے شعروادب کے اعلیٰ معیار تک پہونچانا بلاشبہ اسے ان کی فن شاعری کا اعجاز ہی کہا جاسکتا ہے اور یہ اعجاز سرکار دوعالم ﷺ سے والہانہ عشق کا نتیجہ ہے۔ڈاکٹر ریاض مجید اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ’’انھوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن واحادیث سے لے کر منطق وریاضی ہیئت ونجوم ہندسہ ومابعد الطبعیات وغیرہ علوم وفنون کی مختلف اصطلاحوں کونہایت سلیقے سے برتا یہ ان کا کمال فن ہے کہ ان کی نعتوں میں مختلف علمی وفنی اصطلاحات وحوالہ جات سطح پر تیرتے پھرتے نظر آتے ہیں‘
>
> (معارف رضا ص۱۱۴ کراچی ۱۹۹۴ء شمارہ نمبر ۱۶)

ذیل میں کچھ ایسے اشعار کی نشاندھی کی جارہی ہے جن کا تعلق خالص علوم متداولہ سے ہے پھر بھی جس خوبصورتی سے امام احمد رضا بریلوی نے اسے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔

محیط ومرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

(حدائق بخشش ص ۱۵۳)

ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے حد اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

(حدائق بخشش ص ۴)

ترا منسوب ہے مرفوع اس جا اضافت رفع کی عامل ہے یا غوث

ترے کامی مشقت سے بری ہیں   کہ برتر نصب سے فاعل ہے یا غوث
نتیجہ حد اوسط گر کے دے اور   یہاں جب تک کہ تو شامل ہے یا غوث
(حدائق بخشش ص ۱۱،۱۲)

غایت وعلت سبب بہر جہاں تم ہو سب   تم سے بَنا تم بِنا تم پہ کروروں درود
گیسو و قد لام الف کردو بلا منصرف   لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروروں درود
(حدائق بخشش ص ۲۰)

مختلف علوم وفنون پر مشتمل نمونے کے طور پر جو اشعار پیش کئے گئے اس سے آپ کی قادر الکلامی کا بخوبی اندازہ لگا یا جاسکتا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ جس طرح دوسرے علوم وفنون میں آپ کو درک حاصل تھا اسی طرح شعروادب میں بھی وہ اعلیٰ درجہ کا کمال رکھتے تھے۔جس کا اعتراف متعدد زبانوں کے ماہر مشہور محقق پروفیسر محی الدین الوائی قاہرہ نے ان لفظوں میں کیا ہے

''پرانا مشہور مقولہ ہے کہ شخص واحد میں دو چیزیں تحقیقات علمیہ اور نازک خیالی نہیں پائی جاتی لیکن مولانا احمد رضا خاں کی ذات اس تقلیدی فطرت کے عکس پر بہترین دلیل ہے آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ ساتھ نازک خیال شاعر بھی تھے جس پر آپ کے عربی، فارسی اور اردو کلام پر مشتمل دواوین شاہد عدل ہیں''۔ (جریدۃ الصوت الشرق قاہرہ شمارہ فروری ۱۹۷۰ء)

آپ کی اس شاعرانہ عظمت کی طرف ڈاکٹر حازم محفوظ استاذ ازہر یونیورسٹی قاہرہ نے ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

'شعر احمد رضا خاں هو اتصافه بنوع ما من العالمية بكسر اللام والميم ۔فهو عالم دين يعرف الاصول والقواعد الفقهية، ومحيط بتفاصيل السيرة النبوية ولذا فهو يمدح الرسول مدحا علميا فتمثل اشعاره بالمعلو مات جنباً الى جنب مع العاطفة "

(کتاب التذکاری، حازم محفوظ ص ۷۷ دارالاتحاد قاہرہ ۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اعلان حق کے سلسلے میں اپنے لئے کسی مصلحت کو جرم سمجھتے تھے۔عوام ہوں یا خواص جہلا ہوں یا علما شریعت مطہرہ کے خلاف کسی سے بھی ایک لفظ سننا یا لکھنا گوارہ نہ تھا۔اس سلسلے میں آپ نے حالات سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ابطالِ باطل اور احقاقِ حق میں پوری زندگی بسر کردی۔آپ کی یہی وہ ادا تھی جو اکثر لوگوں کو پسند نہ آئی اور وہ آپ کے تمام محاسن اور کمالات کو پس پست ڈال کر عیب جوئی اور بہتان تراشی میں لگ گئے۔لیکن آپ نے اپنے ان مخالفین ومعاندین کی معاندانہ سرگرمیوں کا ذرہ برابر بھی نوٹس نہ لیا۔اپنے طور وطریق پر اٹل رہے اپنے اور پرائے کی پرواکئے بغیر آپ کا قلم تیغ برّاں کی طرح ہر اس شخص کے خلاف چلتا رہا جس نے شان رسالت میں توہین کی،عظمت توحید کی غلط تعبیرات سے عوام الناس کو گمراہ کیا اور شریعت مطہرہ کے ساتھ کھلواڑ کیا۔آپ کے اس مومنانہ کردار کی مخالفت میں چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی جس کے کئی اسباب تھے مگر یہ چار زیادہ نمایاں تھے

۱۔امام احمد رضا قادری نے مسلک اہل سنت وجماعت (سلف صالحین) کی پُرزور حمایت کی اور مجاہدانہ وسرفروشانہ جذبہ کے ساتھ سرگرم عمل رہے۔

۲۔امام احمد رضا قادری نے انگریزوں کے زیر اثر چلنے والی ہر اصلاحی تحریک کی مخالفت کی۔

۳۔امام احمد رضا قادری نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے زیر اثر چلنے والی ہر سیاسی تحریک کی مخالفت کی۔

(امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات یسٓ اختر مصباحی ص ۸۸ مبارک پور ۱۹۸۵ء)

لیکن بقول پروفیسر مسعود احمد پاکستان

''امام احمد رضا سے مخالفت کی سب سے بڑی وجہ مسلک سلف صالحین پر ان کی بے پناہ استقامت اور اس کی اشاعت کے لئے ان کی سرگرمی اور اس مسلک کے مخالفین پر ان کی سخت تنقیدات معلوم ہوتی ہے۔

(مکتوبات امام احمد رضا مع تنقیدات وتعاقبات ،محمد مسعود احمد ص ۵۶
لاہور ۱۹۸۸ء)

حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا قادری بلاشبہ عبقری تھے۔خالق کائنات نے علوم وفنون کا وافر حصہ آپ کو عطا کیا تھا۔جس کی آپ نے بھر پور اشاعت فرمائی آپ نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ ہی نہیں اطاعت رسول میں گزرا بلکہ تمام مسلمانان عالم کو اپنے کردار وعمل سے سنت مصطفیٰ کی پیروی کا صحیح شعور بھی بخشا۔یقیناً آپ کی ذات ستودہ صفات عشق رسول میں جلتی ہوئی ایسی شمع فروزاں تھی جس سے نگر نگر میں عشق رسول کا اجالا پھیلا جس کے سبب عاشقان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اپنے دین وایمان کی صیانت میں کامیاب ہوسکے۔

فاضل بریلوی کا سلسلۂ عالیہ قادریہ سے والہانہ لگاؤ تھا۔اس سلسلہ کی آپ کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں آپ اپنے والد ماجد شاہ مفتی محمد نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان اور تاج الفحول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کے ہمراہ حضرت مولانا سیدنا شاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں انھیں سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور خلافت واجازت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

خانقاہ مطہرہ کا یہ دستور رہا ہے کہ جب مرید طویل عرصہ تک مجاہدہ کر کے اپنے دل کو مصفی ومجلیٰ کر لیتا ہے تو اسے خلافت کی عظیم دولت سے سرفراز کیا جاتا ہے مگر یہاں معاملہ کچھ اور ہی تھا۔سائل نے سوال کیا۔

حضور! آپ کے یہاں تو طویل عرصہ بامشقت مجاہدات وریاضات کے بعد خلافت واجازت دی جاتی ہے تو اس کی کیا وجہ ہے ان دونوں امام احمد رضا قادری اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں قدس سرہ کو بیعت کرتے ہی خلافت دے دی گئی؟۔

تو حضرت نے ارشاد فرمایا: میاں صاحب اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے مجاہدات طویلہ ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لے کر ہمارے پاس آئے ان کو صرف اتصال نسبت کی

ضرورت تھی اور وہ مرید ہوتے ہی انہیں حاصل ہوگئی۔مزید انھوں نے یہ بھی فرمایا:

''مجھے بڑی فکر تھی کہ روز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آل رسول تو میرے لئے کیا لایا ہے تو میں کیا پیش کروں گا مگر اللہ کا شکر ہے کہ وہ فکر دور ہوگئی اس وقت میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔

(حاشیہ تذکرہ نوری ص ۴۰ بحوالہ تذکرہ شائخ قادریہ رضویہ ص ۳۹۹ دہلی)

سلسلہ عالیہ قادریہ کی دولت ملنے کے بعد جن دیگر سلاسل کی اجازت وخلافت حاصل ہوئی ان کی تعداد تیرہ بتائی جاتی ہے۔ان کے علاوہ درج ذیل مصافحات کی سندات بھی آپ کو تفویض ہوئی تھیں۔

۱۔ مصافحة الجنيه

۲۔ مصافحة الخضرية

۳۔ مصافحة المعمرية

امام احمد رضا خاں قادری جب ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۸ء میں بیعت ہوئے اس وقت آپ کی عمر شریف ۲۲ سال تھی اور آپ سلسلہ قادریہ کے صاحب اجازت طریقت بن گئے تھے۔آپ نے بحیثیت شیخ طریقت بیعت کرنے کا سلسلہ کب شروع کیا؟ کب اور کس کو پہلا مرید بنایا؟ اس کی مستند تاریخ تو نہ معلوم ہوسکی بہت ممکن ہے کہ دولت اجازت وخلافت سے سرفراز ہونے کے بعد ہی سے ۱۲۹۴ھ میں بیعت ہونے کے بعد ہی سلسلہ بیعت شروع کر دیا ہو یا زیادہ سے زیادہ والد ماجد کے انتقال کے بعد یعنی ۱۲۹۷ھ کے بعد سلسلہ بیعت شروع کیا ہو؟ مگر بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۹۴ھ میں اگر چہ آپ اجازت وخلافت سے سرفراز ضرور فرما دیئے گئے تھے مگر ادبا بیعت کرنا شروع نہ کی کیوں کہ ابھی خانقاہ مارہرہ شریف میں حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں حیات تھے۔فرماتے تھے ان کی موجودگی میں مجھے بیعت کرنا اچھا نہیں لگتا ہے۔چنانچہ آپ نے اپنے دونوں بھائیوں حضرت مولانا حسن رضا خاں قادری اور مولانا محمد رضا خاں قادری اور اپنے دونوں بیٹوں حضرت مولانا حامد رضا خاں قادری اور حضرت مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری کو بھی مارہرہ

شریف میں حضرت مولانا شیخ ابوالحسین احمد نوری میاں سے مرید کرایا اور جب بھی آپ سے کوئی مرید ہونا چاہتا تو اسے آپ مارہرہ شریف ہی بھیجتے یہ سلسلہ مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات ۱۳۲۴ھ تک جاری رہا۔ البتہ امام احمد رضا خاں قادری نے اپنے پوتے مولانا ابراہیم رضا ولد حضرت مولانا حامد رضا کوان کی رسم بسم اللہ کے موقع پر ۱۳۲۹ھ میں نہ صرف بیعت کیا بلکہ خلافت واجازت بھی عطافرمائی۔جس کا ذکر ''تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ'' کے مصنف مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی نے اپنی کتاب میں ص ۲۶۴ پر کیا ہے۔امام احمد رضا نے سلسلہ بیعت کب شروع کیا؟''حیات اعلیٰ حضرت'' کے مصنف مولانا ظفرالدین قادری لکھتے ہیں۔

> ''اگر چہ اعلیٰ حضرت قدس اللہ سرہ العزیز ایک زمانہ تک براہ تواضع وانکسار کسی کو بیعت نہیں کرتے تھےلیکن جب حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں بریلی تشریف لائے تو اعلیٰ حضرت سب لوگوں کو انھی سے بیعت ہونے کی ہدایت کرتے اس میں فقط اپنے شہر یا دوسرے حضرات تک خصوصیت نہ تھی بلکہ انھوں نے اپنے عزیزوں اور اقارب حتی کہ صاحبزادوں کو بھی حضرت نوری میاں سے بیعت کروایاہاں جب لوگوں کا شوق غالب ہوا اور بعض حضرات نے اصرار کی کہ مجھے تو آپ ہی سے بیعت ہونا ہے۔اور میں آپ ہی کا مرید بنوں گا ادھر جب نوری میاں علیہ الرحمہ نے بھی مجبور کیا کہ جب پیرومرشد نے اجازت عطافرمائی ہے تو اس کا مقصد یہی ہے کہ آپ سلسلے کو پھیلائیں اورلوگوں سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں منسلک کریں اس کے بعداعلیٰ حضرت نے بیعت لینا شروع کی''۔(حیات اعلیٰ حضرت ص۶۹۳ لاہور۲۰۰۳ء)

سلسلۂ قادریہ سے وابستہ ہوتے ہی امام احمد رضا فاضل بریلوی نے سلسلہ قادریہ برکاتیہ کی نشرواشاعت میں چار چاند لگادئے برصغیر میں یہ سلسلہ اپنی آب وتاب اورتمام تر رعنائیوں کے ساتھ پھیل گیا۔لاکھوں بندگان خدا سلسلۂ قادریہ میں آپ کے

دامن کرم سے وابستہ ہوئے جس کے باعث آپ کی ذات کے ذریعہ یہ سلسلہ ’’سلسلہ قادریہ‘‘ کے نام سے پورے عالم اسلام میں مشہور ہوگیا عوام کم علما وفضلا زیادہ اس سلسلہ سے وابستہ ہوئے۔جن حضرات کو آپ نے سند خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا وہ سب اپنے زمانہ کے چیدہ وچنیدہ علمائے کرام میں سے تھے۔آپ کے چند خلفا کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے۔

۱۔حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۹۴۳ء) خلف اکبر امام اہل سنت احمد رضا خاں قادری

۲۔مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۹۸۱ء) خلف اصغر امام احمد رضا خاں قادری

۳۔صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم مفتی محمد امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۹۴۸ء)

۴۔ملک العلماء حضرت مولانا شاہ ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۹۶۲ء)

۵۔صدر الافاضل حضرت مولانا شاہ محمد نعیم الدین قادری مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۹۴۸ء)

۶۔حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین احمد مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۹۸۱ء)

۷۔حضرت مولانا شاہ محمد برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۹۸۴ء)

۸۔شیر بیشہ اہل سنت مولانا شاہ محمد حشمت علی خاں قادری علیہ الرحمہ (وفات ۱۹۶۰ء)

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا حال آج کے نام نہاد پیروں کی طرح نہیں تھا جو مالدار مریدین کی تلاش میں رہتے ہیں اس تعلق سے فاضل بہار مولانا ظفر الدین قادری نے مدیر ’’تحفہ حنفیہ‘‘ کی اہلیہ محترمہ کے مرید ہونے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

’’جس زمانے میں قاضی عبد الوحید صاحب مرحوم مدیر رسالہ ’’مخزن تحقیق‘‘ معروف بہ ’’تحفیہ حنفیہ‘‘ کی اہلیہ محترمہ مرید ہوئیں تو ان کے والد

جناب شاہ بھگو صاحب کا کوروی نے مبلغ ۶۰/روپئے نذر کے حاضر کئے۔
اعلیٰ حضرت نے حسب دستور روپئے رہاتھ میں رکھ کر فرمایا "اللہ برکت
دے" اور واپس فرمادیئے۔بھگو صاحب نے خیال کیا کہ مولانا کو شاید
معلوم نہیں ہوسکا کہ کتنے روپئے ہیں اور تھوڑی رقم سمجھ کر واپس فرمادیا اس
لیے اب انھوں نے کہا کہ حضور ۶۰/روپئے ہیں اس پر اعلیٰ حضرت نے
فرمایا؛ یہ تو ۶۰/روپئے ہیں اگر یہ ۶۰/ہزار بھی ہوں تو مجھے خدا کے فضل
سے ان کی ضرورت نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ دیا
ہے۔اور احباب ومخلصین کی نذر قبول کرنے سے غنی و مستغنی کردیا ہے"
البتہ کبھی کوئی شخص کوئی معمولی چیز تحفۃً دیتا تو اسے قبول فرمالیتے انکار نہ
فرماتے تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ محض معمولی چیز سمجھ کر واپس کیا ہے۔
مریدین کی تعداد بڑھانا مقصود نہ تھا بلکہ مریدین کی اصلاح عقائد واعمال
وتزکیہ نفس اہم تھا۔اس لیے مرید کرنے کے بعد اصلاح عقائد واعمال کی
چند نصیحتیں ضرور فرماتے اور چند اعمال کی ترغیب ضرور دیتے اور شجرہ
مبارکہ ایک مرتبہ روزانہ پڑھنے اور بزرگان سلسلہ کو فاتحہ بخشنے کی ضرور
تاکید فرماتے اور اس کا اس قدر خیال رکھتے کہ شجرہ شریف کے آخر میں
اس کو چھاپ کر شائع فرمادیا تھا تاکہ ہر مرید کے پیش نظر ہر وقت وہ سب
باتیں رہیں پھر مختصر سی روز مرہ کی ضروری مفید دعائیں بنام "الوظیفۃ
الکریمۃ" مرید کے روز پڑھنے کے لیے چھاپ دیا تھا"۔

(حیات اعلیٰ حضرت ص ۲۰۳ لاہور)

تصوف اور اس کے اغراض ومقاصد کا صحیح مفہوم امام احمد رضا قادری کی تحریروں
سے سمجھ میں آتا ہے کیوں کہ علم وعمل میں احکام شریعت کی پابندی اور اتباع سنت سے آپ کی
پوری زندگی معمور اور اکابر علما وصلحا کے فیضان نظر سے زندگی کا ہر گوشہ پُر نور ہے جنھوں نے
اپنے کردار وعمل سے تصوف کو بدنام کیا۔ان نام نہاد صوفیا کے آپ سخت مخالف تھے۔آپ

نے ان کی نہ صرف زبان وقلم سے مذمت کی بلکہ تصوف کے دامن سے ایسے بدنما دھبوں کو مٹانے کے لئے ہر ممکن جد وجہد بھی فرمائی ۔ بزرگان دین کے نام مزارات پر جو لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے اسے آپ نے صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ سختی سے اس کی مخالفت بھی کی ۔قبر پر سجدہ کرنے کو حرام لکھا اور اس کے تعلق سے الزبدة الزکیة لتحریم سجود التحیة کے نام سے ایک ضخیم کتاب بھی لکھی۔آج کل جاہل صوفیا نے حصول زر کے لئے جو تباہی خانقاہوں میں مچا رکھی ہے اس کا مسلک ارباب حق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔آپ نے تصوف کے اسرار ورموز کو ہر طرح بیان فرمایا۔مزارات پر ہونے والے بدعات ومنکرات سے بچنے کی تلقین فرمائی ایک مقام پر بیعت اور طلب کے درمیان ہونے والے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنیٰ پورے طور سے بکنا ہے۔بیعت اس شخص سے کرنا چاہئے جس میں یہ چار شرطیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔

۱۔شیخ کا سلسلہ بہ اتصال صحیح حضور اقدس ﷺ تک پہونچتا ہو۔بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ اتصال ممکن نہیں۔

۲۔ شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو بد مذہب نہ ہو۔

۳۔عالم ہو علم فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہل سنت سے پورا واقف کفر واسلام اور ضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔

۴۔فاسق معلن نہ ہو۔

(امام احمد رضا اور تصوف ،محمد احمد مصباحی ص ۱۱۰ المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۹۸۸ء)

مولانا احمد رضا قادری چونکہ علم شریعت اور واقف اسرار طریقت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فقیہ اور محقق تھے طریقت کو شریعت اور شریعت کو طریقت کے آئینے میں دیکھنے اور پرکھنے کا اعلیٰ شعور رکھتے تھے اسی لئے شیخ کے لئے وہی باتیں لازم اور ضروری قرار دیں جس

کی طرف اشارہ سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان نے الفتح الربانی کی بارہویں مجلس میں کیا تھا۔سیدنا غوث اعظم فرماتے ہیں۔

''اے غلام (صاحبزادہ) کیا تو نے سنا نہیں کہ فقہ حاصل کراس کے بعد عزلت نشیں بن، یعنی اول ظاہری فقہ حاصل کراس کے بعد باطنی فقہ کی تحصیل میں عزلت اختیار کر۔ظاہری شرع پر عمل کرتا رہ یہاں تک کہ یہ عمل تجھ کواس علم تک پہنچا دے جوتو نے نہیں سیکھا ہے۔

(الفتح الربانی (تحفہ سبحانی) شیخ عبدالقادر جیلانی ص۶۳ مسلم پریس دہلی ۱۹۰۱ء)

اب تک سوانح نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں امام اہل سنت فاضل بریلوی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ ضرور کیا ہے مگر آپ کی زندگی کا وہ پہلو جس کا تعلق براہ راست روحانیت سے ہے اس پر بہت کچھ لکھنا باقی ہے اس تعلق سے ایک مختصر کتاب اور چند مقالات کے علاوہ کچھ دستیاب نہیں سوانح نگاروں اور محققین کو امام اہل سنت کی زندگی کا اس پہلو سے مطالعہ کرنے اور اسے حیطۂ تحریر میں لانے کی ضرورت ہے۔خدا کرے صاحبان قلم اس طرف متوجہ ہوں ۔کیونکہ اگر آپ کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ روز وشب کا ہر لمحہ سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے مطابق تھا اور اصل تصوف یہی ہے کہ صوفی کی زندگی سنت نبوی کی مکمل آئینہ دار ہو آپ بلا شبہ زہد واتقا، راست گوئی، حق بازی ، دیانت داری، اور تواضع وانکساری کے عملی پیکر تھے۔سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی عقیدت ومحبت جسم کے رگ وریشے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ :

''آپ تادم زیست بغداد کی سمت یا مدینہ کی طرف یا کعبہ کی جانب پیر پھیلا کر نہیں بیٹھے''۔(افکار رضا، قمر الحسن بستوی ص۸۶ دہلی ۱۹۹۳ء)

آپ کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ تصوف کے راستے پر شریعت کے اصول کی خلاف ورزی کر کے چلنا ممکن نہیں ہے۔کیوں کہ بقول سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :

اقرب الطرق الی اللّٰہ تعالیٰ لزوم قانون العبودیۃ والاستمساك بعروۃ الشریعۃ "

(مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء، احمد رضا خاں ص ۱۶۲ مطبوعہ ۱۳۲۷ھ)

(اللہ عزوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گروہ کو تھامے رکھنا ہے۔)

امام احمد رضا قادری نظری تصوف سے کہیں زیادہ عملی تصوف کے پیکر تھے۔اس لئے آپ کی تحریروں میں متصوفانہ افکار وخیالات کی جھلک جا بجا نظر آتی ہے۔ایمان ویقین ،تقویٰ وتدین ،محاسبہ نفس ، اخلاص وحسن نیت اور تجدید واصلاح میں بلاشبہ آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی اور عملی تصوف کا ایسا کامل نمونہ پیش کیا جس کی نظیر اس صدی میں مشکل ہی سے پیش کی جاسکتی ہے۔

امام احمد رضا قادری نے اپنی پوری زندگی اشاعت دین حق میں بسر کی ۔رشد وہدایت کا محبوب ترین فریضہ انجام دیا۔ ابطال باطل اور احقاق حق میں کتابیں تصنیف فرمائیں۔آپ کی تحریریں ایسی محقق ، مدلل اور عالمانہ ہوتی ہیں کہ کوئی بھی پڑھنے والا آپ کی عظمت اور علمی جلالت قدر کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے ۔بلا تفریق مسلک وعقیدہ جس نے بھی تعصب کی عینک اتار کر آپ کی تحریروں کا براہ راست مطالعہ کیا اس نے کھلے دل سے آپ کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔یہی وجہ ہے کہ اب آپ کی شخصیت پر مختلف پہلوؤں سے برصغیر کی کئی یونیورسٹیوں میں ہی صرف نہیں بلکہ یوروپ کی عصری دانشگاہوں میں ارباب دین ودانش اور صاحبان فکر ونظر ریسرچ وتحقیق میں سرگرم عمل ہیں ۔آپ نے علمی دنیا میں جتنا اکیلے کام کر دیا ہے اتنا کام کرنے کے لئے اس زمانہ میں ایک ادارہ کی ضرورت ہے۔ان دینی وعلمی کارناموں کی روشنی میں اگر کہا جائے کہ امام احمد رضا قادری کسی ایک فرد کا نام نہیں بلکہ ایک ادارہ کا نام ہے تو بے جا نہ ہوگا۔سچ تو یہ ہے کہ جس طرح مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باطل قوتوں کا سرفروشانہ مقابلہ کر کے حقانیت وصداقت کا پرچم بلند کیا۔ٹھیک اسی طرح چودھویں صدی ہجری میں جب

کہ ناموس رسالت ﷺ کو ملیامیٹ اور اسے پامال کرنے کی سازشیں رچی گئیں اور عظمت توحید کو داغدار کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔اس موقع پر آپ نے تن تنہا سینہ سپر ہو کر ان باطل قوتوں اور منافقانہ سازشوں کا مقابلہ کیا اور ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا۔

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار اعدا سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

(حدائق بخشش ص۵۹)

اس اعلان عام سے دشمنان نبی ﷺ اور گستاخان مصطفیٰ ﷺ کی بھاری جمعیت آپ کے پیچھے پڑ گئی مگر آپ تن تنہا ان نام نہاد مسلمانوں کے مقابل میدان حقانیت و صداقت میں ڈٹے رہے۔آج مذہب حق وصداقت کی جو صحیح تصویر ہمارے سامنے ہے یہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی،شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان جیسی نفوس قدسیہ کی انتھک کوششوں اور مجتہدانہ کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ایک نہیں بہت سارے شرعی امور میں ان تمام موخر الذکر عبقری شخصیتوں کے خیالات ونظریات ایک دوسرے سے ہم آہنگ تھے۔تفصیلی معلومات کے لئے مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا نامی کتاب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

(مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا،غلام مصطفیٰ مجددی مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا قادری نے اگر ایک طرف شریعت کے مشکل ترین مسائل کی عقدہ کشائی میں دل چسپی لی تو دوسری طرف دانشوران قوم کی بے راہ روی اور معاشرہ میں پھیلی ہوئی غیر شرعی رسم ورواج کو مٹانے کے لئے جدوجہد فرمائی اور مصلح قوم ومجدد دین وملت کی حیثیت سے تقریری اور تحریری طور پر بدعات ومنکرات کی تردید فرمائی اور عوام الناس کو اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔سجدۂ تعظیمی،فخر بالنّسب،مراسم محرم، تعزیہ داری،عورتوں کے لئے زیارت قبور،بد مذہبوں سے رشتے،ہنود کے مذہبی میلوں میں شرکت،قبر پر نماز،فرضی قبریں ایسی نہ جانیں کتنی خرافات کی چیزیں ہیں جو مسلم معاشرہ میں رائج تھیں اور ہیں آپ نے ان سب کی تردید میں کتابیں لکھیں اور اس کے خلاف فتوائے شرع صادر فرمائے چونکہ آپ کی آنکھوں میں شریعت کا نور اور فقہ اسلامی کا کیف

وسرور تھا اس لئے بدعات ومنکرات کے خلاف کئی ایسے اہم فیصلے صادر فرمائے جو اس وقت بھی حق اور اٹل تھے اور آج بھی حق اور اٹل ہیں۔احکام شرع کے صادر کرنے میں مولانا محمد احمد مصباحی سابق صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے بقول آپ درج ذیل طریقہ اختیار فرماتے ہیں۔

''نہ تو اس میں افراط ہے کہ بدعت کو شرک، گناہ کو کفر، مکروہ تنزیہی کو حرام یا کم از کم صغیرہ بلا اصرار کو کبیرہ، خفی کو جلی کہدے نہ اس میں تفریط ہے کہ اس میں مکروہ یا خلاف اولیٰ کو غیر مکروہ ومستحب بدعت کو سنت، منکر کو معروف یا ناجائز کو جائز کہدے، اعتدال ہے اور اعتدال یہی وہ اصلاح ہے جو فساد افساد سے پاک ہوتی ہے''۔

(امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات (تقریب) ص۲۳)

امام احمد رضا فاضل بریلوی دینی ومذہبی علوم ومعارف کے ساتھ عصری علوم جس کی اُس زمانے میں ضرورت تھی ان میں آپ کو نہ صرف جانکاری تھی بلکہ بعض علوم میں ید طولیٰ حاصل تھا۔یہی وجہ تھی کہ آپ دنیا بھر سے مختلف قسم کے آئے ہوئے استفتا کا بڑے مدلل انداز میں جواب دیا کرتے تھے۔جن عصری علوم پر آپ کی گہری نظر تھی ان میں زیجات، ریاضی، ہیئت، توقیت، جبر ومقابلہ، جفر وتکسیر، نجوم، مثلث ولوگارثم وغیرہ کے علوم خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ان علوم میں آپ کی بعض تصانیف ایسی ہیں اس دور کے علماء ودانشور جن کی تفہیم سے قاصر ہیں۔آپ کی اس عبقری صلاحیت کا اعتراف ارباب دین ودانش اور انصاف پسند مصنفین نے یکساں طور پر کیا ہے "انوار رضا لاہور" میں'' امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں'' کے مقالہ نگار لکھتے ہیں۔

''فتاوی رضویہ جس کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ ''کتاب الطہارۃ کے مطالعہ سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا علم دین ہی کے بحر بیکراں نہیں بلکہ علم ارضیات، مادیات، فلکیات، اور علم ریاضی وہندسہ کے بھی اتھاہ سمندر ہیں''۔

(انواررضا(امام احمد رضا نمبر)ص۳۰۹لاہور)

سطور بالا میں جن علوم کا ذکر ہوا ان علوم میں امام احمد رضا قادری نے گراں قدر تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔حاشیہ زیج بهادر خانی ،اطائب الاکسیر فی علم التکسیر، حل المعادلات لقوی المکعبات ، الموهبات فی المر بعات ، کشف العلة عن سمت القبلة ، الاشكال الاقليدس لنكس اشكال اقليد س جیسی کئی اہم کتابیں ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

امام احمد رضا قادری تو جامع العلوم والفنون تھے ہی آپ کے تلامذہ بھی بعض اہم علوم وفنون میں اپنے معاصرین میں یگانہ اور ممتاز تھے۔آپ نے ریاضی وہیئت جیسے مشکل علوم میں بعض جدید وافکار ونظریات کے حامل اور عصری درسگاہوں کے ممتاز مفکرین ودانشوران کی جس طرح بخیہ دری کی ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔اس موقع سے اگر امام احمد رضا قادری کے تمام ماہرین فکر وفن تلامذہ کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے سیکڑوں صفحات درکار ہوں گے ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر یہاں صرف آپ کے ایک تلمیذ حضرت مولانا محمد ظفر الدین قادری جنہیں علمائے اہل سنت وجماعت کے حلقے میں ''ملک العلما'' سے شہرت حاصل ہے۔ذکر کافی ہوگا۔

ایک تاریخی واقعہ ہے کہ علامہ عنایت اللہ مشرقی جنہیں ریاضی وہیئت میں خصوصی درک حاصل تھا اور جس کی بنیاد پر یوروپ کی بعض یونیورسٹیوں نے انہیں اعزازی ڈگریاں دی تھیں۔انہوں نے نہ جانے کس زعم میں اعلان کر دیا کہ ''ہندوستان کے بعض شہروں کی مساجد کے قبلے غلط ہیں'' اور اس کی وجہ انہوں نے علماء کی جہالت بتائی۔انہوں نے اپنے اس قول کی تائید میں متعدد رسالے بھی شائع کئے۔ان کے اس بیان سے بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ہندوستان کے بیشتر علماء مشرقی کے اس بیان پر چراغ پا ہو گئے اور ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئے،ان کے رسائل کی تردید میں کئی رسالے شائع کئے مگر ان کی صحت پر ان علماء کی تحقیقی کاوشوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔تب امام احمد رضا قادری کے ایک شاگرد مولانا محمد ظفر الدین قادری جنہوں نے ریاضی وہیئت کی تعلیم اپنے استاد امام احمد رضا قادری سے حاصل

کی تھی میدان میں کود پڑے اور علامہ مشرقی کے نظریات کو کھوکھلا ثابت کیا اور اپنی تحقیقی نگارشات سے یہ بتادیا کہ علامہ نہیں خود علامہ مشرقی جہالت کے پیکر ہیں اور انہوں نے اپنے جن دلائل کی روشنی میں ہندوستان کی بعض مساجد کا قبلہ غلط ثابت کیا تھا ان دلائل کی ایسی دھجیاں بکھیریں کہ وہ پادر ہوا ہوگئیں۔ان کے دلائل سے ہندوستان کے تمام علماء کا سر فخر سے بلند ہوگیا۔سمت قبلہ کے تعلق سے علامہ مشرقی کی تردید میں اگر چہ ہندوستان کے علما نے کئی رسالے لکھے مگر علامہ مشرقی کے جارح قلم کا منھ توڑ جواب جس نے دیا وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے شاگرد مولانا محمد ظفر الدین قادری ہی تھے۔یہ تو کہئے کہ امام احمد رضا قادری اس وقت دنیائے فانی کو الوداع کہہ چکے تھے اگر وہ کہیں اس عالم فانی میں ہوتے تو علامہ مشرقی کے ریاضی وہیئت میں بالغ نظری کی اس طرح درگت بنتی کہ دنیا تماشہ دیکھتی اور وہ لوگ جو حقائق اسلام کے خلاف گل افشانیاں کرتے رہتے ہیں وہ اس قسم کی حرکتیں کرنے کے لئے کئی بار سوچتے۔

مولانا محمد ظفر الدین قادری نے سمت قبلہ کے تعلق سے علامہ عنایت اللہ مشرقی کی ہفوات واباطیل کی تردید میں جو جواب لکھا وہ ماھنامہ معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ کے جنوری،فروری ۱۹۴۰ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔اصل بحث تو اسی شمارہ میں دیکھی جاسکتی ہے لیکن اپنے تمہیدی گفتگو میں جس طرح مولانا محمد ظفر الدین قادری نے بحث کا آغاز فرمایا ہے وہ قابل مطالعہ ہے،فرماتے ہیں۔

> ”علمی حلقہ میں جناب عنایت اللہ مشرقی کا تعارف سب سے پہلے ان کی تصنیف تذکرہ کے ذریعہ ہوا تھا اب ان کی تحریک خاکساریت نے ان کی شہرت عام کردی ہے وہ یوروپ کی درجنوں ڈگریوں کے مالک اور مختلف فنون میں علم وکمال کے مدعی ہیں۔اسے دیکھ کر یہ خیال تھا کہ مذہب کے متعلق ان کے معلومات وخیالات کیسے ہی ناقص وغلط ہوں لیکن جدید علوم سے ضرور ان کو واقفیت ہوگی لیکن ان کے بعض علمی مضامین کو دیکھ کر یہ حسن ظن بھی غلط ثابت ہوا۔عرصہ ہوا انہوں نے علم

ہیئت کی رو سے ہندوستان کی مسجدوں کی سمت قبلہ غلط ہونے پر ایک مضمون لکھا تھا اس کے علاوہ وہ مولویوں کی جہالت کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً جن عالمانہ خیال کا اظہار کرتے رہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید علوم میں بھی ان کا پایہ مذہبی علوم سے کم نہیں ہے۔ اس مضمون میں ریاضی وہیئت اور تاریخ علوم میں ان کے علمی کمالات پر تبصرہ مقصود ہے مولویوں کی جہالت کے سلسلے میں وہ فرماتے ہیں۔

''آپ کی بلا جانتی ہے کہ مکہ کا رخ دریافت کرنا کسے کہتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ جغرافیہ کس بیل کا نام ہے، علم نجوم کسے کہتے ہیں، دوربین کیا ہوتا ہے، خط سرطان کس مرض کو کہتے ہیں، آپ صرف اپنی رات کی باسی روٹیاں گن کر بیچنا نہیں جانتے اور اگر روٹیاں زیادہ ہوں اور آنے پورے نہ بیٹھیں تو حساب میں گھنٹوں غلطی نہیں کرتے بلکہ آنوں کو ان روٹیوں پر بٹھا لیتے ہیں۔ آپ کو اس کا پتا ہے کہ مغرب اور شمال کے دونوں طرفوں کے درمیان خود مسلمانوں ہی نے ۹۰ درجے قائم کئے ہر درجے کو ۶۰ دقیقہ (منٹ) اور دقیقہ کو ساٹھ ثانیوں (سیکنڈ) میں تقسیم کیا''۔

(معارف اعظم گڑھ ص ۲۵ جنوری ۱۹۴۰ء)

عنایت اللہ مشرقی کا یہ وہ جارحانہ بیان تھا جس کو مولانا محمد ظفر الدین قادری نہ برداشت کر سکے اور اس کی تردید میں ایسا جواب لکھا جس سے علامہ مشرقی کے سارے دلائل تار عنکبوت ثابت ہوئے۔ آپ کی اس علمی بحث نے کچھ دیر کے لئے علمائے ہند کو حیرت واستعجاب میں ڈال دیا۔ اور آپ کی اس علمی جلالت کا اعتراف انہیں بھی کرنا پڑا جو یہ کہتے اور لکھتے ہوئے نہیں تھکتے تھے کہ بریلوی علماء جاہل ہوتے ہیں۔ آج تک انہوں نے کوئی علمی کارنامہ انجام نہیں دیا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مسلک دیوبند کے مشہور عالم دین مفتی محمد شفیع جب اپنی کتاب جواھر الفقه (جسے علمائے دیوبند نے عظیم اسلامی انسائیکلو پیڈیا لکھا ہے) لکھ رہے تھے تو اس کتاب میں جہاں انہوں نے سمت قبلہ کا ذکر کیا ہے اپنے

موقف کی تائید میں فاضل بہار مولانا محمد ظفر الدین قادری کے اس مقالہ کو بھی جسے انہوں نے عنایت اللہ مشرقی کی تردید میں لکھا تھا من وعن شامل کیا ہے یہ مقالہ آج بھی جواھر الفقه جلد اول ناشر مکتبہ تفسیر القرآن عارف کمپنی سید منزل جامع مسجد دیوبند کے ص ۲۷۷ پر موجود ہے۔

اس اجمالی گفتگو کے بعد اب ابوزہرہ کا وہ تاثر بھی پڑھ لیں جو علمائے اہل سنت وجماعت کے کردار وعمل کا مکمل آئینہ دار ہے، لکھتے ہیں۔

''یہ اعلیٰ حضرت کی علمی فضیلت کہی جائے گی جن کے شاگرد کی تحقیقات کو دار العلوم دیوبند کے مفتی اور استاذ اپنی کتاب میں بڑے فخر اور ناز کے ساتھ نقل کر رہے ہیں اور دوسری طرف ہم اہل سنت کی کم ہمتی دیکھئے کہ اب تک ہم اپنے اکابر کے کارناموں کو کما حقہ دنیا کے سامنے لا بھی نہ سکے''۔(یادگار رضا ص ۸۸ رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۷ء)

تاریخ گوئی بہت مشکل فن ہے مگر امام احمد رضا قادری کو اس فن میں بھی اسی طرح کمال حاصل تھا جس طرح دوسرے علوم وفنون میں تھا، عربی شعرا کے یہاں اس قسم کا اہتمام کم ملتا ہے۔امام احمد رضا قادری نے تینوں زبانوں میں کثرت سے تاریخیں نکالی ہیں اور مختلف صنعتوں میں نکالی ہیں مولانا احمد رضا قادری میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ موقع ومحل کی مناسبت سے بغیر دوات وقلم کا سہارا لیے برجستہ تاریخی مادے نکال دیا کرتے تھے ۔کبھی آپ کا نکالا ہوا تاریخی مادہ غلط نہیں ثابت ہوا۔آپ کی بیشتر کتابوں اور رسائل کے اکثر نام تاریخی ہیں جو بغیر کسی صراحت کے کتابوں کے مباحث پر چسپاں ہوتے ہیں ۔ "تعارف امام احمد رضا" کے مصنف لکھتے ہیں۔

''فن تاریخ گوئی میں آپ کو نہایت کمال حاصل تھا جو کتاب بھی لکھتے اس کے نام سے کتاب لکھنے کا مقصد بھی سامنے آجاتا اور تاریخ تصنیف بھی نکل آتی''۔(تعارف امام احمد رضا ص ۱۹ الہٰ آباد ۱۹۸۳ء)

کئی دفعہ تو ایسا بھی ہوا ہے کہ امام احمد رضا قادری نے ایک ہی موقع کے دو چار نہیں

بلکہ دس دس تاریخی مادے نکالے ہیں۔کئی شعرا کے دواوین کی تاریخیں انھوں نے ہی نکالی ہیں لوگ اکثر فرمائش کرتے کہ نومولود بچوں کے تاریخی نام ارسال فرمائیں۔بعض اوقات ایسے وظائف بھی پڑھنے کو بتا دیتے کہ وظیفے کے اعداد اور وظیفہ پڑھنے والے کے نام کے اعداد برابر ہوتے۔ جناب ایوب علی رضوی صاحب نے ایک مرتبہ ان سے وظیفہ پڑھنے کے لئے دریافت کیا۔انہوں نے ''یا لطیف'' کا ورد بتایا۔لطیف اور ایوب علی دونوں کے اعداد ۱۲۹ ہی آتے ہیں یہ کوئی اتفاقیہ بات نہ تھی بلکہ اکثر ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔

اپنے والد گرامی حضرت عظیم درجت مولانا شاہ محمد نقی علی خاں قادری کی کتاب مستطاب "سرور القلوب فی ذکر المحبوب" کا قطعۂ تاریخ لکھا جس میں انتہائی حسن وخوبصورتی کے ساتھ الفاظ تحریر اور نقطوں کی تعریف کی ہے اور آخر میں جس حسین انداز سے تاریخ نکالی ہے وہ انھی کا حصہ ہے فرماتے ہیں۔

میرے والد نے جب کیا تصنیف — یہ رسالہ بوصف شاہ ہدیٰ
جس کا ہر صفحہ تختۂ فردوس — ہر ورق برگ سدرہ وطوبیٰ
گیسوئے حور سواد حروف — مردم چشم حور ہر نقطہ
یا قلم اس کا ابر نیساں ہے — ہر ورق اس کا علم کا دریا
ہر سطر رشک موج صافی ہے — دائروں کو صدف لکھوں تو بجا
نقطے جن کے ہیں گوہر شہوار — قیمت ان کی ہے جنت الماویٰ
سال تالیف میں رضا نے کہا — وصف خلق رسول امی کیا

(۱۲۸۸ھ)

(افکار رضا، ممبئی جلد ۳ ص ۱۱۶ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء)

امام احمد رضا قادری نے کافی مشکل صنعت میں تاریخی مادے نکالے ہیں۔ذیل کے قطعہ میں ایک لفظ کو تین گنا کرنے سے مادہ برآمد ہو جاتا ہے۔اس پورے قطعہ میں الفاظ کے زیر و بم کے ساتھ معنوی ربط بھی خوب ہے۔

چو لامع شد کبد را او تجلی — مہ طیبہ علیہ صلی

دہانش مشرق وحی مبیں شد   برآمد از و ماہ مجلی
ہجوم آوردہ اند جلوہ گاہش   نجوم آں و اصحاب معلی
چوں ایں مہر وماہ انجم بہم شد   رضا گوید سہ بالا شد تجلی
(۴۳۴ ۳ = ۱۳۰۲ھ)

(افکار رضا ممبئی جلد۳ ص ۱۷ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء)

اس قطعہ میں لفظ تجلی کے اعداد تین بار جوڑنے سے سنہ مطلوب ۱۳۰۲ھ برآمد ہوتا ہے

امام احمد رضا قادری نے دواوین کے لئے تاریخی قطعات لکھے ہیں اور اپنے بزرگوں احباب، متعلقین اور متعارفین کے وصال کی تاریخیں بھی نکالی ہیں اور اس تاریخ کے استخراج میں کئی صنعتوں سے کام لیا ہے آپ نے اپنے مرشد کی تاریخ وصال تواریخ الاولیا (۱۲۹۶ھ) اور رضی اللّٰہ والمحبوب (۱۲۹۶ھ) سے نکالی ہے۔

امام احمد رضا قادری نے بعض اہم شخصیتوں کے تاریخی مادے نکالنے میں ولادت ووفات دونوں کا اہتمام کیا ہے۔ایسی اہم شخصیتوں میں آپ کے والد ماجد کا نام لیا جاسکتا ہے جیسے:

تاریخ ولادت

افضل سباق العلم(۱۲۴۶ھ)
اقدم حذاق الکرما(۱۲۴۶ھ)

تاریخ وفات

کان نہایة جمع العظما(۱۲۹۷ھ)
خاتم اجلة الفقھا(۱۲۹۷ھ)

زبر وبینہ تاریخ گوئی کی ایک مشکل صنعت ہے۔اس میں حروف کے بجائے اسمائے حروف سے اعداد نکالے جاتے ہیں الملفوظ کی تاریخ زبر وبینہ میں نکالی گئی ہے امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں:

میرے ملفوظ کئے کچھ محفوظ   مصطفیٰ مصطفیٰ کا ہو ملحوظ

نام تاریخی اس کا رکھتا ہوں زبر و بینہ میں ''الملفوظ''

(افکار رضا ممبئی جلد۳ص۱۲۵ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء)

آپ کے یہ اشعار الملفوظ کے قدیم نسخوں میں جلد اول کے آخر میں پائے جاتے ہیں۔مولانا احمد رضا قادری کے صرف دو سال یعنی ۱۳۳۸ھ تا ۱۳۴۰ھ تک کے ملفوظات حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے ترتیب دیئے ہیں جو عالی جناب توسل حسین کے اہتمام میں رضوی کتب خانہ بریلی سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئے۔اس کے صفحہ ۱۲۴ پر یہ اشعار درج ہیں۔"الملفوظ " کے اعداد اسما کے حروف سے اس طرح نکالے جائیں گے۔

۱۔ الف (۱۱۱)

۲۔ لام (۷۱)

۳۔ میم (۹۰)

۴۔ لام (۷۱)

۵۔ فا (۸۱)

۶۔ واو (۱۳)

۷۔ ظا (۹۰۱)

الملفوظ (۱۳۳۸ھ)

امام احمد رضا قادری نے دوسرے علما،مشائخ اور احباب و متعلقین کی تواریخ وفات نکالی ہی تھیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ آپ نے خود اپنی تاریخ ولادت و وفات دونوں کا استخراج بھی قرآنی آیات سے کیا ہے۔

اولئك كتب في قلوبهم الايمان وايدهم روح منه

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ مدد فرمائی ہے)

(معارف اعظم گڑھ جلد ۴۵ص ۲۵ جنوری تا جون ۱۹۴۰ء)

اس آیت کے کل اعداد ۱۲۷۲ ہیں جو امام احمد رضا قادری کا سن ولادت ہے۔

۲۵/صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۹/اکتوبر ۱۹۲۱ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ شیخ الاسلام والمسلمین " مادۂ تاریخ وفات ہے۔ خود امام احمد رضا قادری اپنی تاریخ وصال کی تقریباً پانچ ماہ قبل خبر دیتے ہوئے اپنے قلم حق رقم سے یہ آیت کریمہ تحریر فرمائی۔

ویطاف علیهم بآنیة من فضة واکواب (۱۳۴۰ھ)

(ان پر دورہ ہوگا چاندی کے پیالوں اور جاموں کا)

(سوانح اعلیٰ حضرت بدرالدین احمد ص ۳۷۷ رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۲ء

بڑے فرزند حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے جنازہ کی نماز پڑھائی، محلّہ سوداگران بریلی شریف میں مدفون ہوئے۔ ہر سال ۲۵/صفر المظفر کو آپ کا عرس بریلی کی سرزمین پر بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے، جس میں ہندو بیرون ہند کے لاکھوں فرزندان توحید شریک ہوکر علمائے کرام کے مواعظ حسنہ اور صاحب عرس کے روحانی فیوض وبرکات سے مستفید ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری، بدایوں

علیه الرحمة والرضوان

صوبہ اتر پردیش میں بدایوں شریف کو ''مدینۃ الاولیاء'' سے شہرت حاصل ہے۔ یہ لفظ بداؤں سے بدایوں بنا ہے۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء کو بداؤنی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس شہر کو ان کا بھی وطن بننے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اس سرزمین پر ایسے درویش، مشائخ، ادبا اور علماء وفضلا پیدا ہوئے جنھوں نے بدایوں کو وہ عزت اور شہرت بخشی جو رہتی دنیا تک ان شاء اللہ قائم ودائم رہے گی۔ یہ سرزمین سلسلہ قادریہ سے عقیدت رکھنے والے بندگان حق کے لیے نہ صرف سرچشمۂ رشد وہدایت ہے، بلکہ وہاں کی خاک کو اپنے لیے سرمۂ چشم بصیرت بھی سمجھتے ہیں۔ متعدد علاقوں سے اللہ کے نیک بندوں نے آکر اپنے

قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو شاد وآباد کیا۔انھیں آنے والوں میں سے ایک قافلہ خانوادۂ عثمانی بھی تھا جو حضرت دانیال قطری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سر پرستی میں حضرت سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں بدایوں آکر آباد ہوا، اور سلطان نے ان کی صلاحیت کی بنا پر انھیں قاضی القضاہ کا منصب سپرد کیا۔

اس خانوادہ میں جید علماء ومشائخ پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرمائی۔جن مشائخ اور علماء نے اس خانوادہ میں بڑا نام پیدا کیا اور ملک گیر شہرت حاصل کی،ان میں درج ذیل حضرات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۔حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قادری (ولادت ۱۱۷۷ھ وفات ۱۲۶۳ھ)

۲۔حضرت مولانا شاہ معین الحق قادری (وفات ۱۲۸۹ھ)

۳۔حضرت شاہ تاج الفحول مولانا مظہر حق،عبدالقادر محبّ الرسول قادری (ولادت ۱۲۵۳ھ/۱۳۱۹ھ)

۴۔حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری (ولادت ۱۲۸۳ھ/وفات ۱۳۳۴ھ)

۵۔حضرت مولانا شاہ محمد عبدالقدیر قادری (ولادت ۱۳۱۱ھ/وفات ۱۳۷۹ھ)

۶۔حضرت مولانا شاہ عبدالحمید محمد سالم القادری مدظلہ العالی (موجودہ صاحب سجادہ)

حضرت مولانا شاہ عبدالمجید بدایونی بن عبدالحمید عثمانی (وفات ۱۲۳۳ھ) بن مولوی محمد سعید بن مولوی محمد شریف بن مولوی محمد شفیع بدایونی کی ولادت ۲۹/رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ مطابق اپریل ۱۷۶۴ء کو عثمانی خاندان میں مولوی محلّہ بدایوں میں ہوئی۔'' تاجدار عارفان محبوب حق'' فقرہ سال ولادت ہے۔ تاریخی نام ''ظہور اللہ'' قرار پایا اور والدین نے ''عبدالمجید'' نام رکھا۔

ہوش سنبھالا تسمیہ خوانی کی رسم ادا ہوتے ہی تعلیم وتربیت کے لیے والدین نے حضرت بحر العلوم مولوی محمد علی بدایونی کی خدمات حاصل کیں جو قاضی مبارک گوپامئوی اور قاضی مستعد خاں دہلوی کے شاگرد تھے،ان کے علاوہ اپنے ماموں حضرت مولانا محمد عمران خطیب اور پھوپھا حضرت مولانا مفتی شاہ عبدالغنی قدست اسرارہم سے بھی کسب فیض کیا،

اکثر کتب مروجہ انھیں کی خدمت میں رہ کر پڑھیں، ان کے انتقال کے بعد مولوی ذوالفقار علی ساکن قصبہ دیوہ ضلع بارہ بنکی تلمیذ مولانا نظام الدین بن مولانا قطب الدین سہالوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولوی سید محمد حسین بدایونی لکھتے ہیں۔

''حضرت بحرالعلوم قطب زماں مولانا محمد علی کی تعلیم وتربیت میں دس برس تک رہے گیارہویں سال سے ہی حضرت بحرالعلوم نے نماز تہجد پڑھنے اور شب بیداری کا خوگر کیا، اپنے ماموں مولانا خطیب محمد عمران، مفتی عبد الغنی (پھوپھا) اور مولانا بحرالعلوم (پھوپھا) جیسے بزرگ، خدا رسیدہ اشخاص کے ظل عاطفت میں تعلیم وتربیت پائی۔ بعد وصال استاذ بزرگ کے لکھنؤ کا عزم کیا وہاں مولانا ذوالفقار علی (ساکن دیوہ) سے (جو حضرت ملک العلماء ملا نظام الدین سہالوی کے مایہ ناز تلامذہ سے تھے) تکمیل علوم کی فرمائی۔ حسب بشارت رویائے صادقہ مارہرہ جاکر حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ اچھے میاں کے مرید ہوئے۔ ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں حج بیت اللہ وزیارت مصطفوی سے فیض یاب ہوئے۔''

(تذکرہ علمائے ہندوستان ص۲۶۲)

تحصیل علم دین سے جب آپ کی فراغت ہوگئی تو باطنی علوم کی تحصیل کے لیے کسی مرشد برحق اور شیخ کامل کی تلاش میں لگ گئے عرصہ ہوا کامیابی نہ ملی۔ اس زمانے میں مشائخ ضرور تھے مگر ان کے یہاں شریعت کی کامل اتباع نہیں تھی اس لیے دل کا میلان ان کی طرف نہ ہوسکا، تلاش مرشد کامل کا سلسلہ جاری تھا اسی دوران ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالغنی قدس سرہ نے فرمایا۔

''ہم بہ تقریب عرس شریف حضرت سیدنا شاہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مارہرہ شریف جانے والے ہیں حضرت سلطان المحبوبین سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشرف فرما ہیں جو آج کل قبلۃ الاولیاء ہیں ہمارے ساتھ وہاں چل کر حضرت کی زیارت کرنا کیا تعجب ہے؟ کہ

وہاں تمھاری مقصد برآری ہو جائے''۔

(اکمل التاریخ، محمد حسین ضیاء قادری ص ۹۵ بدایوں ۲۰۱۳ء)

دوسرے روز صبح کو مصمم ارادہ سفر فرمایا، شب کو طالع خوابیدہ بیدار ہوا، عالم خواب میں حضور سید عالم ﷺ کی مجلس اقدس کی حضوری ہوئی، دیکھا کہ مجلس آراستہ ہے ،حضرات صحابہ کرام واولیائے عظام کی صفیں حلقہ کئے ہوئے ہیں، حضرت دستگیر عالم غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت شیخ الاولیاء فرد الملۃ والدین بابا شکر گنج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضور اچھے میاں صاحب مارہروری قدس سرہ قریب تخت معلیٰ حاضر ہیں کہ اتنے میں حضور آقائے دوعالم ﷺ نے حضور غوث پاک کی طرف کچھ اشارہ فرمایا حضور دستگیر عالم نے اپنے دست حق پرست سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر حضرت اچھے میاں صاحب کے دست مبارک میں دے دیا۔

جب اس طرح یہ دولت خداداد ہاتھ آئی صبح کو ہزاروں فرحت وانبساط کے ساتھ بیدار ہوئے فورا مارہرہ شریف کا قصد فرمایا، بکمال عقیدت واخلاس حاضر بارگاہ حضور معلیٰ ہوکر شرف بیعت حاصل کیا۔(اکمل التاریخ جلد اول ص ۹۶)

یہ مسئلہ کس طرح حل ہوا اس کی تفصیل مولوی افضل صدیقی بدایونی کی تصنیف " هدايت المخلوق " میں ہے جو حضور شمس مارہرہ حضرت آل احمد اچھے میاں کی حیات میں ہی تالیف کی گئی ہے اور حضرت کی نظر سے گذری بھی ہے۔مولوی مجاہد الدین ذاکر بدایونی نے اس کا ترجمہ " تنبيه المخلوق " کے نام سے کیا ہے جسے بعینہ مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری نے اپنی تصنیف" تذکرہ شمس مارهره "میں بدیں طور درج کیا ہے۔

''جناب فیض مآب فضیلت پناہ حقیقت آگاہ گوہر یکتائے شریعت در بحر حقیقت وطریقت قدوۃ العارفین، زبدۃ السالکین، مقبول کونین، حاجی الحرمین، حضرت مولانا عین الحق عبد المجید قدس سرہ الحمید ایک مرتبہ ایام جوانی میں بہ ارادہ طالب علمی لکھنؤ کو گئے اور وہاں ایک مدت تک قیام کر کے تحصیل علم کیا اور اکثر مجالس فقرا ومساکین میں حاضر ہوتے تھے، اور

اہل اللہ اور کامل کو ڈھونڈ ھتے تھے ،لیکن کوئی کامل نہیں ملتا تھا ،سب میں زور پاتے تھے، آخر کو اس فرقے سے ایسے منحرف اور محترز ہوئے کہ ہمیشہ کہا کرتے تھے ،''تمام جہاں ڈھونڈ ھا کوئی اہل اللہ نہیں پایا جا بجا دوکانداری ہے کسی میں سر موفقر نہیں،'' محمد افضل کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اور مفتی ابوالحسن نے ارادہ جانے مارہرہ کا کیا جناب مولوی (عین الحق عبدالمجید) نے فرمایا'' ارادہ میرا بھی ہے بطریق سیر جب تم چلوتو مجھ کو مطلع کر دینا میں بھی چلوں گا'' مفتی صاحب نے مجھ سے (مولوی افضل صدیقی سے) کہا مولوی صاحب کا چلنا ہمارے ساتھ مناسب نہیں اس واسطے کہ وہ اس فرقہ عالیہ کے معتقد نہیں ہیں ۔ بلکہ منکر ہیں ، خدانخواستہ اگر وہاں سے آکر خدام کی نسبت کچھ سبک حرف کہا تو ہم سے اسی وقت قطع ہو جائے گی'' ۔ میں (مولوی افضل مصنف ہدایت المخلوق نے) کہا آپ سے قطع ہو جاوے گی ہم سے ایسی بات سن کر خدا جانے کیا ہو چنانچہ ہم دونوں بلا اطلاع مولوی (عین الحق عبدالمجید) صاحب مارہرہ کو چلے گئے ، پیچھے سے مولوی (عین الحق عبدالمجید) صاحب بھی خبر پا کر روانہ ہوئے اور شرف قدم بوسی حاصل کیا۔

ان ایام میں شیخ محمد اعظم سہسوانی بھی مارہرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انھوں نے مولوی (عین الحق عبدالمجید) سے کہا تم بھی مرید ہو جاؤ، فرمایا'' میں ناخواندہ (جاہل) نہیں کہ جو مرید ہو جاؤں'' ۔

بعد پانچ چار روز کے بدایوں میں اپنے گھر آئے اور ایک شب کو خواب میں دیکھا کہ ایک صحرا وسیع ہے اور تمام زمین وہاں کی سبز وشاداب ہے ۔وسط میدان میں ایک خیمہ کھڑا ہے ۔ یہ شاہ عین الحق بھی وہاں پہنچے اس میں آواز گھوڑوں کی آئی اور اژدحام عام ہوا اور بہت نیک صورت اور نیک سیرت آدمی وہاں جمع ہو گئے ،انھوں نے (شاہ عین الحق) نے لوگوں سے

پوچھا کہ یہ کیا غوغا ہے؟ کسی نے کہا کہ جناب سید المرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ہادی جز وکل خاتم انبیا ورُسل احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تشریف لائے ہیں'' یہ سن کر یہ (شاہ عین الحق) بھی مودب کھڑے ہوگئے، دیکھا انھوں نے کہ جناب سرور عالم ﷺ بصورت حضرت مرشد اعلیٰ (حضور شمس مارہرہ) مسند پر جلوہ افروز ہیں، سر موفرق نہیں ہے۔

جس وقت بیدار ہوئے اعتقاد حضرت مرشد اعلیٰ کا دل میں بہت ہوا اور جانا کہ بے شک حضرت مرشد اعلیٰ کو نسبت حضرت رسول مقبول کے ساتھ خاص ہے پھر ارادہ مارہرہ کا کیا اور واسطے قدم بوسی کے بہ عقیدت روانہ ہوئے، جب وہاں پہنچے اور سعادت قدم بوسی حاصل کر چکے مودب بیٹھ کر دل میں کہنے لگے، کہ ''فلاں حدیث کا مطلب حضرت سے دریافت کروں'' بہ مجرد ان کے خیال کے حضرت وہی حدیث زبان سے بیان فرمائی اور ان (شاہ عین الحق) سے مطلب استفسار فرمایا۔ انھوں نے اس کا مطلب بیان کیا۔ بعدہ ایک کتاب کتابوں کے تلے سے نکال کر ان کے ہاتھ میں دی اور فرمایا: ''اس میں سے کچھ تم پڑھو انھوں نے لے کر کھولی اول یہ نکلا''

اگر طلب مولیٰ داری دست انابت به کسے بده ومرید شو بعد ازاں طلب مولیٰ کن "انھوں نے (شاہ عین الحق نے) جب یہ عبارت پڑھی دوسرے کلام پڑھنے سے باز رہے ہر چند چاہتے تھے کہ دوسرا فقرہ پڑھوں زبان پر کچھ نہ آتا تھا ایک ساعت سکوت میں رہ کر عرض کیا'' میں بھی مرید ہوں گا'' حضرت مرشد اعلیٰ (حضور اچھے میاں) نے فرمایا:'' تم عالم ہو تم کو احتیاج بیعت کی نہیں ہے'' ہر چند عرض کرتے تھے پذیرانہ ہوتا تھا بلکہ حضرت (شمس مارہرہ) کو انکار پر انکار تھا۔

آخر الامر مولوی (شاہ عین الحق) صاحب اپنی فرودگاہ پر آئے عالم رویا میں

حضرت فرید الملۃ والحق والدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولوی عبد المجید کا ہاتھ پکڑ کر دست مبارک حضرت مرشد اعلیٰ میں دیا۔صبح کو مولوی صاحب نے بعض احباب سے در بارہ بیعت سعی کرائی ، چوں کہ حضرت مرشد اعلیٰ (حضور شمس مارہرہ) نے عالم رویا میں ہاتھ ان کا پکڑا تھا اور ظاہرا کثر مرید اور غلام ساعی تھے مرید کرنا مولوی صاحب کا منظور اور قبول فرمایا اور اسی روز دوگانہ پڑھا کر مرید فرمایا۔

مولوی (شاہ عین الحق) صاحب نے حاضری پُر نور اختیار کی سالہا سال خدمت گاری میں رہے بقول شخصے کہ

یک زمانہ صحبتے با اولیا   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

بعدہ والد اور برادران مولوی صاحب داخل سلسلہ ہوئے اور جناب مولوی صاحب نے محنت اور ریاضت بے حد کی تھی ، بعد چندے مولوی صاحب کو خرقہ خلافت عطا ہوا۔

(تذکرہ شمس مارہرہ ، محمد اسید الحق قادری ص۷۹ بدایوں ۲۰۱۳ء)

کثرت مجاہدہ وریاضت کے بعد جب تکمیل مراتب ہوچکی ،تو خلافت عطا فرمائی گئی اور '' شاہ عین الحق '' کے خطاب سے سرفراز فرمائے گئے ۔آپ کے باطنی جذبات اور روحانی ولولے اگر چہ بہت کچھ آپ کو ذوق آشنائے بے خودی کرنا چاہتے تھے لیکن علوم شریعت کی زبردست قوت آگے نہ بڑھنے دیتی تھی ۔آپ کا ظاہری و باطنی کیف وسرور دیکھ دیکھ کر خود حضور اقدس اچھے میاں ارشاد فرماتے کہ

'' درویش باید کہ ظاہرش چوں ابی حنیفہ و باطنش چوں منصور وایں معنی بجز مولوی عبد المجید دیگرے ندیدہ ام '' ۔(اکمل التاریخ جلد اول ص ۹۹)

(درویش کو چاہئے کہ اس کا ظاہری امام ابوحنیفہ کی طرح ہو اور باطن حضرت منصور کی طرح اور یہ بات میں نے سوائے عبد المجید کے کسی میں نہیں دیکھی ہے)

اتباع شریعت اس درجہ ملحوظ خاطر تھا کبھی کسی وقت میں ترک سنت کا ظہور ہوا ہی نہیں ۔نوافل ومستحبات ، جو روز اول سے اختیار فرمائے آخر دم تک ترک نہ ہوئے ،ایک طرف پیر ومرشد کو آپ سے اس درجہ خصوصیت وانس تھا کہ اکثر مریدان با اختصاص اور خلفائے خاص کے حلقہ میں ارشاد فرماتے ۔

''اگر روز قیامت خداوندا کریم کی جناب سے سوال کیا گیا کہ ہماری بارگاہ کے لیے کیا تحفہ لائے ہوتو مولوی عبدالمجید کو پیش کردوں گا''۔

(اکمل التاریخ جلد اول ص ۹۹)

اس دربار سے عین الحق کا خطاب ملنے کے بعد تیس سال مکمل وہیں مرشد برحق کی خدمت میں مشغول رہے، جب آپ کے پیر ومرشد حضرت مخدوم ابوالفضل شمس الدین سید شاہ اچھے میاں نے ۱۲۳۵ھ میں ملاء اعلیٰ کا سفر کیا پھر آپ کی طبیعت لمحہ بھر کے لیے مارہرہ مقدسہ میں نہ لگتی تھی۔ اس لیے آپ نے مستقل طور پر بدایوں کی اقامت اختیار فرمائی ۔ٗ آپ کو خانوادہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے سبھی شاہزادگان مولوی کہہ کر پکارتے تھے 'آثار احمدی '' میں آپ کے مرشد نے آپ کے بارے میں نہایت بلند کلمات تحریر فرمائے ہیں ۔صاحب'' آثار احمدی'' نے لکھا ہے۔

''آنجناب دست بحبل المتین عروۃ الوثقیٰ زدہ رہگزار مقصد اعلیٰ گردید وابواب فیوض وبرکات برروئے خود کشود وجادۂ سلوک بقدم آگہی نوردیدہ چراغ امتیاز درامثال واقران برافروخت واز رتبہ عشق محویتی کمال بجمال ہمایوں بہم رسانیدہ وبسر مایہ حضوری آنجناب کامیابی حاصل ساخت واپس از طے مراحل سلوک وفقر ولباس صوفیہ وسند خلافت سلاسل عالیہ سرفرازی یافت وملازم آستان قدسی گشت جناب عالی باولی نظرے وعنایتے خاص وایشاں را بآنجناب نسبت مخصوص بل اقویٰ بود چنانچہ اکثر جناب عالی می فرمود کہ مولوی عبدالمجید بمقام ہل من مزید است وہیچو او طابعے صادق ویار موافق نیست وبمفاوضات شریفہ سرنامہ نامش افضل

العبید مولوی عبدالمجید فرمود‘‘۔

(آثار احمدی بحوالہ اکمل التاریخ جلد اول ص ٩٦)

(حبل المتین وعروہ وثقیٰ ان کے ہم دست تھی، مقصد اعلیٰ کے رہگذار، فیوض وبرکات کے دروازے اپنے اوپر کشادہ کیے، سلوک کے راستے پر معرفت کا قدم رکھا، اپنے معاصرین واقران میں امتیاز کا چراغ روشن کیا، رتبہ عشق سے ایسے سرفراز ہوئے کہ جمال شمس مارہرہ میں کمال محویت حاصل ہوئی، شمس مارہرہ کے دربار کی حضوری کا سرمایہ نصیب ہوا سلوک وفقر کے مراحل طے کرنے کے بعد سلاسل عالیہ کی سند خلافت سرفراز ہوئے شمس مارہرہ کی آپ پر خاص نظر اور خاص عنایت تھی اور یہ بھی نسبت مخصوص رکھتے تھے، چنانچہ شمس مارہرہ اکثر فرمایا کرتے تھے ’’مولوی عبدالمجید مقام ہل من مزید پر ہیں اوران جیسا کوئی دوسرا خادم صادق اور یار موافق نہیں‘‘ حضور شمس مارہرہ اپنے مکتوبات میں ’’افضل العبید مولوی عبدالمجید‘‘ لکھ کر مخاطب فرماتے تھے)

یوں تو بدایوں کا عثمانی خاندان ہمیشہ سے علم ومعرفت میں مشہور چلا آتا تھا مگر آپ کے زمانے میں اس نے کافی شہرت پائی اور آپ کی ذات بابرکات سے بے شمار خلائق نے راہ ہدایت پائی۔ جب تک پیر ومرشد حیات رہے آپ نے باوجود خلافت واجازت کے کسی کو داخل سلسلہ نہیں کیا۔ پیر ومرشد کے وصال کے بعد بدایوں کی سرزمین پر خانوادہ قادریہ کی شمع حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ١٢٣۵ھ میں رکھی اور پھر یہاں سے رشد وہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔شہر کے تمام معزز خاندانوں کے افراد آپ کے ہاتھ پر سلسلہ قادریہ آل احمدیہ میں داخل ہوئے۔مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں۔

’’وطن میں جب سجادہ طریقت پر آپ نے جلوس فرمایا آپ کے فضل وکمال زہد وتقدس اور تصوف وکرامات کا شہرہ دور دراز تک پہنچا تشنگان بادۂ طریقت اور مشتاقان صہبائے حقیقت آپ کے در دولت کو میخانہ خدا شناسی

سمجھ کر ساغر بکف آنا شروع ہوئے اور فیض ساقی سے سرشار ومخمور ہوکر عرفان الٰہی سے ذوق آشنا ہوئے۔ غربا ومساکین امراوعمایدآپ کی کفش برداری ہمیشہ باعث صد افتخار سمجھتے رہے علماء ومشائخ آپ کی نگاہ کرم کے متمنی ہوکر آپ کے باب فیض پر ناصیہ فرسائی کو ہمیشہ ذریعہ تقرب الی اللہ جانتے رہے۔ خاص بدایوں کے معزز شرفا میں کوئی ایسا گھرانہ نہ تھا جو آپ کے سلسلہ ارادت میں داخل نہ ہوا ہو"۔ (اکمل التاریخ جلد اول ص ۱۰۰)

آپ سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کرنے والوں کی تعداد شمار سے زیادہ ہے البتہ جن حضرات کو آپ نے خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا ان میں درج ذیل حضرات نے کافی شہرت حاصل کی۔

۱۔ حضرت مولانا محمد مکی

۲۔ حضرت میاں مستان شاہ کمبل پوش اجمیری

۳۔ حضرت مولانا شیخ مصلح الدین فتح پوری

۴۔ حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی خلف الرشید (علیہم الرحمۃ والرضوان)

جن حضرات نے آپ سے کسب علم کیا ان میں درج ذیل حضرات نے کافی شہرت حاصل کی۔

۱۔ حضرت سید شاہ آل رسول سجادہ نشین مسند مارہرہ برکاتیہ ضلع ایٹہ

۲۔ مولوی افتخار الدین صاحب بدایونی

۳۔ مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کشفی کانپوری بدایونی

۴۔ مولوی شاہ عبد الوالی صاحب بدایونی

۵۔ مولانا شاہ فضل رسول صاحب خلف الرشید

۶۔ مولانا خلیفہ عبد الکریم صاحب لکھنوی

۷۔ مولوی سید شرف الدین (علیہم الرحمۃ والرضوان)

رشد وہدایت اور دعوت وتبلیغ کی گوناگوں مصروفیات کے ساتھ ساتھ قرطاس وقلم

سے بھی آپ کا رشتہ استوار رہا۔ جو تصانیف آپ کے نوک قلم سے منظر عام پر آئیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ مواہب المنان شرح فارسی جواہر الرحمان (ملفوظات غوثیہ)

۲۔ محافل الانوار فی حال سید الابرار

۳۔ ہدایۃ الاسلام رد فرقہ اسماعیلیہ وہابیہ

۴۔ رد روافض فارسی

۵۔ ترجمہ فارسی کتاب الصلوٰۃ

امام الاولیاء حضرت شیخ صاحب کشف و کرامت بھی تھے آپ کی متعدد کرامتوں کا ذکر مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی نے اپنی تصنیف ''اکمل التاریخ'' میں کیا ہے۔ یہاں اسی کتاب کے حوالہ سے دفع افلاس کا ایک واقعہ درج کیا جارہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

ایک مرتبہ مدرسہ قادریہ (بدایوں) میں حضرت تشریف فرما تھے۔ ایک شخص شریفانہ صورت مگر چہرہ سے ہراس و تنگ دستی کے آثار ظاہر، آکر قدم بوس ہوئے اور بے ساختہ رونا شروع کردیا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا آپ ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہمراہ صحن مدرسہ میں لائے ایک گھاس زمین سے اکھاڑ کر ان کو دی اور فرمایا کہ اس گھاس کو تانبے کے ساتھ تاؤ دے کر سونا بنالینا اس وقت فقیر کے پاس اور کچھ موجود نہیں ہے۔ وہ شخص اسے لے کر خوش خوش گھر پہنچا جس قدر برتن وغیرہ جلدی میں ہاتھ لگے سب کو گلا کر اس گھاس میں ڈال دی قدرت باری سے تمام تانبا سونا ہوگیا۔ ان پریشان حال بزرگ کی ساری تکالیف رفع ہوگئیں جس قدر قرض تھا وہ بھی ادا ہوگیا خوش حالی دامن گیر ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے ''مدرسہ قادریہ شریفہ'' میں آکر اس گھاس کو تلاش کیا مگر کامیاب نہ ہوئے۔

زہد و ریاضت اور رشد و ہدایت کی گوناگوں مصروفیات کے ساتھ پرورش لوح و قلم کا بھی سلسلہ جاری رہا، آپ کے نوک قلم سے درج ذیل کتابیں متعدد موضوعات پر منظر عام پر آئیں۔

۱۔ مواہب المنان (فارسی) یہ کتاب حضور غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ

الرحمۃ والرضوان کے ملفوظات شریفہ ''جواہر الرحمان'' کی کامل و مکمل شرح ہے۔ یہ کتاب بہ اشارت باطن حسب فرمان حضور اچھے میاں صاحب قدس سرہ لکھی گئی ہے۔

۲۔ محافل انوار شریف ، کتاب کا مکمل نام ''محافل الانوار فی احوال سید الابرار'' ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہے۔ یہ کتاب بھی حضور اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کی فرمائش سے تحریر کی گئی ہے۔

۳۔ کتاب الصلوٰۃ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے ۔حضرت سیف اللہ المسلول قدس سرہ کی عربی کتاب ''کتاب الصلوٰۃ'' کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے۔

۴۔ ھدایت الاسلام یہ کتاب فارسی زبان میں تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی کا رد ہے۔

۵۔رسالہ ردروافض میں فارسی زبان میں یہ رسالہ ہے۔

آپ جب تک حیات رہے فیوض و برکات کے دریا بہاتے رہے نہ جانے کتنے بندگان خدا نے آپ کی صحبت سے اپنے قلوب کو انوار وتجلیات کا منبع وسرچشمہ بنایا ان کی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جاسکتی البتہ جن باکمال شخصیات کو آپ نے خلافت واجازت کی دولت بے بہا سے سرفراز فرمایا ان میں درج ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔

۱۔حضرت مولانا شیخ سید شرف الدین شہید دہلوی (وفات ۱۸۵۷ء)

۲۔حضرت شیخ سید شاہ ظہور حسن مارہروی (وفات ۱۸۵۰ء)

۳۔حضرت سید شاہ ظہور حسین مارہروری (وفات ۱۸۹۵ء)

۴۔حضرت شیخ اسد اللہ قادری (وفات ۱۸۵۵ء)

۵۔حضرت شیخ معین الدین فتح پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۶۔حضرت مستان شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۷۔حضرت مولانا شیخ عبد الکریم لکھنوی (وفات ۱۸۴۰ء)

۸۔حضرت میاں عبد اللہ شاہ قادری (وفات ۱۸۸۰ء)

۹۔حضرت مولانا شیخ محمد مکی (وفات ۱۸۴۴ء)

'مظهر العلماء' نامی مخطوطہ میں ہے کہ آپ کا وصال پچاسی سال تین ماہ اٹھارہ یوم کا سن شریف پا کر ۱۷/محرم الحرام ۱۲۶۳ھ میں ہوا۔ آپ کے صاحبزادہ شاہ معین الحق فضل رسول صاحب نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔(مظہر العلماء ص ۱۵۵ بحوالہ تذکرہ خانوادہ قادریہ ص ۳۰)۔مزار شریف بیرون شہر جانب غرب ایک عالی شان درگاہ کے اندر پتھر کا بنا ہوا ہے سنگ مزار پر درود شریف اور ''مدفن خاتم اولیا'' کندہ ہے۔شرقی پہلو میں آپ کی اہلیہ مدفون ہیں، گوشہ شمالی مشرق میں میاں حبیب اللہ شاہ قادری کا مزار ہے۔ان کے شرقی پہلو میں حاجی عبدالرحیم قادری مدفون ہیں۔

"تذكرة الواصلين" کے مصنف لکھتے ہیں کہ ہر جمعہ کو مزار مقدس پر ایک دو قرآن شریف کا ختم بلا ناغہ ہوتا ہے۔عرس سالانہ میں دو روز تک بکثرت ختم قرآن شریف کا معمول ہے۔بالجملہ جب سے آپ کی وفات ہوئی اس وقت تک ہزار ہا ختم قرآن شریف کی آپ کی بارگاہ میں نوبت آئی ہے۔

(تذکرۃ الواصلین ص ۲۳۶ بحوالہ تذکرہ خانوادہ قادریہ ص ۲۰)

آپ کی وفات کے بعد اسی خانوادہ عثمانی کے علماء ومشائخ یکے بعد دیگرے مسند سجادگی پر رونق افروز ہو کر رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے اور بفضلہٖ تعالیٰ دوصدیوں کے بعد بھی رشد وہدایت کا یہ سلسلہ جاری وساری ہے، آج کل اس خانقاہ عالیہ قادریہ کے زیب سجادہ حضرت اقدس شیخ عبدالحمید محمد سالم القادری مدظلہ العالی کی ذات بابرکت سے غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں مارہروی کا فیضان جاری ہے۔

حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید کی رحلت پر علماء وشعرا نے تاریخی قطعات قلم بند کیے ہیں۔ مفتی سعداللہ آشفتہ مرادآبادی نے درج ذیل قطعہ تاریخ وصال لکھا۔

جناب مقدس شہ کاملیں ۔۔۔ امام ہدیٰ قدوہ اہل دیں
بعلم وعمل یادگار سلف ۔۔۔ زفیضش منور دل عارفیں
شہ اولیا شاہ عبد المجید ۔۔۔ خدایش دہد جنت وحور عیں

(تذکرہ علمائے ہند: رحمان علی ص۳۲۳ بحوالہ تذکرہ خانوادہ قادریہ ص۱۵ بدایوں ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا شاہ دلدار علی مذاق بدایونی شاگرد رشید ذوق دہلوی نے یہ قطعہ وصال لکھا۔

عین دریا کیوں نہ ہووئے چشمۂ چشم مذاق
واصل حق ہوگیے حضرت جناب عین حق

جسم خاکی سے ہوئی جب روح پاک ان کی رواں
ہوگیا فرشی وعرشی کا جگر اس غم سے شق

آگیا اس حادثہ سے شش جہت میں زلزلہ
از زمیں تا آسمان ہلنے لگے چودہ طبق

کر چکے وہ مملک فقر وفنا کا انتظام
باقی ہے ملکِ بقا کا کرنا اب نظم ونسق

عین آل احمد وعین نبی عین علی
عین عبد القادر وعین حقیقت ، عین حق

ہیں یہ سب رتبے حقیقت میں انھیں کے واسطے
حق تو یہ ہے ان مراتب کے وہی ہیں مستحق

نزع کے دم چہرہ انور کی جب دیکھی چمک
شرم سے صاف آگیا خورشید کے منہ پر عرق

اپنا ویرانہ انھیں کے دم سے شاد آباد تھا
اب ہوا غم خانۂ دل جیسے صحرا لق ودق

جاں بحق تسلیم سترہویں محرم کو ہی کی
عشق کے شاہ شہیداں کا نبھایا کیا ہی حق

پڑھ کے اس مصرع کو کھینچی ہاتف غیبی نے آہ
پیر بر حق ، عین حق حق ہوگیے از امر حق

(تذکرہ علمائے ہندوستان ص ۲۶۳)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت منور علی شاہ قادری، ہمت گنج، الہ آباد، یوپی

علیہ الرحمۃ والرضوان

ہندوستان میں مسلمانوں کے قدم اگرچہ اوائل اسلام ہی میں پہنچ چکے تھے لیکن جن مجاہدین اسلام کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے ہندوستان اور بطور خاص اتر پردیش میں اسلام کا پرچم بلند ہوا ان میں سیدنا سالار مسعود غازی (شہادت ۴۲۴ھ) قطب الہند شیخ عبدالوہاب جیلانی ناگور (وفات ۶۰۲ھ) خواجہ اجمیر حضرت سیدنا شیخ معین الدین چشتی (وفات ۶۲۷ھ) مخدوم سمناں سیدنا مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی (وفات ۸۰۸ھ)

حضرت بدیع الدین شاہ مدار مکن پور(وفات ۸۴۰ھ)حضرت مخدوم شاہ مینا لکھنؤ (وفات ۸۷۰ھ)حضرت مخدوم عبد الحق ردولی (وفات ۸۳۷ھ)حضرت وارث علی شاہ (وفات ۱۹۰۵ء) دیوہ حضرت شیخ قطب الدین مدنی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے مشائخ کرام کے اسمائے گرامی کافی اہم ہیں ۔شمالی ہند کا کون سا ایسا صوبہ ہے جہاں سید سالار مسعود غازی کی فوجوں نے دشمنان اسلام سے معرکہ آرائی نہ کی ہو،جن علاقوں میں یہ معرکے ہوئے اس کی مختصر فہرست مسلمان اور ہندوستان نامی کتاب میں مولانا بدر القادری نے پیش کی ہے۔

’’بنارس، غازی پور،مئو،مبارک پور،ہمیر پور،ٹانڈہ مئو،قاضی طیب،الہ آباد، فتح پور ہنسوہ،فیض آباد،ایودھیا،بہرائچ،مہوبا،گوپا مئو،کڑہ مانک پور،ڈلمئو، ردولی اوراودیانگر(جائس)وغیرہ‘‘۔(مسلمان اور ہندوستان ص ۲۰۸)

سچ تو یہ ہے کہ سب سے پہلے جس بندۂ خدا نے اتر پردیش میں مسلمانوں کی بستی آباد کی اور مسلسل جہاد سے باشندگان اتر پردیش کے دلوں کو عظمت اسلام سے مالا مال کیا وہ سیدنا سالار مسعود غازی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ہی ہیں۔مولوی مسعود علی محوی لکھتے ہیں۔

’’صوبہ اودھ میں مسلمانوں کی پہلی آبادی کی بنیاد تقریباً ۴۲۱ھ میں پڑی یہ نو آبادی باوجود اپنے نوجوان سردار کی شہادت کے جو بہرائچ میں واقع ہوئی نہ صرف اپنے پاؤں جمائے رہی بلکہ قرب ونواح کے دشمنوں سے مقابلہ کرتی اور اپنے حدود واختیارات بڑھاتی رہی‘‘۔

(مخدوم زادگان فتح پور ص ۳۲)

امیر کبیر سید قطب الدین مدنی (وفات ۶۷۷ھ) شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلفاء میں سے تھے ،سلطان قطب الدین ایبک یا شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں ہندوستان آئے۔ایک عرصہ تک ’’شیخ الاسلام‘‘ کے منصب پر فائز رہے، پھر کڑہ مانک پور فتح کر کے وہیں قیام پذیر ہوگئے۔کڑہ مانک پور میں اپنے قیام سے اس سر زمین کو صد رشک بریں بنادیا اور اس سر زمین کے باشندوں کو ان کی ذات والا صفات سے جو ابدی سعادت

اور دارین کی دولت ملی اس کا کوئی شمار نہیں۔

حضرت سیدنا مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی نے جہاد بالسیف کے ذریعہ نہیں بلکہ اپنی باطنی قوت اور روحانی کمالات کے ذریعہ ٹھیک اسی طرح اسلام کی حقانیت کا پرچم بلند کیا جس طرح چھٹی صدی ہجری میں سیدنا شیخ معین الدین چشتی اجمیری نے اپنے روحانی کمالات سے دین حق کی اشاعت فرمائی۔ مشرقی اتر پردیش میں جو اسلام کی روشنی نظر آرہی ہے اس میں آپ کی تبلیغی مساعی کا حصہ کافی ہے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مصنف لکھتے ہیں۔

> ''جب آپ شہر جونپور سے کچھوچھہ مقدسہ تشریف لے گئے تو وہاں ایک جوگی جو اپنے پانچ سو مریدوں کے ساتھ ہوا میں اڑتا تھا ملاقات ہوئی اس سے آپ کا سخت ترین مقابلہ ہوا آپ کو شکست دینے کے لئے وہ طرح طرح کے حربے استعمال کرتا تھا لیکن اسے اس میں کامیابی نہ ملتی آخر ناچار وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر دولت ایمان سے مالا مال ہو گیا۔ پھر وہاں ایک خانقاہ اور ایک حجرۂ خاص کی تعمیر ہوئی اور ایک فرحت بخش باغ کی بنیاد ڈال کر اس کا نام ''روح آباد'' رکھا گیا''۔
>
> (غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۷۵)

جو قادری مشائخ اتر پردیش کی سرزمین پر آئے اور انھوں نے سلسلہ کے فیضان کو عام و تام کیا ان میں ''جھنڈے والے پیر'' شیخ عبد اللہ انصاری بدایوں (چھٹی صدی ہجری) حضرت محبوب الٰہی کے نانا حضرت خواجہ سید عرب بخاری بدایوں (وفات ۶۲۸ھ) حضرت سید شاہ جمال قادری المعروف بہ ''چراغ ہند'' بلیا، حضرت محمود سرخ بخاری بدایوں (وفات ۷۱۸ھ) حضرت شیخ قاضی ضیاء الدین عرف قاضی جیا اناؤ (وفات ۹۸۹ھ) حضرت شاہ محمد جنید قادری غازی پور (وفات ۹۹۹ھ) حضرت شیخ جمال الاولیاء کوڑہ جہاں آباد (وفات ۱۰۴۷ھ) حضرت شیخ میر سید محمد کالپی (وفات ۱۰۷۱ھ) حضرت سید عبد الرزاق بانسہ لکھنؤ (وفات ۱۱۳۶ھ) حضرت سیدنا شاہ برکت اللہ مارہرہ (وفات ۱۱۴۲ھ) حضرت شاہ محمد وارث رسول نما بنارس (وفات ۱۱۶۶ھ) حضرت

شاہ منور علی قادری الہ آباد (وفات ۱۱۹۹ھ) حضرت شاہ جمال اللہ قادری رام پور (وفات ۱۲۰۹ھ) حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کاکوری لکھنؤ (وفات ۱۲۲۱ھ) حضرت شاہ عین الحق عبد المجید بدایوں (وفات ۱۲۶۳ھ) حضرت شاہ جی محمد شیر میاں پیلی بھیت (وفات ۱۳۲۴ھ) حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلی (وفات ۱۳۴۰ھ) نے کافی شہرت حاصل کی ان حضرات کے علاوہ جو خانقاہیں رشد وہدایت کا مرکز رہیں ان میں درج ذیل خانقاہیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

خانقاہ قادریہ بلگرام شریف ، خانقاہ قادریہ کالپی شریف ،خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ ، خانقاہ قادریہ بدایوں شریف ، خانقاہ قادریہ کاکوری شریف ،خانقاہ رضویہ بریلی شریف،خانقاہ رزاقیہ بانسہ شریف لکھنؤ۔

ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش میں جن مشائخ نے دین حق کی نشر واشاعت اور گم گشتگان راہ کو راہ ہدایت سے ہمکنار کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ان میں حضرت منور علی شاہ الہ آبادی کی خدمات کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت منور علی شاہ بانی سلسلہ قادریہ حضرت سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خادم خاص تھے۔سیدنا غوث کی خدمت کرنے کا شرف آپ کو بلا واسطہ حاصل تھا،عبداللہ بن سید عبد، حضرت ضیاء ابونجیب عبدالقادر سہروردی کے آپ بھانجے تھے،سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک پہنچ جاتا ہے۔

شاہ منور علی بن سید عبد الرحمٰن بن سید عثمان بن حضرت سید الطائفہ شیخ الشیوخ ابوالقاسم حضرت جنید بغدادی علیہم الرحمۃ والرضوان

سید مقبول احمد صمدنی کے بقول ۱۱/رمضان المبارک ۴۹۱ھ/۱۵/اگست ۱۰۹۸ءکو آپ کی ولادت ہوئی، بڑے معمراورسن رسیدہ ہوکر وفات پائی آپ سے متعلق عجیب وغریب واقعات مشہور ہیں۔(حیات جلیل دوم حاشیہ ص ۱۳۰)

خاندان کے علماء ومشائخ کے زیر سایہ علمی وروحانی تربیت ہوئی، جب آپ کی عمر ۲۸ سال کی ہوئی تو آپ نے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت

میں حاضری کا شرف حاصل کیا اور ۲۱/ذی الحجہ ۵۱۹ھ بروز یکشنبہ بعد نماز مغرب بیعت توبہ سے مشرف ہوئے، دامن ارادت سے وابستہ ہوتے ہی آپ کے دل کی دنیا کچھ اس طرح بدلی کہ پھر کبھی اپنے گھر واپس نہیں گئے۔ ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو شیخ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا، پورے بائیس سال آپ اپنے شیخ کی خدمت میں رہے اور اس دوران سیدنا غوث پاک کو وضو کرانے کی اہم خدمت آپ ہی کے سپرد تھی۔ ۲۷/شوال المکرّم ۵۴۱ھ بروز چہارشنبہ وقت نماز ظہر کا ذکر ہے کہ نماز کے لئے اپنے پیر ومرشد سیدنا غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وضو کرا رہے تھے، اسی دوران آپ نے حضرت سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان سے دریافت کیا کہ حضرت ’’آب حیات‘‘ کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ ،جس کے نوش کرتے ہی حضرت خضر علیہ السلام کو حیات ابدی نصیب ہوئی۔ یہ سننے کے بعد اسی وقت سیدنا غوث پاک علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک جرعہ (گھونٹ) پانی اپنے سیدھے ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا ’’اس وقت فقیر کے ہاتھ میں چھ سو برس کی عمر کا آب حیات ہے تو نوش کر لے‘‘ آپ نے اس پانی کو نوش کر لیا، جس وقت آپ نے وہ پانی پیا تھا اس وقت آپ کی عمر پچاس برس تھی اس آب حیات کے نوش فرماتے ہی آپ کی عمر کئی سو برس پر محیط ہو گئی، ۴۹۱ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۱۹۱ھ میں وصال ہوا اس طرح آپ ۷۰۸ سال بقید حیات رہے، آپ کی عمر طبعی صرف ۵۸ سال تھی، اس عمر طبعی میں ۶۵۰ سال کے اضافہ سے ۷۰۸ سال ہو جاتے ہیں، ۷۰۸ سال کی عمر ہی میں آپ کا وصال ہوا۔

آب حیات نوش فرمانے کے بعد غوث پاک علیہ الرحمۃ والرضوان دوسرے امور کی انجام دہی کے لئے آپ کو ادھر اُدھر بھی بھیجنے لگے، پھر کچھ دنوں کے بعد غوث پاک نے مستقل طور پر ہی آپ کو اپنے چچا زاد بھائی حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے سپرد کر دیا۔ اس طرح ۹/ذی القعدہ ۵۴۸ھ بروز دوشنبہ عصر کے وقت مستقل طور پر ان کی خدمت میں رہنے لگے۔

حضرت کبیر الدین شاہ دولہ، حضرت سعید موسیٰ حنبلی کے فرزند ارجمند تھے جو رشتے میں سیدنا غوث پاک کے چچا ہوتے تھے، انھوں نے انیسویں رجب ۵۲۱ھ بروز

پنجشنبہ بعد نماز مغرب سیدنا غوث پاک سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا اور پھر تقریباً ۲۸ ؍سال بعد ۹ ؍ماہ ذی قعدہ ۵۴۸ھ دوشنبہ کے دن بعد نماز عصر سیدنا غوث اعظم نے ایک مجلس عام میں سامنے بٹھا کر بیعت وامامت وارشاد سے مشرف فرما کر اپنی چادر جو آپ کو آپ کے پیر ومرشد سیدنا ابوسعید مخزمی اور دیگر مشائخ سلسلہ کے واسطے سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ملی تھی حضرت شاہ دولہ کے سر پر اوڑھا دی اور اپنے ہاتھ سے سر پر سبز عمامہ باندھا اور خرقہ پہنایا اور بے شمار تبرکات وخلافت نامہ جات عطا کرنے کے ساتھ ساتھ عبد الغفور ابدال اور اپنے خادم خاص شاہ منور علی (علیہم الرحمۃ والرضوان) کو بطور خادم آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ (حقیقت گلزار صابری ص ۷۷)

حضرت شاہ منور علی قادری فرماتے ہیں کہ جب ۱۷؍ربیع الثانی ۵۷۱ھ کو سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کا وصال ہو گیا تو میں مستقل طور پر حضرت شاہ دولہ کی خدمت میں رہنے لگا۔ وصال کے پورے ۱۶ ؍سال بعد حضرت شاہ دولہ نے مجھ کو ۱۷؍ربیع الاول ۵۸۷ھ کو تکمیل کیفیت باطنی فرما کر بیعت امامت وارشادات سے سرفراز کیا اور خلافت نامہ عطا کرنے کے ساتھ ساتھ بہت ساری تبرکات واجازات عطا فرمائیں اور ساتھ ہی یہ نصیحت بھی فرمائی کہ جب مخدوم علی احمد صابر کلیری کے عروج ولایت کا زمانہ ہو اور تم کو باطن سے خبر ملے تو سوائے دعائے حرز یمانی شریف اور کلاہ مبارک کے کچھ بھی اپنے پاس مت رکھنا یہ تمام تبرکات عبد الغفور ابدال کے بدست ان کی بارگاہ میں بھجوا دینا یہ نصیحتیں فرمانے کے بعد انھوں نے مجھے الہ آباد جانے کا حکم دیا اور خود گجرات تشریف لے آئے۔

(حقیقت گلزار صابری ص ۷٦)

آپ جس زمانے میں الہ آباد تشریف لائے اس وقت راجاؤں اور مہاراجاؤں کا دور دورہ تھا۔ الہ آباد آنے کے بعد آپ نے جنگل کی راہ لی اور اس میں مستقل طور پر رہنا شروع کر دیا، وہ جنگل انتہائی پُر خطر تھا۔ ہزاروں قسم کے چرندے ودرندے اس جنگل میں موجود تھے، اس علاقہ کا راجہ مہاراجہ بغرض شکار اس جنگل میں کبھی کبھار جایا کرتے تھے، ایک دن کا ذکر ہے کاشی کا راجہ شکار کھیلنے کی غرض سے اس جنگل میں آیا اور جنگل میں شکار کھیلتے

کھیلتے ٹھیک اسی مقام پر پہنچا جہاں آپ کا قیام تھا۔کاشی کے راجہ نے ایک شیر پر نشانہ لگایا نشانہ چوں کہ بالکل درست تھا اس لئے وار کرتے ہی شیر اسی مقام پر ڈھیر ہو گیا، راجہ اپنے حمایتیوں سے اس شکار کو اپنے پاس لانے کے لئے کہا جب اس کے حمایتی اس شکار تک پہنچے تو ان کی حیرت واستعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی، کیوں کہ وہ شکار کوئی شیر نہیں بلکہ ایک سفید ریش بزرگ تھے اور تیر ان کی گردن میں پیوست تھا۔ راجہ کے وہ سارے حمایتی گھبرائے ہوئے واپس ہوئے اور راجہ سے شکار کی پوری کیفیت بیان کی راجہ گھبرایا ہوا خود اس سفید ریش بزرگ کے پاس پہنچا، گلے میں تیر پیوست دیکھ کر بہت نادم ہوا معافی تلافی کرنے لگا۔ راجہ کو اس بزرگ سے بے پناہ عقیدت ہوگئی اور باتوں باتوں میں راجہ ان سے اپنی تمام گھریلو پریشانیوں کا ذکر کر گیا وہ سفید ریش بزرگ جن کے گلے میں تیر لگا تھا وہی حضرت منور علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ راجہ نے آپ کو اپنے محل میں لانے اور علاج ومعالجہ کے لئے پیش کش کی ،مگر ہزار منت وسماجت کے بعد بھی آپ نہ مانے اور جنگل ہی کی زندگی کو اپنے حق میں بہتر سمجھا۔

راجہ کاشی کے پاس کوئی اولاد نہ تھی اس راجہ نے آپ سے اولاد کی تمنا ظاہر کی آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد ضرور عطا کرے گا مگر شرط یہ ہوگی کہ تم اپنی پہلی اولاد کو بطور نذر میری خدمت کے لئے میرے پاس چھوڑ دو گے، راجہ نے آپ کی یہ شرط مان لی کچھ دنوں کے بعد راجہ کے گھر میں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی راجہ اور رانی دونوں خوشی خوشی اپنے نو مولود بچہ کو آپ کی خدمت میں لائے اور دعاؤں کے طلب گار ہوئے ان دونوں نے اپنے بچے کو آپ کی خدمت میں نذر کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا ابھی آپ لوگ اسے اپنے محل سرا میں لے جائیے جب بڑا ہو جائے گا تو پھر یہاں لے آئیے گا۔حسب الحکم راجہ اور رانی اپنے بچے کو محل سرا واپس لے گئے شاہانہ انداز میں تعلیم وتربیت ہونے لگی جوں جوں بچہ بڑا ہوتا والدین کی محبت مزید بڑھتی ایک دن وہ آیا کہ فرط محبت میں راجہ اپنا وعدہ فراموش کر بیٹھا اور نیت یہ کر لی کہ اب یہ بچہ میرے پاس ہی رہے گا۔ دل میں یہ خیال پیدا ہوتے ہی شام کے وقت بچہ اپنے گھر سے غائب ہو گیا۔ ماں باپ نے اسے بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملا، اپنی

پریشانی کا ذکر کرنے اور اپنے بچے کی گم شدگی کی اطلاع دینے کے لئے جب راجہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ بچہ آپ کی خدمت میں موجود ہے، راجہ اپنی طاقت کے بل پر اپنے بچے کو اپنے گھر لے آیا، آپ نے فرمایا کہ طاقت کی بنیاد پر زبردستی بچے کو اپنے ساتھ گھر تو لے جا رہے ہو مگر روک نہیں سکو گے، راجہ بچہ کو گھر لے جا کر سخت حفاظتی بندوبست میں رکھنے لگا مگر ہوتا یہ تھا کہ اس قدر سخت پہریداری کے باوجود بھی بچہ رات میں غائب ہو جاتا۔ جب کسی طرح راجہ اپنے بچہ پر قابو نہ پا سکا تو پھر مجبوراً اپنے لڑکے کو راجہ کاشی نے آپ کی خدمت میں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک دن لے جا کر وہ اپنے لڑکے کو آپ کی خدمت میں چھوڑ آیا۔

حضرت شاہ منور علی کو اس لڑکے سے بے حد محبت تھی۔لڑکا بھی دل وجان سے آپ کا عقیدت مند تھا۔اسی فرط محبت کی بنیاد پر آپ نے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد تیرا مزار بھی یہیں بنے گا اور آنے والوں کے لئے یہ شرط ہوگی کہ جو میرے پاس آنا چاہے گا وہ پہلے تمھارے یہاں حاضری دے گا۔آپ کی یہ خواہش پوری ہوئی، ان دونوں بزرگوں کا مزار آج بھی ہمت گنج الہ آباد میں مرجع انام ہے۔

حضرت شاہ منور علی جب تک بقید حیات رہے رشد وہدایت کا سلسلہ چلتا رہا بیشتر لوگوں کو آپ کی بارگاہ سے خلافت ملی اور ہزاروں انسانوں نے سلسلہ قادریہ کا فیضان آپ سے حاصل کیا۔رام پور حضرت شاہ عبد الکریم عرف ملا فقیر اخوند آپ ہی کے مرید وخلیفہ تھے۔اس کا ذکر "تذکرہ کاملان رام پور" کے مصنف ملا فقیر اخوند کے حالات میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

> ''نام آپ کا شاہ عبد الکریم عرف ملا فقیر اخوند ہے، ولادت آپ کی مقام گجرات سرحد پنجاب میں تخمیناً ۱۱۴۳ھ میں ہوئی۔علوم ظاہری میں دست گاہ کامل تھی، تصوف وفقر میں شاہ منور علی الہ آبادی سے خلافت پائی''۔
>
> (تذکرہ کاملان رام پور ص ۳۲۱)

شاہ عبد الکریم کا آپ سے خلافت پانے کا ذکر فضل حسن صابری نے ان لفظوں

میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''حضرت شاہ عبدالکریم ملا اخوند صاحب مصطفےٰ آبادی بحکم الٰہی باطن الہ باد تشریف لائے اور پندرہویں ربیع الآخر ۱۱۹۹ھ کو بروز چہار شنبہ نماز اشراق کے وقت وہاں پہنچے حضرت شاہ منور علی خدمت میں حاضری دی اور قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ پھر تھوڑی دیر تنہائی میں تعلیم باطن سے متعلق گفتگو ہوتی رہی ۔وقت دوپہر جلد حرز یمانی شریف کی تلاوت فرمائی، کتاب کی یہی وہ جلد تھی جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تلاوت میں رہی، بعد تلاوت فرمایا تھوڑی دیر مجھ سے جدا ہو جاؤ،تھوڑے عرصہ میں آجانا جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو میری پیشانی کو بوسہ دے کر اپنی پیشانی سے مس کیا اور بیعت وخلافت کی عظیم دولت سے مالا مال کر کے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے دفینہ کے بعد یہاں سے جانا حضرت شاہ عبدالکریم فرماتے ہیں، کہ اس کے بعد آپ کا وصال ہو گیا ،حضرت کی تکفین وتدفین کر کے میں مصطفےٰ آباد واپس آگیا''۔

(حقیقت گلزار صابری ص ۷۷)

اس طرح آپ زندگی کی سات سو آٹھ بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء میں سلسلہ قادریہ کی دولت وتبرکات حضرت شاہ عبدالکریم مصطفےٰ آبادی (رام پوری) کو سپرد کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے ۔اورالہ آباد کے اسی جنگل میں جہاں آپ نے بود و باش اختیار کی تھی مدفون ہوئے وہی جگہ آج ''ہمت گنج'' کے نام سے مشہور ہے۔ استقامت کانپور اولیاء نمبر میں ہے۔

''الہ آباد وہ مبارک شہر ہے جہاں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بلاواسطہ خلیفہ وجانشین شہنشاہ ولایت حضرت شاہ منور علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابدی نیند سو رہے ہیں''۔(استقامت اولیاء نمبر جنوری ۱۹۸۷ء ص ۱۲۴) (تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم ص ۱۹۲)

آستانہ عالیہ حضرت شیخ جنید قادری، غازی پور، یو پی

علیہ الرحمۃ والرضوان

خدیو کشور ترک و تجرید، صاحب دیہیم کمالات تفرید، والی سلطنت نشاط و سروری، قطب روزگار حضرت شیخ جنید غازی پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آپ کی ولادت ۹۳۶ھ مطابق ۱۵۲۰ء میں صوبہ بہار کے موضع حسن پوراوشری ضلع سارن کے حسینی سادات گھرانے میں ہوئی۔ اور شاہ مخدوم شاہ ابوالفتح کی زندگی کے آخری ایام میں غازی پور تشریف لائے۔ ''نسب نامہ السادات'' کے حوالہ سے صاحب ''تذکرہ مشائخ غازی پور '' نے لکھا ہے۔

''شاہ جنید قادری در آخر عمر شاہ مخدوم شاہ ابوالفتح چشتی در غازی پور آمدند۔
وطن وولادت شاہ جنید قادری در سرکار حسن پوراوشری سارن بہار بود''۔
(تذکرہ مشائخ غازی پور عبید الرحمان صدیقی ص۳۱۲ دہلی ۲۰۰۱ء)
(شاہ جنید قادری مخدوم شاہ ابوالفتح چشتی کے آخری ایام میں غازی پور آئے ،شاہ جنید قادری کی ولادت حسن پوراوشری سارن بہار میں ہوئی)

آپ کے جد اعلیٰ حضرت سید حامد بن سید کریم اللہ بن سید عبد الرزاق قادری بن حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی نے بادشاہ تغلق کے عہد حکومت میں ملک یمن کی سلطنت کو چھوڑ کر ہندوستان کی طرف ہجرت فرمائی اور یہاں میاں فخر الدین بن فضل اللہ بن عبد الصمد بن عبد الرشید بن عبد المطلب بن اسحاق بن عبد اللہ المکارم بن عبد الواسع بن عبد الغفار بن عبد اللہ بن عثمان بن عفان خلیفہ سوم کی دختر نیک اختر سے عقد فرمایا۔

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید حسن اور والدہ ماجدہ کا نام ''گشائیں بی بی '' تھا۔ والد ماجد سلطان ابراہیم لودی کے امرا میں شمار کیے جاتے تھے۔ ''برصغیر کی مشہور

درگاہ'' کے مطابق سید حسن قادری، ابراہیم لودی بادشاہ ہند کے امرا میں حسن پور اور شری بہار میں ایک بہت بڑے عہدہ پر فائز تھے۔ یک بیک آپ پر مجذوبیت کا غلبہ ہوا اور تمام عیش وعشرت کو خیر آباد کہہ کر یاد الٰہی میں مستغرق ہوگئے۔اور اسی عالم جذب میں اپنے فرزند حضرت شاہ جنید قادری کو چھوڑ کر جنگل کی راہ لے لی۔

حضرت شاہ جنید قادری بھی بچپن سے ہی یاد الٰہی میں مستغرق رہا کرتے تھے ایک واقعہ جس نے آپ کی زندگی کا رخ بدل دیا وہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ عالم جوانی میں آپ شکارگاہ میں فن شہ سواری میں مصروف تھے۔آپ نے ایک باز کو ایک کبوتر کے شکار پر چھوڑا شکار پرندہ آپ کے باز کے پنجے میں نہ آسکا اور اڑ کر دوسرے پیڑ پر جا بیٹھا۔اور بزبان فصیح حضرت سے مخاطب ہوا'' اے جنید تم اس لیے نہیں پیدا کئے گیے ہو کہ مخلوق خدا کو پریشان کرو تم تو کسی اور ہی مقصد کے لیے پیدا کیے گیے ہو''۔ یہ سننا تھا کہ آپ بیہوش ہوکر گھوڑے پر سے گر پڑے۔انوار وتجلیات سے آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔تمام اسباب دنیا داری چھوڑا اور لباس شاہانہ ترک کیا اور سفر پر نکل پڑے۔مشہور ہے کہ کتابیں لے کر ظفرآباد جون پور تشریف لے گئے، اور آپ نے وہاں مخدوم شیخ شمس الحق عرف بڈھن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صرف ونحو، معانی وفقہ حدیث کی کماحقہ قدرت حاصل کی۔ علوم نقلیہ میں آپ نے کمال حاصل کیا۔ایک دن آپ محو عبادت تھے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی خواب میں بشارت ہوئی کہ زیارت حرمین شریفین ومدینہ منورہ وبغداد شریف کا سفر کرو چنانچہ آپ نے اپنے خواب کا ذکر اپنے استاد سے کیا۔آپ کے استاد نے فوراً اجازت دے دی۔آپ نے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا وہاں حاضری دی۔حکم ہوا کہ بغداد جاؤ آپ بغداد تشریف لے گئے ۔اور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے روضہ اقدس پر چلہ کش ہوئے ۔۔غوث پاک کی روح مقدس نے آپ کو سلوک کی منزلیں طے کرائیں اور اپنی مریدی میں لیا اور حکم ہوا کہ باطنی طور پر تم میرے مرید وخلیفہ ہو۔مگر ظاہری طور پر میرے فرزند سید درویش محمد کے پاس جاؤ ان کے ہاتھ پر بیعت کرو اور تبرکات جو تمھاری میراث ہیں انھیں حاصل کرو۔حسب الحکم آپ نے سید محمد درویش قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں

حاضری دی ۔ بیعت حاصل کیا، خلافت سے نوازے گیے ۔ جب روضہ اقدس پر تشریف لائے تو قبر اطہر سے آواز آئی ’’از غازی پور تا سرحد بنگالہ قطب باش‘‘ (غازری پور سے لے کر سرحد بنگالہ تک کی قطبیت عطا ہوئی) سید محمد درویش نے تبرکات عطا فرمایے اور غازی پور جانے کا حکم دیا۔

آپ مشرباً قادری تھے ۔حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی روح پُر فتوح سے بہت سے فیوض معنوی حاصل کر کے درجہ تکمیل کو پہنچے۔آپ کے شاہزادہ حضرت شاہ غلام حسین کا بیان ہے کہ

آپ شیر شاہ سوری کے وزیر سیف الملوک کے بھانجہ اور داماد تھے۔ ابتدائے حال میں ناز ونعمت کے ساتھ زندگی بسر کی ۔ایک دن ایک نان بائی کو کندہ دوزی کی وجہ سے ایسا مارا کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔سیف الملوک نے آپ کو نصیحت کی کہ غریبوں کے حال پر اس قدر غضب ناک نہیں ہونا چاہئے کہ کہیں غیب سے تم پر کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے ۔ یہ بات آپ کے دل میں اتنی اثر کر گئی کہ تنہا گھر سے نکلے اور حرمین شریفین کی زیارت کی وہاں سے کربلا اور نجف اشرف پہنچے، وہاں سے حضور اکرم ﷺ کے حکم پر بغداد شریف گئے ۔حضرت محبوب سبحانی کے روضہ کے ناودان میں مدتوں رہے۔آپ کی روح پاک سے تلقین پا کر فوائد حاصل کئے، مجاہدے کیے اور ولایت کے ایسے مرتبے تک پہنچے کہ قطب ربانی کا حکم ہوا کہ جنید کو میرا خرقہ عطا کر دیا جائے ۔قطب ربانی کے فرزندوں نے آپ کو خرقہ عطا کیا، حصول نعمت اور خرقہ خلافت لے کر دہلی آئے اور ایک مسجد میں قیام کیا۔ اور سیف الملوک کو پیغام بھیجا کہ اپنی بیٹی جو فقیر کی بیوی ہے جلد دہلی بھیج دیں، وزیر نے کسی آدمی کو بھیجا اس نے جنید کو پہچان لیا۔اور تصدیق کی کہ یہ وہی جنید ہیں ۔وزیر سیف الملوک دہلی پہنچا اور وطن میں قیام کرنے پر اصرار کیا آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا میری بیوی میرے پاس پہنچ جائے گی ۔ کچھ دنوں بعد شیخ غازی پور پہنچے موضع کادی پور (میاں پور) دریائے گنگا کے کنارے ایک کٹیا بنائی اور عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے ۔جب شیر شاہ سوری کالنجر میں بارود سے جل کر شہید ہو گئے۔ وزیر نے اپنے مال و دولت ، اولاد و اطفال کو کشتیوں کے

ذریعہ سہسرام روانہ کیا۔جب یہ لوگ حضرت کی کٹیا کے قریب پہنچے، حضرت کی اہلیہ وہیں کھڑی ہو گئیں اور آگے بڑھنے سے باز رہیں۔مجبورا لوگوں نے آپ کی بیوی آپ کے حوالے کی، یہاں حضرت کا قول صادق آیا اور آپ کا تصرف ظاہر ہوا۔چنانچہ وزیر نے آپ کی اہلیہ کو جتنے غلام کنیزیں، مال و دولت عطا کیے تھے، حضرت نے سب کو اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا اور کنیزوں اور غلاموں کو اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔ایک دن اہلیہ کو اپنی تنہائی اور بے کسی پر رونا آ گیا۔فرمایا درختوں پر نگاہ ڈالو جب سر اٹھا کر دیکھا تو تمام درخت سونے اور چاندی کے نظر آئے، حضرت کے ہاتھ پر توبہ کی اور عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئیں۔اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی حقیقت و معانی عرفان میں بلند مرتبہ عطا فرمایا۔اس جنید زمانہ کے کمالات و خوارق عادات اندازۂ تحریر سے کہیں زیادہ ہیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت بیٹھے ہوئے تھے۔اپنے خادموں کو حکم دیا کہ خضر علیہ السلام نے فقیر کے لیے براہ دریا ایک تخت بھیجا ہے لوگ اس تخت کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا ہے۔تم لوگ جاؤ اور تخت لے آؤ۔خدام گئے اور دریا سے تخت نکال کر حضرت کی خدمت میں لے آئے، اب تک وہ تخت دائرہ مزار میں موجود ہے۔آج تک عقلا، ماہرین فن کی تحقیق و تفتیش کے باوجود نہ معلوم ہو سکا کہ یہ تخت لکڑی کا ہے یا پتھر کا۔اگر دھار دار لوہے سے پتھر پر لکیریں کھینچیں تو لوہے کا نشان اس پر نہیں پڑتا اس بنا پر لوگ اسے پتھر کہتے ہیں۔اور تخت چوں کہ پتھر کا وزن نہیں رکھتا اس لیے لوگ اسے لکڑی سمجھتے ہیں۔لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون سی لکڑی ہے۔لوگ اس تخت کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔(بحر زخار جلد سوم ص ۲۶۱)

اس تخت کی حقیقت کیا ہے اس تعلق سے" برکات اجملی" کے حوالہ سے " تذکرہ مشائخ غازی پور" کے مصنف نے لکھا ہے۔

"آپ نے کسی بڑھئی پر کرم کیا۔اس نے کہا بابا میں آپ کو چوکی بنا کر دوں گا مگر آپ تک کیسے پہنچے گی آپ نے ارشاد فرمایا کہ دریائے گنگا کے سپرد کر دینا اور کہہ دینا کہ اے گنگا میّا اسے بابا جنید تک پہنچا دے۔مجھ تک

پہنچ جائے گی۔ چنانچہ وہ چوکی پانی میں بہتی ہوئی آستانہ مسجد کے کنارے آکر رک گئی۔آپ نے اسے مسجد میں رکھوالیا۔آج بھی وہ چوکی جو صندل کی بنی ہے آستانہ کی مسجد میں موجود ہے''۔

(تذکرہ مشائخ غازی پور ص ۳۲۱)

حضرت سید شاہ جنید قادری نے گنگا ندی کے کنارے اپنے حجرہ کے پاس ایک مسجد تعمیر کرائی، بادشاہ اورنگ زیب کے زمانے میں مسجد کی دوبارہ از سر نو بنیاد رکھی گئی جب یہ دیدہ زیب مسجد بن کر تیار ہوئی تو اس پر ایک کتبہ لگایا گیا جس میں مسجد کی سنہ تاسیس اور اس کی حسن وزیبائش کا ذکر ہے۔وہ کتبہ آج بھی خانقاہ میں محفوظ ہے۔

شیر شاہ سوری جس زمانے میں ظفر آباد میں اپنے پیر ومرشد کی بارگاہ میں زیر تعلیم تھے تو تعلیم مکمل کرنے کے بعد پیر ومرشد نے ان سے فرمایا کہ غازی پور چلے جاؤں وہاں مسند قطبیت پر فائز حضرت شاہ جنید قادری بڑے ذی مرتبت بزرگ ہیں۔ باقی تعلیم ان کے پاس مکمل کر لینا شیر شاہ سوری نے اپنے پیر ومرشد کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ غازی پور آیا خدمت میں حاضری دی اور بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا جب تک شیر شاہ سوری اور اس کا لڑکا سلیم شاہ سوری بقید حیات رہے شیخ کو سر آنکھوں پر رکھا کبھی کبھی شیخ قلعہ سہسرام بھی جاتے۔ وہاں شیر شاہ سلیم اپنے دربار میں شیخ اور دوسرے علماء کے درمیان بحث ومباحثہ اور علمی محافل آراستہ کرتا۔

جہانگیر خاں جو سرزمین غازی پور کی ایک عظیم المرتبت شخصیت تھی ان کا مدفن موضع اکھنی ضلع رہتاس میں ہے۔حضرت شاہ جنید قادری نے ہی ان کا نام رکھا تھا۔ اس کی کہانی یہ ہے کہ ان کے والد نر ہر دیو جو قوم چھتری سے تھے، آپ کے تبلیغ دین کے سبب انھوں نے دین اسلام قبول کیا تھا اور ان کا نام نر ہر دیو سے آپ نے نر ہر خاں رکھا تھا۔ جہانگیر خاں انھی کے لڑکے تھے۔آپ کی دعوت دین کا اثر اس خطہ کے لوگوں پر اس قدر ہوا کہ اٹھارہ گاؤں کے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور یہ لوگ ''سکروار پٹھان'' کہلائے۔

جہانگیر خاں، صاحب سلسلہ بزرگ تھے آپ کا ان پر خصوصی فیضان تھا۔آپ

کے وصال کے بعد وہ موضع اکھنی ضلع رہتاس چلے گئے۔ جہاں انھوں نے سلسلہ قادریہ کی ترویج واشاعت میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔اور دامن کمال سے بے شمار لوگوں نے روحانی فیوض وبرکات حاصل کئے۔خانقاہ جنیدیہ غازی پور وسکندر پور بلیا کی سرپرستی میں جہاں گیر خاں کا عرس ہر سال موضع اکھنی میں منعقد ہوتا ہے۔ (تذکرہ مشائخ غازی پور ص ۳۱۸)

آپ کا وصال ۹۹۹ھ مطابق ۱۵۸۱ء میں ۶۴ سال کی عمر میں ہوا۔''بود شبلی جنید ثانی وائے'' سے سن وفات ۹۹۹ھ برآمد ہوتا ہے۔آپ کا مزار اقدس محلّہ ثقلین آباد غازی پور میں مرجع خلائق ہے۔سلیم شاہ سوری نے مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔آپ کے بعد آپ کے فرزند حضرت سیدنا شاہ عبداللہ قادری (وفات ۱۰۴۱ھ) سے آپ کا سلسلہ آگے بڑھا۔ہر سال ۲۴؍رمضان المبارک کو بڑے تزک واحتشام کے ساتھ عرس کی تقریبات منائی جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا شاہ محمد کاظم قلندر، کاکوری، لکھنؤ
علیہ الرحمۃ والرضوان

سرزمین کاکوری میں جو مشائخ کرام آسودۂ خواب ان میں جنھیں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی ان میں عارف باللہ حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کاکوروی علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔اودھ کے اسی قصبہ میں بروز دوشنبہ ۱۷؍رجب المرجب ۱۱۵۸ھ مطابق ۱۷۴۵ء کو محمد شاہ بن جہاندار شاہ بادشاہ دہلی کے عہد حکومت میں حضرت سیدنا محمد کاشف قادری چشتی کے گھر آپ کی ولادت ہوئی۔کاکوروی کے عظیم بزرگ سیدنا شاہ بھکاری علیہ الرحمہ سے ہوتے ہوئے آپ کا شجرہ نسب حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک اس طرح پہنچتا ہے۔

''محمد کاظم بن شیخ محمد کاشف بن شیخ حافظ خلیل الرحمٰن بن شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ غلام محمد بن شیخ سیف الدین بن شیخ ضیاء الدین بن شیخ عبدالکریم بن شیخ حافظ شہاب الدین عرف شیخ سوندھن بن حضرت مخدوم نظام الدین

قاری شیخ بھکاری وبھیکہ علیہم الرحمۃ والرضوان''

خاندانی روایات کے مطابق آپ نے پہلے کلام اللہ حفظ کیا۔ دینداری چوں کہ وراثت میں ملی تھی اس لیے آٹھ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے آپ نماز روزہ کے حد درجہ پابند ہو گئے۔ظاہری علوم وفنون کی تحصیل کے لیے حضرت مولانا عبدالعزیز کاکوروی، ملاحمیدالدین محدث کاکوروی، ملاحمداللہ سندیلوی اور حضرت مولانا غلام یحییٰ بہاری علیہم الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں حاضر ہوکر زانوئے تلمذ تہہ کیا اور علم وفن کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

حضرت سیدنا شاہ محمد کاظم قادری کو علم موسیقی سے گہری دلچسپی تھی بطور خاص ایام شباب میں اس فن سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا۔فن موسیقی سے بے محابہ عشق نے معرفت حقیقی کا پتا دیا اور اس کی تلاش وجستجو میں کھوئے کہ پھر کبھی دنیا کا رخ نہ کیا۔صہیب حیدر علوی لکھتے ہیں،

''عنوان شباب میں دیگر علوم کے علاوہ موسیقی سے بھی خاص لگاؤ تھا اور اس میں خدادا ملکہ وید طولیٰ حاصل تھا۔خوف خدا اور یاد حق میں فنائیت اس درجہ تھی کہ کسی کا تعلق گوارہ نہ تھا''۔(ضیائے وجیہ ص۲۲ مئی وجون ۱۹۹۳ء)

فن موسیقی میں محبت اور خصوصی دلچسپی کا ذکر'' اصول المقصود ''کے مصنف نے بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''حضرت ایشاں در علم موسیقی نہایت ماہر وشائق ویکہ تاز وبسے خوش گلو ورنگیں آواز بودند''۔(اصول المقصود ص۲۱۰)

آواز میں جادو اور کشش تھی اس لیے ٹھمریاں بھی خوب گا کر پڑھتے تھے۔''سانت رس'' آپ کی ٹھمریوں کی عظیم شاہکار ہے۔گاتے گاتے آپ بے خود ہو جاتے،اور بے خودی بے ہوشی میں تبدیل ہو کر کئی دنوں تک آپ پر طاری رہتی۔آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

''مجھ کو دو چیزوں نے فقیر بنایا ایک گانے کے شوق اور دوسرے موت کے خوف نے،آپ کے گانے کی دھن انسان تو انسان حشرات الارض بھی مسرت سے سنتے تھے۔ایک مرتبہ آپ نے دریا کے کنارے گانا شروع کیا۔گانے کے اثر سے ایک سانپ زمین سے نکل آیا۔جب تک آپ

نغمہ سرا رہے وہ سانپ بیٹھا رہا۔جب آپ خاموش ہوگئے تو وہ بھی اپنے
مکان میں گھس گیا''۔(سانت رس شرح اردو ص۵)

آپ نے جو ٹھمریاں لکھی ہیں ان کا نمونہ درج ذیل ہے۔فراق یار میں غم سے نڈھال ہوکر آپ اس طرح فرماتے ہیں۔

کیسے کہ مانے من مورا جائے کہت پردیسواں پی
سونی بھون مارہب ہم کیسے بڑے سوچ موہت آوت ری
پائن پر کر جوجور کے یہ بھاتن ہم بنتی کی
سر موہے مانت نہیں کاظم دھیرج ہوئے کونے بدھ جی

(سانت رس ص۳۰۱)

حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کو جب ظاہری تعلیم سے فراغت ہوگئی تو معاشی زندگی بہتر بنانے کی خاطر والدہ ماجدہ نے نوکری کرنے کے لیے مظفر الدولہ تہور جنگ بخشی ابو البرکات خاں عباسی کے ہمراہ گورکھ پور بھیج دیا۔دل ودماغ میں چوں کہ عشق الٰہی کا سودا سمایا ہوا تھا اس لیے کسی طرح بھی نوکری کی طرف طبیعت راغب نہیں ہوئی،حکم والد کے مطابق فوج میں تو بھرتی ہوگئے مگر اس ملازمت سے طبیعت مطمئن نہیں تھی۔جب بھی موقع ملتا کسی بزرگ یا کسی خانقاہ میں حاضری دے کر بے چین دل کو اطمینا وسکون عطا فرماتے۔دوران ملازمت ایک مرتبہ آپ کی ملاقات شاہ مظہر حسین نامی ایک بزرگ سے ہوگئی انھوں نے دیکھتے ہی آپ کو پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ آپ کی یہ بے قراری کس طرح دور ہوسکتی ہے۔انھوں نے آپ کے سامنے کلید عرفاں حضرت سیدنا شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی کا ذکر کردیا ان کے فضائل وکمالات سن کر دیدار کے لیے مشتاق ہوگیے۔وارفتگیٔ شوق میں پاپیادہ گورکھپور سے الٰہی آباد کے لیے نکل پڑے اور گورکھ پور سے الہ آباد تک کی مسافت طے کر نے کے بعد جب حضرت سیدنا شاہ باسط علی کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا

''بیا بیا دوران باخبر در حضور ونزدیکان بے بصر دور''

آپ کو دیکھتے ہی سیدنا باسط علی قلندر مسرت سے جھوم اٹھے بے پایاں عنایت

وشفقت کا مظاہرہ فرمایا آپ نے ان سے بیعت کی درخواست کی جسے انھوں نے شرف قبولیت سے نوازااور ملاقات کے دوسرے ہی دن سلسلہ عالیہ قادریہ میں داخل فرمالیا۔

(اصول المقصود ۲۲۸)

دولت بیعت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ گورکھ پور واپس آ گئے۔مگر تصور شیخ میں ہمیشہ کھوئے رہتے۔جسمانی طور پر آپ ہمیشہ فوج میں رہتے مگر طبیعت ہمہ وقت مرشد کی بارگاہ میں حاضر رہتی،جب یہ جدائی برداشت نہ ہوئی تو ''بکسر'' کی فیصلہ کن جنگ کے موقع پر علائق دنیوی سے بندھن ہمیشہ کے لیے توڑ ڈالے اور ملازمت کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوکر مرشد کی برگاہ میں الہ آباد حاضر ہوگئے،وہاں پہنچنے کے بعد آپ نے سلوک ومعرفت کی پُر پیچ وادیاں طے کیں۔اس آزمائشی گھڑی سے کامیابی سے گزرنے کے بعد مرشد نے آپ کوسلسلہ قادریہ کی خلافت کا خرقہ پہنایااور''عارف باللہ'' کے لقب سے نوازا۔ پھر آپ نے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے مرشد سے فرمایا کہ میں اپنی باقی زندگی آپ ہی کی خدمت میں رہ کر گزارنا چاہتا ہوں مگر آپ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔آپ کی اس خواہش کے جواب میں آپ کے مرشد نے فرمایا:

''دوآفتاب ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے'' اپنے وطن کاکوری واپس جاؤاور اشاعت دین حق کا اہم فریضہ انجام دو۔مرشد کے حکم کے مطابق آپ کاکوری آئے اور بندگان خدا کی رشد وہدایت کے عظیم کام میں منہمک ہوگئے''۔(تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم ص ۲۲۰)

وہاں سے واپسی کے بعد دامن سلسلہ عالیہ قادریہ سے ہزارہا عقیدت مندوں کو وابستہ کیا بے شمار گم گشتگان راہ کو آپ کی ذات سے ایمان کی روشنی ملی،سلامتی ذہن اور جودت ادراک وافکار میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا،آپ کی شخصیت کئی اعتبار سے یگانہ روزگار تھی،صاحب'' روض الازہر '' لکھتے ہیں۔

''درسلامت ذہن وجودت ادراک وخوبی صفات وحسن اخلاق ، نادرہ آفاق ،،تخلیہ از رزائل،وتحلیہ بافضائل،درذات ستودہ صفات،ایشاں

فطری است، تزکیہ ظاہر باحکام شریعت وتصفیہ باطن بآداب طریقت جبلی
درعلوم طائفہ علیہ مرتبہ بلند و پایہ ارجمند داشت‘‘۔

(روض الازھر ص ۱۷۸)

(ذہن کی سلامتی، ادراک کی تیزی، اچھے صفات، بہترین اخلاق، کے آپ
پیکر تھے، آپ کی شخصیت فطری طور پر رزائل سے معرّی اور فضائل سے مزین
تھی، ظاہری طور پر شریعت کی روشنی میں آپ مذکّیٰ اور آداب طریقت کے
سبب آپ کا باطن بالکل مصفیٰ تھا علوم وفنون میں آپ کا رتبہ بہت بلند تھا)

حضرت کاظم قلندر کاکوروی پیدائشی ولی تھے۔آپ کی ولایت وہبی تھی، حصول ولایت کے لیے آپ کو کوئی ریاضت ومجاہدہ نہیں کرنا پڑا۔آپ کی ولایت کے آثار دور طالب علمی ہی میں ہویدا ہو چکے تھے۔ ہمیشہ یاد الٰہی اور عشق خدائی میں گم رہتے۔ ہمدرد ساتھیوں سے آپ کا کوئی زیادہ تعلق نہ رہتا آپ کی ایک الگ دنیا تھی جس میں آپ مگن رہتے۔ اور کبھی کبھی بڑے محیر العقول کارنامے آپ سے سرزد ہوتے جسے ارباب بصیرت وبصارت دیکھ کر دنگ رہ جاتے دوران طالب علمی میں آپ کی جو حالت تھی اس کا ذکر خانوادہ کے ایک صاحب سجادہ حضرت شاہ تراب علی کاکوروی نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

گہے چوں وحشیاں گشتے بہ صحرا — گہے در خانقہ می کرد ماوی
گہے کردے بسوئے اوج پرواز — گہے مائل بہ پستی آمدے باز
گہے باگل رخاں بستے دل وجاں — کہ از عشاق بر دل صبر وساماں

(اصول المقصود ص ۲۱۶)

۱۔کبھی جنگل میں جانوروں کی طرح گشت کرتے، کبھی خانقاہ میں قیام فرماتے۔
۲۔کبھی بلندی کی طرف پرواز کر جاتے، کبھی اوپر سے نیچے آجاتے۔
۳۔کبھی بندگان خدا سے دل لگی کی باتیں کرتے، کبھی عاشقوں کے سبب دل کو صبر وسکون کی تلقین کرتے۔
۴۔کبھی آسمان اور کبھی زمین پر ہوتے، الغرض شب وروز کی یہی کیفیت رہتی۔

شیخ الشیوخ حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کو حقائق ومعارف کا کس قدر وافر حصہ ملا تھا اس کا پتا لگانا تو مجھ ہیچ مداں سے ممکن نہیں تاہم اتنا مسلم ہے کہ اس دور کے اولیاء ومشائخ آپ کے فضل وکمال کا اعتراف دل وجان سے کیا کرتے تھے اس حقیقت کا انکشاف مولانا شاہ حافظ علی انور قلندر کا کوروی نے اپنی تصنیف ” الانتصاح “میں ان لفظوں میں کیا ہے۔

”جمیع مشائخ واکابر عصر بکمال فضل وولایت ایشاں معترف ودر رعایت تنظیم وتکریم متفق بودند شیوع واستقامت ارکان دین وشریعت کہ از توجہ وصرف ہمت حضرت ایشاں ظہور آمدہ آثار آں ہنوز باقی اند“۔

(الانتصاح عن ذکر الصلاح ص۱۴)

(اس دور کے تمام مشائخ اور ارباب فضل وکمال آپ کی فضیلت اور ولایت کے دل سے معترف تھے اور آپ کی تعظیم وتکریم پر سب کا اتفاق تھا آپ کی توجہ خاص سے شریعت کی جو نشر واشاعت ہوئی اور ارکان دین کو جو تقویت ملی اس کے آثار اب بھی باقی ہیں)

حضرت شیخ محمد کاظم قلندر کاکوروی صاحب تصانیف بھی تھے۔ رشد وہدایت کی بے پناہ مصروفیت کے باوجود پرورش لوح وقلم جس انداز سے آپ نے کی ہے وہ قابل صد تحسین ہے ”نغمات الاسرار“ المعروف بہ ”سانت رس“ جس کا ذکر سطور بالا میں گزر چکا ہے ۔دوسری تصنیف ”رسالہ معمور داشتن اوقات“ ہے۔ ءدونوں تصانیف زیور طبع سے آراستہ چکی ہیں۔اول الذکر منظوم ہے۔اس میں پانچ ہزار ہندی بھاشا کے اشعار ہیں۔ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل اس کے پہلے حصہ کی توضیح وتشریح مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر حسن قلندر کے قلم سے چھپ چکی ہے۔

آپ کے دور حیات میں کاکوری کی سرزمین مرکز رشد وہدایت رہی۔ دور دور سے بندگان الٰہی آپ کی خدمت میں آتے اور کسب فیض کرتے انھیں آپ سلسلہ عالیہ قادریہ میں مرید کرتے اور اسی سلسلہ کی خلافت واجازت سے بھی سرفراز فرماتے۔جن ارباب فضل وکمال کو آپ نے دولت خلافت سے سرفراز کیا ہے ان کی تفصیل اس طرح ہے

۱۔حضرت شاہ میر محمد قلندر عرف میرن میاں
۲۔حضرت شاہ بہرام علی قلندر علوی کاکوروی
۳۔حضرت شاہ ان شاء اللہ قلندر ہاشمی
۴۔حضرت شاہ عاشق اللہ قلندر
۵۔حضرت شاہ شیر علی قلندر
۶۔حضرت شاہ امید علی جونپوری
۷۔حضرت شاہ محمد محفوظ نیوتنی
۸۔حضرت شاہ احمد کرسوی
۹۔حضرت شیخ علی علوی (علیہم الرحمۃ والرضوان) (اذکار الابرار ص ۳۶۲)

آپ کا یہ معمول تھا کہ جو بھی آپ کے دامن ارادت سے وابستہ ہوتا تو آپ اسے بطور وظیفہ ورد کرنے کے لیے وہی شجرہ عنایت فرماتے جو آپ کو آپ کے مرشد طریقت سیدنا شاہ باسط علی قلندر الٰہ آبادی کی بارگاہ سے سند خلافت کے طور پر عطا ہوا تھا وہ شجرہ یہ ہے۔

شاہ شاہاں سید باسط علی — مرشد وپیرش الہدیہ ولی
شاہ فتح وہم قلندر مجتبیٰ — نیز قدوس سلام رہنما
ہم محمد قطب آں دریائے دل — نیز قطب الدیں شہ بینائے دل
عجم دیں غوث ونظام دینوی — ہم مبارک ہم شہاب قادری
غوث اعظم ہم سعید بوالحسن — بو الفرح ہم فضل وواجد شاہ من
ہم عزیز وشبلی پیر ہمام — ہم جنید وسقطی ومعروف نام
کاظم وجعفر امام باصفا — باقر وعابد حسین رہنما
ہم علی مرتضیٰ شیر خدا — ہم شہ شاہاں محمد مصطفیٰ
بعد ازیں دیگر بیان ماشنو — ازقلندر خاندان ماشنو

(اصول المقصود ص ۳۸۸)

حضرت شاہ کاظم قلند کاکوروی کا ۲۰ / ربیع الآخر ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء کو ۶۳ سال کی میں عارضہ ٔ دق کے باعث وصال ہوا۔کسی اہل عقیدت نے آپ کی رحلت پر درج ذیل قطعہ تاریخ وصال بدیں طور درج کیا۔

حیف صد حیف شاہ کاظم مرد روح پاکش رسید بر افلاک
صاحب علم وزہد وتقویٰ بود عارف حق فقیر باادراک
گفت ہاتف زسال رحلت او ’’جانمودہ بسوئے روضہ ٔ پاک‘‘
۱۲۲۱ھ

(ماخوذ از تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم ص ۲۱۶

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا شیخ عبدالرزاق قادری بانسہ لکھنؤ

علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت سیدنا شیخ عبد الرزاق قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا تعلق سادات خاندان سے تھا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

’’سید شاہ عبدالرزاق بن سید عبدالرحیم بن سید عالم بن سید طٰہٰ بن سید عبد الرحیم بن سید یٰسین بن سید داؤد بن سید آزرالدین بن سید داؤد بن سید حسن بن سید مبارک بن سید حمزہ بن سید ابو القاسم عرف سید امیر کلال بدخشی بن سید مبارزالدین بن سید داؤد بن سید نجم الدین بن سید محمد باقر بن سید عبدالوہاب بن سید جعفر بن سید جمال الدین بن سیدنا امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہید کربلا بن امام الاولیاء سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ورضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین‘‘۔

حضرت سیدنا عبدالرزاق قادری کے مورث اعلیٰ جو سب سے پہلے ہندوستان وارد ہوئے وہ حضرت امیر کلال بدخشی علیہ الرحمہ (وفات ۸۰۸ھ) تھے۔آپ انھیں کی

اولاد میں سے ہیں۔آپ کے اولین سوانح نگار ملا نظام الدین فرنگی محلی " مناقب رزاقیہ "میں لکھتے ہیں۔

''حضرت سید صاحب کے جد اعلیٰ بدخشاں سے ہند تشریف لائے اور حکام وامرا میں اعزاز واحترام کے مالک ہوئے۔اس اعزاواحترام کے لحاظ سے زبردست فوج ان کے پاس رہی۔کچھ عرصہ کے بعد جد اعلیٰ کے ایک پوتے دریاباد قصبہ کے (جواب ضلع بارہ بنکی اودھ میں ہے) نواح موضع محمود آباد میں سکونت پذیر ہوگئے''۔(مناقب رزاقیہ ص ۲۴ بہرائچ ۲۰۱۴ء)

محمود آباد کے متصل ہی موضع رسول پور ہے۔یہی وہ جگہ ہے جہاں عہد شاہجہانی میں سیدنا شاہ عبدالرزاق بانسوی کی ولادت ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۸ء میں ہوئی۔جس وقت آپ شکم مادر میں تھے تو ایک باکمال بزرگ نے آپ کی آمد کی اطلاع سورج سے دی تھی اور آپ کے والد ماجد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''عبدالرحیم کے گھر سورج گرنے والا ہے''

جب آپ کی ولادت ہوگئی تو وہ فقیر آیا اور آپ کے والد ماجد سید عبدالرحیم سے کہنے لگا۔

''تمھاری بیچ حویلی کے سورج گرا ہے اسے مجھ کو دکھا دو، یہ بیچ حویلی گئے اور دائی جنائی سے دکھانے کے لیے کہا دائی نے کہا کہ غسل نہیں دیا ہے۔ پھر سید عبدالرحیم نے کہا تجھ کو کیا؟ غسل پایا ہے یا نہیں؟ تو دکھا دے،ان کو دکھا دیا وہ فقیر دونوں ہاتھ جوڑتے اور پچھلے پاؤں ہٹتے اور یوں کہتے جاتے ''جہاں سے یہ سورج اگا ہے اور جہاں است ہوگا وہاں تک جوت اس کی پھیلے گی'' موسوں سے چیتے نہیں جات ہے''۔

(تذکرہ حضرت سید صاحب ص ۴۵)

بانسہ جو شہر لکھنؤ سے قریب ایک قصبہ ہے وہاں حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسوی کی ننہال تھی یہاں ترکہ میں کچھ زمین وجائداد آپ کی والدہ ماجدہ کے حصہ میں آئی تھی،اسی

زمین کی دیکھ ریکھ کے لیے اپنے وطن رسول پور سے ترک وطن کر کے بانسہ آگئے اور پھر ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

آپ نے بظاہر کوئی زیادہ تعلیم نہ حاصل کی تھی، حصول علم کی طرف زیادہ توجہ کیوں نہ کر سکے اس سلسلے میں کوئی حتمی گفتگو تاریخی حقائق کی روشنی میں نہیں کی جاسکتی ہے۔البتہ اس سلسلے میں آپ کے حقیقی نبیرہ شاہ غلام حسن رزاقی ردولوی کا بیان ہے۔

''حضرت سید صاحب نے قرآن شریف سورۂ الھٰکم التکاثر (پارہ عم)
تک بس پڑھا تھا'' (تذکرہ حضرت سید صاحب ص۵۰)

ظاہری تعلیم اگرچہ مختصر تھی مگر علم لدنی حاصل ہونے کے سبب ظاہری و باطنی دونوں علوم پر بھرپور قدرت تھی۔علم لدنی آپ کو حضرت شاہ عنایت اللہ علیہ الرحمہ کی عنایت وصحبت سے حاصل ہوا تھا۔مذکورہ بزرگ سے آپ کی ملاقات اس وقت ہوئی جب آپ بغرض تعلیم ردولی شریف جارہے تھے۔شاہ صاحب کی صحبت نے آپ کے سینہ بے کینہ کو علوم ومعارف کا گنجینہ بنادیا۔شاہ صاحب سے ملاقات کے بعد آپ جس کیفیت سے دوچار ہوئے اس کا ذکر مفتی محمد رضا انصاری نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''درویش شاہ عنایت اللہ سیاح کی اس ملاقات کے بعد حضرت سید صاحب کے حال میں جو تبدیلی واقع ہوئی اس میں پڑھنے پڑھانے کی کوئی گنجائش نہ تھی اور اسی سلسلہ کا آغاز ہو گیا جس کا بیان مولائے روم نے یوں فرمایا ہے۔

صد کتاب وصد ورق در نار کن　　سینہ را از عشق او گلزار کن
علم رسمی سر بسر قیل است وقال　　نے از و کیفیت حاصل نہ حال

(تذکرہ حضرت سید صاحب ص۵۳)

(۱۔سب کتابوں اور تمام اوراق کو آگ میں جھونک عشق الٰہی سے اپنا سینہ گلزار بناؤ۔۲۔ظاہری علم محض قیل وقال ہے اس سے نہ ہی دل میں کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی حال طاری ہوتا ہے)

جس زمانے میں آپ بغرض تعلیم ردولی شریف جارہے تھے اس وقت آپ کے ہاتھ میں جو کتاب تھی اس کا نام ''یوسف زلیخا'' تھا معاشی زندگی آپ کی کچھ زیادہ بہتر نہ تھی اس لیے دوران سفر ہی ظاہری تعلیم سے آپ کی طبیعت اچاٹ ہوگئی۔ اب بجائے تعلیم حاصل کرنے کے ملازمت کی فکر دامن گیر ہوگئی۔ اپنے ملازم سے کہا یہ کتاب لے جاؤ میرے گھر دے دینا مجھے اب پڑھنا نہیں ہے۔ والدین سے سلام کہنا اور تلاش معاش کے سلسلے میں خود دکن روانہ ہوگئے۔ سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ملازمت کی تلاش فقط ایک بہانہ تھی دکن کا سفر محبوب حقیقی کی تلاش وجستجو میں کیا تھا اس سفر میں آپ کی ملاقات ایک اہل اللہ اور کچھ سادھوسنتوں سے ہوئی۔ ملازمت کا شغل بھی اختیار کیا مگر زیادہ سے زیادہ وقت فقرا کی ہم نشینی اور ان کی صحبت میں خرچ کرتے راتوں رات اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں گزار دیتے اور وہ حسن ازلی جس کے عشق میں آپ گرفتار تھے اگر کسی طرح اس والہانہ محبت کا راز فاش ہوجاتا تو وہاں ملازمت چھوڑ دیتے اور کسی دوسرے مقام پر جا کر ملازمت اختیار کر لیتے، مفتی محمد رضا انصاری نے ''مناقب رزاقیہ'' کے حوالے سے لکھا ہے۔

> ''فقرا سے میل جول میں اگر کوئی ذکر یا ورد معلوم ہوتا تو خلوت میں اس کا شغل رہتا۔ جہاں کہیں مشغولیت میں خلل پڑنے لگتا یا خاص کیفیت کا راز فاش ہوتا ہوا نظر آتا وہاں سے ترک ملازمت کر کے کہیں اور چلے جاتے تھے۔'' (تذکرہ حضرت سید صاحب ص ۸۷)

ملازمت اختیار کرنے اور پھر اسے چھوڑنے کا سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا اس سلسلے میں آپ نے نہ جانے کتنے مقامات کا سفر کیا اور نہ جانے کتنے لوگوں سے ملاقاتیں کیں مگر جو سفر کا مقصد تھا وہ پورا نہ ہوا، سفر کا اصل مقصد مرشد کامل کی تلاش تھی اور پھر اس کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے کر منزل مقصود تک پہنچنا تھا۔ تلاش مرشد کا یہ سلسلہ بارہ سال کی عمر سے شروع ہوا تھا اور پورے ۳۵/۳۶ سال تک مسلسل جاری رہا، اسی دوران ایک مرتبہ آپ کا احمد آباد جانا ہوا وہاں آپ نے ایک درویش کامل کے گھر قیام کیا صاحب خانہ سے آپ نے کسی خدا رسیدہ بزرگ کا پتا معلوم کیا۔ انھوں نے حضرت عبدالصمد نامی ایک

بزرگ کا نام بتادیا اور فرمایا:

''اگر تم ان کی خدمت میں حاضر ہو تو ایک شخص کامل کی بیعت سے بھی مشرف ہو اور ان کی سفارش سے تم کو نوکری بھی عمدہ مل جائے گی''

صبح کے وقت آپ اس درویش کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر کچھ زیادہ سیری نہ ہوئی واپس پھر وہیں آئے جہاں رات قیام کیا تھا صاحب خانہ کو پوری بات بتائی اور ان سے کسی دوسرے درویش کا نام معلوم کیا انھوں نے اس بار حضرت میر عبد الصمد خدانما کا نام بتاتے ہوئے کہا کہ وہ شیخ کامل و مکمل ہیں۔اس زمانے میں ان کا کوئی نظیر نہیں ہے۔مخلوق خدا کو ان سے بے حد عقیدت ہے آپ نے ان کی خدمت میں صبح جانے کا ارادہ کیا ادھر شب کو میر عبد الصمد خدانما نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا۔

''فرزند سید عبد الرزاق تمھاری بیعت سے مشرف ہونے کی غرض سے آرہا ہے اس کو تلقین امور دینی کی کرنا چاہئے''۔(فیوض حضرت بانسہ ص۴۴)

دوسرے صبح ہوتے ہی حضرت سیدنا عبد الرزق بانسوی علیہ الرحمہ حضرت میر عبد الصمد خدانما علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے چوں کہ انھیں خواب میں بشارت ہو چکی تھی۔اس لیے انھیں بھی آمد اور آپ سے ملاقات کا بے حد اشتیاق تھا۔آپ کی آمد کے انتظار میں وہ اپنے گھر کے باہر ہی ٹہل رہے تھے۔جیسے ہی آپ وہاں پہنچے تو انھوں نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا:

''اے عبد الرزاق تمھاری بہت انتظاری مجھے تھی''۔(فیوض حضرت بانسہ ص۴۴)

وہ آپ کو خانقاہ میں لے گیے اور اپنے خانقاہی اصول وضابطے کے مطابق پہلے تو انھوں نے آپ کو تالاب میں نہلوایا اور اپنے خادم تاج بابا سے فاتحہ کا بندوبست کرنے کے لیے فرمایا۔سلسلہ قادریہ میں بیعت کر کے امور دینیہ کی تلقین فرمائی اور تبرک کے طور پر جو دلیہ تاج بابا نے تیار کیا تھا اس میں سے حضرت میر عبد الصمد خدانما نے پہلے خود تھوڑا کھایا اور باقی آپ کے حوالے کر دیا، مرشد طریقت کی بارگاہ سے بیعت وخلافت کی دولت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی کچھ دنوں اطراف دکن میں رہے پھر مرشد ہی کے حکم سے اپنے نہال

بانسہ واپس آگئے اور یہاں گوشہ عزلت اختیار کر کے ہمیشہ کے لیے یاد حق میں مشغول ہو گئے

آپ کے پیر ومرشد، سیاح بحر حقیقت، سیارہ راہ طریقت، قطب وقت حضرت میر سید عبد الصمد خدا نما سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی جو انمول دولت آپ کو ملی وہ دولت انھیں شیخ الاسلام ہدایت اللہ قادری خدا نما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملی تھی جن کا مزار مقدس ملک عرب میں ہے۔ یہ سلسلہ عالیہ ان کے واسطہ سے بانی سلسلہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان تک ااس طرح پہنچتا ہے۔

۱۔حضرت سیدنا شیخ عبد الرزاق بانسہ شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۔حضرت سیدنا شیخ عبد الصمد خدا نما گجرات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۳۔حضرت سیدنا شاہ ہدایت اللہ قادری خدا نما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۴۔حضرت سیدنا شیخ حسین خدا نما برہان پور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۵۔حضرت سیدنا شیخ امان اللہ امانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۶۔حضرت سیدنا شیخ ابراہیم بھکری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۷۔حضرت سیدنا شیخ ابراہیم ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۸۔حضرت سیدنا شیخ میراں سید بخش فرید بھکری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۹۔حضرت سیدنا شیخ جلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۰۔حضرت سیدنا شیخ سید محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۱۔حضرت سیدنا شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۲۔حضرت سیدنا شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۳۔حضرت سیدنا شیخ سید حسن قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۴۔حضرت سیدنا شیخ موسیٰ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۵۔حضرت سیدنا شیخ سید علی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۶۔حضرت سیدنا شیخ میر سید احمد برادر سید محمد بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۷۔حضرت سیدنا شیخ سید محمد بن ابی صالح قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۸۔حضرت سیدنا شیخ تاج الدین عبدالرزاق بن سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ

۱۹۔بانی سلسلہ قادریہ محبوب سبحانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان (وفات ۵۶۱ھ)۔(مناقب رزاقیہ ص ۲۸)

حضرت میر عبدالصمد خدا نما کے دامن ارادت سے وابستہ ہونے کے بعد آپ کی زندگی میں نوعی فرق آ گیا۔ذکر و شغل کی مصروفیت بھی بڑھ گئی۔بیعت وارادت کا سلسلہ بھی دراز ہوا۔بے شمار بندگان خدا آپ کے توسط سے دامن حق سے وابستہ ہوئے۔ان میں کتنوں کا شمار مقربین بارگاہ الٰہی میں ہونے لگا۔سلسلہ قادریہ جس میں آپ بیعت فرماتے اس کا فیضان حاصل ہوتے ہی لوگ کس طرح روحانیت کے بلند مقام پر فائز ہوجاتے ہیں اس کی طرف اشارہ مولوی محمد قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ''ہم تو جب قادریہ کے سلاسل میں سلسلہ رزاقیہ کو دیکھتے ہیں تو ایک شجر پُر بہار معلوم ہوتا ہے،جس کا سایہ تمام اطراف واکناف امت پر چھایا ہوا ہے اور جس کے ظل عاطفت میں غیر محدود ساکنین مقامات علیا کی سیر کر رہے ہیں۔سالک مجذوب کے جس قدر اقسام ہیں اس سلسلے میں سب موجود ہیں اور پھر ایک نسبت اعتدال کے ساتھ وہ نسبت محض صاحب سلسلہ سیدنا مرشدنا سید شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ العزیز کی نسبت کی باعث ہے''۔(فیوض حضرت بانسہ ص ۲۰)

آپ سے وابستہ مریدین کی تعداد بھی اس دور میں تین سو سے زائد تھی سوانح نگاروں نے خلفا کی تعداد بائیس بتائی ہے ذیل میں آپ کے خلفا کی ایک فہرست دی جارہی ہے۔جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے فیض یافتگان کا حلقہ کس قدر وسیع اور ان کا درجہ کس قدر بلند تھا۔

۱۔حضرت شاہ محمد اسحاق خاں شاہجہاں پوری

۲۔حضرت ملا احمد عبدالحق فرنگی محلی

۳۔حضرت میر محمد اسماعیل بلگرامی

۴۔حضرت ملا کمال الدین

۵۔حضرت حافظ محمد مقیم

۶۔حضرت میاں شاہ رحمت اللہ امروہوی

۷۔حضرت شاہ ولی اللہ رسول نما

۸۔حضرت شاہ غلام دوست محمد

۹۔حضرت شاہ منگرے میاں

۱۰۔حضرت شاہ ملا محمد رضا (علیہم الرحمۃ والرضوان)

حضرت سیدنا عبد الرزاق بانسوی روحانیت کے جس منصب پر فائز تھے اس کا اندزہ لگانا مشکل ہے۔شیخ وجیہ الدین اشرف جن کی ملاقات آپ سے ہو چکی تھی وہ آپ کے کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''محققان روزگار اور عارفان اسرار میں سے تھے،تصوف میں آپ کو شان عظیم اور قدم مستقیم حاصل تھا، ہمت بلند اور پسندیدہ اخلاق کے مالک تھے۔خداوند تعالیٰ نے آپ کو عشق وانکسار اور بذل وایثار میں ممتاز روزگار بنایا تھا۔مریدوں کی تربیت میں دست قوی،اور نفس قانع رکھتے تھے اور تھوڑی توجہ سے عالم سفلی کے باشندوں کو مقام علوی تک پہنچا دیتے تھے، چنانچہ اکثر بلند پرواز شہباز طریقت آپ کی حسن تربیت سے معرفت الٰہی کے اثر شناس اور صید حقائق آگاہی بن کر مرتبہ تکمیل وارشاد کو پہنچے۔

آپ کی کرامتوں کی کوئی انتہا نہیں بعض ایسی کرامتیں جو آپ سے صادر ہوئیں اولیائے سلف سے ظاہر نہیں ہوئیں آپ کو مظہر عجائب الغرائب کہنا سزاوار ہے،آپ کے صفحۂ حیات کی بیاض جس کا نقش یک قلم کتاب اللہ کی ترجمانی ہے۔آپ کی صفائے باطن کی کیفیت فرشتوں کی زبان سے معلوم کرنا چاہئے۔لوح محفوظ کے ایسے ترجمان کہ آپ کی استعداد روحانی کرّوبیاں سے آگے بڑھ گئیں۔آپ کے بیان صفات کی تیز زبانی بہتر

فرقوں کی کتابوں کو دھل سکتی ہے۔آپ مظہر اعجاز مصطفےٰ اور مظہر کمالات مرتضیٰ تھے"۔(بحرزخار جلد دوم ص ۲۵۱)

حضرت شیخ بانسوی صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے بیشتر محیر العقول کارنامے آپ کی ذات ستودہ صفات سے وقوع پذیر ہوئے۔جس کے باعث لوگ بکثرت حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اوراس طرح سلسلہ قادریہ کا فیضان زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا فرنگی محل کے علمی خانوادہ میں بھی سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت اوراس کے فروغ میں آپ ہی کی ذاتی کاوشوں کا زیادہ حصہ ہے۔اس علمی خانوادہ کو فیضان قادریت سے سرشار کرنے کے تعلق سے ذیل میں ایک واقعہ دیا جارہا ہے۔"بانی درس نظامی" کے مصنف لکھتے ہیں۔

"ملا نظام الدین سہالوی کے دو بھانجے محمد عاشق اور فرحت اللہ زمین دار تھے۔ایک دفعہ مال گزاری کے محاسبہ کے سلسلے میں محمد اکبر خاں ناظم علاقہ کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ان کے رشتہ دار اور عزیز ملا صاحب کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوئے۔ملا صاحب نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص زیادہ دنیدار ہو وہ "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" کا جس قدر ممکن ہو ورد کرے۔اس ورد کے دوران ورد کرنے والے نے حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا۔خواب دیکھنے والے کو حضرت غوث پاک نے اپنے پاؤں کے آبلے دکھلائے اور دریافت فرمایا کہ تم نے اتنی تکلیف مجھے کیوں دی۔واقعہ سننے کے بعد ناظم محمد اکبر خاں کو یاد فرمایا اوراس کی سرزنش فرمائی،خواب کی تفصیل ملا صاحب سے عرض کیا اس وقت ملا صاحب کے برادر زادے ملا احمد عبد الحق فرنگی محلی بھی موجود تھے انھوں نے جواب سن کر فرمایا کام تو ہوجائے گا لیکن حضرت غوث پاک کا اظہار تکلیف اور آبلہ پائی قرینہ ہے کہ کام ہونے میں دیر ضرور لگے گی"۔ (بانی درس نظامی ص ۱۶۷)

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ صاحب "برکات الاولیاء" نے اپنی کتاب میں

درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''ایک دفعہ موسم بارش میں آدھی رات کو آپ بانس بریلی کے کسی کوچہ میں بآواز بلند فرمارہے تھے اے لوگو اس وقت اگر کوئی مجھ کو ایک کش حقہ کا پلادے گا بادشاہی اس زمین کی اس کو دوں گا۔ایک بازاری حقہ کش حقہ تیار کر کے پی رہا تھا یہ صدا سن کر وہ آپ کی خدمت میں پہنچا اور حقہ سامنے رکھ دیا۔آپ نے حقہ پیا جب اس کو دیکھا فرمایا کہ تجھ میں بادشاہت کی لیاقت نہیں لیکن خیر بادشاہ کا وزیر بن جائے گا غرض چند روز بعد حقہ کش کے ہمسائے میں محمد شاہ کے کوئی امیر رہتے تھے، وہ انتقال کر گئے حقہ امیر متوفی کا ہم شبیہ تھا لوگ اس کو بادشاہ کے پاس لے گیے بادشاہ نے چاہا کہ چہرہ نویسی پر اس کی دستخط فرمائیں۔بادشاہ نے جب قلم اٹھایا منصب سہ ہزاری کا حکم لکھا گیا دوسرا یا تیسرا کاغذ لیا اور قلم سے لکھنے لگا ہفت ہزاری منصب سے سرفراز ہوئے۔بادشاہ حیرت میں ہوا اور حقہ کش سے حال پوچھا اس نے عرض کیا کہ میں ایک بازاری آدمی ہوں۔ایک مرتبہ شاہ عبدالرزاق میرے مکان کے پاس سے گزرے اور حقہ پلانے کی صدا دی اور کہا جو مجھ کو حقہ پلائے بادشاہت پائے میں نے اسی وقت حقہ ان کے سامنے رکھ دیا جب حقہ پی لیا تو فرمانے لگے تو بادشاہت کے لائق نہیں لیکن تجھ کو وزارت ضرور مل جائے گی غرض ان کی زبان مبارک کی برکت سے یہ سارا ظہور ہوا ہے، بادشاہ نے اسی وقت اس کو درجہ وزارت سے ممتاز کیا''۔(برکات الاولیاء ص ۱۴۲)

سیدنا عبدالرزاق کو معاشی تنگ دستی تھی۔کسب معاش کے لیے نوکری کی تلاش میں گھر سے باہر نکلتے اور پھر خالی ہاتھ گھر واپس آجاتے۔آپ کے صاحبزادہ شیخ فرحت اللہ کہتے ہیں کہ سیاحت بسیار کے بعد آ کر بانسہ میں قیام کیا۔دوران سفر آپ سے بے اختیار کرامتیں صادر ہوئیں، لیکن اپنے روحانی احوال وکوائف مخلوق سے پوشیدہ رکھتے۔اکثر وبیشتر دریائے

کلیانی کے کنارے ایک درخت کے نیچے مشغول بحق رہتے۔ایک دن ایک چرواہے نے آپ کواس مقام پر دیکھا کہ آپ کے تمام اعضائے جسمانی ایک دوسرے سے جدا ہوکر بکھرے ہوئے ہیں۔ چرواہے نے سمجھا کہ حضرت کو بھیڑیئے نے پھاڑ ڈالا ہے اس بنا پر نالہ وفریاد کرنے لگا، حضرت کے بکھرے ہوئے اعضا جسم سے مل گئے چرواہا اس حال کے مشاہدہ سے آپ کے قدموں میں گر پڑا، حضرت نے فرمایا کہ اگر تم اس راز کو پوشیدہ رکھو گے تو تمھارے ساتھ رعایت کی جائے گی۔ چراوہے نے کہا مجھے یہ بات منظور ہے۔آپ نے فرمایا کہ جس برتن میں تم اپنا غلہ محفوظ رکھتے ہو آج سے نقد وجنس جس چیز کی تمھیں ضرورت پڑے اس برتن سے نکال لو حق تعالیٰ تمھیں عنایت فرمائے گا۔اور ہمارے اس راز کو ظاہر نہ کرنا پھر چرواہا اپنے گھر آیا اور اپنی خواہش کا امتحان اس برتن سے کیا۔ بات صحیح ثابت ہوئی۔ وہ چرواہا ایک سال تک اپنی ضروریات جونقد وجنس سے ہوتیں اسی برتن سے نکالتا۔

ایک دن چراوہے نے شراب پی اور نشے کی حالت میں درخت کے نیچے کلیانی ندی کے کنارے حضرت کی جو کیفیت دیکھی تھی اور حضرت کی بخشش کا تذکرہ بطور فخر بیان کیا ، اوراس حالت میں پوری بستی میں اعلان کردیا اس اعلان سے آپ کے تصرف اور روحانی کمالات کا چرچا سارے عالم میں ہوگیا۔اطراف وجوانب کے لوگ گروہ درگروہ آپ کی خدمت میں پہنچے اور شرف قدم بوسی مشرف ومفتخر ہوئے بہت زیادہ شہرت پائی پھر آپ کے صوری ومعنوی تصرفات کی بنا پر ہندوستان کے تمام شہروں اور دوسرے ممالک میں فضیلت ولایت کی شہرت ہر خاص وعام پر مشتہر ہوگئی۔(بحر زخار جلد دوم ص ۲۵۳)

حضرت سید صاحب کو اخیر عمر میں پیروں کی تکلیف کا عارضہ لاحق ہوگیا جس کے سبب پیروں سے چلنا پھرنا مشکل ہوگیا، جب تک خدام اور مریدین ہاتھوں سے سہارا نہ دیتے آپ اٹھ بیٹھ نہ سکتے تھے، بعض لوگوں نے نفخ شکم، اور قولنج کی بیماری لکھی، بہرحال عارضہ موت کچھ بھی ہوا ان تمام پریشانیوں کے باوجود ہوش وحواس میں ذرہ برابر فرق نہ آیا ۔بوقت وصال عمر شریف ۸۸ رسال تھی ۔ ۶ رشوال بروز بدھ ۱۱۳۶ھ مطابق ۱۹ رجون ۱۷۲۵ءکو واصل بحق ہوئے۔''قطب شہنشاہ درگاہ صمد'' آپ کا مادہ تاریخ وصال ہے۔مفتی

محمد رضا انصاری لکھتے ہیں۔

''عمر شریف نوے سال کے قریب یا شاید دو سال کم (۸۸ برس) کی تھی
کہ چہار شنبہ چھٹی شوال سن گیارہ سو چھتیس ہجری (۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء) کو
لقائے خداوندی سے سرفراز ہوئے''۔(تذکرہ سید صاحب ص ۱۷۳)

خاندان رزاقیہ کا جہاں آبائی قبرستان ہے اسی کی چہار دیواری میں مدفون ہوئے۔یہی وہ جگہ ہے جو پہلے کٹرہ کہلاتی تھی،اور وہاں مسافر خانہ تھا ہر سال عرس کی تقریب بڑے اہتمام سے منائی جاتی ہے۔کثیر تعداد میں ارباب عقیدت عرس میں شریک ہوکر فیوض وبرکات سے مالا مال ہوتے ہیں۔(ماخوذ از تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم ص ۱۲۹)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ شیر بیشۂ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیت علیہ الرحمۃ والرضوان

شہر لکھنؤ سے جانب مشرق چند میل کے فاصلہ پر ایک مشہور قصبہ ''امیٹھی'' ہے وہاں ایک بزرگ آسودۂ خواب ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت بندگی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔انھی کی امیٹھی کی مناسبت سے اس قصبہ کو ''امیٹھی'' کہا جاتا ہے۔سلطان اورنگ زیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۷۰۷ء) کے استاد حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت بھی اسی قصبہ میں ہوئی تھی۔

حضرت شیر بیشہ اہل سنت کا خاندان وہیں پروان چڑھا اس قصبہ میں اس خانوادہ کی نمایاں حیثیت تھی۔اسی مردم خیز قصبہ کے متدین آفریدی النسل گھرانے میں ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

''محمد حشمت علی خاں بن ابو الحفاظ نواب علی خاں بن جناب محمد حیات
خاں بن جناب محمد سعادت خاں بن محمد خاں علیہم الرحمۃ والرضوان''

آپ کے مورث اعلیٰ محمد خاں صاحب آفریدی درۂ خیبر سے آئے اور یہاں

فوجی افسر بن کر کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کے صلے میں معافیات کے حقدار ہوئے۔ انھیں یہ معافیات امیٹھی میں ملی تھیں آج بھی آپ کے اجداد قصبہ امیٹھی میں اپنی آراضی میں آسودۂ خواب ہیں۔

آپ کے دادا جناب محمد حیات خاں کی اولاد میں اولاد علی سب سے بڑے تھے اس لیے ولی عہدی کی حیثیت انھیں کو حاصل تھی۔ جملہ کاغذات میں انھیں کا نام اور عمل دخل تھا۔ آپ کے والد ماجد حافظ نواب علی خاں جن کا عقد امیر بخش خاں صاحب ساکن ملایاں ضلع اناؤ کی دختر نیک اختر سے ہوا جو انتہائی عابدہ زاہدہ اور پابند صوم وصلوٰۃ خاتون تھیں انھیں کے بطن سے حضور شیر بیشہ اہل سنت کی ولادت ہوئی۔

آپ نے زندگی کے ابتدائی ایام امیٹھی اور لکھنؤ میں گزارے مگر جب شعور کی منزل کو پہنچے اور بریلی کے مشہور عالم دین امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ملاقات ہوئی تو قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ قربت اس درجہ بڑھی کہ آپ کا خاندان امیٹھی لکھنؤ سے منتقل ہو کر پیلی بھیت آبسا جو ضلع بریلی سے متصل کچھ ہی کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں سکونت فرما کر آپ نے بریلی میں امام اہل سنت کی خدمت میں رہ کر علم وفضل کے ایسے جوہر دکھائے کہ حلقۂ سنیت میں ''اپنی بے باک علمی ودینی کارناموں کی بنیاد پر ''شیر بیشہ اہل سنت'' بن کر چمکے۔ پیلی بھیت جو ایک گمنام قصبہ تھا آپ کے فضل وکمال کے سبب شہرتوں کی بلندیوں پر پہنچ گیا۔

پیلی بھیت صوبہ اتر پردیش میں نیپال کی ترائی میں ایک قدیم شہر ہے حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیلہ نے جسے ۱۷۶۲ء میں آباد کیا تھا پہلے اس کا نام ''حافظ آباد'' رکھا گیا۔ بعد میں حافظ رحمت خاں روہیلہ کے حکم پر ایک فصیل شہر کے اطراف سے نکلنے والی پیلی مٹی سے تعمیر کرائی جس کی بنا پر یہ شہر ''حافظ آباد'' سے ''پیلی بھیت'' ہو گیا۔

آپ کا پیدائشی نام محمد صدیق ہے جو بعد میں حشمت علی ہو گیا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے منسوب کر کے ''عبید الرضا'' لکھا کرتے تھے۔ چوں کہ شعر وسخن کا بھی مذاق حاصل تھا اس لیے ''عبید'' تخلص اختیار کیا۔ غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ

والرضوان سے بے پناہ عقیدت کے سبب اپنے کو بارگاہ غوثیت کا کتّا ''سگ بارگہ بغداد'' کہا کرتے تھے۔ یہی آپ کا فقرہ سال ولادت ہے جس سے ۱۳۱۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ ''ابوالفتح'' آپ کی کنیت تھی اور یہ کنیت بارگاہ اعلیٰ حضرت سے مولوی یٰسین خام سرائی کو ۱۹۱۹ء میں مناظرہ میں شکست دینے پر ملی تھی۔

تعلیم کا آغاز آپ کا صوفی بزرگ الحاج کریم بخش ذات بابرکت سے ہوا انھوں نے ہی بسم اللہ خوانی کی رسم ادا کرائی۔ قاعدہ بغدادی اور ناظرہ قرآن کی تکمیل کے بعد حافظ وقاری غلام طٰہ کی خدمات حاصل کی گئیں جو گھر پر آتے اور تعلیم دیتے تھے۔ حفظ کلام اللہ کے لیے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ اور دس سال کی عمر میں آپ نے حفظ کلام اللہ کی تکمیل کر ڈالی۔ اور سب سے پہلے قطب شمالی ہند حضرت شاہ مینا لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۸۷۰ھ) کے مزار پُر انوار کی مسجد میں نماز تراویح سنائی۔ اور پھر یہ سلسلہ زندگی کے آخری ایام تک چلتا رہا۔ حفظ کلام اللہ کے بعد قرأت وتجوید کے لیے قاری محمد صدیق بنگالی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ۱۳۳۱ھ میں بارہ سال کی عمر میں ''روایت حفص'' اور تیرہ سال کی عمر میں ''قرأت سبعہ'' کا امتحان پاس کیا۔ اور اس فن میں اعلیٰ درجہ کی مہارت حاصل کی۔ مولانا مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں۔

> ''فن قرأت وتجوید میں وہ اپنے وقت کے امام تھے'' ولا الضالین'' کے مخرج کی ادائیگی میں انھیں جو کمال حاصل تھا وہ شاید ہی کسی کو ہو''۔
>
> (ماہنامہ پاسبان الٰہ آباد ۱۰؍اگست ستمبر ۱۹۶۰ء)

ابتدائی فارسی کی تعلیم مولوی محمد حسین لکھنوی سے حاصل کی۔ لکھنؤ ہی میں منشی شمس الدین اعجاز رقم سے فن خطاطی سیکھی، جس کے سبب تحریر بہت عمدہ ہو گئی تھی۔ آپ کی محنت اور صلاحیت کی بنیاد پر ''مدرسہ فرقانیہ'' کے تمام مدرسین آپ پر بہت مہربان تھے۔ مولانا عین القضاۃ تو آپ کو مدرسہ کا ''آفتاب'' کہا کرتے تھے۔ اور آٹھ روپئے ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کیا تھا اور جب آپ نے ''میزان الصرف'' شروع کی تو یہ وظیفہ دس روپئے ماہانہ ہو گیا۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت کی زندگی میں انقلاب امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں

کی کتاب ''تمہید ایمان بآیات قرآن'' کے مطالعہ کے بعد آیا۔ یہ کتاب آپ کے مطالعہ میں اکثر رہا کرتی تھی جس کے مطالعہ سے آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ ''مدرسہ فرقانیہ'' کے کچھ مدرسین تقیہ کر کے تنخواہ کی لالچ میں اپنے مفاد کے لیے اپنے آپ کو سنی ظاہر کر کے مدرسہ میں پرورش پا رہے ہیں۔ جیسا کہ مناظرہ ''موراواں'' کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے، جو آپ نے وہابی علماء کے اعتراض کرنے پر جواب میں فرمایا تھا۔

''اس مناظرہ میں ایک موقع پر نور محمد ٹانڈوی نے کہا کہ مولانا! آپ نے ابتدا میں دیوبندیوں سے پڑھا اب انھیں کو کافر و مرتد کہہ رہے ہیں۔ آپ سے بڑھ کر احسان فراموش اور نمک حرامی کرنے والا کون ہے؟

تو آپ نے جواب میں فرمایا۔ مولوی صاحب! حق پسندی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت کریمہ ہے کہ جب حق واضح ہو گیا تو فوراً جدا ہو گئے اور اسی کے خلاف محاذ قائم فرما کر اعلان حق فرمایا۔ کیا حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی احسان فراموش کہہ سکتے ہو؟

(مناظرہ موراواں ص ۱۱۰ پیلی بھیت ۲۰۱۳ء)

بہر حال آپ نے امام اہل سنت کی بارگاہ میں حاضری دی اور علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دست حق پرست پر شرف بیعت حاصل کر کے سلسلہ قادریہ کا فیضان بھی حاصل کیا۔ یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شیر بیشہ اہل سنت کے ذہن ودماغ میں انقلاب پیدا کرنے والی کتاب ''تمہید ایمان'' ہی ہے، گرچہ اس تبدیلی فکر کا طریقہ بعض دوسرے سوانح نگاروں نے یہ بتایا ہے۔

''جب ان کی والدہ ماجدہ حضرت علامہ ہدایت رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت ہوئیں تو انھوں نے شیر بیشہ سنت کی والدہ ماجدہ کو اعلیٰ حضرت کے کچھ رسائل عطا فرمائے جس میں رسالہ ''تمہید ایمان بآیات قرآن'' بھی تھا ان کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ صاحبزادہ کی روش تو غلط ہے یہ کتابیں میرے کس کام آئیں گی؟ تو پیر و مرشد نے فرمایا ''رکھو کام آئیں

گی‘‘ پیرومرشد کا فرمایا ہوا جملہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوا‘‘۔

(مولانا حشمت علی پیلی بھیتی ایک تحقیقی مطالعہ ص ۱۱۵)

پیرومرشد مولانا ہدایت رسول کے کہنے کے مطابق ’’تمہید ایمان‘‘ نے اپنا کام کیا اور اس طرح کہ ایک مرتبہ آپ کی والدہ نے کتابیں دھوپ میں سوکھنے کے رکھی تھیں۔ آپ مدرسہ سے آئے تو آپ کی نگاہیں ان کتابوں پر پڑیں آپ نے ’’تمہید ایمان‘‘ اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیا۔ ادھر کتاب پڑھتے جا رہے تھے اور ادھر بے اختیار ان کی زبان حق ترجمان سے یہ کلمات جاری تھے۔ ’’یقیناً کافر ہیں یقیناً وہ کافر ہیں‘‘۔ والدہ ماجدہ اس وقت باروچی خانہ میں روٹی پکا رہی تھیں۔ دوپہر کا وقت تھا ان کے کان میں جیسے ہی یہ جملے پہنچے فوراً روٹی پکانا چھوڑ کر سجدے میں گر گئیں اور روتے روتے بے ہوش ہو گئیں۔ کئی گھنٹے بعد جب ہوش میں آئیں تو پیرومرشد کی وہ بات یاد آئی جو انھوں نے کتابیں دیتے وقت فرمائی تھی کہ ’’رکھ لو کام آئیں گی‘‘ الحمدللہ آج میرا لڑکا گمراہی سے نکلا اور راہ راست پر آیا۔

اس واقعہ کے بعد والد ماجد نے آپ کا داخلہ بلا کسی تاخیر کے ۲۵؍رجب المرجب ۱۳۳۶ھ مطابق 1918ء کو منظر اسلام بریلی شریف میں کرا دیا۔ اس ادارہ میں امام اہل سنت فاضل بریلوی کی شب و روز کی صحبت اور رفاقت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا پہلے تو آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دست حق پرست پر بیعت کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کے سپرد کر دیا۔ امام اہل سنت نے آپ کو خرقۂ ارادت سے سرفراز فرمایا۔ اس عظیم دولت سے سرفراز ہونے کے بعد پیرومرشد کے زیر سایہ انہماک کے ساتھ اپنا تعلیمی سفر شروع کیا۔ شیخ کامل کی نگاہ التفات نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم محمد امجد علی، حضرت مولانا مولوی رحم الٰہی، حضرت مولانا مولوی نور الحسن رام پوری اور حضرت مولانا مولوی ظہور الحسین رام پوری علیہم الرحمۃ والرضوان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے جملہ علوم متداولہ میں کمال حاصل کیا۔ شعبان المعظم ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں سالانہ جشن دستار فضیلت کے موقع پر آپ نے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد سند فراغ حاصل کیا اور علمائے مقدس کے نورانی

ہاتھوں سے دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

مدرسہ منظر اسلام بریلی اور دیگر مدارس اسلامیہ میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ میں بحیثیت مفتی بھی کام کیا۔قاطع نجدیت تھے دیوبندی اور وہابی علماء سے علمائے دیوبند کی کفری عبارتوں پر فاتحانہ مناظرے بھی کیے اور انھیں شکست فاش سے دوچار بھی کیا۔ان مناظروں میں بیشتر مناظروں کی روداد شائع ہو چکی ہے۔

۱۳۷۰ھ میں پہلا سفر حج اور ۱۳۷۷ھ میں دوسرا سفر حج کیا۔ وہاں بھی نجدی علماء سے آپ کا بحث ومباحثہ اور علمی جھڑپیں ہوئیں جس میں آپ نے سعودی علماء کو لاجواب کیا آپ اپنے برادر اصغر مولانا محمد محبوب علی خاں قادری ممبئی (وفات ۱۹۶۵ء) کے پاس سعودی عرب سے ۱۵/اگست ۱۹۵۸ء کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

> ''میرے متعلق وہابیوں نے پروپیگنڈہ کیا ہوگا لیکن پریشان نہ ہونا۔ پچیس نجدی ملاؤں سے حکومت نجدیہ کے قائم کردہ ''مرکز هيئة الامر بالمنكر والنهى عن المعروف '' میں تقریباً ڈھائی گھنٹہ زبردست مباحثہ ومناظرہ ہوا جس کا خاتمہ'' رئيس الهيئة '' کے اس جملہ پر ہوا۔ '' سامحونا فقد كلفناكم ''ہمیں معافی دیجیے ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی''۔(سوانح شیر بیشہ اہل سنت ،محبوب علی ص۲۳۲)

حضرت مولانا حشمت علی کے خانوادہ برکات اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت سے بڑے گہرے مراسم تھے۔آپ کی پوری زندگی انھیں دونوں خانوادوں کی پاسداری میں بسر ہوئی اوران خانوادوں کے چشم کرم کے ہمیشہ آپ منتظر رہے۔ایسا کوئی کام آپ نے کبھی نہیں کیا جس سے ان خانوادوں کی تکلیف کا باعث بنے۔ان دونوں خانوادوں کی سر پرستی میں آپ نے دین حق کی ترویج اور مسلک اہل سنت وجماعت کی نشر واشاعت کے تعلق سے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس سے ان خانوادوں کا بچہ بچہ آپ سے نہ صرف خوش رہتا بلکہ اپنی پلکوں پر بٹھانے کی تمنا کرتا۔خانوادۂ برکات سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ نے مالیگاؤں میں حضور تاج العلماء کو بلایا تو آپ نے حضرت کے استقبال کی تیاری

کے لیے ایک ماہ قبل ہی مالیگاؤں پہنچ گئے اور حضور تاج العلماء کی مالیگاؤں میں تشریف آوری پر ان کے اعزاز میں ایسا جلوس نکالا کہ وہاں کے لوگوں کا بیان ہے

''ایسا جلوس اس سرزمین پر اس سے پہلے کسی کے اعزاز میں کبھی نہ نکالا گیا مالیگاؤں کی تاریخ کا بے نظیر جلوس تھا''۔

(مولانا حشمت علی پیلی بھیتی۔ایک تحقیقی مطالعہ ص ۴۴۰)

حضرت شیر بیشہ اہل سنت خانوادہ رضویہ کے ہر ہر فرد کے محبوب نظر تھے اور اس خانودہ کے ہر فرد کو آپ کی صلاحیت پر کامل بھروسہ تھا۔ جماعت رضائے مصطفےٰ کے پلیٹ فارم سے شدھی تحریک کو نیست و نابود کرنے کے لیے آریوں سے کئی ایک مناظرے کیے۔ جن کی تفصیل اس دور کے اخبار میں دیکھی جاسکتی ہے۔آپ کے انھیں محاسن کے پیش نظر حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

''وہ بیشۂ سنت کے شیر ہیں میدان حق گوئی کے مرد دلیر ہیں، انھوں نے درحقیقت ہم پر مذہبی احسان کیا تھا کہ تم کو وہابی ہونے سے بچالیا اور میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ سوڈیڑھ سو مولوی باہم مل کر وہ کام نہیں کر سکتے جو اللہ ورسول کے فضل وکرم سے اکیلے مولانا حشمت علی نے کیا ہے''۔

(معرکہ حق و باطل، محمد یونس نعیمی ص ز ممبئی ۱۴۰۵ھ)

حضور شیر بیشہ اہل سنت نے دو شادیاں کی تھیں پہلی اہلیہ سے ایک لڑکی کی ولادت ہوئی جس کا نام ''ناظرہ بیگم'' تھا مگر ولات کے چھ دن بعد اس لڑکی اور ولادت کے آٹھویں دن اہلیہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔اس طرح زچہ بچہ دونوں جوار رحمت باری میں جابسے۔دوسرا عقد ۱۹۲۶ء میں ہوا جس میں شہ بالا سید العلما مولانا شاہ سید آل مصطفےٰ مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔نکاح سے قبل صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہوا صلوٰۃ وسلام کے بعد حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بریلی شریف نے خود وکیل نکاح بنے اور خود ہی نکاح پڑھایا اور دس ہزار روپئے سکہ رائج الوقت پر مہر مقرر ہوا۔ بڑے بڑے علمائے کرام وفضلائے عظام نے بحثیت باراتی اس

نکاح میں شرکت فرمائی۔

دوسری شادی کے بعد حضور شیر بیشہ اہل سنت نے والد ماجد کی اجازت سے پیلی بھیت میں زمین خریدی مکان بنایا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی اس طرح ایک عرصہ تک موطناً ''لکھنوی'' کہلانے کے بعد آپ ''پیلی بھیتی'' ہو گئے۔

آپ کی دوسری زوجہ سے کئی بچوں کی ولادت ہوئی آپ کے تمام صاحبزادگان نے علم وفضل میں کمال حاصل کیا اور اب والد ماجد کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل میں سرگرم عمل ہیں ان میں یہ حضرات اہم ہیں۔

۱۔مشاہد ملت حضرت علامہ شاہ محمد مشاہد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مصنفِ کتاب کے پیر ومرشد)(وفات ۱۹۹۹ء)

۲۔حضرت مولانا احمد مشہور رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۲۰۱۵ء)

۳۔حضرت مولانا حافظ عسکری رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۴۔حضرت مولانا محمد ادریس رضا خاں حشمتی مدظلہ العالی

۵۔حضرت مولانا محمد معصوم الرضا خاں حشمتی مدظلہ العالی

۶۔حضرت مولانا ناصر رضا خاں حشمتی مدظلہ العالی

حضور شیر بیشہ اہل سنت کی زندگی کا ہر لمحہ اسوۂ رسول کے مطابق تھا اسی لیے دینی امور ومعاملات میں وہ بڑے متصلب تھے۔ اس معاملہ میں آپ کا کوئی قدم اسلاف کے برخلاف نہیں تھا۔آپ کے اسی دینی تصلب کو بعض لوگوں نے شدت سے تعبیر کیا ہے۔جب کہ یہی آپ کے استاد اور پیر ومرشد امام اہل سنت فاضل بریلوی کا معمول بھی اور حکم ومشورہ بھی۔انھوں نے اپنی زندگی میں ذرہ برابر بھی مذہبی تصلب میں لوچ نہیں آنے دیا اور اپنے متبعین اور معتقدین کو اسی کا درس بھی دے گئے۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
کیجئے چرچا انھی کا صبح وشام جان کافر پر قیامت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکر آیات ولادت کیجئے

غیظ میں جل جائیں بیدینوں کے دل　　یارسول اللہ کی کثرت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم رسول　　اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے
حیّ وباقی جس کی کرتا ہے ثنا　　مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا　　یاد اس کی اپنی عادت کیجئے
(حدائق بخشش،امام احمد رضا ص ۸۸)

حضرت شیر بیشۂ اہل سنت دینی تصلب اور دوسری خوبیوں کے معاملے میں اعلیٰ حضرت کے مظہر تھے اس لئے آپ کو ''مظہر اعلیٰ حضرت'' کے لقب سے بھی یاد کیا گیا۔ چوں کہ آپ میں مذہبی تصلب اس درجہ تھا کہ دشمنان رسول کے حق میں کسی خونخوار خنجر سے کم نہیں تھے اس لئے بعض لوگوں نے اعلیٰ حضرت کے اس شعر

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار　　اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

میں ''کلک رضا'' سے حضور شیر بیشہ اہل سنت کی ذات گرامی کو مراد لیا ہے۔ اسی تصلب فی الدین کا نتیجہ تھا کبھی کسی معاملہ میں آپ نے منافقانہ رویہ نہیں اختیار کیا۔ حق بات بلا جھجھک اور برملا کہنے کے عادی تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی تعریف؟ تو آپ نے جواب دیا میرا نام حشمت علی ہے میں پیلی بھیت کا رہنے والا ہوں پھر اس شخص نے پوچھا کہ آپ کا پیشہ کیا ہے تو آپ نے جواباً فرمایا ''ردّ وہابیہ'' آپ کے اس بے باکانہ جواب سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ عشق رسول میں کس قدر سرشار اور بارگاہ رسالت ﷺ کے کس درجہ وفادار اور اطاعت شعار تھے۔

حضور شیر بیشہ اہل سنت قوم وملت کی اصلاح وفلاح کی خاطر متعدد طریقے اپنائے کہیں مدرس، کہیں مقرر، کہیں مفتی، اور کہیں مناظر اعظم کی حیثیت سے اپنی عالمانہ وفاضلانہ صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ وقت کے بڑھتے ہوئے فتنہ وفساد کا آپ نے زبان وقلم دونوں سے دفاع کیا۔ مذہب باطلہ کی تردید میں کتابیں بھی لکھیں اور وعظ ونصیحت سے ان کی بخیہ دری فرمائی۔ جو کتابیں آپ کے نوک قلم سے قرطاس کی زینت بنیں ان میں یہ کتابیں اہم ہیں۔

۱۔جواہر الایقان فی توضیح کنز الایمان

یہ تفسیر تین پاروں پر مشتمل ہے، کتب خانہ رضویہ سے اشاعت ہو چکی ہے۔ مصنف نے امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کی توضیح لکھنی شروع کی تھی مگر تین پارے لکھ سکے تھے کہ وصال فرما گئے۔

(قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر کا اجمالی جائزہ ص ۳۴۵ دہلی ۲۰۱۷ء)

۲۔اجمل انوار الرضا

۳۔الانوار الغیبیہ

۴۔الصوارم الہندیہ

۵۔احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ

۶۔القلادۃ الطیبہ المرصعہ

۷۔تقریر منیر قلب

۸۔۔ستر باادب سوالات دینیہ ایمانیہ

۹۔عرض منیر

۱۰۔قہر واجد دیان بر ہمشیر بسط بنان

۱۱۔الفرح والتاج لمحب محفل معراج

۱۲۔فتح الابرار علی الکفار

۱۳۔القول الاظہر

۱۴۔شمامۃ العنبر

۱۵۔جمال الایمان

۱۶۔قہر المعبود

۱۷۔الصولۃ الاحدیہ

۱۸۔سل الصوارم الصمدیۃ

۱۹۔قہر القہار

۲۰۔راد المھند علی النھیق الانبٹھی المفند

۲۱۔فتاوی شیر بیشۂ اہل سنت

۲۲۔ذوالافہام علی حکم التبلیغ خلف الامام

۲۳۔مخزن ہدایت

حضرت مولانا حشمت علی میدان خطابت کے شہ سوار تھے۔لکھنوی لب ولہجہ نے ان کی خطابت کو مشہور زمانہ بنا دیا تھا۔زبان میں سلاست اس درجہ تھی کہ بس! تقریر میں فصاحت و بلاغت کا سمندر موجیں مارتا، محاوروں کی خاص آمد ہوتی جس سے عوام وخواص یکساں لطف اندوز ہوتے۔حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور آپ کی خطیبانہ شوکت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے تھے۔ ایک بار تقریر کرتے ہوئے انھوں نے ارشاد فرمایا:

''حضرت مولانا (حشمت علی) ایک جلسے میں تقریر فرما رہے تھے کئی ہزار کا

مجمع تھا جب جلسہ ختم ہوا تو ایک ضعیف شخص آ کر حضرت مولانا سے بغل گیر ہو گیا اور کہنے لگا کہ مولانا اپنی پوری زندگی میں میں نے صرف دو تقریریں سنی ہیں ایک تقریر مولانا ہدایت رسول علیہ الرحمہ کی (جو میرے دادا ہیں) اور دوسری آج آپ کی زبان سے''۔

(ماہنامہ استقامت ڈائجسٹ کانپور اولیاء نمبر ۱۹۷۸ء)

حضور شیر بیشہ اہل سنت کی مکمل زندگی احقاق حق اور ابطال باطل کی آئینہ دار ہے انھوں نے تمام باطل طاقتوں سے پنجہ آزمائی کی اور اپنے شیرانہ پنجوں سے انھیں توڑ مروڑ کے رکھ دیا۔ دشمنان رسول سے اکثر درج ذیل موضوعات پر ان کی بحثیں اور علمی مناظرے ہوتے رہتے تھے۔

۱۔مسئلہ امکان کذب باری تعالیٰ
۲۔مسئلہ علم غیب و عالم الغیب
۳۔مسئلہ امتناع نظیر
۴۔مسئلہ اختیارات رسول
۵۔تصرفات اولیائے کرام
۶۔استمداد اولیائے کرام
۷۔مسئلہ علم رسول اور علم شیطان
۸۔مسئلہ خاتم النبیین
۹۔نماز میں تصور رسول اور تصور گاؤ خر وغیرہ

فن مناظر میں آپ کو کس قدر مہارت تھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

''حضرت شیر بیشہ اہل سنت قدس سرہ کو اللہ عزوجل نے ایسی جامعیت تامہ عطا فرمائی تھی جو دیکھی تو کیا سنی بھی کم جائے گی۔لیکن آپ کو جس وصف میں عالمگیر شہرت حاصل ہے وہ وصف مناظرہ ہے''۔

(ماہنامہ نوری کرن بریلی ۱۹۶۰ء)

حضرت مولانا حشمت علی کا سیاسی موقف تقسیم ہند کے تعلق سے بالکل منفرد اور جداگانہ تھا ایسا لگ رہا تھا کہ ہندوستان کا مستقبل مسلمانان ہند کے تعلق سے ان کے سامنے تھا آپ اس موقع سے نہ تو ہوا کے رخ پر بہے اور نہ ہی کسی ایسے فیصلہ پر اٹل رہے جو شریعت کے خلاف رہا۔ بلکہ میدان سیاست میں رہ کر آپ نے کتاب وسنت کے مکمل متبع اور پیروکار رہ کر اپنے سیاسی موقف یعنی تقسیم ہند کی مخالفت پر اٹل رہے۔ اور اس سلسلے میں آپ کو علمائے مارہرہ، علمائے بریلی اور علمائے مبارک پور کی پشت پناہی بھی حاصل رہی۔ آپ کے نزدیک کانگریس اور لیگ کے اصولوں میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ آپ ان دونوں پارٹیوں کو ایک ہی سکہ کے دو رخ اور ایک ہی گیت کی دو دھنیں اور ایک ہی چھری کی دو دھار سمجھتے تھے۔ آپ کا ماننا تھا کہ لیگ کو جنم دینے والے وہی لوگ ہیں جو کسی زمانے میں کانگریس کے روح رواں تھے۔اس لئے آپ اور آپ کے ہمنوا علما نے ان جماعتوں کی کھل کر مخالفت کی۔ شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی سابق صدر افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کانگریس و مسلم لیگ کے مخالف علماء کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”وہ حضرات تھے علمائے اہل سنت جنھوں نے بلا خوف لومۃ لائم اعلان فرما دیا کہ کانگریس اسلام و مسلمین کے لیے مار آستین اور شہد میں ملا ہوا زہر ہلاہل ہے۔ ہندو دشمن اسلام و مسلمین ہیں ان سے کسی بھلائی کی امید کرنا ان کے لمبے لمبے چوڑے چوڑے وعدوں پر پھولنا سخت غلطی ہے یہ تمھیں اپنے منھ سے خوش کرتے ہیں اور اپنے سینے میں تمھیں ملیامیٹ کرنے کے جذبات رکھتے ہیں آج تم کو اپنا بنانے کے لیے تمھیں شہد دکھا رہے ہیں مگر موقع پاتے ہی تمھیں ایسا زہر دیں گے کہ تم سوائے نزع اور کوئی کروٹ بھی نہ لے سکو گے۔“

(اشک رواں، مفتی شریف الحق امجدی ص ۵۶ گیا ۱۳۶۵ھ)

شیر بیشہ اہل سنت کا تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے موقع پر سیاسی موقف کیا تھا اس سلسلے میں تفصیلی معلومات کے لیے راقم السطور کی کتاب ''شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی پیلی بھیتی۔ایک تحقیقی مطالعہ'' کا مطالعہ مفید ہوگا جو محمدی بک ڈپو دہلی سے ۲۰۱۸ء میں ۵۶۰ صفحات پر مشتمل شائع ہو چکی ہے۔

حضور شیر بیشہ اہل سنت کی آخری خواہش اور تمنا یہ تھی کہ تیسری بار حرمین شریفین کی زیارت ہو اور پھر وہیں کوچہ رسول میں آخری آرام گاہ بنے۔ آپ اپنی تمنا کا اظہار بارہا ان اشعار سے کر چکے تھے۔

بلا لیجئے مدینے میں خدارا نہیں اب ہند میں اپنا گزارا
تمھارا در ہو اور ہو سر ہمارا اسی کوچہ میں ہو بستر ہمارا
قضا آئے تو آئے اس گلی میں رہے باقی نہ حسرت کوئی جی میں

تمنا تو یہ تھی کہ دیار حبیب میں موت کا پروانہ آئے مگر مشیت کو کچھ اور منظور تھا دشمنان دین نے'' رسولی''،ضلع بارہ بنکی میں پان میں زہر کھلا دیا۔ اندر ہی اندر یہ زہر اپنا کام کرتا رہا لآخر اس زہر کے سبب ۸/محرم الحرام ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء کو اللہ کو پیارے ہوگیے۔

آپ کی وفات پر اظہار غم کرتے ہوئے سید العلماء حضرت شاہ سید آل مصطفیٰ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے یہ اشعار قلم بند فرمائے۔

خدا را ولی بود حشمت علی نبی را رضی بود حشمت علی
زفیضان بو بکر صدیق اکبر نقی وصفی بود حشمت علی
زفاروق عثماں ضیائے گرفت بدین علی بود حشمت علی
زنور قدوم شہ غوث اعظم بہی وسنی بود حشمت علی
بوصفش چوپُرسید سید زہاتف گفتا ''تقی بود حشمت علی''

(شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی پیلی بھیتی۔ایک تحقیقی مطالعہ ص ۵۴۷)

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا شاہ عبدالرب قادری باندہ
علیہ الرحمۃ والرضوان

سلسلہ قادریہ کی جن شاخوں نے ہندوستان میں اشاعت دین حق میں کلیدی کردارادا کیا اور مذہب اسلام سے بندگان حق کو مربوط رکھنے میں مسلسل جدوجہد فرمائی، ان میں ''سلسلہ قادریہ ربانیہ'' کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، دعوت وتبلیغ،تقریروتحریر، مساجد ومدارس کے قیام کے ذریعہ اس سلسلہ نے صرف علاقہ بندیل کھنڈ ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے متعدد صوبوں میں اپنی ایک پہچان بنائی ہے۔اس سلسلہ سے وابستہ حضرات اپنے نام کے ساتھ ''ربانی'' نسبت قائم کرتے ہیں۔اس سلسلہ کا مرکز بندیل کھنڈ علاقہ کا شہر ''باندہ'' ہے۔باندہ کی جس اہم شخصیت نے اس سلسلہ کی بنیاد ڈالی اور اسے عروج بخشا اور جن کے نام نامی اسم گرامی سے یہ سلسلہ مشہور ومعروف ہوا وہ حضرت مولانا سید شاہ عبد الرب ربانی علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔

حضرت سید شاہ عبدالرب جنھیں ''سرکار ربانی'' کہا جاتا ہے، آپ کی ولادت ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں ٹیکم گڑھ میں اس وقت ہوئی جب آپ کے والد ماجد سید شاہ محمد امانت علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بسلسلہ سیاحت وتبلیغ ٹیکم گڑھ میں مقیم تھے، آپ کی والدہ ماجدہ سیدوزیرالنساء خود بھی پابند صوم وصلوٰۃ اورانتہائی نیک خاتون تھیں، حسینی سادات سے آپ کا تعلق ہے۔۳۲ واسطوں سے آپ کا شجرۂ نسب سیدالشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے رسول اکرم ﷺ پر منتہی ہوتا ہے جو اس طرح ہے۔

سید محمد عبدالرب (بن) سید امانت علی (بن) سید دائم علی (بن) سید محمد غیاث الدین (بن) سید محمد قطب الدین (بن) سید محمد مشائخ (بن

)سید محمد کمال عرف حسین میاں (بن) سید محمد عبداللہ (بن) سید محمد نصراللہ
(بن) سید محمد معروف صاحب مورث اعلیٰ سادات کرام قصبہ شاہ پور
ایرانی ملتانی (بن) سید محمد ناصرالدین (بن) سید محمد بندگی معروف (بن)
سید ابو اسحاق صاحب (بن) سید صدرالدین (راجو قتال) (بن) سید
احمد کبیر (بن) سید جلال الدین سرخ بخاری (بن) سید علی المؤید (بن)
سید محمد جعفر (بن) سید احمد (بن) سید محمد (بن) سید عبداللہ (بن) سید
امام علی اشقر یا اصغر (بن) سید امام جعفر زکی (بن) سید امام علی تقی (بن)
سید امام علی نقی (بن) سیدنا امام موسیٰ کاظم (بن) سیدنا امام جعفر
صادق (بن) سیدنا امام محمد باقر (بن) سیدنا امام علی زین العابدین
المعروف بہ سجاد (بن) سیدنا امام عالی مقام سید الشہدا حضرت امام
حسین (بن) سیدۃ النسا فاطمۃ الزہراء (بنت) امام الانبیاء سید المرسلین
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

سرکار ربانی حضرت سیدنا سید عبدالرب کی تعلیم وتربیت والد ماجد حضرت سیدنا سید امانت علی کے زیر سایہ ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد والد ماجد نے آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے حضرت علامہ شاہ عبدالرحمٰن محدث پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سپرد کر دیا جنھوں نے بہ کمال شفقت ومحبت آپ کو تمام علوم متداولہ سے آراستہ کیا اور ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ کی بیعت وارشاد سے بھی مشرف فرمایا، آپ نے اپنی زندگی کی ابھی صرف ۱۸؍ بہاریں دیکھی تھیں کہ شادی کے پیغامات آنے شروع ہو گئے، والد ماجد کی تمنا تھی کہ اپنے بیٹے کا رشتہ ایسے نجیب الطرفین سید، متقی وپاکباز گھرانہ میں ہو جو متاع ایمان وتقویٰ سے مالا مال ہو، جوئندہ یابندہ تمنا پوری ہوئی اور جناب سید وزیر علی ساکن محلّہ دلیا ہی جبل پور کی دختر نیک اختر سے آپ کا عقد ہوا۔ اور شادی کے بعد جبل پور ہی کو وطن ثانی کے طور پر منتخب کر لیا، جس وقت آپ کا عقد ہوا اس وقت آپ کی عمر ۱۹؍ اور ۲۰ برس کے درمیان رہی ہوگی، ۱۹؍ جمادی الثانی ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء کو عقد ہوا اور محلّہ ''چھوٹے میاں کی تلیا'' جبل

پور جہاں آپ نے رہائشی وطن بنایا تھا وہیں اسی دن ایک مسجد کی تعمیر کا بھی سنگ بنیاد رکھا گیا ۔ان دونوں تقریبات کی خوشی میں محفل میلاد کا قیام عمل میں آیا اور صلوۃ وسلام پر جلسہ وعظ وتبلیغ کا اختتام ہوا۔

والد ماجد حضرت سید امانت علی کے ہمراہ آپ کے بھی تبلیغی دوروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔خطابت کا اچھا ملکہ پایا تھا۔اس لئے جلد ہی عوام الناس میں آپ کی مقبولیت بڑھ گئی ، بڑے ہی متاثر کن انداز میں خطاب فرماتے تھے۔جوبھی آپ کا خطاب سنتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا ، والد ماجد کے حکم سے بیعت وارشاد کا بھی سلسلہ شروع کردیا،حیدرآباد ، سندھ ، پنجاب ، اور بنگال میں آپ کے مریدین کثرت سے پائے جاتے ہیں ۔سفر میں آپ کے مریدین کا ایک مختصر قافلہ آپ کے ساتھ ہوتا۔دوران سفر کئی بار آپ نواب حیدر آباد اور نواب بھوپال کے بھی مہمان رہے ۔سفر کے دوران جب والد ماجد نے آپ کے خطیبانہ جوہر دیکھے تو فرمایا:

> ’’بیٹا اب اپنے جد اعلیٰ سید الانبیاء حضور نبی اکرم ﷺ کے دین پاک کی اشاعت میں خلق خدا کی رہنمائی کرو۔ میں اب کبرسنی کے باعث طویل سفروں سے خستہ حال ہوگیا ہوں۔ اب میرے جانشین تم ہو فقیر اپنے بزرگوں سے پائے ہوئے علوم سینہ بھی آپ کے سپرد کئے‘‘۔
>
> (سرکار ربانی،سید غازی ربانی ص۳۳ باندہ ۲۰۱۴ء)

آپ نے دعوت تبلیغ کے جو پہلا سفر کیا وہ انتہائی عبرت آموز تھا۔جس جگہ گئے اور جن سے ملاقات مقصود تھی ان سے ملاقات نہ ہوسکی ۔وہاں کوئی دوسرا شناسا بھی نہ تھا۔ سارے لوگ اجنبی تھے،بستی میں کوئی جاننے والا نہ تھا،آپ مسجد میں تشریف لے گئے ایک گوشہ میں اپنا سامان رکھ دیا اور وہیں بیٹھ کر مصروف عبادت ہوگئے ۔مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو بستی کے کئی لوگ نماز مغرب کی ادائیگی کے لئے مسجد میں تشریف لائے ،مگر کسی نے آپ کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔نماز پڑھی اور اپنے گھروں کو چلے گئے ۔یہی حال عشا کی نماز میں بھی ہوا،ٹھہرنے کا مسئلہ تو تقریباً حل تھا،مسئلہ کھانے کا تھا،مسجد کی دو کانیں تھیں،جس میں کھانے

کا انتظام تھا، آپ وہاں کھانے کے لئے تشریف لے گئے، مگر جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو پیسے بھی نہیں تھے، واپس مسجد میں آ گئے اور اضطراب و بے چینی کے عالم میں صحن مسجد میں چہل قدمی کرنے لگے، کسی نے چپکے سے پیچھے کی جانب سے چاندی کی چونیاں کاغذ میں لپیٹ کر آپ کے جیب میں ڈالدیں جب آپ کو کچھ احساس ہوا تو آپ نے جیب میں ہاتھ ڈالا وہ کاغذ کی پڑیا نکالی تو اس میں کچھ چاندی کی چونیاں نکلیں، جو ترتیب کے ساتھ کاغذ کے پڑیئے میں بند تھیں، اتنے میں نیچے سے کسی نے آواز دی کہ دکان بند ہونے والی ہے کھانا کھا لیجئے۔ اس آواز پر آپ اور بھی مضطرب ہو گئے، مسجد کے گوشہ میں آ کر لیٹ گئے اور یہ تمام باتیں سوچنے لگے، اتنے میں ایک شخص اپنے سروں پر خوان لے کر آیا اور کہنے لگا آپ کھانا یہیں کھا لیجئے میں پانی لے کر آتا ہوں، آپ نے کھانا کھایا اور چونیوں سے کھانے کی قیمت ادا کر دی۔ دوسرے دن پروگرام کے مطابق گھر واپسی ہوئی۔ والد ماجد سے سارا ماجرا بیان کیا تو وہ فرمانے لگے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم خدا کے گھر میں خدا کے مہمان تھے، اسی نے تمھارے کھانے کا بندوبست کیا''۔

''خدا خود میر ساماں است ارباب توکل را''۔ (سرکار ربانی ص ۳۵)

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا کہ آپ اچھے خطیب تھے، دل موہ لینے والی تقریریں کرتے تھے۔ جہاں آپ کا خطاب ہوتا مجمع وہاں سیلاب کی طرح اُمڈ کر چلا آتا۔ پریشان حال لوگوں کی دعا و نقش کے ذریعہ دستگیری بھی فرماتے۔ اس لئے عقیدت مندوں کی فہرست میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ جو اوراد و وظائف آپ کے خاندان میں رائج تھے، ان کے آپ بے حد پابند تھے۔ اس لئے ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات کو انتہائی زود اثر سمجھا جاتا تھا۔ پریشان حال لوگوں سے اتنا فرما دینا کہ جائیے کام ہو جائے گا اس کی مقصد برآری کے لئے تیر بہدف سمجھا جاتا تھا۔ ضرورت مندوں کی بڑی سے بڑی مہمات میں صرف دعا کر دینے یا کوئی نقش دے دینے سے ہی فتح یابی حاصل ہو جاتی تھی۔ اسی لئے بعض لوگ آپ کو بہت زبردست عامل بھی سمجھتے تھے۔ عملیات سے خصوصی دلچسپی تو تھی ہی جہاں کسی مشہور عامل کے بارے میں سنتے اس سے ضرور ملاقات کرتے اور اس سے

استفادہ کی بھی کوشش کرتے، آپ کے والد ماجد بھی خود بڑے عامل تھے آپ نے باب عملیات میں ان سے بہت کچھ سیکھا بھی تھا، انھوں آپ کو خاندان قادریہ اور خاندان چشت کے جو عملیات بزرگوں سے منقول تھے ان کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا تھا ''جلدی عملیات کی چلہ کشی میں زیادہ انہماک نہ بڑھاؤ'' جتنا تم نے سیکھ لیا ہے عمر بھر کے لئے کافی ہے۔ والد ماجد کے اس حکم کے بعد عملیات کی چلہ کشی سے بے نیاز ہوکر آپ مکمل طور پر خدمت خلق اور اشاعت دین حق میں لگ گئے، ہندوستان کے متعدد صوبوں کا سفر کیا، ہزاروں بندگان حق آپ کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے، کالپی کے شفاء الہند حکیم سید امراؤ علی آپ ہی کے دست گرفتہ تھے۔ ان کا پورا خاندان آپ ہی کا مرید تھا انھوں نے اپنے بیعت کا ذکر ان لفظوں میں فرمایا:

میں بیعت کے لئے بہت پریشان تھا کئی ایک خانقاہوں کا سفر کیا مزارات پر حاضری دی، کئی لوگوں سے پیر کامل کے بارے میں استفسار کیا، مگر کہیں کوئی سراغ نہ مل سکا۔ بڑی بے چینی تھی اسی بے چینی کے عالم میں اکثر راتوں میں آنکھوں سے آنسوؤں سے کی لڑیاں بندھ جاتی تھیں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ نماز عشا کے بعد اسی ادھیڑ بُن میں روتے روتے سوگیا، خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے۔

> ''اے طالب حق جس مرشد کامل کی تجھ کو تلاش ہے دیکھ وہ سامنے آرہے ہیں فرط مسرت میں جھومنے لگا نگاہ ڈالی تو آپ کو سفید پوش صالحین صورت مجمع کثیر کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا خوشی سے باادب کھڑا ہوگیا حضور والا اپنے اسی موجودہ لباس عمامہ وعبا میں ملبوس میرے سامنے سے گزر گئے۔ تیز قدم بڑھاتا ہوا میں بھی مجمع سے مل گیا ان لوگوں سے میں نے دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟ ایک صاحب نے بتایا کہ یہ شیخ طریقت سادات حسینی کے روشن چراغ ہیں اور آج کل جبل پور صوبہ ایم پی میں رہتے ہیں۔ اتنی گفتگو کے بعد میری آنکھ کھل گئی دیر تک شبیہ مبارک حضور کی میری آنکھوں میں گھومتی رہی صبح ہوتے ہیں

میں نے اپنا یہ خواب اپنے احباب سے بیان کیا اور پھر کئی ماہ کی جد وجہد
کے بعد آپ کی زیارت نصیب ہوئی اور پھر نہایت ہی نیاز مندانہ انداز
میں اپنے خاندان کے ساتھ آپ کا مرید ہو گیا''۔(سرکار ربانی ص ۴۵)

اس خواب کی شہرت سے عقیدت مندوں کا ہجوم آپ کے دروازہ پر صبح وشام ٹھاٹھیں مارنے لگا، داخل سلسلہ ہونے کے لئے لوگوں کی قطاریں لگنے لگیں، صبح وشام میں دس پانچ نہیں بلکہ سیکڑوں افراد آپ کے دست قدس پر بیعت کا شرف حاصل کرتے اور نماز کے پابند ہو جاتے۔ کالپی قیام کے دوران ہزاروں افراد آپ کے مرید ہوئے، زانی، شرابی چور، اچکے نہ جانے کیسے کیسے لوگ آپ سے مرید ہوئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کر کے باعمل مسلمان بن گئے۔لوگ دور دراز اپنے شہروں میں بلاتے، ان کی طلب پر دعوت دین کے لئے وہاں تشریف لے جاتے، چوں کہ باتوں میں شیرینی تھی اس لئے معتقدین کا حلقہ بڑھتا رہتا تھا۔سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے۔

جن سے دو کلمے کہے دل لے لیا اس کا وہیں
ایسی جاذب قلب تھی تقریر میرے پیر کی

مریدین کی کثرت اس درجہ ہوتی کہ فہرست سازی مشکل ہو جاتی کئی بار اس کی ہمت جٹائی گئی مگر کامیابی نہ مل سکی اس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں میں ہے یا لاکھوں میں۔

حاجت مندوں کی کثرت کے باعث آپ کی ذات ہمیشہ ان کے گھیرے میں رہتی، چند گھنٹہ بھی سونا مشکل ہو جاتا، آخری ایام میں تو تنہا سفر مشکل ہو گیا تھا، دس پانچ خدام ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے، آپ کا دریائے فیض عقیدت مندوں کے لئے ہمیشہ رواں رہتا خلوت ہو یا جلوت رات ہو یا دن آپ کی بارگاہ میں عقیدت مندوں کی ہمیشہ بھیڑ لگی رہتی، کتنے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا اس کی صحیح تعداد نہیں بتائی جا سکتی، البتہ جن صاحبان طریقت کو آپ نے دولت خلافت سے سرفراز فرمایا ان کی فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے۔

ا۔محبوب العلماء حضرت مولانا قاری سید عبدالمعبود خلف اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۲۔ ناصرالاسلام حضرت مولانا الحاج سید محمد عبدالسلام ربانی
۳۔ مصور معرفت حضرت مولانا سید صوفی ربانی
۴۔ سلطان الواعظین مولانا سید وجود القادری
۵۔ حضرت مولانا الحاج سید مظہر ربانی
۶۔ حضرت مولانا الحاج سید محمود القادری ربانی
۷۔ حضرت مولانا قاری سید احسن ربانی
۸۔ پیر طریقت حضرت مولانا سید غازی ربانی

۱۹۵۶ء میں جبل پور میں بڑا بھیانک فساد ہوا، جس میں کئی جانیں چلی گئیں اور لاکھوں کی املاک تباہ ہوئیں۔ اس فساد نے حضرت مولانا شاہ سید عبدالرب کے دل کو دہلا دیا ،اس سے متاثر ہوکر آپ نے جبل پور کو خیر باد کہنے کی ٹھان لی اور ہوا بھی یہی کہ فساد تھمتے ہی آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ آبائی وطن باندہ آگئے اور اپنے آبائی مکان محلّہ ''بنگالی پورہ'' میں ایک مکان خریدا اور اسی میں متوطن ہو گئے۔ پھر دو سال بعد حسب ضرورت محلّہ علی گنج میں ایک وسیع وعریض مکان خرید کر اس میں منتقل ہو گئے اور پھر تاحین حیات اسی مکان میں مقیم رہے وہی مکان آج کل ''آستانہ ربانی'' کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کا آخری تبلیغی سفر کلکتہ کا ہوا، اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کی اہلیہ اور سید محمود القادری تھے۔ حضرت مولانا وجود القادری بحیثیت خطیب وہاں پہلے سے ہی موجود تھے۔ جانثار مرید بابو سیٹھ کے یہاں قیام ہوا۔ اس سفر میں آپ بار بار یہ فرماتے کہ مجھے جی بھر کے دیکھ لو یہ میرا آخری سفر ہے، تمام حاضرین کی آنکھیں اس جملہ سے نمناک ہو گئیں۔ مگر مشیت ایزدی کے سامنے کسی کا کیا چارہ تھا؟ وہاں کچھ دنوں گزار کر پھر اپنے وطن واپس آگئے۔ باندہ آئے ہوئے ابھی دو تین ہی یوم گذرے تھے کہ جمعہ کا دن آگیا۔ حسب معمول آپ وقت سے پیشتر مسجد تشریف لے جا کر صف اول میں ایک کنارے بیٹھ گئے یہ حضرت کا آخری جمعہ تھا۔ نماز جمعہ کے بعد گھر واپسی ہوئی، کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ گئے، نماز عصر سے کچھ قبل بخار کا عارضہ لاحق ہوا دوسرے دن بخار کافی تیز ہو گیا۔ ڈاکٹروں اور اطباء کی

خدمات لی گئیں مگر!

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اسی شدید بخار کی حالت میں معمول کے مطابق بعد نماز مغرب ختم قادریہ پڑھتے رہے، پھر آہستہ آہستہ آواز بند ہوگئی، تیمّم کر کے عشا کی نماز ادا کی، بخار کچھ ہلکا ہو چکا تھا، مگر خاموشی نہیں ٹوٹی، اتوار کا دن آیا، اشاروں میں باتوں کا جواب دیتے، نقاہت کافی بڑھ چکی تھی، مگر حسب معمول اتوار کے دن بعد نماز مغرب ختم قادریہ میں شامل ہوئے ،حالت بگڑتی ہی رہی، سنبھلنے کا نام نہیں لیتی تھی، ڈاکٹر کو بلایا گیا، علاج کے باوجود مرض میں افاقہ نہ ہوا بیقراری بڑھتی ہی رہی، دوشنبہ کی صبح ہوتے ہی متعلقین کے پاس شدید علالت کے تار دیئے گئے، دس بجے دن کے بعد حالت گرتی ہی چلی گئی، ٹھیک ڈیڑھ بجے دن میں سید الٰہی بخش قادری ربانی نے سورۂ یٰسین کی تلاوت فرمائی اور پھر آپ الحمدللہ کا ورد کرتے ہوئے ۸۵ سال کی عمر میں آپ اللہ کو پیارے ہوگئے ۔اس طرح زندگی کی پچاسی بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۰/ جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء کو ہمیشہ کے لئے رشد وہدایت کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

برآں کہ زاد بناچار بایدش نوشید　　ز جام دہر مئے کل من علیھا فان

نماز جنازہ میں عامۃ المسلمین کا ہجوم تھا۔بھیڑ کے باعث دومرتبہ جنازہ کی نماز ادا کی گئی۔قبرستان ''عیدگاہ کلاں'' میں جانب شمال تدفین عمل میں آئی۔۱۰/۱۱/ جمادی الثانی کو ہرسال عرس کی تقریبات اس آستانہ میں بڑے اہتمام کے ساتھ منائی جاتی ہیں۔

شہید عشق جی جاتے ہیں جی سے کیا گزرتے ہیں
خدا یہ موت دے سب کو ہم اس مرنے پہ مرتے ہیں

شاہ محمد عبد الرب نور اللہ مرقدہ ، حضرت قبلہ حاجات ، واعظ عرفان، گوہر بحر ولایت ہادی ملت ،سید سادات مقصود السعادات جیسے اہم اور بھاری بھرکم الفاظ کے ذریعہ اہل علم ودانش نے تاریخ مادہ ہائے وصال تخریج کئے ہیں ۔شعرائے کرام نے منظوم خراج عقیدت کے ذریعہ اپنی محبتوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ ایسے شعرا کی طویل فہرست ہے

۔یہاں نمونہ کے طور پر رئیس ضیائی کے منقبتی کلام سے چند اشعار نقل کئے جارہے ہیں۔

حضرت مولانا عبد الرب امام العارفیں — قطب دیں محو ولایت سرور دنیا ودیں
آپ تھے مسند نشینِ خانقاہِ قادری — آپ سے تھی روکش بغداد باندہ کی زمیں
آپ کے رشد وہدایت سے جہاں تھا فیضیاب — پیر امانت شاہ کے تھے آپ سچے جانشیں
ان کی تربت پہ سدا انوار کی بارش رہے — وہ رہیں جنت میں یارب غوث اعظم کے قریں
سال رحلت حضرت مرحوم کی لکھئے رئیس — بندہ حق شاہ عبد الرب ہوئے جنت مکیں
(۱۳۷۸ھ)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت مولانا سید شاہ مظہر ربانی باندہ، یوپی
علیہ الرحمۃ والرضوان

خانوادۂ قادریہ ربانیہ کے جن مشائخ نے سلسلہ قادریہ ربانیہ کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا ہے ان میں حضرت مولانا سید مظہر ربانی کا نام نامی اسم گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔آپ کی ولادت مقام امدرہ تحصیل کٹنی ضلع جبل پور میں بدھ کے دن ایک بجے ۱۲ر جمادی الاول ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۰ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو ہوئی۔رسم بسم اللہ خوانی ۱۹۲۹ء میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے کرائی، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد محبوب العلماء حضرت مولانا سید عبد المعبود رحمانی (وفات ۱۳۶۸ھ) سے حاصل کی، والد ماجد اس وقت جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں استاذ قرآت تھے، اس لئے قاعدہ بغدادی ختم ہوتے ہی والد ماجد نے حضرت صدر الافاضل کی ایما پر حفظ شروع کرادیا، ساڑھے نو سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوگئے۔فن وتجوید وقرأت کے لئے والد ماجد نے آپ کو قاری محبّ الدین مدرسہ سبحانیہ الہ آباد کے سپرد کردیا۔۱۳ سال کی عمر میں آپ کی تعلیم کانپور میں شروع ہوئی اور عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم کے اسباق شروع ہونے تک کانپور ہی میں مقیم رہے۔انھیں ایام میں آپ کے والد ماجد خطابت کے واسطے کانپور تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کانپور کے بجائے ''مدرسہ

حافظیہ سعیدیہ'' دادوں علی گڑھ چلے جاؤ۔ میں نے تمھارے تعلق سے صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم امجد علی اعظمی سے گفتگو کر لی ہے۔ان کی سفارش سے فوراً تمھارا داخلہ ہو جائے گا ۔اس طرح حصول تعلیم کی غرض سے دادوں علی گڑھ پہونچ گئے ۔''مدرسہ حافظیہ سعیدیہ'' نواب ابو بکر خانصاحب شیروانی نے اپنی علم دوستی و دریا دلی کی بنیاد پر اپنی اسٹیٹ دادوں علی گڑھ میں اپنے پیر و مرشد حافظ خیر آبادی کی نسبت سے قائم کیا تھا۔ پیر و مرشد کے نام کی مناسبت سے'' حافظیہ'' اور والد ماجد کے نام کی مناسبت سے'' سعیدیہ'' رکھا،ابو بکر خانصاحب کے بعد ان کے بھائی حاجی غلام محمد خانصاحب شیروانی رئیس اعظم موہن پورہ ضلع ایٹہ مدرسہ کے متولی رہے،موصوف متبع سنت اور علماء کے بڑے قدر شناس تھے۔انھیں کی کوششوں سے صدر الشریعہ اس مدرسہ میں تشریف لائے تھے۔حضرت صدر الشریعہ کی سفارش سے مدرسہ میں داخلہ ہوا اس وقت صدر الشریعہ کے پاس جن طلبہ کے اسباق تھے ان میں مولانا اعجاز ولی خاں ،مولانا حافظ مبین الدین فاروقی ،مولانا حافظ وقاری محبوب رضا خاں ،مولانا سید ظہیر احمد زیدی ،مولانا غلام ربانی ،مولانا اختر الزماں خاں شیروانی ،مولانا رفیق الحسن صاحب تھے۔اور اس زمانہ میں جو اساتذہ وہاں درس دے رہے تھے ان میں یہ حضرات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۔مولانا امین الدین صاحب چھپروی

۲۔مولانا عبد الشاہد خاں شیروانی

۳۔مولانا شریف صاحب

۴۔مولانا نور محمد صاحب

علوم متداولہ آپ نے صدر الشریعہ حکیم مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا۔حضرت صدر الشریعہ ہمیشہ آپ کو حافظ مسعود کہہ کر پکارتے تھے،آپ فرماتے ہیں۔

''جس وقت میں مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع اعظم گڑھ میں حضرت صدر الشریعہ کے زیر سایہ زیر تعلیم تھا اور تقریباً ہر سال حضور سیدی واستاذی صدر الشریعہ کے ہمراہ بریلی شریف عرس رضوی میں حاضری کا

شرف حاصل کرتا تھا۔عرس رضوی کا نورانی اجتماع میرے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا کیوں کہ فیضان اعلیٰ حضرت سے مستفیض ہونے کے علاوہ شہزادگان اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد حامد رضا خاں صاحب ومفتی اعظم ہند صاحب ان شہزادگان کے سوا صدرالا فاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، امیر شریعت حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی، ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین صاحب بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور اسی صف کے دیگر اکابرین داعیان اہل سنت واساطین ملت اسلامیہ کی زیارت کا شرف اوران کا فیض صحبت یکجائی طور پر یہیں نصیب ہوتا تھا''۔

(ماہنامہ استقامت کانپور مئی ۱۹۸۳ء ص ۲۵۰)

آپ کی تعلیمی وابستگی حضرت صدرالشریعہ سے ایک عرصہ تک رہی۔دادوں میں جب تک حاجی غلام محمد خانصاحب مدرسہ کے متولی رہے ادارہ روز افزوں ترقی پذیر رہا۔جب ان کا انتقال ہو گیا اوران کی جگہ دوسرے رئیس اعظم متولی بنے تو ادارہ کے نظم ونسق میں تغیر پیدا ہو گیا، کاسہ لیسی اور درباداری کا سلسلہ شروع ہو گیا، یہ بات صدرالشریعہ کو بالکل پسند نہ تھی، انھوں نے وہاں سے جانے کا من بنالیا اورارا کین مدرسہ مظہر العلوم کالج'' کچی باغ'' بنارس کی دعوت قبول کر لی اور وہاں صدرالمدرسین کی مسند پر جلوہ افروز ہو گئے۔آپ کے ہمراہ'' مدرسہ حافظیہ سعیدیہ'' سے ۷ اطلبہ بنارس پہونچ گئے اور حضرت کے حکم پر وہاں سب کا داخلہ ہو گیا۔ایک مرتبہ حضرت صدرالشریعہ نے آنکھوں میں تکلیف کے باعث درس وتدریس کا سلسلہ بند کر دیا تھا، پھر بھی آپ ان کی معیت میں رہ کر ہر ممکن طور پر کسب فیض کرتے رہے،آپ فرماتے ہیں۔

''ایک وقت آیا جب سیدی واستاذی حضور صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی آنکھوں کے آپریشن کے باعث درس وتدریس کا سلسلہ بند کر دیا اس وقت میں اور میرے ساتھی حضرت صدرالشریعہ سے'' ہدایہ اخیرین وملاحسن'' پڑھ رہے تھے،حضرت کا قیام ان دنوں مظہر العلوم کالج کچی باغ

بنارس میں بحیثیت صدر المدرسین کے تھا۔ حضرت کی معیت میں طلبہ کا
ایک اچھا خاصا قافلہ دادوں ضلع علی گڑھ سے آکر بنارس میں مقیم ہو گیا تھا
ہندوستان کے علاوہ افریقہ وغیرہ تک کے طلبہ ہمارے ساتھ تھے"۔

(ماہنامہ استقامت مئی ۱۹۹۳ء ص ۲۵۰)

حضرت صدر الشریعہ عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر بریلی شریف ضرور تشریف لے جاتے اور تلامذہ بھی ہمیشہ ان کے ہمراہ رہتے تھے، دادوں پہنچنے کے بعد آپ بھی انھیں میں شامل ہو گئے، آپ فرماتے ہیں کہ بریلی شریف حاضری کے میرے دو مقاصد ہوا کرتے تھے۔

۱۔ اعلیٰ حضرت کے فیوض و برکات کا حصول

۲۔ صدر الشریعہ کا اپنے ہم عصر علماء سے ربط و تعلق اور علمی و فقہی مکالمات سے استفادہ

عرس اعلیٰ حضرت کے موقع سے جن علمائے کرام سے آپ کی ملاقاتیں رہیں اور جن حضرات کی زیارت کا آپ نے شرف حاصل کیا ان میں یہ حضرات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۔ صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی

۲۔ محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی

۳۔ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفیٰ رضاں خاں بریلی شریف

۴۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی

۵۔ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین قادری بہاری

۶۔ برہان ملت حضرت مولانا برہان الحق جبل پوری

زندگی کے آخری ایام میں حضرت صدر الشریعہ کی آنکھوں میں موتیا بند کی شکایت ہو گئی تھی، آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، انجام کار حضرت کی آنکھوں کا آپریشن ہوا۔ ڈاکٹروں نے پڑھنے اور دماغی کام کرنے سے پرہیز کا مشورہ دیا تو حضرت نے بادل نخواستہ ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اب مبارک پور یا بریلی جا کر اپنی تعلیم مکمل کر لو، میں معذور ہو

گیا ہوں دونوں جگہ میرے لائق فائق شاگرد موجود ہیں، وہاں انشاء اللہ تمہاری تعلیم کی تکمیل ہو جائے گی۔ ۱۷رطلبہ جو حضرت کی وجہ سے دادوں سے بنارس آئے تھے ان میں کچھ مبارک پور اور کچھ بریلی چلے گئے میں اور ''میزان'' سے لے کر دورہ حدیث تک کے میرے رفیق مولانا لطف اللہ صاحب جلالی علی گڑھی نے مبارک پور اور بریلی دونوں جگہ جا کر بقیہ درس نظامی کا کورس مکمل کیا۔ (اکابر اہل سنت کا طرز عمل، سید عابد میاں ربانی ص ۱۳ باندہ)

حضور صدر الشریعہ کی بارگاہ سے کسب علم وفضل کے بعد آپ نے اپنی تعلیم کی تکمیل جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف کے اساتذہ کی خدمت میں رہ کر فرمائی جن دنوں آپ بریلی شریف میں زیر تعلیم تھے اس دوران جس طرح آپ نے حضور مفتی اعظم ہند سے کسب فیض کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

> ''صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد کچھ دن جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور اور کچھ دن مفتی اعظم ہند کے مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی محلّہ بہاری پور بریلی میں گزار کر اپنی تعلیم کی تکمیل کی بریلی شریف کے زمانہ قیام میں وہ نعمت جو سال میں ایک بار عرس رضوی میں ملتی تھی اب بار بار نصیب ہونے لگی۔ تعلیم سے فارغ وقت کا اکثر حصہ حضور مفتی اعظم کی خدمت میں گزارنے کا موقع ملا اور خلوت وجلوت میں حضور مفتی اعظم کے وہ اسرار ونکات بخوبی سمجھ میں آنے لگے جن کا مشاہدہ نزدیک رہ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ (ماہنامہ استقامت مفتی اعظم ہند نمبر ۱۹۸۳ء ص ۲۵۰)

درس نظامی کی تکمیل کے بعد کچھ دنوں تو آپ درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ''جامعہ نظامیہ حیدر آباد'' آپ کی علمی جولانگاہ بنا۔ ایک عرصہ تک آپ اس ادارہ میں بحیثیت استاد خدمت انجام دیتے رہے، اس کے بعد وعظ وتقریر اور پند ونصائح کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے بھولے بھالے مسلمانوں کی تبلیغ اور رشد وہدایت میں لگ گئے۔ سیر وسیاحت آپ نے اس کثرت سے فرمائی کہ لوگ آپ کو ''سیاح ایشیاء'' کے لقب سے جاننے لگے۔ اب تک کتنے شہروں کا سفر کیا اس کی تفصیل نہیں بتائی جا سکتی۔ آپ اپنی سیاحت کے بارے

میں خود فرماتے ہیں۔

''خطابت وسیاحت کے میدان میں قدم رکھا دیا اور بفضلہٖ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ہندوستان کے طول وعرض میں تقریباً ہر صوبہ اور ہر ضلع میں پہنچ گیا بلکہ بیرون ملک پاکستان بنگلہ دیش، سیلون، سری لنکا، ملیشیاء، انڈونیشیاء، ہانگ کانگ، ایران، عراق، کویت، سعودی عرب، یمن، وغیرہ بہت سے ممالک کے دورے کیے اور ہر جگہ دینی خدمت ومسلک اہل سنت وجماعت کی اشاعت کے علاوہ وہاں کے مشاہیر علمائے کرام مشائخ عظام سے ملاقاتوں کا شرف بھی حاصل رہا''۔

(ماہنامہ استقامت مفتی اعظم نمبر مئی ۱۹۸۳ء ص ۲۵۲)

حضرت مولانا سید مظہر ربانی علم وفضل کے علاوہ تصوف وعرفان اور اخلاص واخلاق کے عملی پیکر تھے، خوردہ نوازی میں اپنی مثال آپ ہونے کے علاوہ ہر ایک سے پیار محبت ان کے بنیادی مقاصد میں سے ایک تھا، سیر وسیاحت اور، وعظ وخطابت اور رشد وہدایت کی بے پناہ مصروفیت کے باوجود آپ نے پروش لوح وقلم کے ذریعہ بھی امت مسلمہ کی ہدایت کا فریضہ انجام دیا ہے، شعروسخن کا بھی اعلیٰ مذاق حاصل تھا۔ حلقۂ مریدین میں ''سرکار بڑے حضرت'' سے مشہور ومعروف تھے۔

دارالعلوم ربانیہ

آپ کا عظیم الشان کارنامہ دارالعلوم ربانیہ جو آج سے چالیس سال قبل قائم ہوا تھا اس کی روز افزوں ترقی ہے۔ جس تیزی سے وہ ادارہ جامعہ کی طرف بڑھ رہا ہے اس میں آپ کی شبانہ روز مساعی کا کافی عمل دخل ہے، آپ کی عین خواہش تھی کہ یہ ادارہ ہماری ہی زندگی میں جامعہ کی شکل اختیار کر لے جائے جس کے لئے آپ نے حتی المقدور مسلسل جد وجہد کر کے اسے بام عروج پر پہنچایا۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے وارثین آپ کے اس تعلیمی خواب کو ضرور شرمندۂ تعبیر کریں گے۔ زندگی کی ۸۹/ بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۹/ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۱/ مارچ ۲۰۱۴ء کو بروز جمعہ صبح ۴/ بج کر ۱۰/ منٹ پر اپنے مالک حقیقی

سے جا ملے ۔جس وقت اس ادارہ کا قیام عمل میں آیا تھا اس کے تین بنیادی مقاصد مقرر کئے گئے تھے۔

۱۔دارالعلوم کو مسلمانان اہل سنت کا علمی و اصلاحی مرکز بنانا۔

۲۔جن مقامات پر علماء اسلام سے دوری کے باعث جہالت اور دین سے غفلت عام ہے وہاں حتی الوسع مبلغین بھیج کر لوگوں میں علمی و مذہبی ذوق پیدا کرنا۔

۳۔وقت کے اہم تقاضوں کے پیش نظر جدید دل و دماغ کو بیدار کرنے اور ان میں دین و مذہب کا صحیح جذبہ عمل پیدا کرنے کے لئے کامیاب مقررین اور با اثر واعظین تیار کرنا۔

اس ادارہ کا نام ''دارالعلوم ربانیہ'' رکھنے میں کیا حکمت تھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

''فقیر نے اس کا نام ''دارالعلوم ربانیہ'' رکھا اس لئے کہ فقیر خود ربانی ہے اور قرآن کریم میں ہے۔کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون'' (آل عمران) (ربانی ہو جاؤ بسبب اس کے کہ تم لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور بسبب اس کے کہ تم لوگوں کو درس دیتے ہو) فقیر نے اس کو اپنے پیر و مرشد و جد بزرگوار اعلیٰ حضرت سیدنا سرکار ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اپنے والد ماجد حضرت استاذ القراء مولانا قاری سید عبد المعبود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب تبرکاً منسوب کیا کیوں کہ فقیر کے پاس جو کچھ ہے وہ پیر و مرشد کے روحانی فیضان اور والد ماجد کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے فقیر کے علم میں دارالعلوم قائم کرنے کے لئے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت سیدنا سرکار ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہ کوئی حکم دیا نہ ہی ایسی کوئی خواہش فقیر پر ظاہر فرمائی البتہ فقیر کے والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس وقت جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں مدرس تھے اس وقت ان کے درمیان اور حضرت مولانا مفتی عبد الرشید خانصاحب

بانی جامعہ عربیہ ناگ پور کے درمیان ایک مدرسہ کھولنے کا منصوبہ طے پایا
تھا''۔ (تاریخ دارالعلوم ربانیہ باندہ ص۵)

ادارہ کے قیام کے بعد اس کا نام باہمی مشورہ سے پہلے ''دارالعلوم ربانیہ ودار الیتامیٰ'' رکھا گیا سب سے پہلے اس ادارہ کی روداد ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی، آپ نے اپنے جیب خاص سے اس ادارہ کے لئے ایک ہزار روپئے کا پہلا چندہ دیا۔ باقی خاندان کے دوسرے حضرات نے بھی حسب استطاعت اس کار خیر میں حصہ لیا۔

دارالعلوم ربانیہ کے قیام کے بعد جب بھی کبھی کسی مدرس کی اچانک ضرورت پڑ گئی تو سوائے مبارک پور کے کہیں سے بھی یہ ضرورت فوراً پوری نہ ہوسکی۔ اس سلسلہ میں حضرت استاذ العلماء حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مبارک پوری کا بے حد کرم اس ادارہ پر رہا، کبھی بھی کوئی عذر اور انکار نہیں ہوا بلکہ ہر طرح کوشش فرما کر حافظ ملت دارالعلوم ربانیہ کے لئے حسب فرمائش بہتر مدرس کا بروقت انتظام فرماتے رہے۔

جو کتابیں آپ کے نوک قلم سے منظر عام پر آئیں ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔صائقه ربانی
۲۔ تبلیغی جماعت
۳۔اسباب زوال امت
۴۔تاریخ دارالعلوم ربانیه بانده
۵۔ اشعار ربانی
۶۔ تجلیات ربانی
۷۔ دین آسان هے
۸۔ مسلمان کا مالدار هونا ضروری هے
۹۔حق وباطل کا خلط ملط
۱۰۔کنتم خیر امت

۱۱۔ ایمان وعقائد

۱۲۔ عشق وصحبت رسول

۱۳۔اکابر اہل سنت کا طرز عمل

شعروسخن

درس وتدریس اور، رشد وہدایت اور سیر وسیاحت کی بے پناہ مصروفیت کے باوجود آپ نے سخن سنجی بھی فرمائی ،لوح وقلم کو بھی سنوارا ،مقالات وکتابیں بھی تصنیف فرمائیں ،نعتیں اور نظمیں بھی لکھیں ،کوئی مطبوعہ دیوان تو نظر سے نہیں گزرا البتہ متفرق طور پر جو اشعار مطبوعہ شکل میں کتابوں میں ملے، ذیل میں نقل کئے جارہے ہیں، جس سے اچھی طرح آپ کے ادبی ذوق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہاں آپ کی ایک مشہور نظم جو آپ نے ملت اسلامیہ کے نوجوان مسلمانوں کے نام سے لکھی تھی ،زیب قرطاس وقلم کی جارہی ہے۔

درس عبرت ہے سلف کا نام مسلم کے لئے ہر عمل ہے مستقل پیغام مسلم کے لئے

وہ مسلماں عالم انسانیت کا راہبر نخل تسلیم ورضا ''فقر وقناعت کا ثمر

شمع تابان کرم'' بحر شجاعت کا گہر نام سے جس کے لرزتے تھے جہاں کے تاجور

درس عبرت ہے سلف کا نام مسلم کے لئے ہر عمل ہے مستقل پیغام مسلم کے لئے

جس کی ہر ہر سانس میں ذوق عبادت کی بہار علم وفن کا رہنما راہ عمل کا شہ سوار

گہہ بصحن سبزہ زار و گہہ بفرق کوہسار تھی ہر اک تیور سے اسلامی جلالت آشکار

درس عبرت ہے سلف کا نام مسلم کے لئے ہر عمل ہے مستقل پیغام مسلم کے لئے

شاہکار حسن اسلامی وہ مسلم نوجواں غمگسار درد منداں ، دستگیر بیکساں

چارہ جویائے یتیماں کار ساز بیوگاں مظہر نور شرافت مشعل امن واماں

درس عبرت ہے سلف کا نام مسلم کے لئے ہر عمل ہے مستقل پیغام مسلم کے لئے

مرحبا خاتون مسلم پیکر حسن ازل چارہ ساز اہل ملت نشتر اہل دغل

تیرے ہی ہاتھوں کھلے اسلام میں لاکھوں کنول چلتی پھرتی اک حیا آموز تصویر عمل

درس عبرت ہے سلف کا نام مسلم کے لئے　　ہر عمل ہے مستقل پیغام مسلم کے لئے
ہوش دار اے مطرب نغمہ سرائے انقلاب　　تیری لغزش سے نہ بھڑک اٹھے طوفان عذاب
آتش تشنہ بجھا سکتی نہیں حسن سراب　　چاہتی ہے تیرگی حسن عمل کا آفتاب
درس عبرت ہے سلف کا نام مسلم کے لئے　　ہر عمل ہے مستقل پیغام مسلم کے لئے
جاگ اے جذب عمل ہم نعرہ ہنگام ہو　　جوش ملت بے نیاز گردش ایام ہو
صبح ہمرنگ قیامت ، شام محشر فام ہو　　مظہر جرم وخطا پھر مظہر اسلام ہو
درس عبرت ہے سلف کا نام مسلم کے لئے　　ہر عمل ہے مستقل پیغام مسلم کے لئے
(ملت کے نوجوان مسلمانوں کے نام)

آپ نے ایک طویل نظم ’’جذبۂ اسلام‘‘ کے نام سے لکھی ہے جس کے چند بند ذیل میں دئے جارہے ہیں۔

ہر مسلماں یوں خمار دین سے مدہوش تھا　　بیخودی میں اک خدا کی بندگی کا ہوش تھا
وہ دلاور تھا کہ رگ رگ میں عمل کا جوش تھا　　ہر جوان آئین ملت کا علم بردوش تھا
جن کے حملوں سے لرزتے تھے زمین وآسماں　　تیغ کی جنبش بدل دیتی تھی تقدیر جہاں
ملک تھی ساری زمیں گو پاس کچھ دولت نہ تھی　　لڑتے تھے دنیا سے لیکن فوج کی کثرت نہ تھی
پیٹ پر پتھر بندھے تھے ظاہری طاقت نہ تھی　　کچھ نہ تھی ’’اخلاص تھا‘‘ آپس میں یوں نفرت نہ تھی
کردیا مل کر جہان کفر کو زیر وزبر　　طائر ہمت مسلمانوں کا پہنچا عرش پر
ہاتھ کا تکیہ تھا اور بستر تھا فرش خاک کا　　خاکساروں کو نہ تھا غم گردش افلاک کا
سایہ گستر سر پہ دامن تھا شہ لولاک کا　　یہ مسلماں تھے بھروسہ تھا خدائے پاک کا
چھیڑ دیتا کوئی ان شیران ملت کو اگر　　کفر کی جھنجھلا کے رکھ دیتے تھے گردن موڑ کر
ان کے بچوں میں خدا شاہد ہے وہ تنظیم تھی　　سرفروشی کا سبق قرآن کی تعلیم تھی
اور نمازوں میں اصول جنگ کی تفہیم تھی　　سر میں یاد حق نبی کی قلب میں تعظیم تھی
کھیل تھا شمشیر کا اور بحث تھی قرآن کی　　جان دے دیتے اگر بات آپڑے ایمان کی
تھے ہر اک خاتون مسلم میں عمل کے ولولے　　حسن کی ملکہ ردائے اتقا اوڑھے ہوئے

ہاتھ میں تسبیح اور خنجر کمر سے تھے بندھے
ان کے آگے ٹوٹ جاتے شیر نر کے حوصلے

چھا گئے اقصائے عالم پر انھی کے نونہال
رخ جدھر ان کا ہوا بر پا تھا قہر ذوالجلال

کیا سبب ہے آج کیوں مسلم میں وہ شوکت نہیں
صاحب افلاک تھے وہ تنگ ہے ان پر زمیں

وہ جفاکش تھے یہ ہیں قصر نزاکت کے مکیں
فرق بس یہ ہے بقول اکبر اندوہ گیں

پہلے یہ سرگرمیاں تھیں مرد میداں کون ہے
اب تو یہ سرگوشیاں ہیں میری کیّاں کون ہے

اٹھ مسلماں کام لے پھر آلۂ تدبیر سے
کفر کی دنیا بدل دے خُلق کی شمشیر سے

گونج اٹھے پھر قصر عالم نعرۂ تکبیر سے
جوڑ دے پھر رشتہ تدبیر کو تقدیر سے

ظلم کی کایا پلٹ دے آستیں کو موڑ کر
نیزہ حق پھر اٹھے باطل کا سینہ توڑ کر

ہے دعا مظہر کی پھر مسلم کو عزت دے خدا
متحد ہو کر یہ ہوں سب اپنے مذہب پر فدا

پھر ہو پیدا عورتوں میں تربیت کا مادہ
پھر ہمارا بچہ بچہ رہنما ہو قوم کا

دھوم ہو پھر ہر طرف اللہ کے پیغام کی
پھر جہاں پر دھاک بیٹھے لشکر اسلام کی

یہ مشائخ کرام اور ان کے علاوہ اتر پردیش میں سلسلہ قادریہ کے مشائخ کی ایک طویل فہرست ہے جن کی تفصیل ''تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم'' جو دہلی سے ۲۰۱۱ء شائع ہو چکی ہے دیکھی جاسکتی ہے۔ یہاں صرف ان کے ناموں کی نشاندھی کی جارہی ہے تاکہ صوفیاء مشائخ کرام سے دلچسپی رکھنے والے حضرات ان کی بارگاہوں میں پہنچ کر اپنی عقیدت ومحبت کا خراج پیش کرسکیں۔

۱۔حضرت شاہ عبدالرزاق قادری جھنجھانہ (وفات ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء)
۲۔حضرت شیخ قاضی ضیاءالدین جیا قادری اناؤ (وفات ۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء)
۳۔حضرت بابا قاسم سلیمانی قادری چنارگڑھ (وفات ۱۰۱۶ھ/۱۶۰۷ء)
۴۔حضرت شیخ جمال الاولیاء قادری کوڑہ جہان آباد (وفات ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ء)
۵۔حضرت شیخ عبدالقادر بخاری آگرہ (وفات ۱۰۵۰ھ/۱۶۳۹ء)
۶۔حضرت شیخ میر سید محمد قادری کالپی (وفات ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۰ء)
۷۔حضرت شاہ مشتاق میاں قادری لکھیم پور کھیری (وفات ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۱ء)

۸۔حضرت شیخ عبدالرزاق قادری بانسہ (وفات ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء)
۹۔حضرت شاہ برکت اللہ قادری مارہرہ (وفات ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء)
۱۰۔حضرت شیخ حاجی صفت اللہ محدث خیرآباد (وفات ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۴ء)
۱۱۔حضرت شاہ محمد وارث رسول نما قادری بنارس (وفات ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۳ء)
۱۲۔حضرت شاہ منور علی بغدادی الہ آباد (وفات ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء)
۱۳۔حضرت شاہ بدرالدین اوحد قادری لکھنؤ (وفات ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء)
۱۴۔حضرت شاہ جمال اللہ قادری رام پور (وفات ۱۰۰۹ھ/۱۷۹۴ء)
۱۵۔حضرت شاہ محمد کاظم قلندر قادری کاکوری (وفات ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء)
۱۶۔حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایوں (وفات ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء)
۱۷۔حضرت شاہ دیدار علی ''میانصاحب'' غازیپور (وفات ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء)
۱۸۔حضرت شاہ نصراللہ خویشگی خورجہ (وفات ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)
۱۹۔حضرت شاہ عنایت حسین قادری چریاکوٹ (وفات ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء)
۲۰۔حضرت مولانا شاہ محمد کامل قادری ولید پور (وفات ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء)
۲۱۔حضرت شاہ جی محمد شیر میاں قادری پیلی بھیت (وفات ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء)
۲۲۔حضرت حاجی سید عابد حسین بانی دارالعلوم دیوبند، (وفات ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء)
۲۳۔حضرت سید شاہ بہاءالدین قادری چونڈیرہ بلندشہر (وفات ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء)
۲۴۔حضرت سید شاہ قاسم علی میران پور کٹرہ شاہجہانپور (وفات ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء)
۲۵۔حضرت مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی گھوسی (وفات ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)
۲۶۔حضرت مولانا سید شاہ محمد نعیم الدین مرادآباد (وفات ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)
۲۷۔حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھ (وفات ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء)
۲۸۔حضرت مولانا شاہ محمد حشمت علی لکھنوی پیلی بھیت (وفات ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء)
۲۹۔حضرت صوفی شاہ محمد یار علی قادری براؤں شریف (وفات ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء)
۳۰۔حافظ ملت حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز مبارکپور (وفات ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)

۳۲۔مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفےٰ رضا بریلی (وفات ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء)
۳۳۔حضرت مولانا شاہ محمد مشاہد رضا قادری، پیلی بھیت (وفات ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا سید محمد اجھری قادری، بہار
علیہ الرحمۃ والرضوان

صوبہ بہار پہلے کئی ایک چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر مشتمل تھا ایک زمانہ تک صوبہ بہار کو''مگدھ دیس'' کہا جاتا رہا۔ بہار کی وجہ تسمیہ کے تعلق سے محمد قاسم فرشتہ نے''تاریخ فرشتہ ''میں اپنی جداگانہ رائے قائم کی ہے ان کے خیال میں بہار کی وجہ تسمیہ کا تعلق قلعۂ بہار سے ہے، جس میں ہندوؤں کے مدرس رہتے تھے۔ چونکہ ہندی میں بہار کے معنیٰ مدرسہ ہیں اس لئے اس قلعہ کی مناسبت سے اس کا نام بہار پڑ گیا۔

(تاریخ فرشتہ،محمد قاسم (ترجمہ) جلد دوم ص ۸۴۴ دیو بند ۱۹۸۳ء)

پانچویں صدی ہجری تک یہ پورا علاقہ غیر مسلموں کے قبضہ میں تھا اس صوبہ میں اسلامی حکومت کا آغاز چھٹی صدی ہجری کے آخری زمانے میں ہوا''تاریخ مگدھ'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

> ''اس صوبہ میں اسلامی حکومت کا آغاز چھٹی صدی ہجری کے آخری زمانے میں ہوا اور مسلمانوں کی تاریخ میں سوائے بہار اور صوبہ بہار کے مگدھ کا کہیں نام نہیں ،اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے آنے سے پہلے مگدھ کا نام تبدیل ہوکر بہار ہو چکا تھا''۔
>
> (تاریخ مگدھ،فصیح الدین بلخی ص ۸۷ دہلی ۱۹۴۴ء)

ملک اختیار الدین بختیار خلجی نے ۱۱۹۷ھ میں اس صوبہ کو فتح کیا،اس صوبہ میں مسلم حکمرانوں اور مجاہدین کے قدم جمتے ہی اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کے ذریعہ اسلام کی روشنی پورے خطۂ بہار میں پھیل گئی،صوبہ بہار کی سرزمین پر جس بزرگ نے سب

سے پہلے اپنا قدم مبارک رکھا وہ شہاب الدین جگ جوت اور حضرت تاج الدین فقیہ تھے، جو بانیٔ سلسلہ سہروردیہ حضرت سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید وخلیفہ تھے اور انھی کے حکم سے سیر وسیاحت کرتے ہوئے اشاعت دین حق کے واسطے ہندوستان تشریف لائے تھے۔بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ محمود غزنوی کی فوج میں شریک ہوکر ہندوستان تشریف لائے تھے اور بہار میں ''منیر'' کے راجہ کو شکست دے کر منیر کے قلعہ پر قبضہ کیا تھا۔

(الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور،عبدالرحیم زبیر الہاشمی ص۱۲ پٹنہ ۱۹۶۴ء)

سلسلۂ قادریہ کا آغاز صوبہ بہار کی سرزمین پر حضرت سیدنا محمد امجھری کی آمد سے مانا جاتا ہے،نویں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان کی سرزمین پر آپ کی تشریف آوری ہوئی۔آپ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے احفاد میں سے ہیں،سیدنا شمس الدین درویش قادری جو آستانہ عالیہ قادریہ بغداد شریف کے صاحب سجادہ تھے ان کے فرزندار جمند ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بہار کے ایک سرکش راجہ کی سرکوبی کے لئے ۸۴۶ھ میں ہندوستان تشریف لائے۔آپ نے ہندوستان پہنچ کر بشارت نبوی کے مطابق اس سرکش راجہ کو کیفر کردار تک پہنچایا اور وہیں اقامت فرما کر سلسلہ قادریہ کی داغ بیل ڈالی۔ اور خلق خدا کو قادری فیضان سے سیراب کیا۔جس جگہ کو آپ نے اپنے قیام گاہ کے لئے منتخب فرمایا اسے ''امجد'' کہا جاتا رہا جو بعد میں کثرت استعمال سے ''امجھر'' ہو گیا۔آپ کے حالات ومناقب پر آپ کے مرید خاص شیخ علی شیرازی نے ''مناقب محمدیہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے،جو پہلے ''منقبت محمدیہ'' اور پھر ''حیات سیدنا'' کے نام سے شائع ہوئی ۔اس کتاب میں شیخ علی شیرازی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ۔

''درسیاحت وسفر وے رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر کجا کہ رفتے فی الحال درکلام مثل مردماں آں دیار درآمدے''۔

(حیات سیدنا شیخ علی شیرازی ص۴۳ اورنگ آباد بہار ۱۹۹۹ء)

(دوران سفر آپ جہاں بھی تشریف لیجاتے اس علاقے کے لوگوں سے آپ انہیں کی زبان میں بات کرتے)

قطب الاقطاب حضرت سیدنا شیخ حضرت محمد قادری کا اصل نام محمد اور کنیت ابو المعین الدین ہے۔معتقدین اور ارباب توسل آپ کو ''سید امیر'' اور ''سیدنا'' کے لقب سے پکارتے ہیں۔۔شجرۂ نسب چند واسطوں سے بانیٔ سلسلہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان پر منتہی ہو جانے کی وجہ سے آپ کو'' قادری'' کہا جاتا ہے۔حسب ونسب اور طریقت ومعرفت دونوں کے اعتبار سے آپ قادری ہیں،اسی سلسلہ کی آپ کو بیعت وارادت اور اجازت وخلافت بھی حاصل ہے۔شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

''محمد بن سید درویش ابو محمد شمس الدین بن سید کلال عالم ابو الخیر قطب الدین بن سید عبد الرحیم بن سید عبد الفتاح بن سید عبد الوہاب بن سید عبد الرحمان بن سید عبد اللطیف بن سید عبد الحیٔ بن سید عبد الجلیل ، بن سید عبد الرحیم ابو القاسم کرم اللہ رزاقی بن صاحب الحلم والاشفاق حضرت ابوبکر تاج الدین عبد الرزاق القادری البغدادی بن حضرت امیر محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی حضرت غوث الاعظم شیخ ابو محمد محی الدین سید عبد القادر الجیلانی الحسنی الحسینی علیہم الرحمۃ والرضوان''۔(مناقب محمدیہ ص۹)

حضرت سیدنا محمد قادری کئی مشہور القاب سے ملقب تھے۔ایک سو سولہ القاب کی ایک فہرست آپ کے خلیفہ اور رفیق سفر حضرت علی شیر شیرازی نے اپنی تصنیف'' مناقب محمدیہ''میں درج کی ہے،جس میں سے چند مشہور القاب یہ ہیں۔

حاجی ، والی ، عارف ، کامل ، کاشف ، خادم ، عالم ، واصل ، فاضل ، متقی ، سراج ، قادری ، محدث ، نافع ، سلیم ، حافظ ، واعظ ، وغیرہ ان القاب کی فہرست مکمل کرنے کے بعد مصنف نے لکھا ہے۔

''ولی باوصف حق موصوف گردد بہر یک نام اومعروف گردد''

(مناقب محمدیہ ص۹)

شیخ خلیل اللہ کا مدرسہ جو بغداد میں واقع تھا ظاہری علوم وفنون کی تحصیل کے لیے اسی میں داخلہ لیا، بانیٔ مدرسہ کی خدمت میں رہ کر تجوید اور حفظ کلام اللہ کی تکمیل فرمائی ،تفسیر

وحدیث اور فقہ ومناظرہ کے لیے آپ نے بغداد کے اکابر علما جیسے شیخ ابو اسحاق کوفی ، شیخ ابوالمکارم جنیدی، اور شیخ عبداللہ کی خدمات حاصل کیں، حضرت ابو ناصر عبدالغفار نجفی اور حضرت شیخ ابوالفرح جنیدی کی جناب میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ مسلسل سولہ سال انتہائی توجہ اور انہماک کے ساتھ تعلیم حاصل کی اور ۲۳ سال کی عمر میں ظاہری علوم کی تحصیل سے ہر طرح فراغت پائی۔

آپ کی زندگی بچپن سے ہی متوکلانہ تھی۔ فقر وفاقہ اور زہد وریاضت کی طرف میلان عہد طفولیت سے ہی تھا۔ تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے لیے آپ نے اپنے والد ماجد کے حکم سے کامل دو سال قرن کے جنگل میں گزارے، جس محنت وجانفشانی کے ساتھ آپ نے وہاں مجاہدہ فرمایا وہ ناقابل بیان ہے۔ دن بھر روزہ رکھتے اور شام میں افطار درخت کے پتوں سے کیا کرتے تھے۔ قُوت لایموت پر آپ کی زندگی بسر ہوتی، اس جہد مسلسل اور کثرت ریاضت ومجاہدہ کے باوجود بدن پر ضعف ونقاہت کے آثار بالکل نہیں تھے۔ رات میں سوتے وقت پاؤں کبھی نہ پھیلائے، فاقوں پر فاقے ہو جاتے مگر عبادت وریاضت کے معمولات میں ذرہ برابر فرق نہ آتا۔ کثرت مجاہدہ کے باعث جب آپ کا نفس غلاظت سے پاک اور دل مرکز انوار الٰہی بن گیا تو آپ قرن کے جنگل سے واپس آئے والد ماجد کے دست اقدس پر بیعت وارشاد کا شرف حاصل کیا اور مخلوق خدا کی رشد وہدایت میں لگ گئے۔ جس وقت آپ نے رشد وہدایت کا فریضہ انجام دینے کے لیے اپنے والد ماجد کی جانشینی کا اعلان کیا تو آپ کی بارگاہ میں طالبان فیض کی بھیڑ لگ گئی سب سے پہلے آپ نے ۸۳۷ھ میں شیخ الشیوخ حضرت طلحہ ملقب بہ حسن کو مرید کیا اور ساتھ ہی دولت خلافت سے بھی نوازا، اشاعت دین حق کے سلسلے میں آپ کے لیے زبان کا کوئی مسئلہ نہ تھا جس علاقہ میں بھی جاتے ان کی زبان میں ہی انھیں اسلام کی باتیں بتاتے، آپ کی اس خوبی کے سبب ہر کوئی آپ سے ملاقات کے لیے بے قرار وبے چین نظر آتا، شیخ علی شیر شیرازی جو آپ کے مرید وخلیفہ تھے وہ ہمیشہ سفر میں آپ کے ہمراہ رہتے، ان کا کہنا ہے کہ

”در سیاحت وسفر وے رضی اللہ عنہ ہر کجا کہ رفتے فی الحال در کلام مثل

مرد ماں آں دیار آمدے“ (مناقب محمدیہ ص۲۲)

(دوران سفر آپ جہاں بھی تشریف لے گئے تو اس علاقہ کے لوگوں سے آپ نے اسی زبان میں گفتگو فرمائی)

حد تو یہ ہے کہ جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو ہندوستان کے علماء اور زمینداروں سے ہندی زبان میں گفتگو فرمائی، اور گفتگو ایسی صاف وشستہ فرماتے کہ لب ولہجہ سے ذرا بھی اجنبیت کا اندازہ نہیں ہوتا، ہر زبان کے جو اپنے اصول وآداب ہوتے ہیں گفتگو میں اس کی بھرپور رعایت فرماتے۔ ہندوستان میں تشریف لانے سے قبل آپ نے مکہ مکرمہ میں آٹھ سال اقامت فرمائی اور بیت اللہ شریف کے فیوض وبرکات سے اپنے دامن کو مالا مال کیا۔ایک دن اچانک والد ماجد سید محمد درویش کی یاد آ گئی تو آپ بغداد چلے گئے وہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ ”جیال“ میں ہیں۔آپ جیال تشریف لے گئے اور والد ماجد کی خدمت میں حاضری دے کر بے قرار دل کو سکون بخشا۔ پورے چھ ماہ والد ماجد ہی کی خدمت میں رہ کر سکون قلب ونظر حاصل کرتے رہے۔ایک دن کا ذکر ہے کہ باپ بیٹے دونوں نماز فجر اور اوراد وظائف کی مشغولیات سے فارغ ہونے کے بعد صبح کے وقت دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے تھے مگر ان کے نورانی چہروں پر افسردگی کے آثار تھے اور حسرت بھری جذباتی نگاہوں سے دونوں ایک دوسرے کو تک رہے تھے آپ کے خلیفہ خاص شیخ علی شیرازی بھی اس موقع سے جیال ہی میں تھے وہ فرماتے ہیں۔

”من کہ چناں دیدم زمین ادب بوسیدم واز اں پرسیدم قدوۃ السالکین امیر سید محمد درویش رضی اللہ عنہ فرمود قرۃ عینی سید محمد را از جناب رسالت مآب امر شد بولایت ہندوستان رود“۔(مناقب محمدیہ ص۳۸)

(جب میں نے یہ صورت حال دیکھی تو دست بستہ عرض کیا اور پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ تو شیخ قدوۃ السالکین سید محمد درویش نے فرمایا میرے نور چشم سید محمد کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے ہندستان جانے کا حکم ہوا ہے۔)

دفعتاً بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے اس طرح کا حکم کیوں کر صادر ہوا اس کی

تفصیل ''تذکرہ مجد'' کے مصنف خاں بہادر حکیم عبدالجلیل نے اس طرح لکھی ہے۔

''۸۰۱ھ موافق ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور نے جب سلطنت تغلقیہ کو برباد کر کے وطن کی مراجعت کی تو اس کے جانے کے بعد لودیوں نے دہلی کے تخت وتاج کو سنبھالا۔اس کے اطراف وجوانب میں تو امن وامان قائم ہو گیا مگر ابھی دور دور کے علاقوں میں انقلاب ہی تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا زور تھا۔خصوصاً بہلول لودھی کے عہد تک صوبہ بہار میں معمولی زمیندار بھی اپنے آپ کو علاقہ کا خود مختار حاکم سمجھتا تھا غریب مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم وستم روا رکھے جاتے تھے۔انھی دنوں میں پرگنہ انچھا مضاف صوبہ بہار جیون نامی قوم کا کولہ بڑا ہی سرکش مطلق العنان زمیندار تھا اور اپنے علاقے کے مسلمانوں کو آئے دن انواع واقسام کی تکلیفیں پہنچاتا اور ارکان اسلام اور فرائض مذہبی کے اعلانیہ کرنے میں سخت حارج ہوتا تھا، جب اس کے تشدد کی کوئی انتہا نہ رہی تو ان مظلوموں میں ایک بزرگ شیخ علی نے جو مرد صالح ذی علم عارف باللہ خوش تقریر تھے، کمال دلیری اور ادب کے ساتھ اس ظالم سے اعلانیہ نماز وغیرہ فرائض دین کے ادا کرنے کی اجازت چاہی اور بطور وعظ چند بتوں کی پرستش کے نقصانات وتوحید واسلام کی خوبیاں اور رسالت کی ضرورتوں کو بیان فرمایا مگر اس ستم گر نے ایک نہ سنی اور نہایت برہم ہوکر ان کے اعزہ واقربا اور عیال واطفال کو بے رحمی سے مار ڈالا اور انھیں بھی مار ڈالنا چاہتا تھا لیکن ان کی حیات باقی تھی ،اس بے رحم سے بچ کر مسلمان حاکموں کے پاس گئے، انصاف کے خواہاں ہوئے مگر وہاں انقلاب سلطنت کے باعث سیاست کا نظام درہم برہم تھا،ان کی فریاد کو کون سنتا آخر مایوس ہوکر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے ،بارگاہ رسالت میں مستغیث ہوئے ایک رات خواب میں حضرت خیر البشر ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور یہ

بشارت پائی کہ تم بغداد جا کر سید محمد بن درویش محمد قادری کو ساتھ لو اور ہندوستان کی طرف روانہ ہو جاؤ وہ کولہ سفّاک انھیں کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے گا۔اسی رات یہ دونوں بزرگوار یعنی حضرت سید درویش محمد قادری اور سیدنا حضرت سید محمد قادری بغدادی بھی حضور انور ﷺ کے ارشاد سے عالم خواب میں فائز المرام ہوئے ، جب شیخ علی ہندی اس بشارت سے بہرہ اندوز ہوئے ، مدینہ طیبہ سے بغداد آئے اور دونوں بزرگواروں کو اپنا منتظر پا کر بہت خوش ہوئے اور برابر حضرت کے ساتھ ساتھ ہندوستان آئے''۔(حاشیہ مناقب محمدیہ ص ۳۸ ماخوذ از تذکرہ مجید)

حضرت سیدنا محمد قادری شیخ علی ہندی کے ساتھ اپنے چالیس خلفا کو لے کر اشاعت دین حق کے لیے بغداد کی مقدس سرزمین سے نکل پڑے ، قندھار ملتان اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت اور فیوض وبرکات حاصل کرتے ہوئے پونے سات ماہ اور گیارہ یوم بعد ۸۴۶ھ میں صوبہ بہار کے موضع ''نرہنا'' میں نزول اجلال فرمایا۔نرہنا غالباً وہی جگہ ہے جہاں شیخ علی ہندی کا خاندان آباد تھا ،لیکن اس نام سے اب وہاں کوئی بستی اور آبادی نہیں ہے، یا تو صفحہ ہستی سے نیست ونابود ہوگئی یا کسی اور نام سے موسوم ہوگئی۔بہرحال جب آپ اپنے چالیس خلفا کے ہمراہ وہاں وارد ہوئے تو راجہ جون جو کولہ کے لقب سے مشہور تھا جب اسے آپ حضرات کی آمد کی خبر ملی تو بہت پریشان ہوا۔ادھر شیخ علی ہندی نے جب آپ سے اپنے اوپر ہونے والے اس ظالم راجہ کے ظلم کی سرگذشت بیان کی تو آپ نے سن کر ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا:

مناسب ہوگا کہ پہلے راجہ جیون سے اتمام حجت کر لی جائے ، چنانچہ شیخ علی ہندی کو لے کر آپ راجہ جیون کے پاس گئے ظلم وتعدی سے باز آنے کے لیے اس سے کہا اور جو کچھ مسلمانوں پر مصائب ومظالم کے پہاڑ توڑے تھے اسی کے منھ پر اس کی لعنت وملامت کی اور نصیحت اور وارننگ کے طور پر آخر میں فرمایا کہ خیر اسی میں ہے کہ کفر سے باز آجا اور اسلام قبول کر لے، یہ سن کر راجہ جیون غیض وغضب سے تلملا اٹھا۔مارے غصہ کے اس کا

چہرہ سرخ ہو گیا، آپ کے ساتھ بدتمیزی کرنے کی ہمت تو تھی نہیں ضبط کرتے ہوئے اتنا ضرور کہا کہ آپ کو میرے کاموں سے کیا واسطہ؟ آپ تشریف لے جائیں۔

آپ وہاں سے واپس آئے اور نرہنا کی قریب بستی ''امجھر'' میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور راجہ جیون جسے آپ نے ظلم سے باز رہ کر حلقہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی اس نے جب آپ کی باتوں پر عمل نہ کیا تو اسی دن سے اس کا ہر اعتبار سے زوال شروع ہو گیا اور روز افزوں اس کی تباہی و بربادی عوام الناس پر عیاں ہونے لگی ۔جب اس کی خبر اس کے بھائی راجہ کرمون کو ہوئی تو فوجی انتظام وانصرام کے ساتھ اپنے بھائی کی مدد کر کے لیے پہنچا اور دونوں بھائیوں نے مل کر آپ حضرات کو اذیت پہنچانے کی جس طرح کوششیں کیں سب رائیگاں ہو گئیں۔حق کو ہمیشہ سربلندی حاصل رہی ہے، راجہ جیون اور اس کا بھائی دونوں تباہ و برباد ہو گئے مگر آپ حضرات کا ایک بال بھی وہ دونوں بھائی مل کر بے کا نہ بیکا کر سکے۔آپ حضرات ہمیشہ خدائے تعالیٰ کی حفظ وامان میں رہ کر اشاعت اسلام میں سرگرم عمل رہے، آج صوبہ بہار میں ایمان واسلام کی جو روشنی نظر آرہی ہے وہ آپ اور آپ کے چالیس خلفا کی شبانہ روز مساعی، جدوجہد اور فیضان نظر کا ثمرہ ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے جس مقصد کے تحت آپ کو ہندوستان بھیجا تھا جب اس پر ہر طرح کامیاب و کامراں ہو گئے اور بہار خاص طور سے ضلع گیا کے راجاؤں کے ظلم وتعدی سے سب کو نجات مل گئی اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے، تو آپ نے ارباب عقیدت اور اصحاب خلافت سے گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر زندگی گزارنے کی تمنا ظاہر کی مگر یہ امر بظاہر مشکل اس لیے تھا کہ دور دور سے بندگان خدا عظمت اسلام سے روشناس ہونے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔اس طرح آپ کی بارگاہ میں مخلوق خدا کا ہمیشہ اژدحام رہتا۔صاحب'' اذکار طیبہ '' آپ کے خلفا کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

''ہر چند میں چاہتا ہوں کہ ہجوم خلائق سے الگ عزلت میں زندگی بسر کروں لیکن یہ جب خدا کو منظور نہیں تو کیا ہو سکتا ہے؟ یہ فرمایا اور جو عصا آپ کے دست مبارک میں تھا اسے چشمہ کے کنارے نصب فرما دیا اور کہا

کہ میں اب اس جگہ سکونت پذیر ہوتا ہوں تو بھی متحرک نہ ہونا اسی وقت وہ
عصا سر سبز وشاداب ہوگیا شاخوں پر پھل اور پھول نمودار ہوگئے۔

(اذکار طیبہ ص ۲۳)

سطور بالا میں جس عصا کا ذکر ہوا ہے اس عصا کو زمین میں نصب کرنے میں حکمت یہ تھی کہ جب بغداد مقدس سے ہندوستان کے لیے آپ روانہ ہوئے تھے، اس وقت آپ کے والد ماجد نے آپ کو حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کے تین تبرکات (۱) تاج (۲) خرقہ اور (۳) عصا دے کر یہ فرمایا تھا کہ جس جگہ یہ عصا زمین میں گاڑتے ہی شاخ اور برگ وگل نکل آئیں وہیں ہمیشہ کے لیے بودوباش اختیار کر لینا۔ جب آپ موضع ''نرہنا'' سے ''انجھر'' آئے اور وہیں اس عصائے مبارک کو زمین میں نصب کیا تو حکم خداوندی دیکھئے فوراً ہی اس میں کونپلیں نکل آئیں اور برگ وبار نمودار ہوگئے پھر والد ماجد کی وصیت کے مطابق آپ نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

انجھر کی بستی صوبہ بہار کے شمال مشرق کے جنوبی حصہ میں واقع ہے سطور بالا کی روشنی میں بغیر شک وارتیاب کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس گاؤں کی بنیاد حضرت سیدنا محمد انجھری نے خود اپنے ہاتھ سے رکھی تھی، اس کا پرانا نام ''امجد'' شریف تھا جو کثرت استعمال اور مرور زمانہ کے باعث ''انجھر'' ہوگیا ہے۔ یہ گاؤں شہر اورنگ آباد سے پچیس اور شہر گیا سے چالیس میل کے فاصلہ پر میدانی علاقے میں واقع ہے۔ اس کے پچھّم دس میل کے فاصلے پر ''سون ندی'' اور دکھن میں پانچ میل کی دوری پر ''پن پن ندی'' بہتی ہے۔ اس کے جوار میں دو بڑے بڑے بت خانے ہیں۔ ۱۔ دیوکنڈ جو انجھر شریف سے تین میل اتر پورب ہے۔ ۲۔ بھر گوراری جو انجھر شریف سے پانچ میل دکھن میں پن پن ندی کے کنارے بسا ہوا ہے۔ (سیدالہند اور آپ کا اسلامی مشن ص ۲۷)

بغداد شریف سے تشریف لاتے وقت آپ نے ہندوستان کے جن اہم مقامات کی زیارت کی تھی اور وہاں کے فیوض وبرکات حاصل کیے تھے۔ اس میں کچھوچھہ مقدسہ جہاں سلسلہ اشرفیہ کے بانی حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ والرضوان آرام

فرما ہیں شامل ہے۔کیوں کہ اس کے قریب سُر ہر پور (سرور پور) نام کی ایک بستی میں سید حسن بن تاج الدین بن سید ابو صالح احمد کی نیک و صالح بہن سے آپ کے عقد مناکحت کا پتا چلتا ہے۔''ماہنامہ منادی''میں مولانا سید غلام حسین چشتی رقم طراز ہیں۔

> ''حضرت امیر سید محمد اجھری قدس سرہ بغداد شریف سے روانہ ہو کر پہلے ملتان آئے وہاں سے سُر ہر پور (نواح کچھوچھہ شریف یوپی) تشریف لائے۔یہیں ایک قادری خاندان میں آپ کی مصاہرت ہوئی''۔
>
> (ماہنامہ منادی ص ۱۱ فروری ۱۹۶۱ء)

عقد و مناکحت کے تعلق سے یہ رشتہ کس قدر آسانی سے طے ہو گیا۔اس کی تفصیل کئی ایک سوانح نگاروں نے اپنی کتابوں میں درج کی ہے۔جس کا ماحصل یہ ہے کہ بغداد سے روانگی کے وقت والد ماجد نے وصیت کے دوران یہ بھی فرمایا تھا کہ سید احمد قادری کے خاندان کے لوگ وہاں موجود ہیں،رسم مناکحت بھی ادا کر لینا،اس طرح شادی کے تعلق سے آپ کا ارادہ پختہ ہو ہی چکا تھا۔ادھر سید حسن سُر ہر پوری جو اپنی دختر نیک اختر بی بی پیارن جن کا اصل نام فاطمہ تھا انھیں کوئی مناسب رشتہ نہیں مل رہا تھا جس کے ساتھ وہ اپنی بہن کا عقد کر سکیں۔اس سلسلے میں وہ بہت پریشان تھے،ایک شب انھوں نے خواب میں دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اپنی بہن کا نکاح سید محمد قادری سے کر دو،صبح جب نیند سے فارغ ہوئے تو سید حسن کی مسرت و شادمانی کی کوئی انتہا نہ رہی جو بھی ملتا اس سے سید محمد قادری کا پتا دریافت فرماتے۔پورا دن اسی شوق اضطراب میں گزرا مگر کامیابی نہ ملی،کسی طرح بڑی مشکل سے رات کو نیند آئی دوسرے دن جب صبح ہوئی تو سید محمد قادری خود ہی اپنے ہمراہیوں کو لے کر سرکار دو عالم ﷺ کے حکم کے بموجب ان کے گھر سُر ہر پور پہنچ گئے،انھوں نے پُر جوش خیر مقدم کیا اور سب کو گھر مدعو کر کے اپنی بہن فاطمہ عرف بی بی پیارن کا عقد آپ کے ہمراہ کر دیا۔پھر اپنی اہلیہ کو وہیں چھوڑ کر جس مہم کو سر کرنے اور ظلم و تشدد کا صفایا کرنے کی غرض سے وہ بغداد سے چل کر ہندوستان آئے تھے اس مہم پر روانہ ہو گئے اور ظلم و تشدد کا قلع و قمع کرنے اور گیا کے راجاؤں کو فنا فی النار کرنے

کے بعد انجھر میں مستقل بود و باش اختیار کر لی اور رہائش کے لئے جب ایک مختصر مکان بنالیا تو اپنی اہلیہ کو حضرت شیخ طلحہ معروف بہ حسن کے ذریعہ سُر ہر پور سے بلوالیا۔" مرأة الکونین " کے مصنف آپ کی ازدواجی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''آپ کے ایک مرید ملک قاذن جس نے آپ کے ہاتھوں پر توبہ کیا اور بیعت وارادت حاصل کی آپ نے اس کے حق میں دعائیں فرمائیں اور ان دعاؤں کے طفیل اسے ایک خزانہ ہاتھ آیا اس خزانہ سے اس نے آپ کے لیے انجھر میں رہنے کے لیے ایک مکان کی تعمیر کرائی، جب مکان بن کر تیار ہوگیا تو آپ نے موضع سُر ہر پور (یوپی) سے اپنے عیال کو منگالیا اور مستقلاً انجھر میں رہنے لگے''۔(مراۃ الکونین ص ۳۹۹)

حضرت سیدنا محمد قادری انجھر ی انتہائی شریف النفس اور زہد وریاضت کے پیکر تھے، ظاہری وباطنی دونوں خوبیوں سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ منکسر المزاج تھے، تحمل وبردباری قناعت وتوکل آپ کی زندگی کا اصل سرمایہ تھا۔ عشق الٰہی سے ہمیشہ قلب وسینہ معمور رہتا، دستر خوان آپ کا بے حد وسیع تھا، جسے بھی آپ کے دستر خوان پر ایک بار باریابی کا شرف حاصل ہوا وہ آپ کے اخلاق حسنہ اور مہمان نوازی کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ قائم اللیل کے ساتھ ہی صائم الدھر بھی تھے، بقائے حیات کے لیے چند لقموں پر اکتفا فرماتے، یہ آپ کے روزانہ کا معمول تھا اس تقلیل غذا کے باوجود اسلام کی اشاعتی سرگرمیوں میں ذرہ برابر خلل نہیں پڑتا تھا۔ جس تندہی اور مخلصانہ جدوجہد کے ساتھ اشاعت اسلام کا اہم فریضہ انجام دیا ہے، بہار کا خطہ اس پر شاہد ہے، آپ کے فیوض وبرکات اور الطاف کریمانہ کے عوام تو عوام حکام اور والیان حکومت بھی متمنی وطلب گار تھے، سب نے آپ کے در کی دریوزہ گری کی ہے، آپ نے وعظ وتقریر سے کم کردار سے زیادہ بندگان خدا کو اسلام سے قریب کیا ہے۔ آپ صاحبِ کشف وکرامت بھی تھے، آپ سے منسوب بے شمار کرامتیں ہیں جن کی تفصیل کتب سوانح میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آپ کی ذات ستودہ صفات سے خطۂ بہار میں اسلام کی نشر واشاعت کے ساتھ

ساتھ قادریت کا فیضان بھی عام وتام ہوتا رہا، پہلے تو آپ نے کفر وشرک کی سرکوبی فرمائی پھر اسلام کا پرچم لہرایا اور یہ سلسلہ آپ کی زندگی کی آخری سانس تک چلتا رہا" ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون ؟ "نامی کتاب میں دین حق کی ترویج وارتقا اور فیضان قادریت کی نشر واشاعت کے تعلق سے آپ کی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کا اعتراف ان لفظوں میں کیا گیا ہے۔

’حضرت سید محمد قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات پاک سے ہندوستان میں جس طرح سلسہ قادریہ کا فروغ ہوا اس کی ایک طویل داستان ہے۔مختصر یہ کہ آپ کئی راجاؤں مہاراجاؤں کوان کے ظلم وتشدد کی بناپر بحکم الٰہی فنا کے گھاٹ اتارا پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات سے وہاں کے عوام کو روشناس کرا کے اپنے سے قریب کیا اور یہ سلسلہ آپ کی حیات مقدسہ تک چلتا رہا‘‘۔ (ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون ص ۱۵)

آپ نے جس قدر سلسلہ قادریہ کو صوبہ بہار میں فروغ دیا اس سے بعض مصنفین نے یہ سمجھا کہ آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی بنیاد ڈالی۔ حالاں کہ آپ سے قبل کئی اہم شخصیات کے تعلق سے یہ بات مورخین نے لکھی ہے کہ وہ حضرات ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔اس سلسلہ میں راقم السطور کا ایک مقالہ " ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون ؟ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔سردست یہاں ماہنامہ حجاز جدید دہلی سے ایک عبارت نقل کی جارہی ہے جس میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی آپ ہی ہیں۔

’’اسلام کی ترویج وتبلیغ میں اپنی ساری عمر عزیز صرف کردی اور غوث اعظم کے اشارے پر سب سے پہلے شمالی ہند میں سلسلہ قادریہ کی تاسیس وترویج فرمائی۔آج جن کے فیض عام سے ہر خاص وعام بہرہ ور ہورہا ہے۔اس مبلغ اعظم عظیم المرتبت ہستی کو دنیا سید الہند محمد قادری بغدادی الجھر ی کے نام سے جانتی ہے‘‘۔ (حجاز جدید دہلی ص ۲۷ ستمبر ۱۹۹۱ء)

حضرت سیدنا محمد قادری اجھری نے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی بنیاد ڈالی یا اس سلسلہ کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں پروفیسر طیب ابدالی نے جو اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ وہ آپ اور آپ کی خدمات کے تعلق سے فرماتے ہیں۔

''سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت سیدنا محمد القادری البغدادی الاجھری کا قدم مبارک ہندوستان میں ۸۴۶ھ میں پہنچا اور آپ نے اس دیار میں سلسلہ قادریہ کی تعلیمات روحانی وباطنی کی ترویج واشاعت فرمائی آپ کے بعد آپ کے خلفا جانشینوں نے اس فیضان کا زیادہ سے زیادہ اجرا کیا، پابندی شریعت، اتباع سنت پر سختی سے گامزن رہے۔ رسوم جہالت وشرک وبدعت کا قلع وقمع کیا تزکیہ نفس، تصفیہ قلب کی تعلیم دی۔ خدمت خلق اور رشد وہدایت کی توسیع کی ان سب حقائق نے سلسلہ قادریہ کو مقبول عام بنادیا اور اس کی اشاعت کافی ہوئی''۔

(جادہ عرفاں ص۲۱۰)

سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت کے سلسلے میں آپ نے جس قدر جد وجہد فرمائی اور کتنے بندگان خدا کو اس سلسلے کے دامن کرم سے وابستہ کیا، اس کی صحیح تعداد کہیں دستیاب نہیں البتہ جن مقدس ومحترم شخصیات کو آپ نے سلسلہ قادریہ کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا ان کی ایک مختصر فہرست ذیل میں دی جارہی ہے۔

۱۔حضرت شیخ طلحہ معروف بہ حسن قادری مدنی

۲۔سید علاء الدین تبریزی

۳۔ملک تاج الدین قادری

۴۔سید سلیمان مشہدی قادری

۵۔شیخ محمد مجذوب قادری

۶۔سید شمس الدین حسینی ہمدانی قادری

۷۔سید علی قادری مانک پوری

۸۔شیخ علی شیر شیرازی

۹۔کریم الدین حسینی مکی قادری (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

خلفا و مجازین جب تک بقید حیات رہے آپ کے مشن کو فروغ دینے میں سرگرم عمل رہے۔ان حضرات کے پردہ فرمانے کے بعد ان کے اخلاف و مریدین کے ذریعہ یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا،لیکن آپ کے خانوادہ کے ذریعہ جس طرح اس سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا اور موجودہ صاحب سجادہ کے ذریعہ ہو رہا ہے وہ بلاشبہ آپ کے اخلاف کا قابل تقلید کارنامہ ہے۔بہار کی یہ وہ واحد خانقاہ ہے، جہاں سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت اور اس کا فیضان اس خانوادہ کے سجادگان کے ذریعہ جاری وساری ہے۔میرے مخلص وکرم فرما مولانا سید اصغر امام قادری مدظلہ النورانی اسی خانوادہ کے چشم وچراغ اور صاحب سجادہ ہیں۔ذیل میں اس خانوادہ کے سجادگان کی ایک فہرست ترتیب وار دی جارہی ہے جس سے بصد وثوق یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلسلہ عالیہ قادریہ کی ترویج وارتقاء کا جو سلسلہ سیدنا محمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نویں صدی ہجری کے نصف میں شروع کیا تھا ان کے خانوادہ کے ذریعہ وہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور بندگان خدا اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء میں آپ کا وصال ہوا۔آپ کے فرزند سعید حضرت شیخ معین الدین ولی اللہ زیب سجادہ ہوئے۔پھر ان کے بعد جن حضرات نے مسند قادریت کو زینت بخشی ان کی فہرست اس طرح ہے۔

۱۔سیدنا سید معین الدین ولی اللہ خلف اکبر (وفات ۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء)

۲۔سیدنا مظفر قادری (وفات ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۲ء)

۳۔سید ابوالمعالی عرف بابا بھیکہ قادری (وفات ۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء)

۴۔سید عبدالرشید قادری معروف بہ قدم رسول (وفات ۱۱۵۴ھ/۱۶۴۴ء)

۵۔سید عبدالرزاق قادری (وفات ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء)

۶۔سید غلام رشید قادری (وفات ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء)

۷۔سید اطیب اللہ قادری (وفات ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء)

۸۔سید غلام عبدالرشید عرف شاہ جمی قادری (وفات ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء)

۹۔سید عبدالجلیل عرف شاہ انخر قادری (وفات ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)

۱۰۔سید جلال الدین احمد قادری (وفات ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء)

۱۱۔سید شرف الدین احمد قادری (وفات ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء)

۱۲۔سید عبدالرزاق قادری (وفات ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء)

۱۳۔سید جلال الدین ابدال قادری (**علیهم الرحمة والرضوان**)

۱۴۔سید اصغر امام قادری موجودہ سجادہ نشین دامت برکاتہم القدسیہ

حضرت سیدنا سید محمد انجھر قادری کو ستائیسویں ماہ صفر کو عارضہ تپ لاحق ہوا، آپ کے مریدین پریشان ہوکر علاج معالجہ کی تدبیر سوچنے لگے، ایک حکیم صاحب کو آپ کی خدمت میں لایا گیا، تو آپ نے حکیم صاحب سے فرمایا گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ، یکم ربیع الاول کو ٹھیک ہو جاؤں گا اور آپ لوگوں کا غم خوشی میں تبدیل ہو جائے گا، اس طرح آپ چار یوم علیل رہے اور یکم ربیع الاول ۹۴۰ھ کو تمام شاہزادگان مریدین ومتوسلین کی موجودگی میں ایک سوتیس برس کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔لفظ ''عشق عشق'' مادہ تاریخ وصال ہے۔وصال سے کچھ روز قبل آپ کی زبان مبارک سے لفظ ''عشق عشق'' دوبارادا ہوا تھا۔ بعد وصال وہی تکرار لفظ عشق مادہ تاریخ وصال ٹھہرا، انجھر شریف میں تدفین عمل میں آئی۔کسی عقیدت مند نے درج ذیل قطعہ تاریخ وصال لکھا ہے۔

حضرت شیخ الزماں سید محمد قادری
مرتبہ جن کا ہے بالا فہم اور ادراک سے

ہادی راہ ہدیٰ بڑھ کر تھا جن کا مرتبہ
رفعت وعظمت میں اپنی رفعت افلاک سے

ہند سے باطل پرستی میٹنے بغداد سے
لائے وہ تشریف حکم صاحب لولاک سے

آہ وہ محبوب دنیا سے بالآخر چل بسا
سوئے فردوس بریں ہندوستاں کی خاک سے

جستجوئے سال میں دل کی تگ ودو کو دیکھ کر
ملہم غیبی نے اک آواز دی افلاک سے

مٹ چکا ہوں عشق میں پاؤ گے نیر عشق میں
''عشق عشق'' آئی صدا روح جناب پاک سے

۹۴۰ھ

حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری، پھلواری شریف، بہار
علیه الرحمة والرضوان

تاج العارفین حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری کی ولادت باسعادت ۱۱/ربیع الثانی ۱۰۹۸ھ کو قصبہ پھلواری شریف صوبہ بہار میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امیر عطاء اللہ جعفری (وفات ۴۶۲ھ) کے واسطے سے حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

پھلواری شریف ایک زمانہ سے روحانیت کا مرکز رہا ہے اس بستی میں مسلمانوں کی آبادی حضرت مخدوم جہاں سیدنا شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۷۸۲ھ) کے دور حیات سے ہی بتائی جاتی ہے، سید منہاج الدین راستی (وفات ۷۸۷ھ) وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے صدر رشک ثریا بنا دیا" اعیان وطن "کے مصنف لکھتے ہیں۔

''آپ کی تشریف آوری ۷۶۲ھ میں ہوئی جس کے بعد سے اس قصبہ سے کفر وضلالت دور ہوئی اور صدہا مشرکین مشرف بہ اسلام ہوئے آپ کے رشد وہدایت کا دور بہت ہی شاندار گزرا ہے، تمام عمر فقر وتوکل میں بسر ہوئی۔ ۲۹/ذی الحجہ ۷۸۷ھ رحلت ہوئی اور آبادی کے اتر جانب ایک خطیرہ میں مدفون ہوئے''معدن برکات'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے''
(اعیان وطن ص ۵)

حضرت سید منہاج الدین راستی گیلان کے رہنے والے تھے اور مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے اعاظم خلفا میں سے تھے۔ (سوانح مولانا امان اللہ ص ۲۱)

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے اس قصبہ کو'' بستان

نجات'' فرمایا ہے۔بعض لوگوں کی زبان سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کسی بزرگ کو یہ بشارت ہوئی تھی کہ اس قصبہ میں ایک عالم اور مرد درویش ہمیشہ رہے گا۔ اس کی تائید" تذکرۃ الکرام" کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

''از کفایت ایں عنایت الی الآن قریب دوصد سال گذشتہ باشد حال ہم چنیں است کہ کسے زمانہ فطرت ندیدہ''(تذکرۃ الکرام ص ۶۹)

(قریب دوسو سال کا عرصہ گزر گیا آپ نے جو فرمایا تھا ٹھیک ویسے ہی پایا گیا)

حضرت محمد مجیب اللہ کے والد ماجد حضرت شاہ ظہور اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سایہ بچپن ہی میں آپ کے سے سراٹھ گیا۔آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے پھوپھا حضرت برہان الدین لعل میاں کی زیرنگرانی ہوئی۔وقت کے اکابر علماء سے آپ نے اکتساب علم کیا۔لیکن آپ کی شخصیت کی تعمیر میں حضرت شاہ عماد الدین جعفری کا اہم کردار رہا ہے،آپ شب وروز کے بیشتر لمحات انھی کی خدمت میں رہ کر گزارتے اس لئے آپ کی زندگی پر ان کے کردار وعمل کا اثر مرتب ہونا لازمی امر تھا۔شوق علم میں اضافہ تو ہوتا ہی رہا،ذہن ودماغ میں مذہب انس ومحبت اس درجہ رچ بس گئی کہ دل یاد الٰہی کا گہوارہ بن گیا۔

حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری کو حضرت مولانا شاہ محمد وارث رسول نما قادری (وفات ۱۱۶۶ھ) سے بیعت وارادت حاصل تھی اور زہد وریاضت میں کمال حاصل کرنے کے بعد انھی سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں خرقہ خلافت حاصل کر کے مسند رشد وہدایت پر متمکن ہو کر اس سلسلہ کا فیضان عام وتام کرنے لگے۔آپ کی ولایت وبزرگی مسلم تھی ارباب طریقت آپ کی روحانی عظمتوں کے معترف تھے۔اس کا اندازہ تذکرۃ الکرام کی درج ذیل عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔شہر عظیم آباد پٹنہ کے مغربی دروازہ پر شاہ کالے نامی ایک مجذوب بزرگ رہا کرتے تھے بالکل برہنہ کسی سے بھی پردہ نہیں فرماتے لیکن حضرت شاہ محمد مجیب اللہ فرماتے ہیں۔

''آں مجذوب بر سر راہ بود ہر بار کہ چشمش بر من افتاد از حاضرین مجلس خود

چادر گرفتے وستر عورت کردے، گاہے وے رابرہنہ ندیدم‘‘۔

(تذکرۃ الکرام ص۸۴)

(ایک مجذوب ہمیشہ برہنہ رہتے لیکن جب ان کی نظر مجھ پر پڑتی تو حاضرین مجلس میں سے کسی کی چادر لے کر اپنے اوپر ڈال لیتے کبھی ہم انھیں برہنہ نہیں دیکھا)

آپ کے پیرومرشد حضرت مولانا محمد وارث بنارسی کو سرکار دو عالم ﷺ سے والہانہ لگاؤ تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آپ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جسے جب چاہتے تھے سرکار دوعالم ﷺ کی ظاہری زیارت سے مشرف فرما دیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کے یہاں سال مہینہ ہفتہ دن اور وقت کی کوئی قید نہیں ہوتی تھی، جب شیخ مجیب اللہ بیعت وارادت کی دولت سے سرفراز ہوگئے تو ایک دن مرشد کی بارگاہ میں رسول اکرم ﷺ کے جمال جہاں آرا کے دیدار کا ذکر سن کر تڑپ اٹھے اور زیارت نبوی کے شوق نے ذہن ودماغ میں بے قراری پیدا کردی۔ تصور میں یہ تھا کہ شاید خواب میں سرکار کی زیارت کی بات چل رہی ہے اسی لئے آپ نے فرمایا:

’’بندہ کو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا بے حد اشتیاق ہے استخارہ کے ذریعہ دوتین بار اس دولت سے مشرف ہو چکا ہوں‘‘۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سن کر آپ کے پیرومرشد حضرت مولانا محمد وارث رسول نما قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

’’میں خواب کی زیارت کا قائل نہیں اس بات پر ارباب ظاہر وباطن سب کا اتفاق ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں لہٰذا ظاہری طور پر تاجدار مدینہ ﷺ کی زیارت ممکن ہے‘‘۔

اپنے مرشد گرامی سے یہ جملہ سن کر حضرت شاہ محمد مجیب اللہ کی بے قراری اور بڑھ گئی حیرت زدہ ہوکر اپنے مرشد سے فرمانے لگے:

کیا اس زمانہ میں بھی یہ ممکن ہے؟ یا پہلے بزرگوں کے ساتھ خاص تھا؟۔

یہ سن کر آپ کے شیخ و مرشد نے فرمایا:

''ہاں اس زمانہ میں بھی ممکن ہے اور اگر آپ ظاہری طور پر زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہونا چاہتے ہیں تو کوئی مشکل امر نہیں''۔

حضرت شاہ مجیب اللہ قادری اپنے شیخ کی خدمت میں کئی سال بنارس رہے اور اس دوران اپنے شیخ کی مدد سے سرکار دوعالم ﷺ کے جمال جہاں آرا کا دن کے اجالے میں کئی بار زیارت کا شرف حاصل کیا اور اس زیارت کے طفیل اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو آپ کو دولت سرمدی عطا فرمائی اس کا فیضان خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے اب بھی جاری ہے۔صاحب بحر زخار میر جان علی فرزند میر عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

''میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔انتہائی ریاضت ومجاہدہ کی وجہ سے آپ کا وجود نور بن گیا تھا،اور صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ اپنی بغل میں قلب نہیں بلکہ آئینہ جہاں نما رکھتے تھے۔آپ کے مجاہدات کا اظہار امکان تحیر وبیان سے بالاتر ہے،اور آپ کے کمالات کا تذکرہ احاطہ تقریر میں نہیں آسکتا۔ آپ کی کرامتوں میں سے ایک کرامت لکھی جاتی ہے تاکہ یہ اوراق محروم نہ رہ جائیں، جو شخص عقل مند ہے اس کے لیے ایک ہی بات کافی ہوتی ہے۔

وقت نزع ایک حافظ کو بلایا اور سورہ یٰسین شریف پڑھنے کی اجازت دی، جب حافظ آپ کے سرہانے پہنچا فرمایا کہ سورۂ قیامہ پڑھو اس نے پڑھنا شروع کیا حضرت کو وجد آگیا، اٹھ کر بیٹھ گیے اور حالت وجد میں جان جان آفریں کے سپرد کردی، جب غسل دینے کے لیے نیچے اتارا گیا تو آپ کے پائے مبارک نشست کی وضع پر سخت ہو گیے تھے۔سیدھے نہیں ہو رہے تھے ناچار اسی حال میں غسل دے کر کفن پہنایا گیا اور نماز جنازہ پڑھ کر قبر میں رکھا گیا۔آپ کے ایک صاحبزادہ نے عرض کیا اے ہادی

دین! یہ مقام ریاضت نہیں ہے بلکہ مقام استراحت ہے آپ کے پائے
مبارک مڑے ہوئے ہیں انھیں دراز فرمائیے اس گزارش کی وجہ سے فوراً
ہی اپنے پیروں کو دراز کرلیا''۔(بحر زخار جلد دوم ص ۲۴۹)

حضرت شیخ مجیب اللہ قادری اپنے شیخ کی اجازت سے بنارس سے پھلواری تشریف لائے اور یہاں اپنی مسند ارشاد بچھائی اور مستقل طور پر خلق خدا کی ہدایت کا فریضہ انجام دینا شروع کیا۔ چوں کہ آپ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا اس لئے آپ نے کبھی بھی اپنی خانقاہ میں سماع کا اہتمام نہیں کیا۔ جب کبھی شورش عشق کا غلبہ ہوتا تو اپنے کسی خلیفہ سے شریعت کے دائرہ میں رہ کر تخلیہ میں سماع سن لیتے صاحب" اعیان وطن "لکھتے ہیں۔

''آپ کے خلفا میں شاہ جمال محمد عرف شاہ جمن قدس سرہ بہت خوش گلو
تھے اکثر ایسے موقع سے آپ ان کو یاد فرماتے اور انھیں کو بلا کر کچھ دیر گانا
سن لیتے''۔(حضرت مولانا رسول نما بنارسی ص ۱۶۰)

مگر تذکرۃ الکرام کی تحریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ پھلواری شریف میں پھر باضابطہ مجالس سماع کا اہتمام کیا جانے لگا اور سماع کے تمام آداب ملحوظ خاطر رکھے جانے لگے، سامعین پر وجد بھی طاری ہوتا اور حال بھی آتا، سماع کے تعلق سے اس خانقاہ کا شرعی موقف وہی تھا اور ہے جس کا ذکر صاحب" تذکرۃ الکرام "نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''بعضے یاران ذوق سماع در دل جا گرفت درخواست مجلس سماع ازاں
حضرت کردند فرمود قادریہ را نہ انکار است نہ ایں کار باز ملازمت امرے
غیر ضروری چہ ضرور''۔(تذکرۃ الکرام ص ۱۶۵)

حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری مسلسل کئی سال تک سلسلہ قادریہ کے فیضان سے بندگان خدا کو سیراب کرتے رہے بے شمار لوگوں کو آپ کی ذات سے ایمان کی دولت ملی۔ صوبہ بہار میں اسلام اور ایمان ویقین کی آج جو بھی روشنی نظر آرہی ہے اس میں آپ کی مساعی جمیلہ کا کافی حصہ ہے۔کتنے بندگان خدا نے آپ سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا۔اس کی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جاسکتی البتہ جنھیں آپ نے خرقہ خلافت سے

سرفراز فرمایا ایسے بیس خلفا کا ذکر صاحب" اذکار الابرار "نے اپنی تصنیف میں کیا ہے ،ذیل میں دس اہم خلفا کا ذکر کیا جارہا ہے۔

۱۔حضرت شاہ لعل محمد بن شیخ نورالدین (وفات ۱۱۶۸ھ)

۲۔حضرت شاہ نظام الدین بن حضرت شاہ تراب (وفات ۱۱۷۳ھ)

۳۔حضرت شاہ عبدالحیٔ (وفات ۱۱۹۲ھ)

۴۔حضرت شاہ عبدالحق (وفات ۱۱۹۹ھ)

۵۔حضرت شاہ محمد شمس الدین ابوالفرح (وفات ۱۲۲۸ھ)

۶۔حضرت شاہ محمد نورالحق (وفات ۱۲۳۳ھ)

۷۔حضرت شاہ عبدالغنی پھلواروی (وفات ۱۲۳۳ھ)

۸۔حضرت شاہ غلام سرور جعفری پھلواروی (وفات ۱۲۴۰ھ)

۹۔حضرت غلام نقش بند بن خواجہ عمادالدین قلندر (وفات ۱۲۴۷ھ)

۱۰۔حضرت شاہ نعمت اللہ (وفات ۱۲۴۷ھ) (اذکارالابرار ص ۱۶۲)

آپ کی ذات اقدس سے سلسلہ قادریہ کو بے حد فروغ حاصل ہوا جب تک آپ زندہ رہے اشاعت دین حق میں سرگرم عمل رہے آپ کے مریدین ومعتقدین اس کثرت سے ہوئے کہ باقاعدہ آپ کا سلسلہ قادریہ مجیبیہ، سلسلہ عالیہ قادریہ کی باضابطہ ایک شاخ کی حیثیت سے متعارف ہوگیا۔اگرچہ اس خانقاہ میں اورکئی مشائخ نے اس سلسلہ کو فروغ بخشا مگر جو شہرت حضرت مولانا شاہ محمد مجیب اللہ قادری کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آسکی۔آپ پورے ایک صدی تک رشد وہدایت کے ذریعہ بندگان خدا کو ضلالت وگمراہی سے دور رکھ کر ایمان ویقین کا درس دیتے رہے۔۹۳ سال کی عمر میں آپ کو کوئی ایسا مرض لاحق ہوا جو آپ کے انتقال کا باعث بنا۔۲۰/جمادی الثانی ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء) شنبہ کے دن آپ کا وصال ہوا، وصال سے قبل آپ نے اپنے پوتے شاہ نورالحق کو سورۂ یٰس شریف اور دیگر سورتوں کی تلاوت کا حکم دیا جیسے ہی شاہ نورالحق سورۂ قٓ کی اس آیت" نحن اقرب الیه من حبل الورید "پر پہنچے ویسے ہی آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔"

رفت نزد نبی رسول نما'' مادہ تاریخ وصال ہے۔ آپ کے چھوٹے فرزند حضرت شاہ محمد نعمت اللہ کو جانشینی تفویض ہوئی اور پھر ان کے ذریعہ اس سلسلہ کو فروغ حاصل ہوا۔

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت شاہ محمد تیغ علی قادری، سرکانہی شریف بہار

عليه الرحمة والرضوان

صوبہ بہار میں مظفر پور شہر سے کوئی سات میل دور ''سرکانہی'' نام کی ایک بستی آباد ہے، جس کا تاریخی دور آج سے سالہا سال قبل اس وقت شروع ہوتا ہے جب ایک مرد حق آگاہ نے اس بستی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔

حضرت شاہ محمد تیغ علی مادر زاد ولی تھے۔ بزرگی کے آثار عہد طفولیت سے ہی پیشانی سے ہویدا تھے، ایام شیر خوارگی سے ہی آپ کے حجرہ میں انوار وتجلیات کا غیبی ظہور، رجال الغیب سے ملاقاتیں اور ذکر وفکر کی محویت سے اندازہ ہو چلا تھا کہ مستقبل میں آپ بڑے پائے کے بزرگ ہونے والے ہیں، اللہ رب العزت سے آپ کے والہانہ تعلق کا پتا اس بات سے چلتا ہے کہ جس وقت آپ تحصیل علم کے مراحل سے گزر رہے تھے اس وقت فارسی کے استاد نے آپ کو اردو کا یہ جملہ ''لڑکا بغل میں ڈھنڈھورا شہر میں'' فارسی بنانے کے لئے دیا اس اردو کے جملہ کی جو آپ نے فارسی بنائی اس سے آپ کی روحانیت اور خدارسی کا اندازہ ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں۔ 'خدا نزد است می جوید بہ صحرا''

روحانیت میں آپ کا مقام ومرتبہ کیا تھا اس سلسلے میں ارباب فضل وکمال کے خیالات سے اس کی تعیین کی جاسکتی ہے۔

> ''حضرت شیخ المشائخ موجودہ صدی میں فضل خداوندی اور عشق وعرفان کی ایسی کھلی نشانی تھے کہ پہلی ہی نظر میں دیکھنے والوں کا یقین چیخ اٹھتا تھا کہ یہ اللہ کا ولی ہے ان کی ولایت وخدا شناسی کے لئے یہ دلیل سب پر بھاری ہے کہ ان کی ایک نگہ التفات سے دلوں کے بے شمار ویرانے آباد ہو گئے، روح

کے چمنستانوں میں بہار آئی لاکھوں بھٹکے ہوئے انسان مردان خدا کے گروہ
میں شامل ہوگئے''۔(استقامت اولیاء نمبر ص ۱۶۸ جنوری ۱۹۷۸ء)

آپ کی ذات سے سلسلہ قادریہ کا فیضان لاکھوں بندگان خدا تک پہنچا بے شمار لوگ آپ سے مرید ہوئے کتنوں کو آپ نے دولت خلافت سے مالا مال کیا زندگی کا ہر لمحہ اتباع سنت اور اصلاح امت میں گزرا آپ کے مریدین آپ کو دوسرے سلاسل سے ممتاز کرنے کے لئے اپنے نام کے ساتھ ''تیغی'' لکھتے ہیں، آپ نے اپنی زندگی میں اپنے مرید صادق عارف کامل الحاج شاہ محمد ابراہیم قادری کو اپنا جانشین نامزد کیا اور بھرے مجمع میں یہ اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

''مراوہی کہلائے گا جوان کا ہوگا جوان کا نہیں وہ میرا نہیں''

ربیع الاول ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء میں وصال ہوا۔مزار مقدس ''سرکا نہی شریف'' میں مرجع خلائق ہے،صوبہ بہار میں آپ کے مریدین کی کثرت ہے۔

(تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم ص ۱۴۵)

آپ کے علاوہ سلسلہ قادریہ کے جن دوسرے مشائخ نے اس سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا اور صوبہ بہار کے ہر خطہ میں سلسلہ کا فیضان عام وتام کیا ۔ان میں درج ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔

۱۔حضرت شیخ علی ہندی انجھر شریف (وفات ۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء)
۲۔سید علاء الدین تبریزی انجھر شریف (وفات ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)
۳۔حضرت سید جلال الدین ابدال قادری انجھر شریف (وفات ۹۴۳ھ/۱۵۳۶ء)
۴۔حضرت سید سلیمان مشہدی نوادہ (وفات ۹۴۴ھ/۱۵۳۷ء)
۵۔حضرت شیخ محمد مجذوب قادری (وفات ۹۶۴ھ/۱۵۵۶ء)
۶۔حضرت شاہ ارزاں قادری پٹنہ (وفات ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء)
۷۔حضرت شاہ دادا پیر قادری مانپور گیا (وفات ۱۱۲۷ھ/۱۷۱۵ء)
۸۔حضرت شاہ منعم پاک عظیم آبادی پٹنہ (وفات ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء)
۹۔حضرت شاہ محمد فرید الدین قادری میر گنج آرہ (وفات ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء)

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا شاہ کمال قادری، کیتھل، ہریانہ

علیہ الرحمة والرضوان

ہریانہ کبھی صوبہ پنجاب کا ایک حصہ تھا مگر اب اس کی مستقل حیثیت ہے اس کا بیشتر علاقہ قوم میو کے باشندوں پر مشتمل ہے آج سے نصف صدی پیشتر ہریانہ کا وہی ماحول تھا جو کسی زمانہ میں سرزمین عرب کا ہوا کرتا تھا۔عرب میں دور جاہلیت کی طرح ہریانہ میں بھی لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں تمام تر مذہبی رسوم اسی طرح کے مشرکانہ تھے۔ماثر الاجداد کے مصنف لکھتے ہیں۔

”عرب جاہلیت میں جیسا کہ ہر قبیلے کا بت جدا تھا اسی طرح سوتر میں ہر ایک کام کے واسطے نئی بدعت اور نیا شرک قوم کا مسلّمہ آئین ہو رہا تھا کیا مرد کیا عورتیں کھلے بند کفار کی رسوم کے پابند تھے، دھڑلّے سے مسلمان دیبی کو پوجتے تھے، پیپل جنڈ کیر کی پرستش کرتے تھے، آگ کو دیبی چراغ کو دیوتا جانتے تھے۔۔۔۔ان کا عقیدہ تھا کہ جس گھر میں آٹھوں پہر آگ موجود رکھی جائے وہ گھر نہ صرف افلاس کی تاریکیوں سے محفوظ رہے گا بلکہ آگ کی جوت سے نعمتوں کی برکات کا نور اس گھر کے در و دیوار پر سورج بن کر چمکتا رہے گا“۔(ماثر الاجداد ص ۹۹)

ہریانہ کی سرزمیں سے ان مشرکانہ رسوم کو مٹانے میں حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی (وفات ۷۲۴ھ) اور دور آخر میں حضرت شیخ محمد رمضان مہمی (وفات ۱۲۴۰ھ) نے کلیدی کردار ادا کیا شیخ محمد رمضان قادری سلسلہ قادریہ میں مرید تھے اور اسی سلسلہ کی انہیں اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔اس سرزمین پر سلسلہ قادریہ کی داغ بیل سب سے پہلے شاہ

قمیص اعظم قادری نے ڈالی، شاہ قمیص اعظم قادری غوث اعظم کی ساتویں پشت میں تھے۔ حضرت تاج الدین محمود جو آپ کے جد اعلیٰ تھے اور ہندوستان میں پہلے سے ہی موجود تھے آپ کے والد شاہ ابوالحیات قادری ان کی طلب پر ہندوستان آئے اور ملک بنگالہ میں سکونت اختیار کی۔

حضرت شاہ قمیص اعظم نے بیشتر تبلیغی اسفار کئے، دوران سفر ہریانہ بھی آپ کا آنا ہوا، سادھورہ کی سرزمین کچھ اس طرح آپ کو راس آئی کہ پھر آپ مستقل یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ جن مورخین کو آپ کی ان سرگرمیوں کا علم ہوا انھوں نے برملا اس کا اعتراف کیا کہ

''در دیار ہندوستان سلسلہ عالیہ قادریہ از ذات بابرکات سید ابوالحیات وشاہ قمیص اعظم جاری شد''۔ (خزینۃ الاصفیاء جلد ا ص ۱۳۵)

سچ تو یہ ہے کہ ہریانہ میں یہ سلسلہ قادریہ فرزند غوث اعظم حضرت سیدنا شیخ عبد الوہاب جیلانی ناگور کے ذریعہ پھیلا اور دوسرے جن قادری مشائخ کے ذریعہ وہاں کی فضا میں اسلام کا پرچم لہرایا ان میں حضرت شاہ قمیص اعظم قادری، حضرت شاہ کمال کیتھلی (وفات ۱۰۰۳ھ) حضرت شاہ سکندر کیتھلی (وفات ۱۰۳۳ھ) حضرت شاہ محمد فاضل قلندر قادری (وفات ۱۱۰۴ھ) حضرت شاہ عبد اللطیف لاابالی حضرت شاہ غلام جیلانی، حضرت شاہ محمد رمضان قادری (وفات ۱۲۴۰ھ) حضرت شاہ محمد اسماعیل مہمی، حضرت غوث علی شاہ قلندر (وفات ۱۲۹۷ھ) اور حضرت میاں راج شاہ قادری سوندھ شریف (وفات ۱۳۰۶ھ) اہم ہیں، یہ واضح رہے کہ یہ موخر الذکر بزرگ وہی ہیں جن سے بانی دار العلوم دیوبند الحاج عابد حسین نے سلسلہ قادریہ میں اجازت وخلافت حاصل کی تھی۔

راج شاہی خانوادہ کے علماء ومشائخ سے ہریانہ سے جہالت کی تاریکی دور ہوئی اور علم کا چراغ روشن ہوا۔ تاریخ میو چھتری کے مصنف لکھتے ہیں۔

''راج شاہی خاندان کے علماء نے میوات میں دینی تعلیم کے علاوہ دنیاوی تعلیم کی بھی بنیاد ڈالی''۔

(تاریخ میو چھتری حکیم عبدالشکور ص ۳۹۷ مطبوعہ ۱۹۷۴ء)

حضرت شاہ کمال کیتھلی کی ولادت ۳؍شوال المکرّم ۸۹۵ھ/۲۰؍اگست ۱۴۹۰ھ کو بغداد کے ایک محترم اور شریف خانوادہ میں ہوئی۔آپ کی ولادت سے فضائے عالم میں مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی ۔ ہر چہار جانب سے لوگ آپ کے والد ماجد کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے اور بچہ کے تئیں نیک خواہشات کا اظہار کرنے کے لئے آنے لگے، حضرت شاہ فضیل قادری جن کا شمار سلسلہ قادریہ کے اہم مشائخ میں سے ہوتا ہے انھوں نے خود جا کر آپ کے والد ماجد کو مبارک باد دی اور اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا۔

''ہادی کامل وولی عادل تمھیں ودیعت ہوا ہے۔اس کی تربیت صحیح طور سے کیجئے کیوں کہ یہ بچہ اولیائے کاملین کے زمرہ میں مراتب عالیہ پر فائز ہوگا۔ اس کی پرواز سدرۃ المنتہیٰ تک ہوگی،اس کا علم وسیع ہوگا،اور عمر دراز ہوگی''۔

(ماہنامہ ضیائے وجیہ رام پور ص ۱۱)

ماہنامہ ضیائے وجیہ کے حوالہ سے سطور بالا میں حضرت شاہ فضیل قادری کے نام سے جس عظیم المرتبت شخصیت کا ذکر ہوا ہے'' حالات مشائخ '' نامی کتاب کے مصنف نے ص ۷۰ پر انھیں آپ کا ''عم محترم'' لکھا ہے،لیکن قدیم ماخذ کے مطابق یہ بزرگ آپ کے عم محترم نہیں بلکہ آپ کے والد ماجد ہی تھے، کیوں کہ تذکرہ کی قدیم مستند کتابوں میں والد ماجد کی حیثیت سے جس بزرگ کا نام ملتا ہے وہ حضرت سید محمد عمر نہیں بلکہ حضرت شاہ محمد فضیل قادری ہیں۔

مرزا عبد الستار بیگ سہسرامی نے اپنی شاہکار تصنیف'' مسالك السالكين '' میں آپ کے والد ماجد کا نام حضرت شاہ فضیل بتا کر تاریخ ولادت ۳؍رجب ۸۸۹ھ/ ۱۴۸۴ء بتائی ہے،وہ لکھتے ہیں۔

'' آپ صاحبزادہ حضرت شاہ فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں ،آئینہ تصوف میں ہے کہ آپ کی ولادت تاریخ ۳؍رجب ۸۸۹۱ھ روز جمعہ کو بوقت شب بعہد سلطنت سلطان لودھی (کٹک) میں ہوئی''۔

(مسالک السالکین ص ۳۷۵)

مگر مصنفین کے نزدیک یہ تحریر محل نظر ہے۔ ''شهره آفاق '' کے مصنف نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ آپ خانوادۂ قادریت کے چشم و چراغ تھے، بغداد میں ولادت ہوئی اور وہاں سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے۔

''حضرت ابوالبرکات سید شاہ کمال الدین کیتھلی قادری قدس سرہ بغداد کے رہنے والے تھے حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے مع قبائل وعشائر ملک ہندوستان تشریف لائے، بلدۂ ملتان میں ۲۰ رسال قیام کرنے کے بعد وہاں سے مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے قریہ کیتھل میں قیام فرما کر اسے رشک افزا بنادیا''۔ (اشجار الخلد قلمی بیان شجرہ اول درسلسلہ قادریہ)

آپ وقت کے مشاہیر اولیائے کرام میں سے تھے، آپ کا فیضان مختلف قادری سلسلوں میں رائج تھا۔ ہندوستان کی سرزمین آپ سے بہت مستفیض ہوئی۔آپ ظاہری طور پر دنیا داری میں مشغول دکھائی دیا کرتے تھے مگر باطنی طور پر بحق مشغول رہتے تھے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ آپ کے کمالات کی شہرت دور دور تک جا پہنچی۔آپ نے اپنے کو مخفی رکھنے کا ارادہ کرلیا گھر سے نکلے اور سیر وسفر پر چلے گئے۔بغداد پہنچے وہاں حضرت شاہ فضل قادری بغدادی کی مجلس میں شرکت کرنے لگے۔حضرت فضل قادری عالی نسب سید تھے صاحب عرفان وحقائق تھے۔جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے تمام مریدین کو بلا کر حکم دیا کہ ہماری قبر درست کر کے بنانا لوگوں نے ایسا ہی کیا آپ نے موت سے قبل غسل فرمایا اور خاندانی خلافت ونعمت معہ تبرکات جن میں موئے مبارک جناب رسالت مآب ﷺ شانہ مبارک حضرت علی مرتضیٰ حضرت سید شاہ کمال کیتھلی کے حوالے کیے اور فرمایا:

''ہمارے بعد یہ تمام تبرکات اور خلعت خلافت برصغیر ہندوستان لے جانا ابھی تک ہمارے رشتہ دار نہیں پہنچے، وہ سیر شکار کو گئے ہیں اگر انھیں اس بات کا علم ہو تو تنازعہ کریں گے اور آپ سے الجھیں گے، حضرت فضل شاہ تو فوت ہو گیے اور اس قبر میں جو باغ بغداد میں تیار کی گئی تھی آسودۂ خواب

ہو گئے ۔شاہ کمال نے ہی جنازہ کی نماز پڑھائی ،قبر کو آراستہ کیا گیا اور عازم برصغیر ہوئے ۔کچھ دنوں بعد حضرت شاہ فضل کے لواحقین اور فرزند آئے تو حضرت شاہ کمال کے تعاقب میں نکلے تاکہ آپ سے تبرکات اور خلعت واپس لے سکیں ۔ بغداد سے ۱۲/میل دوران لوگوں کا حضرت شاہ کمال سے سامنا ہو گیا۔شاہ کمال نے تمام تبرکات زمین پر رکھ دیئے اور ان سے کہا کہ تم لوگ انھیں اٹھا لو میں تو انھیں اپنے مرشد کے ارشاد سے لا رہا ہوں ۔سید فضل قادری کے بیٹوں نے بڑا زور مارا مگر تبرکات زمین سے نہ اٹھا سکے چنانچہ ہاتھ ملتے ہوئے بغداد واپس آ گئے اور شاہ کمال بخیر وعافیت ہندوستان آ گئے‘‘ ۔(قصر عارفاں اردو جلد دوم ص۲۷۲)

حضرت سید شاہ کمال کیتھلی سامانی جن کا لقب ’’ملک العشاق‘‘ تھا ایک دن آپ سمندر کے کنارے پہنچے تو آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ کا جسم سمندر کے کنارے پڑا رہا۔ایک تاجر جو لعل وجواہرات کی تجارت کو نکلا تھا اپنا جہاز لے کر وہاں سے گزرا تو ایک نعش دکھائی دی۔تو جہاز سے اترا اس کا خیال تھا کہ کوئی انسان فوت ہو گیا ہے اور اس کی لاوارث نعش پڑی ہے ۔تجہیز وتکفین کا انتظام کیا۔نعش کفن میں رکھ کر ایک صندوق میں رکھا تاکہ کسی شہر میں پہنچ کر آپ کو دفن کر سکے ۔مگر ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ آپ کے جسم میں حرکت ہوئی اور آپ دوبارہ زندہ ہو گئے ۔صندوق میں سے آواز آئی کہ مجھے اس تاریکی میں کیوں بند کر دیا گیا ہے۔تاجر نے تابوت کھولا اور دریافت حال کر کے معافی مانگی ۔اور ارادت وعقیدت کے ساتھ دست بستہ کھڑا ہو گیا۔وہ ایک ایسے شہر میں پہنچے اس شہر میں کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا ۔صرف ایک صاحب جمال نوجوان عورت دکھائی دی ۔جو ایک شاہی قلعہ کے محل میں جلوہ گر تھی ۔اس نے آپ کو دیکھا اور درویش سمجھ کر سلام کر کے کہنے لگی آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ اس شہر پر ایک دیو کا قبضہ ہے اس نے سارے افراد کو مار دیا ہے صرف مجھے زندہ رہنے دیا ہے میں یہاں کے بادشاہ کی شہزادی ہوں ، حضرت نے انھیں تسلی دی ،کوئی فکر کی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بھروسہ رکھو ،اسی اثنا

میں وہ دیوشکار سے واپس آ گیا وہ آپ کو دیکھ کر گر جا مگر حضرت کے ایک اشارۂ انگشت سے اس کا سر تن سے جدا ہو گیا۔لڑکی نے اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔حضرت اس شہزادی کو اپنی بیٹی بنالیا اور وہاں سے ضرورت کے مطابق لعل وجواہرات لاد کر تاجر کے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔اس شہزادی کو تاجر جواہرات کے نکاح میں دے دیا اور تمام مال ومتاع جو اس ویران شہر سے لائے تھے اسی کے حوالے کر دیئے اور خود دوسرے شہر کو روانہ ہو گئے۔ (قصر عارفاں اردو جلد دوم ص ۲۷۴)

حضرت شاہ کمال کیتھلی کے مریدین میں ایک سوداگر تھا وہ ایک بڑے جہاز پر مال تجارت لیے سمندر میں جا رہا تھا کہ طوفان نے آ گھیرا اس نے فریاد کی یا حضرت میری امداد فرمائیے۔ حضرت شاہ کمال نے از نظر باطن دیکھا اور خود امداد کو جا پہنچے اور جہاز تباہی سے بچ نکلا۔ جہاز کے مالک نے اس وقت یہ نذر مانی تھی کہ اگر جہاز سلامتی کے ساتھ کنارے پر لگے گا تو اپنے مال کا چوتھا حصہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں گا۔مگر جب جہاز کنارے پر آ کر رکا تو اس کی نیت بدل گئی،اور نذر پیش کرنے میں حیلے بہانے کرنے لگا

دوسری بار پھر اسی طرح کا واقعہ پیش آیا مگر تاجر سلامتی سے بچ جانے پر نذرانہ پیش کرنے سے قاصر رہا۔تیسری بار اسے ایک اور طوفان کا سامنا ہوا۔اس نے نذر مانی مگر حضرت نے التفات نہیں فرمایا۔شاہ عماد الدین قدس سرہ حضرت کے بیٹے تھے آپ نے فریادرسی کرتے ہوئے اس تاجر کو طوفانی موجوں سے نجات دلائی اور مجلس میں واپس آ بیٹھے ۔آپ کا دامن پانی سے تر تھا حضرت کمال نے پوچھا یہ کپڑا کیوں بھیگا ہے؟ حقیقت ظاہر ہونے پر حضرت شاہ کمال نے نہایت غضب سے دیکھا اور بیٹے سے یہ کرامت اور تصرف سلب کر لیا۔

شاہ محمد محسن آپ کے چھوٹے بیٹے تھے جب انھوں نے یہ واقعہ دیکھا تو والد کے غضب سے ڈر کر کنارہ کش ہو گئے اور ''کوٹ قبولا'' کی طرف چلے گئے۔حضرت شاہ کمال نے ان کی تلاش میں مختلف لوگوں کو خطوط لکھے مگر شاہ محمد محسن واپس نہ آئے۔آپ نے براہ راست انھیں بھی خط لکھا مگر بیٹے نے جواب میں لکھا اب کی زیارت قیامت کے دن ہی

ہوگی۔(قصر عارفاں اردو جلد دوم ص ۲۷۵)

حضرت شاہ کمال کیتھلی ہندوستان آنے کے بعد پہلے تو آپ نے ''پایل'' کو اپنا وطن بنایا پھر ''کیتھل'' منتقل ہو گئے اور وہیں اپنی ساری زندگی عبادت الٰہی اور خدمت خلق میں بسر کی پایل میں قیام اور سکونت کا پتا اس تحریر سے ملتا ہے جس کا ذکر محمد ہاشم کشمی نے اپنی تصنیف'' زبدۃ المقامات ''میں'' بیان ملاقات حضرت مخدوم حضرت شیخ کمال رحمہ اللہ'' کی ضمن میں کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ ہمارے مخدوم حضرت شیخ جلال تھانیسری کی مجلس میں جلوہ افروز تھے کہ حضرت شاہ کمال سپاہیانہ لباس میں ملبوس شیخ جلال کی مجلس میں تشریف لائے شیخ سے معانقہ کیا اور مجلس میں بیٹھ گئے شیخ نے سمجھا کہ کوئی فوجی آدمی ہیں لہٰذا انھوں نے شاہ کمال سے بادشاہ اور اس کی فوج کے احوال دریافت کرنے لگے اس رویہ سے حضرت شاہ کمال برہم ہوگئے اور فرمانے لگے۔

''شیخا اگر مسکینے از مساکین ایں راہ جہت اقتباس انوار اللہ بایں خانقاہ آید شمارا لائق نیست از واخبار شاہ وسپاہ پرسیدن اگر خواہش ایں اخبار دارید برراہ گذر بنشینید واز روندگان بجوئید''۔(شہرہ آفاق ص ۲۴۴)

حضرت شاہ کمال کی اس گفتگو سے حضرت شیخ جلال کچھ نادم ہوئے اور خاموش ہو گئے، ہمارے مخدوم چپ چاپ یہ سارا واقعہ ملاحظہ فرماتے رہے۔حضرت شاہ کمال کے اس جذبہ اور بے تعلقی کو دیکھ کر متاثر ہوئے اور جب وہ مجلس سے باہر تشریف لائے تو ہمارے مخدوم ان کا نام ونسب اور بود وباش سے متعلق پوری تفصیل معلوم کرنے لگے حضرت شاہ کمال نے از راہ کرم اپنا نام ومقام سے متعلق جس انداز سے وضاحت فرمائی اسے صاحب''زبدۃ المقامات'' کی زبانی سنئے فرماتے ہیں۔

''مرا کمال نام است واز مسکن وموطن خود ایشاں را اخبار کردو فرمود مرا بیشتر بہ پائل اندر نشست ومقام است''(مرا نام کمال اور وطن پائل ہے)

پھر حضرت شاہ کمال نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ کو ملاقات کی خواہش ہو تو

آپ وہیں تشریف لائیے۔

پائل کہاں ہے اس کی صراحت سید شاہ محمد ہاشم کشمی نے (وفات ۱۰۵۴ھ) نے درج ذیل لفظوں میں کی ہے۔

’’پائل شہر سرہند کے علاقہ میں ایک دیہات ہے جو سرہند سے پانچ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے‘‘۔(زبدۃ المقامات ص ۱۰۸)

حضرت شاہ کمال قادری سلسلہ قادریہ کی جس شاخ سے تعلق رکھتے تھے وہ صرف نو واسطوں سے بانیٔ سلسلہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے بایں طور مل جاتا ہے۔

’’حضرت شاہ فضیل مرید تھے حضرت سید گدا رحمان ثانی کے اور وہ سید شمس الدین عارف کے اور وہ سید گدا رحمٰن اول کے اور وہ شمس الدین صحرائی کے اور وہ سید عقیل کے اور وہ سید بہاء الدین کے اور وہ سید عبد الوہاب کے اور وہ سید شرف الدین کے اور وہ سید عبد الرزاق اور انھیں اپنے والد ماجد غوث الثقلین سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی سے بیعت وارادت حاصل تھی‘‘۔

حضرت سیدنا شاہ کمال قادری کا شمار سلسلہ قادریہ کے اہم مشائخ میں سے ہوتا ہے۔روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔اکابر مشائخ کے حوالہ سے جو باتیں کتب سوانح میں درج ہیں اس سے آپ کی روحانی عظمت اور عبقریت کا اندازہ ہوتا ہے،آپ کی روحانی عظمت کے تعلق سے صرف ایک واقعہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

جس زمانہ میں آپ پر جذب کی کیفیت طاری تھی،ان دنوں آپ آبادی سے دور جزائر ومقابر میں روز وشب کے حسین لمحات گزارتے اور کسی سنسان جگہ بیٹھ کر عبادت وریاضت فرماتے،کھانے پینے کی قطعاً کوئی حاجت نہ ہوتی آپ کی جذبی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے ’’مسالک السالکین‘‘ کے مصنف لکھتے ہیں۔

’’حالت آپ کی مجذوبانہ تھی بوجہ شوریدہ سری اور آشفتہ سری کے بیشتر قیام

آپ کا مقابر و جزائر و محض ویران وغیر آباد جگہوں میں رہتا تھا اور اگر اتفاقاً آپ کو کھانے پینے کی حاجت ہوتی تو یکا یک ایک شہر پیدا ہو جاتا اور سکنائے شہر آپ کو بہ تعظیم تکریم تمام اپنے گھر لے جاتے اور آپ کی ضیافتیں کرتے تھے سحر گاہ آپ کو کچھ غنودگی آجاتی جب بیدار ہوتے تو شہر ومردمان شہر کا کچھ نام ونشان نہ ہوتا''۔(مسالک السالکین ص ۳۷۵)

اسی طرح کا ایک واقعہ صاحب ''بحر زخار'' نے مراۃ جہاں نما کے حوالے سے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

'' آپ (حضرت کمال کیتھلی) اکثر وبیشتر اوقات جزیروں اور ویرانوں کے اندر نہایت جذبہ شوق میں بسر کرتے۔ بھوک یا نیند کے غلبہ کے وقت اس ویرانے میں غیب سے ایک شہر پیدا ہوتا جس کے باشندے اعزاز کے ساتھ آپ کی خدمت کرتے صبح کے وقت جب بیدار ہوتے تو اس جگہ شہر کا نشان نہ پاتے''۔(بحر زخار جلد دوم ص ۳۵۱)

آپ اویسی المشرب تھے بانی سلسلہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی روح پُرفتوح سے آپ نے براہ راست فیوض وبرکات حاصل کئے تھے، اس نسبت میں بھی آپ کو خصوص حاصل تھا جس کے باعث آپ کا رتبہ دو چند تھا ''برکات الاولیاء'' کے مصنف نے اس نسبت کے تعلق سے لکھا ہے۔

'' نسبت اویسیہ آپ کی بڑھی ہوئی تھی، صاحب خوارق عادات جامع تصرفات ظاہری وباطنی تھے۔''(برکات الاولیاء ص ۷۷)

اس نسبت کے باعث روحانی اعتبار سے آپ کا منصب کس قدر بلند واعلیٰ تھا اس کا اندازہ ارباب فضل وکمال ہی لگا سکتے ہیں۔ شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ والرضوان نے لکھا ہے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعد اس سلسلہ کے مشائخ میں صرف چند ہی حضرات ایسے ہیں جنھیں آپ کی عظمت کے بالمقابل کھڑا کیا جاسکتا ہے صاحب'' زبدۃ المقامات'' فرماتے ہیں۔

''بعد از حضرت غوث الثقلین از مشائخ سلسلہ عالیہ قادریہ چوں کمال اقل قلیل بنظری درآمدہ اند''۔(زبدۃ المقامات ۱۰۸)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس خیال کی تائید'' اشجار الخلد'' کے مصنف نے بھی کی ہے اور صاحب'' مسالك السالكين'' نے بھی ان کے اس خیال کی ترجمانی ان لفظوں میں کی ہے۔

''اگر بہ نظر کشف کے دیکھا جائے تو مشائخ سلسلہ عالیہ قادریہ میں بعد حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مثل حضرت شاہ کمال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقل قلیل نظر آتا ہے۔''(مسالک السالکین ص ۳۷۶)

یہ آپ کی عظمت ہی تھی کہ ایک خاص علاقہ کے اندر بقول کسے بارہ میل کی مسافت کے اندر آپ کی مرضی کے بغیر نہ تو کوئی پرندہ پر مار سکتا تھا اور نہ ہی کوئی ولی کسی طرح آپ کی اجازت کے بغیر اس کو پار کر سکتا تھا۔اگر کسی نے آپ کی مرضی کے بغیر اس علاقہ سے گذرنے کی کوشش کی تو اس کی ولایت سلب کر لی گئی اور وہ کہیں کا نہ رہا۔'' شهرہ آفاق'' کے مصنف اس سلسلے میں اپنا نقطہ نظر اس طرح پیش کرتے ہیں۔

''سلب حالات اس قدر غالب تھا کہ بارہ میل کی مسافت میں کوئی اولیاء اللہ آپ کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتے تھے اور ہوا پر ہو کر یا زمین کے اندر بھی ہو کر نہیں گزر سکتے تھے اگر کوئی اس کی جرأت کرتا تو اس کی تمام حالت سلب ہو جاتی تھی''۔(شہرہ آفاق ص ۲۴۴)

حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی کا کردار وعمل،تقویٰ وتدین ریاضت ومجاہدہ،فقر وغنا،ترک وتجرید اور کشف وکرامت کو دیکھ کر بے شمار بندگان خدا آپ کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے،ایک خلقت کو آپ کی ذات ستودہ صفات سے ایمان ویقین کی دولت ملی اور نہ جانے کتنے افراد آپ کی صحبت سے ولایت کے اہم منصب پر فائز ہوئے۔محمد نواب مرزا بیگ کے بقول:

''شیخ عبدالاحد قادری والد ماجد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی آپ کے

مریدوں میں سے تھے"۔(تحفۃ الابرار ص۵۴)

حضرت مجدد الف ثانی کو بھی اسی قادری نسبت کے سبب منصب عظیم حاصل ہوا تھا اس کا اعتراف شیخ مجدد نے اپنی بعض تصانیف میں کیا ہے جس کا ذکر آپ کے خلیفہ بدر الدین سرہندی ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

"اس فقیر (مجدد الف ثانی) کو نسبت فردیت کا متاع اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوا تھا۔فقیر کے والد ماجد نے اس نسبت کو ایک بزرگ سے جو جذبہ قوی سے متصف اور خوارق میں مشہور تھے حاصل کی تھی، ان بزرگ سے مراد حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری ہیں"۔(حضرات القدس ص۱۱)

حضرت شاہ کمال کیتھلی کے ذریعہ کتنے بندگان خدا کو سلسلہ قادریہ کا فیضان پہنچا اس کی تفصیل تو نہیں معلوم ہوسکی البتہ وہ مقدس بندے جن پر آپ نے خصوصی توجہ فرمائی اور ان کے قلوب کو حقائق ومعارف کا گنجینہ بنا کر خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا، ان کی ایک فہرست ذیل میں دی جارہی ہے جس کے ذریعہ بآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رشد وہدایت میں آپ کی رسائی کہاں تک تھی صاحب" حالات مشائخ" نے آپ کے ۲۵ خلفا کا ذکر کیا ہے۔

۱۔حضرت ملا محمد مدرس

۲۔حضرت عبد الاحد سرہندی

۳۔حضرت شاہ سکندر

۴۔حضرت موسیٰ ابوالمکارم

۵۔حضرت شیخ جلال الدین

۶۔حضرت شاہ یوسف غوث بھکری

۷۔حضرت شیخ عبدالرحمٰن سرہندی

۸۔حضرت محمد خان تاشقندی

۹۔حضرت شاہ ہاشم

۱۰۔حضرت خواجہ امان اللہ حسینی

۱۱۔حضرت شیخ مودود قادری

۱۲۔باوا سیتل پوری

اسّی سال سے زائد عمر پا کر ۲۹ جمادی الآخری ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء کو وصال فرمایا کیتھل جواب ہریانہ کی ایک بستی ہے وہیں تدفین عمل میں آئی،آپ کے بعد آپ کے نبیرہ حضرت سید شاہ سکندر علیہ الرحمہ والرضوان کو آپ کی نیابت وجانشینی کے لئے منتخب کیا گیا۔" آئینہ تصوف " کے مصنف نے تاریخ وفات ۱۳/شعبان ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء بتائی ہے اور کیتھل کو ضلع ملتان کا قصبہ لکھا ہے۔اس کی وضاحت مرزا عبد الستار بیگ سہسرامی نے " آینۂ تصوف " کے حوالہ سے ان لفظوں میں کیا ہے۔

تاریخ ۱۳/شعبان ۱۰۰۳ھ روز سہ شنبہ بوقت عصر جب کہ آپ کی عمر اسّی برس سے تجاوز کر چکی تھی،وفات پائی،مزار پُر انوار قصبہ کیتھل ضلع ملتان میں ہے"۔

(مسالک السالکین ص ۳۷۵)

آپ کے وصال کی تفصیل ''حالات مشائخ '' کے مصنف نے " الکمال " نامی کتاب کے حوالے سے اس طرح لکھی ہے۔

''۲۹/جمادی الثانی ۹۸۱ھ کو حضرت اقدس کے خلف اکبر حضرت شاہ عماد الدین قدس سرہ کسی کام سے حجرہ کے قریب پہنچے تو انھوں نے دروازہ میں سے دیکھا کہ آپ بے دم لیٹے ہوئے ہیں۔صاحبزادہ موصوف کو شبہ ہوا واپس لوٹے اور اپنے ہمراہ چند اصحاب کے ساتھ دروازہ کے ذریعہ حجرہ میں داخل ہوئے۔نبض دیکھنے پر معلوم ہوا کہ روح قفص عنصری سے پرواز کر کے رب حقیقی کے دربار عالی میں پہنچ چکی ہے،۔سب لوگ انگشت بدنداں رہ گئے اور ایک سکوت کا عالم طاری ہوگیا،غسل کا انتظام کیا گیا، غسل دیتے وقت حضرت اقدس نے جنبش کی غسّال پر خوف طاری ہوگیا ،وہ بے ہوش ہونا چاہتا ہی تھا کہ حضرت اعلیٰ نے سنبھالا دیا اور دریافت

فرمایا کہ کیا ہمارے وصال کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی ہے غسّال نے اس وقت اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا تو اچھا ہم جاتے ہیں یہ فرمایا ہی تھا کہ روح مقدس قفس عنصری سے پرواز کر کے رب حقیقی سے جاملی اور آپ واصل بحق ہو گئے''۔(حالات مشائخ ص۸۳)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت میاں راج شاہ قادری،سوندھ،ہریانہ
علیہ الرحمۃ والرضوان

سلسلہ قادریہ کے جن مشائخ نے ہریانہ کی سرزمین پر سلسلہ کی نشر واشاعت فرمائی اور بندگان حق کو اس مشرب قادریت کی تعلیم سے آشنا کر کے ان کے قلوب کو حق تعالیٰ کی طرف مائل کیا ایسے لوگوں میں فرد وقت،مظہر صفات ربانی،مصدر فیوض الٰہی،حضرت میاں راج شاہ قادری سوندھی کا نام نامی اسم گرامی بطور خاص قابل ذکر ہے۔آپ سلسلہ راج شاہیہ کے بانی ہیں،اس سلسلہ کا سرچشمہ ہندوستان کی سرزمین پر حضرت قطب عالم میر سید احمد ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاذ حضرت شیخ محمد افضل الہ آبادی کی ذات گرامی ہے، جو اس طرح ہے۔

۱۔حضرت میاں راج شاہ قادری (وفات۱۳۰٦ھ)

بانی سلسلہ راج شاہی سوندھ شریف ہریانہ

۲۔حضرت شاہ محمد اسماعیل قادری مہم شریف ہریانہ (وفات۱۲۷۴ھ)

۳۔حضرت شاہ غلام جیلانی رہتک ہریانہ (وفات۱۲۳۵ھ)

۴۔حضرت شاہ بدرالدین اوحد لکھنؤ اترپردیش (وفات۱۲۰۵ھ)

۵۔حضرت شاہ محمد فاخر محدث اورنگ آباد دکن (وفات۱۱٦۴ھ)

٦۔حضرت شاہ محمد یحییٰ عرف شاہ خوب اللہ الہ آباد (وفات۱۱۴۳ھ)

۷۔حضرت شیخ محمد افضل الہ آباد (وفات۱۱۲۴ھ)

حضرت میاں راج شاہ کی ولادت ایک روایت کے مطابق ۱۲۱٦ھ/۱۸۰۱ءاور دوسری روایت کے مطابق ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء میں سوندھ تحصیل تاؤڑ ضلع میوات نوح ہریانہ میں مولانا محمد عبدالسمیع کے متدین گھرانہ میں ہوئی۔ اسی دینی ماحول میں آپ کی تربیت ہوئی، خاندانی تعلق قوم میو کے فرقہ گوت ڈھنگل راجپوت گوت پھچھوا ہا سے تھا، آپ کے خاندان کے کچھ لوگ نقل مکانی کر کے تاج پور آئے اور وہاں سے موضع راسینہ تحصیل گڑگاؤں اور وہاں سے موضع سوندھ بالائے کوہ آکر آباد ہوگئے، وہیں میاں راج شاہ کی ولادت ہوئی۔سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

''میاں راج شاہ بن عبدالسمیع خاں بن عظمت اللہ خاں بن شمس الدین بن ترتا بن پہاڑا''

اٹھارہویں صدی عیسویں میں علاقہ میوات کے عظیم الشان بزرگ تھے۔میو قوم کے طریقت کے سب سے پہلے بزرگ یہی ہیں، ویسے چند صدی پہلے حضرت لال شاہ صاحب بھی ہوئے ہیں۔ لیکن ان سے طریقت کا سلسلہ جاری نہیں ہوا۔بچپن ہی سے آپ کی پیشانی پرسعادت مندی وسربلندی کے آثار ہویدا تھے،دل ودماغ میں ایمان ویقین کا اجالا ضرور تھا مگر ماحول جہالت کے باعث تاریک زدہ تھا آپ کے والد وہ پہلے شخص تھے جنھیں اسلام سے رغبت ہوئی تھوڑی بہت اِدھر اُدھر سے اسلام کی ضروری معلومات حاصل کیں اور انھیں کو اپنی زندگی میں داخل کیا،سبحان اللہ کا ورد ان کا محبوب مشغلہ تھا،صبح وشام یہی کلمہ ان کے وردلب رہتا،انھوں نے ہی دوسرے لوگوں کی توجہ اسلام کی طرف مبذول کرائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے نماز پڑھنی شروع کردی،ایسے ماحول میں میاں راج شاہ کا کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنا ممکن نہ تھا،نہ ہی کسی مکتب کا منھ دیکھا اور نہ ہی کسی دارالعلوم سے وابستگی رہی،البتہ گھر کا ماحول دینی تھا اس لئے ان کا قدم شریعت مطہرہ کے مطابق ہی رہتا۔عالم الغیب والشہادۃ نے ان کا سینہ علم دین مصطفیٰ کا مدینہ بنادیا تھا،اس لئے دقیق سے دقیق ترین مسائل کا بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا کرتے تھے۔ "ملت راج شاھی" کے مصنف لکھتے ہیں۔

''حضرت میاں راج شاہ صاحب فرد وقت پڑھنے لکھنے سے بالکل بے بہرہ امّی تھے۔مگر قوت باطنی سے ہر دقیق مسئلہ کا حل فرمادیتے تھے۔۔۔ فارسی اور اردو ہندی کے دوہے واشعار معرفت میں ڈوبے ہوئے پڑھتے اور بار بار زبان مبارک سے ''اللہ فضل کر'' اللہ تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہتے''۔(ملت راج شاہی ص ۱۱۰)

دینی مسائل کی تفہیم میں وہ صرف عقلی دلائل سے کام نہ لیتے بلکہ ثبوت میں قرآن کریم کی آیتیں اور رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ بھی پیش فرماتے'' تذکرۃ العابدین'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

''آپ کی ادنیٰ کرامت یہ تھی، کہ باوجود امی ہونے کے کسی قسم کے مسائل میں کہیں کوئی عجز نہ تھا۔ دلائل عقلی ونقلی مع آیات واحادیث کے بیان فرمادیا کرتے تھے، بات بات پر قرآن واحادیث کا ثبوت دیتے تھے''۔

(تذکرۃ العابدین ص ۱۹۲)

حضرت میاں راج شاہ نے باضابطہ تو تعلیم حاصل نہ کی البتہ علماء ومشائخ کی انھیں صحبتیں حاصل رہیں اوران سے فیوض وبرکات حاصل کیں، مرشد گرامی حضرت شاہ محمد اسماعیل مہمی سے سلسلہ قادریہ کے علاوہ دیگر سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل تھی، صاحب تصرف بزرگ تھے۔حضرت شاہ محمد اسماعیل مہمی کے یوں تو چار خلیفہ اور تھے لیکن سلسلہ کا اجرااور فروغ آپ ہی کی ذات والا صفات سے ہوا۔آپ کے اس بیعت وارادت کا ذکر'' ملت یامین شاھی '' کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''آپ (میاں راج شاہ) حضرت مولانا اسماعیل شاہ سے بیعت ہیں اور انھیں سے خرقہ خلافت قادری پہنا ہے۔ آپ کے ریاضت ومجاہدہ وکرامات حد بیان سے باہر ہیں جب آپ پہاڑ پر جاکر ضرب لگاتے تو تمام پہاڑ کے پتھر ضرب کرنے لگتے درختوں سے ذکر کی آواز آتی پانی سے ذکر الٰہی بلند ہوجاتا اور آپ کے چہرہ سے نور کی تجلی چھوٹنے لگتی جس سے

آس پاس کی تمام چیزیں روشن ہو جاتیں''۔(ملت یامین شاہی ص۱۲۲)

حضرت سید شاہ فضل الدین احمد صاحب سجادہ آستانہ سید محمد کالپوی اپنی کتاب " جعفر العرفان " میں لکھتے ہیں۔

''مجھ کو سیر وسیاحت کے دوران اکثر بزرگان دین سے ملنے کا اتفاق ہوا اس زمانہ میں حضرت قبلہ میاں راج شاہ صاحب جیسا بزرگ اور صاحب تصرف نظر سے نہیں گزرا اور مولوی عبداللہ جیسا کاسب''۔

اسی طرح کی ایک تحریر بدر الہند حضرت سیدنا شاہ بہاء الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چونڈھیرہ شریف ضلع بلند شہر کی تصنیف " وسیلہ مرشد " میں بھی ملتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

''میں دس گیارہ برس تک حضرت قبلہ فرد وقت میاں راج شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فیض باطنی حاصل کرتا رہا اور کچھ کم ایک سال میں نے سوندھ شریف میں اقامت اختیار کی''۔

آپ کی پیدائش پر آپ کے والد ماجد نے انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، کیوں کہ آپ بچپن سے ہی صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، بلاشبہ آپ عابد وزاہد، اور پارسا صفت ہمہ صفت موصوف درویش تھے۔ شهنشاه ميوات کے مصنف لکھتے ہیں۔

''جوانی کے عالم میں حضرت میاں محمد اسماعیل صاحب ولد شاہ عبدالعظیم قصبہ مہم شریف ضلع رہتک والوں سے بیعت ہوئے جو کہ مہم شریف میں پیرزادگان سے تعلق رکھتے تھے، وہاں سے ہی حضرت میاں راج شاہ صاحب کو خرقہ ملا اور اجراء سلسلہ کی اجازت ہوئی،'' (شہنشاہ میوات سوانح حیات وملفوظات، حافظ سلیمان احمد الوری ص۵۴ ملتان ۲۰۱۴ء)

آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہم عصر تھے اور دہلی کی جامع مسجد میں محدث صاحب کی اقتدا میں جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے، شاہ صاحب آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب سیرت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے موضوع پر وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے دریافت کیا۔

کہ حضرت کیا آج کے زمانے میں بھی اس سیرت کے لوگ موجود ہیں تو آپ نے فرمایا:

''کیوں نہیں اس زمانے میں بھی موجود ہیں اور وہ ہیں میاں راج شاہ صاحب سوندھ والے وہ ہر جمعہ اسی جامع مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں اس دفعہ آپ لوگوں کو ان کی زیارت کرائیں گے ۔چنانچہ جمعہ کے روز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بتلایا کہ وہ دیکھو جو بزرگ حوض پر وضو فرمارہے ہیں وہی حضرت میاں راج شاہ صاحب ہیں ۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے حضرت میاں صاحب کو تعظیم دی، اور اپنی چادر بچھادی، کہ حضور اس چادر پر تشریف رکھیں، حضرت میاں صاحب نے از راہ عاجزی وانکساری فرمایا: مولانا صاحب ! آپ ہادی دین متین ہیں، عالم فاضل ہیں میں ایک ان پڑھ آدمی ہوں مجھے کیوں گنہ گار کرتے ہو؟ آپ نے چادر مبارک سر پر رکھ لی یہ کلمات سن کر ایک بڑے مجمع کے روبرو جو وہاں موجود تھا۔محدث صاحب نے فرمایا کہ لوگو جس بزرگ کا میں نے آپ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا یہی وہ بزرگ میاں راج شاہ صاحب سوندھ والے ہیں ۔ ہندوستان کی خوش قسمتی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت کے حضرات اب بھی موجود ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ جس کی قدرت نے ایسی مقدس روحوں کو پیدا فرمایا ہے اس جملہ پر حاضرین پر رقت طاری ہوئی بعد ازاں سب نے آپ سے مصافحہ کیا''۔(ملت راج شاہی ص۶۲ اوشہنشاہ میوات ص۵۵)

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے ایک مسئلہ پوچھنے کی غرض سے حاضر ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ بھئی اس مسئلہ کا جواب میاں راج شاہ صاحب جو ہر جمعہ کو میوات سے تشریف لاتے ہیں وہ بتلائیں گے۔مولانا محمد اسحاق صاحب جو اس وقت تک میاں راج شاہ صاحب سے واقف نہیں تھے بول اٹھے کہ وہ ان پڑھ دیہاتی مسئلہ کا حل کیا جانے؟ اس پر شاہ صاحب نے غصہ ہو کر ادب کی تاکید کی اور فرمایا

کہ تم کیا جانو؟ وہ اس وقت کے زبردست بزرگ ہستی ہیں۔مولانا محمد اسحاق نے سائل کو جمعہ تک امتحان کرنے کے لیے ٹھہرائے رکھا۔پھر کیا ہوا شہنشاہ میوات کے مصنف لکھتے ہیں۔

''جمعہ کے دن محدث صاحب سائل کے ہمراہ مسجد میں تشریف لائے اور سائل کو فرمایا کہ وہ دیکھو وہ بزرگ جو حوض پر وضو فرمارہے ہیں یہی میاں راج شاہ صاحب ہیں۔تم ان کے پاس چلو میں بھی آتا ہوں۔حضور وضو کر چکے تھے اتنے میں محدث صاحب بھی تشریف لے آئے سائل نے مسئلہ پوچھا تو حضور نے بے ساختہ مولوی صاحب کی طرف دیکھ کر وہی الفاظ دہرائے جو مولوی محمد اسحاق نے محدث دہلوی کے سامنے ادا کیے تھے۔'' یعنی بھئی میں ان پڑھ دیہاتی آدمی مسئلہ کا حل کیا جانوں؟ یہ باتیں کسی عالم سے پوچھنی چاہئیں ،مولوی صاحب یہ پتے کی بات سن کر شرمندہ ہوئے ۔اور کہا حضور مسجد کے اندر تشریف لے چلیں ۔مسجد میں جا کر حضرت میاں راج شاہ صاحب نے فرمایا:

''فلاں موقع پر فلاں صحابی نے رسول اکرم ﷺ سے اسی مسئلہ کو دریافت کیا تھا اور سرور کائنات ﷺ نے اس مسئلہ کا یوں جواب ارشاد فرمایا تھا۔ مولانا محمد اسحاق نے سر جھکا کر مسئلہ کا حل تسلیم کر لیا اور ایک سکتہ کے عالم میں آ گئے''۔(شہنشاہ میوات ص ۵۶)

جس زمانہ میں حضرت میاں راج شاہ قادری رشد و ہدایت کا آفتاب بن کر خلق خدا کے قلوب کو ایمان و یقین کی روشنی سے منور و مجلیٰ فرما رہے تھے، اس وقت آپ جہاں رہتے آپ کے پاس لوگوں کا ہجوم رہتا، جب آپ بکریوں کو چرانے کے لئے پہاڑ پر لے جاتے تو اس وقت اللہ اللہ کی ضربیں لگاتے اور گوالوں کو جمع کر کے انھیں اچھی اچھی باتیں بتاتے۔آپ کے اس کردار کی بنیاد پر اہل ہنود آپ کے کافی معتقد ہو گئے تھے،آپ کے کرادر و عمل کو دیکھ کر کئی ایک غیر مسلموں نے کلمہ بھی پڑھ لیا تھا۔ایک مرتبہ جب ہندوؤں

کے گاؤں میں آپ کا جانا ہوا تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا آپ نے انھیں اچھی اور کام کی باتیں بتائیں۔عقیدت میں تمام ہندو آپ کو''گرو جی اور مہاراج'' کہہ کر پکارا کرتے تھے ،جب تک آپ وہاں رہتے آپ کے آگے پیچھے لوگوں کا اژدحام رہتا،چوں کہ آپ انھیں ہندی دوہوں میں نصیحتیں فرماتے اس لئے آپ کی بات ان کے دلوں میں تیر کی طرح جلد ہی پیوست ہو جاتی، جب آپ کے اوپر جذب کی کیفیت طاری ہوتی تو آپ کی زبان مبارک سے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ زور سے بے ساختہ بلند ہو جاتا جس کے کانوں تک اس کلمہ کی صدا پہنچتی وہ بھی بے ساختہ اسی کلمہ کا ورد کرنے لگتا۔اس طرح آپ پر وجد طاری ہوتا کہ لوگ زمین پر سر پٹکتے اور بے ہوش ہو جاتے۔الغرض جس خوش نصیب بندے کو آپ کی صحبت ملی اس پر آپ کی مومنانہ باتوں کا گہرا اثر ہوا مولانا حکیم عبدالشکور لکھتے ہیں۔

> ''باری تعالیٰ نے آپ کو بڑا رتبہ دیا تھا علوم باطنیہ کے آپ سمندر تھے، بڑے بڑے سرکش اور ظالم میو برادری کے لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور پند ونصائح کو سن کر گرویدہ ہو کر مرید بن جاتے اور برائیوں سے توبہ کر کے راہ سلوک پر چلنے کا وعدہ کرتے''۔
>
> (تاریخ میو چھتری ص ۳۹۷)

جس زمانہ میں حضرت میاں راج شاہ کی روحانیت کا سورج ہریانہ کی سرزمین پر اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا اس زمانہ میں اور دوسرے مشائخ بھی تھے جو دین حق کی نشر واشاعت اور سلسلہ کے فروغ میں سرگرم عمل تھے۔ایسے لوگوں میں درج ذیل مشائخ کا اسمائے گرامی کو شمار کیا جا سکتا ہے۔

۱۔حضرت شاہ سائیں توکل نقشبندی انبالوی

۲۔حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تھانوی

۳۔حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن نقشبندی گنج مرادآبادی

۴۔حضرت سیدنا شاہ وارث علی شاہ دیوہ شریف

۵۔حضرت شاہ جی شیر محمد میاں قادری پیلی بھیت

۶۔حضرت مولانا غوث علی شاہ قلندر پانی پتی

۷۔حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نقشبندی

۸۔حضرت شاہ ابوسعید نقشبندی مجددی دہلوی (علیہم الرحمۃ والرضوان)

(ملت راج شاہی ص ۱۰۷)

ان مشائخ کرام نے حضرت میاں راج شاہ کی روحانی عظمت کا اعتراف کیا اور بعض طالبین کو استفادہ کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجا چوں کہ آپ نے سخت مجاہدے کئے اس لئے اللہ رب العزت نے روحانیت کے اعلیٰ مدارج سے آپ کو ہمکنار کیا، مولوی رشید احمد قاسمی اپنی کتاب "تذکرہ اکابر میوات" میں لکھتے ہیں۔

"آپ کا ہمیشہ اہل اللہ علماء وصلحا وصوفیا واتقیاء سے میل رہا اور آپ کے بعض ہم عصر اہل اللہ نے آپ پر اعتماد فرماتے ہوئے بعض طالبین کو بھی آپ کی خدمت میں استفادہ کے لئے بھیجا"۔

(تذکرہ اکابر میوات ص ۴۶)

فردوقت (میاں راج شاہ) نے استاذ الاساتذہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ محمد اسحاق دہلوی کے وعظوں میں برسوں شرکت فرمائی اور ان کی علمی مجالس سے آپ نے خوب خوب استفادہ کیا۔جس کی طرف مولوی نذیر احمد دیوبندی نے اشارہ ان لفظوں میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

"آپ نے ابتدائی زمانہ میں بڑے مجاہدات کئے۔ادنیٰ مجاہدہ آپ کا یہ مشہور ہے کہ آپ نے چالیس برس جمعہ کی نماز بلا ناغہ دہلی میں پڑھی اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ محمد اسحاق صاحب کے وعظ میں شریک ہوکر اسی روز اپنے مکان سوندھ پرگنہ تاؤڑو ضلع گڑگاؤں واپس آجاتے"۔

(تذکرۃ العابدین ص ۱۹۰)

حضرت میاں راج شاہ نے ظاہری علوم کی تحصیل کے لئے کسی مدرسہ کا رخ نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ علوم ومعرفت کا گنجینہ بنادیا تھا، وہ مشکل سے مشکل اور دقیق

سے دقیق مسائل کا بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا کرتے تھے، بارہا حضرت سیدنا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور دیگر اکابر علماء نے آپ سے علمی استفادہ کیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی قدرت آپ کو عطا کی تھی کہ جس جاہل شخص پر اپنی چادر ڈال دیا کرتے تھے وہ بھی مشکل سے مشکل ترین مسائل کا جواب بڑی آسانی کے ساتھ دے دیا کرتا تھا اور ایک عجیب وغریب بات آپ کی شخصیت میں یہ بھی دیکھی گئی کہ جب کوئی شخص قال سے نہیں سمجھتا تو اسے حال سے سمجھاتے، بہرحال جو بھی شخص جو سوال لے کر آتا آپ اسے حال وقال ہر طرح مطمئن کر کے واپس بھیجتے اور خاص بات یہ تھی کہ اپنے دلائل کو آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے مزین فرماتے، جسے عالم دین بھی سن کر دنگ رہ جاتے ایسا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''علم لدنی'' عطا کیا تھا۔

آپ کی روحانیت اس درجہ عروج پر تھی کہ جب آپ پہاڑوں پر جا کر الا اللہ کی ضرب لگاتے تو آپ کے ساتھ پہاڑ کے تمام پتھر بھی ضرب لگاتے'' ملت یامین شاھی '' کے مصنف آپ کی کرامات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ''آپ کی ریاضات ومجاہدات وکرامات بیان سے باہر ہیں جب آپ پہاڑ پر جا کر ضرب لگاتے تو تمام پہاڑ کے پتھر ضرب کرنے لگتے درختوں سے ذکر کی آواز آتی، پانی سے ذکر الٰہی بلند ہوتا، اور آپ کے چہرہ سے نور کی تجلی چھوٹنے لگتی جس سے آس پاس کی تمام چیزیں روشن ہو جاتیں''۔
>
> (ملت یامین شاہی ص ۱۲۲)

حضرت میاں راج شاہ سے جس نے اکتساب فیض کیا وہ بھی روحانیت کا آفتاب وماہتاب بن کر چمکے، حضرت میاں سید ابراہیم قادری راج شاہی آپ ہی کے مرید وخلیفہ تھے جن سے دنیائے سنیت کی عظیم ترین شخصیت امام النحو حضرت علامہ غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روحانی استفادہ کیا تھا۔ اگر چہ وہ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید وخلیفہ تھے لیکن حضرت شاہ ابراہیم راج شاہی سے جس قدر انھیں والہانہ لگاؤ تھا اس کا اندازہ ذیل کی اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

''طلب صادق تھی اس لئے مرشد برحق کی روحانیت پھر متوجہ ہوئی اور اپنے برادر طریقت غواص بحر معرفت آقائے نعمت رہبر حقیقت فقیر کامل عارف واصل حامل اخلاق نبوی کاشف اسرار لم یزلی سیدی ومولائی حضرت حافظ سید محمد ابراہیم صاحب قادری قدس سرہ القوی ساکن قصبہ سراوہ ضلع میرٹھ کے سپرد فرمادیا آپ کی خدمت اقدس میں پہنچ کر بفضلہٖ تعالیٰ سات سال تک کشف وکرامات کا جی بھر مشاہدہ کیا، طرح طرح کی کرامتیں نظر کے سامنے آئیں۔حضرت مولانا روم کے ارشاد

اولیاء راہست قدرت ازالٰہ تیر گشتہ باز گردانند زراہ

پر اب تک ایمان بالغیب تھا۔اس بارگاہ ولایت پناہ میں حاضری کے بعد مشاہدہ سے سرفراز فرمایا گیا الحمد للہ علیٰ احسانہٖ کہ اس دربار گہربار سے دین بھی ملا اور دنیا بھی اب تک اس سیاہ کار پر نظر کرم فرماتے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ ابدالآباد تک فرماتے رہیں گے''۔

(بشیر القاری شرح بخاری ص ۱۸)

حضرت حافظ سید ابراہیم قادری اور حضرت شاہ اشرفی میاں دونوں نے ہی حضرت میاں راج شاہ قادری سے فیض حاصل کیا تھا، اس کا اعتراف خود حضرت اشرفی میاں نے ان لفظوں میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

میں اس بارگاہ میں فیض کے اثرات سے مالا مال ہوا۔(ملت راج شاہی ص ۲۹۰)

جس راج شاہی فیض سے حضرت اشرفی میاں مالا مال ہوئے اس میں ایک دو انّی بھی تھی جس کا ذکر اس خانوادہ کے صاحب سجادہ پیر طریقت حضرت ڈاکٹر میاں تسخیر احمد قادری نے ان لفظوں میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے جد کریم فرد وقت حضرت میاں راج شاہ قادری کی خدمت میں موضع سوندھ شریف تحصیل تاؤڑو نوح میوات میں حاضر ہوئے (موضع سوندھ شریف

پہلے ضلع گڑ گاؤں میں تھا) اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کو میرے جد کریم نے
سلسلہ قادریہ رزاقیہ محمدیہ کی نعمت خلافت واشغال مخصوصہ کی اجازت عطا
فرمائی اور فیوض و برکات سے سینہ بے کینہ کو معمور فرمایا۔ اعلیٰ حضرت
اشرفی میاں نے فرد وقت کی بارگاہ عالیہ میں عرض کیا کہ حضور میں نے
ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی ہے۔آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔دعا فرمائیں
کہ اللہ تعالیٰ مدرسہ کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔فرد وقت حضرت میاں راج
شاہ نے دعا فرمائی اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کو رخصت کرتے وقت
ایک دوانّی مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کو سنبھال کر رکھنا انشاء اللہ
تعالیٰ آپ کے اور آپ کی اولاد کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دولت
لازوال موجود رہے گی۔'' (ماہنامہ کنز الایمان ص ۳۳ جون ۲۰۱۲ء)

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کے نورانی ہاتھوں میں جب یہ دوآنی پہنچی تو اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بشیر القاری شرح صحیح البخاری کے مصنف حضرت علامہ شاہ غلام جیلانی اشرفی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

''سید الفقراء امام العرفا ولایت پناہ حقیقت آگاہ حضرت میاں راج شاہ
قدس سرہ کی خدمت میں بھی آپ سوندھ شریف ضلع گڑ گاؤں حاضر ہوئے
تھے۔۔۔آپ نے خلافت سے بھی نوازا تھا اور ایک دوآنی بھی عطا فرمائی
تھی جس کے بعد فتوحات کے دروازے ایسے کھل گئے کہ کوئی سائل کسی
وقت محروم واپس نہ ہوتا تھا''۔ (مقدمہ بشیر القاری ص ۱۸)

حضرت میاں راج شاہ قادری نے اگر چہ ظاہری علوم کسی مدرسہ میں حاصل نہ کیے تھے مگر انھیں ہر علم وفن میں گہرائی و گیرائی حاصل تھی، شریعت کے بے حد پابند تھے، ان کا کوئی قدم شریعت مطہرہ کے خلاف نہ تھا، رفتار و گفتار ہر شی میں شریعت کی پاسداری کرتے ،ان کے ارشادات آج بھی ہر مومن کے لئے مشعل راہ ہیں۔

۱۔اگر ہوا میں کوئی اڑے، پانی پر چلے اور آگ اس پر اثر نہ کرے اور متبع شریعت نہ ہو تو ہرگز اس پر اعتبار نہ کرنا وہ پیرِ وشیطان ہے۔

۲۔ایک میری انا ایک اس کی انا اپنی انا کو اس کی انا میں کردے فنا سو لے بقا۔(ملت راج شاہی ص ۱۳۴)

۳۔ اللہ اسم جلالت ہی اسم اعظم ہے ۔اس سے ہی تمام چیزیں حاصل ہوجاتی ہیں۔

۴۔ دنیا مثل سایہ کے ہے جب انسان اس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرتا ہے تو یہ دنیا سایہ کی طرح اس کے پیچھے ہولیتی ہے، اور جب انسان خدا کو چھوڑ کر دنیا کی طرف چلتا ہے تو سایہ کی طرح ہاتھ نہیں آتی اور جتنا آدمی اس کے پیچھے دوڑتا ہے اتنی ہی وہ آگے دوڑتی ہے۔

۵۔مرید کو چاہئے کہ جب پیر کے پاس آئے تو دنیا کا کوئی خدشہ دل میں لے کر نہ آئے، مرشد کامل کو مانند آئینہ ہر ایک کا تمام حال معلوم رہتا ہے۔

۶۔ جو مرید سیدھے راستہ پر لگاتار چلتا رہے وہ جلدی منزل طے کرجاتا ہے، اور جو گڑبڑ میں پڑ گیا یا پیر کی طرف سے بداعتقاد ہوجاتا ہے اور پیر کی بھلائی برائی پر نظر کرنے لگ جاتا ہے وہ اپنے اصلی مقصود سے گرجاتا ہے۔

۷۔بندہ اور خدا کے درمیان مرشد وسیلہ ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ خدا کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

۸۔جھوٹ دغابازی چوری اور ریاکاری بڑا سخت گناہ ہے۔

۹۔حسد، بغض اور ریاکاری سے دل سیاہ ہوجاتا ہے۔

۱۰۔اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت کرنا ، اور غریبوں کو مدد پہنچانا

بہترین عبادات میں سے ہے اس طرح سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے

۱۱۔صالحین،مومنین اور علماء کی صحبت سے نور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے

۱۲۔فقیروں، درویشوں، اور اللہ والوں کی صحبت اور خدمت سے دل کی سیاہی دور ہوتی ہے۔

۱۳۔مرشد وسیلہ ہے اللہ اور اس کے رسول کا راستہ بتانے کا مرید کو پیر کی خدمت کرنے سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔اور پھر سب اس پر مہربان ہو جاتے ہیں۔

۱۴۔اللہ والے جس جگہ جس زمین پر سوئیں، بیٹھیں، چلیں، پھریں وہاں پر برکت نازل ہوتی ہے خدا بھی اس جگہ کو دوست رکھتا ہے۔

۱۵۔ہر مدفن اولیاء پر برکات کا نزول ہوتا ہے۔

۱۶۔صحبت خراب مل جائے تو وہ دین دنیا کہیں کا نہیں چھوڑتی ہے۔ جیسے عمدہ کھانا پکا کر مٹی کے تیل کا ہاتھ لگا دو اسے کوئی بھی کھانا نہیں پسند کرتا ہے۔

۱۷۔انسان احکام شریعت کا پابند اور فرمان مرشد کا عامل رہے تو خدا اس سے راضی ہوگا جس پر مرشد کا کرم ہوتا ہے اس پر اللہ اور اس کے رسول کا بھی کرم ہوتا ہے۔

۱۸۔اتباع شریعت اور پابندی اسلام کا نام ہی درویشی ہے۔

۱۹۔خیالات کی صفائی مجاہدات اور ریاضات سے پیدا ہوتی ہے۔

(تذکرۂ نوری، محمد عارف رضا نیر اشفاقی دہلی ۲۰۱۶ء ص ۱۸ بحوالہ ملت راج شاہی)

حضرت میاں راج شاہ سے بیعت وارادت کا شرف حاصل کرنے والے دنیا کے مختلف خطوں میں پائے جاتے ہیں مگر ہندوستان میں ان کے مریدین کی کثرت ہے۔' تاریخ میو چھتری" کے مصنف لکھتے ہیں۔

''میوات میں بے شمار لوگ آپ کے مرید ہوئے۔آپ کے مریدین بلند شہر، میرٹھ، علی گڑھ، مراد آباد، وغیرہ اضلاع میں پائے جاتے ہیں (تاریخ میو چھتری ص ۳۸۴) مصنف تذکرۃ العابدین کے بقول پورا میوات آپ کا مطیع ومنقاد تھا''۔ (تذکرۃ العابدین ص ۱۹۱)

آپ سے عقیدت رکھنے والے میوات کے غریب وکمزور مسلمان ہی نہیں بلکہ صاحب ثروت اورارباب حل وعقد بھی آپ کی غلامی کو اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔ پٹودی، ٹونک، حسن پور، سردھنہ، ٹیکم گڑھ کے نوابین بھی بطور خاص خان بہادر محمد زماں خان اوران کا پورا خاندان اسی در کے دریوزہ گر تھے اور ہیں، نواب پٹودی تو آپ کا ایسا عاشق تھا کہ میاں راج شاہ کی بارگاہ میں سوندھ شریف حاضری دینے وہ پٹودی سے پیدل آیا کرتا تھا حسن پور کے نواب شاہ محمد خان نہ صرف آپ کے روحانی تربیت یافتہ تھے بلکہ وہ آپ کی نظر کرم سے مجذوب ہوکر صاحب خدمت ہوگیے تھے، آپ کا مزار اقدس فرید نگر ضلع غازی آباد یوپی میں مرجع انام ہے۔سردھنہ کے نوابین سید محسن شاہ سید سبز علی شاہ، سید معصوم علی شاہ، احسن شاہ، سید ابوالہادی شاہ اوران کا پورا خاندان سوندھ شریف سے بیعت تھا۔سید ضمیر الدین شاہ سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے۔عصر حاضر کے ارباب سیاست جن میں چودھری یاسین راج شاہی اور چودھری طیب حسین کے علاوہ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر نے بھی آپ کے در کی جبیں سائی کی ہے۔علماء وعرفا نے بھی آپ سے فیض حاصل کیا ہے حاجی عابد حسین بانی دارالعلوم دیوبند نے اس در سے اکتساب فیض کیا اور عظیم ادارہ کی بنیاد ڈال کر ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو زیور علم سے آراستہ کرنے کی مہم شروع کی۔آج علاقہ میوات میں جس قدر بھی تعلیم کی بہار نظر آرہی ہے اس میں راج شاہی خاندان کا اہم کردار ہے۔جس کا اعتراف '' تاریخ میو چھتری'' کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''علاقہ میوات میں دینی ودنیاوی تعلیم کا فروغ راج شاہی خاندان ہی کی دین ہے، راج شاہی خاندان کے علماء نے میوات میں دینی تعلیم کے علاوہ

دنیاوی تعلیم کی بھی بنیاد ڈالی'' ۔(تاریخ میو چھتری ص ۳۸۴)

ہریانہ بطور خاص میوات کے علاقے میں جس قدر بھی علمی چہل پہل نظر آرہی ہے وہ آپ ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے ۔میاں راج شاہ اوران کے خاندان کے علماء اور بعض مریدین نے جس شمع علم وفن کو روشن کیا اس سے پورا علاقہ میوات مستفید ہوا ۔اس تعلیمی فروغ اور آپ کے مریدین کا تعلیمی امور سے دلچسپی کا ذکر صاحب تاریخ میو چھتری نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''حضرت میاں راج شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صوفیائے کرام کے قادریہ سلسلہ کے عظیم بزرگ تھے۔آپ کی اولاد میں مولوی عبد اللہ شاہ ایک صاحب کمال شخصیت کے حامل تھے۔آپ کے متعدد مریدین نے تعلیم حاصل کی اور پھر میوات میں قومی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا منشی نصیب احمد خاں مرحوم جنھیں پہلا قومی استاد کہا جاتا ہے وہ آپ ہی کے مرید تھے'' ۔

(تاریخ میو چھتری ص ۴۹۷)

حضرت میاں راج شاہ قادری نے بڑے سخت مجاہدے کئے ہیں ۔آپ کے مرید وخلیفہ حضرت غازی الدین شاہ آپ کے مجاہدات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

''حضرت میاں راج شاہ بارہ بارہ گھنٹہ کا حبس دم کیا کرتے تھے ۔اس دوران آپ کے ہر عضو سے کلمہ طیبہ کی آواز آتی تھی'' ۔(ملت راج شاہی ص ۱۱۷)

حضرت میاں راج شاہ قادری کا خاندان روحانیت کا خاندان تھا ۔آپ کے خاندان میں کئی ایک پیدائشی ولی ہوئے ،آپ کے مریدین وخلفا میں بھی اہل اللہ کی کمی نہیں جس پر بھی آپ کی نظر پڑی وہ روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر متمکن ہوا ،آپ ایسے لوگوں کو خلافت کی انمول دولت سے سرفراز فرماتے جس میں روحانی کمال ہو ۔آپ کے یہاں ایک معیار تھا جس کی بنیاد پر کسی کو خلافت سے سرفراز کیا جاتا ،قاضی وحید الدین راج شاہی بیان کرتے ہیں ، کہ فرد وقت میاں راج شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مرشد کامل مرید کرنے کے قابل جب ہوتا ہے کہ مغرب یا عصر کے

وقت اس کے چار ہزار یا اس سے زیادہ مریدوں کی جان نکلتی ہو اور وہ سب کا حال معلوم کرے اگر ایسا نہیں ہے تو ایسے پیروں سے علاحدہ رہنا چاہیے فقیری مشکل چیز ہے یہ فرما کر رو پڑے"۔(ملت راج شاہی ۱۹۳)

یہ تھا وہ معیار جس کے بعد مرشد مرید کرنے کے قابل ہوتا ہے اسی معیار پر حضرت شاہ میاں راج شاہ کسی کو خلافت عطا فرمایا کرتے تھے، آپ نے اپنے ایک مرید خاص شاہ جی کابلی کو زبانی خلافت عطا فرمائی، نہ خلافت نامہ عطا فرمایا اور نہ ہی دستار بندی فرمائی، اس تعلق سے" تذکرہ صوفیائے میوات"نامی کتاب میں ہے۔

''خواجہ چھوٹے شاہ راج شاہی کابلی المعروف شاہ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے میاں راج شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس وقت فرمایا شاہ جی تم بھی کسی کو اللہ کا نام بتادیا کرو تو آپ کو خیال آیا کہ نہ تو آپ نے خلافت نامہ لکھ کر دیا نہ دستار بندی فرمائی اگر کسی اہل سلسلہ نے معلوم کرلیا کہ کس کے خلیفہ ہو تو میں کیا جواب دوں گا ؟ آپ مہرولی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوئے پھر کیا دیکھتے ہیں کہ مزار کھلا اور قطب صاحب اندر سے باہر تشریف لائے۔ ہاتھ میں دستار تھی شاہ جی کے سر پر لپیٹ کر فرمایا شاہ جی اب تو کہیں شرمندگی نہ ہوگی، یہ فرما کر خواجہ صاحب غائب ہوگئے اور مزار صحیح وسالم ہوگیا سوندھ جب حاضر ہوئے تو میاں راج شاہ نے فرمایا: اب تو قطب صاحب کے دربار سے دستار خلافت حاصل کر لی اب بھی اپنے پیر ہونے میں شبہ ہے؟۔ اب کہیں شرمندگی نہ ہونے کی ہے۔(تذکرہ صوفائیے میوات ص ۵۸۵ لاہور)

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت میاں راج شاہ کے خلفا کا روحانیت میں کیا مقام ہوا کرتا تھا وہ حضرات انتہائی خوش قسمت ہیں جو میاں راج شاہ کے معیار خلافت پر پورے اترے اور انھیں خلافت کی انمول دولت سے سرفراز کیا گیا۔ ذیل میں ایسے چند خوش نصیب افراد کے اسماء دیئے جارہے ہیں۔

۱۔حضرت شاہ غازی الدین شاہ راج شاہی سہنوی
۲۔حضرت چھوٹے شاہ راج شاہی عرف شاہ جی کابلی
۳۔شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (وفات ۱۳۵۵ھ)
۴۔خلف اکبر حضرت مولانا عبداللہ شاہ راج شاہی (وفات ۱۳۴۲ھ)
۵۔خلف اصغر حضرت میاں حیدر شاہ راج شاہی (وفات ۱۳۲۵ھ)
۶۔حضرت میاں اسماعیل شاہ راج شاہی فریدنگری (وفات ۱۳۳۲ھ)
۷۔حضرت مولانا عبدالرحمٰن شاہ راج شاہی، شاہ پیر، میرٹھ (وفات ۱۹۳۶ء)
۸۔حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم راج شاہی، شاہ پیر، میرٹھ (وفات ۱۹۳۷ء)
۹۔حضرت حاجی عابد حسین بانی دارالعلوم دیوبند سہارنپور (وفات ۱۳۳۱ھ)
۱۰۔حضرت حافظ سید محمد ابراہیم شاہ راج شاہی سراوہ غازی آباد یوپی (وفات ۱۳۷۱ھ)
۱۱۔حضرت میر محمد تقی صاحب راج شاہی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۲۔حضرت حافظ سید میر احمد علی شاہ قادری راج شاہی سوندھ شریف (وفات ۱۳۱۱ھ)
۱۳۔حضرت شاہ ولی محمد قادری راج شاہی سانٹھاواڑی میوات (وفات ۱۳۵۰ھ)
۱۴۔حضرت امیر الدین راج شاہی موضع دوہہ جامع مسجد فیروز پور جھرکہ میوات
۱۵۔حضرت میر عاشق علی گلاوٹھی بلندشہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۶۔حضرت خانصاحب احمد خان بارہ بستی یوپی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۷۔حضرت امتیاز علی راج شاہی الدھن، غازی آباد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۸۔حضرت عبدالمجید راج شاہی الدھن غازی آباد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۱۹۔حضرت جمعہ شاہ ولایتی راج شاہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۰۔حضرت حافظ عبدالرحمٰن مسیت میوات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
۲۱۔حضرت صوفی مخدوم بخش راج شاہی الدھن غازی آباد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت میاں راج شاہ کی پوری زندگی رشد وہدایت اور خلق خداداد اوفریاد رسی سے عبارت ہے۔ جو بھی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ایمان وایقان کی دولتِ لازوال سے

مالا مال ہوا، ایک مدت تک رشد وہدایت کا یہ آفتاب اپنی روحانیت کی کرنیں بکھیر نے کے بعد قبل صبح صادق ۸؍رمضان المبارک ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔لیکن آپ کا عرس گیارہویں کی مناسبت سے ۱۰؍۱۱شوال المکرّم کو بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔''شاہ عرفاں چہ شد فنافی اللہ'' سے تاریخ وفات ۱۳۰۶ھ برآمد ہوتی ہے ۔حاجی عابد حسین کے خلیفہ مولوی نذیر احمد نے درج ذیل قطعہ تاریخ وصال بھی لکھا ہے۔

پنج شنبہ ہشتم از ماہ صیام یک بیک واشد چو باب معرفت
بہر تاریخ وفاتش صدق گفت ''ہائے ہائے آفتاب معرفت''

۱۳۰۶ھ

حضرت میاں راج شاہ قادری کے خلیفہ وجانشین حضرت مولوی محمد عبد اللہ شاہ قادری نے جو ''شجرۂ سلسلہ طیبہ عالیہ قادریہ'' اپنے خدام وغلامان کے لیے برائے حصول فیوض وبرکات جاری کیا وہ شجرہ یہ ہے۔

شجرۂ سلسلہ طیبہ عالیہ قادریہ راج شاہیہ

یا الٰہی رحم کر خیر الوریٰ کے واسطے شافع امت محمد مصطفٰے کے واسطے
یا الٰہی شرّ اعدا سے مجھے محفوظ رکھ برّش تیغ علی مرتضٰی کے واسطے
زیر کر یارب یزید نفس شیطاں کو مرے قوت دست حسین کربلا کے واسطے
دے مجھے توفیق یارب بہر زین العابدیں ذوق وشوق طاعت صبح ومسا کے واسطے
اے خدا بہر محمد باقر سلطان دیں دے مجھے علم وعمل روز جزا کے واسطے
یاالٰہی دے مجھے صدق وصفائے معرفت جعفر صادق امام اتقیا کے واسطے
یاالٰہی امن میں رکھ غیض دشمن سے مجھے موسیٰ کاظم امام الاصفیا کے واسطے
مجھ سے راضی ہو خدایا اور راضی رکھ مجھے سرور عالم علی موسیٰ رضا کے واسطے
یا الٰہی مجھ کو تابع رکھ سدا معروف کا خواجہ معروف کرخی رہنما کے واسطے
یا الٰہی ہوش وفہم سرّ عرفاں دے مجھے اس سرّی سقطی امام اولیاء کے واسطے

اے خدا مجھ کو جنود غیب سے پہنچا مدد　پیر بغدادی جنید باصفا کے واسطے
اے خدا کر مجھ کو اشبال وعطا سے بہرہ ور　خواجہ بو بکر شبلی مقتدا کے واسطے
مجھ کو یارب بادۂ توحید سے سرشار کر　خواجۂ عبدالواحد وحدت نما کے واسطے
خستہ خاطر ہو خداوندا مجھے دلشاد کر　بوالفرح یوسف ولیٔ پارسا کے واسطے
اے خدا حسن عمل میں کر عطا مجھ کو علو　بو الحسن یعنی علیٔ پیشوا کے واسطے
یاالٰہی ہر شقی کے شر سے دے مجھ کو امان　بوسعید باسعادت بے ریا کے واسطے
دستگیری کر بہت درماندہ ہوں اے کردگار　غوث اعظم قطب ارشاد ہدیٰ کے واسطے
یاالٰہی دو جہاں میں رزق طیب دے مجھے　عبد الرزاق سیادت انتما کے واسطے
حضرت سید ابو صالح کی خاطر اے خدا　مجھ کو صالح کر فیوض اولیاء کے واسطے
مجھ کو از بہر محی الدین ابی نصر کریم　دے حیات جاوداں اپنی بقا کے واسطے
حرمت سید محمد اے خدائے دو جہاں　تو مجھے توفیق دے حمد وثنا کے واسطے
یاالٰہی اپنے احساں سے مجھے کر سرفراز　حضرت سید حسن اہل عطا کے واسطے
یا الٰہی پیرو شرع محمد رکھ مجھے　دوسرے سید محمد مقتدا کے واسطے
یا الٰہی نفس امّارہ پہ غالب کر مجھے　حضرت سید علی مرد صفا کے واسطے
یارب اس فرعون سیرت پر مجھے کر فتحیاب　حضرت موسیٰ ولیٔ بے ریا کے واسطے
شرّ حاسد سے بچا یارب مرا حسن عمل　دوسرے سید حسن پیر ہدیٰ کے واسطے
دست کوشش سے مرے یارب ہو فتح ملک دیں　سید احمد جیلی جیلان کشا کے واسطے
معرفت میں قدر وقیمت ہو مرے یارب فزوں　شہ بہاء الدین درّ بے بہا کے واسطے
مجھ کو یارب سید ابراہیم ایرج کے طفیل　مستعد کر خلعت وصدق وصفا کے واسطے
بھیک اپنے اولیا کی مجھ کو یارب کر نصیب　حضرتِ شیخ بھکاری رہنما کے واسطے
یاالٰہی مجھ کو میرے باطن تاریک میں　دے ضیائے معرفت قاضی جیا کے واسطے
مجھ کو دکھلا اے خدا اپنا جمال باکمال　حضرت شاہ جمال اولیاء کے واسطے
یا الٰہی از پئے سید محمد کالپی　زور بازو دے مجھے کلب ہوا کے واسطے

از برائے شہ محمد افضل اے پروردگار	فضل عرفاں دے مجھے روز جزا کے واسطے
ہر برائی کی جگہ خوبی مجھے دے اے خدا	شاہ خوب اللہ مرد باصفا کے واسطے
از طفیل شہ محمد فاخر اے رب کریم	رکھ مجھے مشتاق فخر انبیا کے واسطے
مجھکو یارب اپنے عشق ومعرفت میں دے کمال	شاہ بدر الدین بدر پُر ضیا کے واسطے
شہ غلام شاہ جیلانی کی خاطر اے خدا	دسترس دے مجھ کو امداد گدا کے واسطے
حرمت مولانا اسماعیل تو اے کردگار	ہو مجھے کافی مہّم دوسرا کے واسطے
کر منور دل کو میرے نور سے عرفان کے	راج شاہ سوندھوی پیر ہدیٰ کے واسطے
عشق سے اپنے مجھے مدہوش رکھ صبح ومسا	شاہ عبد اللہ ہادی رہنما کے واسطے
عفو کر بندہ کی اپنی سب خطا سارے گناہ	غوث اعظم پیرومرشد رہنما کے واسطے

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت غازی الدین شاہ راج شاہی ہریانہ
علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت میاں راج شاہ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کی نیابت کا فریضہ بحسن وخوبی آپ کے خلیفہ اول حضرت غازی الدین راج شاہی نے انجام دیا اور جس مشن کو لے کر حضرت میاں راج شاہ آگے بڑھے تھے اس کی آپ نے تکمیل فرمائی، آپ کی ولادت موضع سہنا ضلع گڑگاؤں ہریانہ میں ہوئی، پٹھان برادری سے تعلق تھا، اس لئے مزاج میں سختی تھی، انتہائی متبع سنت اور پیرو شریعت تھے۔حضرت میاں راج شاہ سے بیعت وارادت کا شرف حاصل تھا، اتقا و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے، روحانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے، اس لئے آپ کے پیر ومرشد نے آپ کو دولت خلافت سے سرفراز فرمایا تھا، کرامت کی بڑی چاہت تھی اس لئے بیعت ہوتے ہی آپ نے اپنے مرشد گرامی سے فرمایا کہ کچھ کرامت دے دو حضرت میاں راج شاہ نے فرمایا کہ کرامت کے طالب ہو یا ہمارے ۔یہ سن کر آپ خاموش ہوگئے اور گھر چلے گئے کچھ دنوں بعد مرشد کی بارگاہ میں پھر حاضری

دی اور وہی جملہ دہرایا کہ کچھ کرامت دے دو مرشد نے فرمایا کہ زبردستی کرامت چھیننا چاہتے ہو! پٹھان تو تھے ہی کہنے لگے نہیں دو گے تو میں زبردستی لے کر جاؤں گا۔ پیر و مرشد نے فرمایا کہ خانصاحب آپ کی مطلوبہ شئی ضرور آپ کو مل جائے گی مگر زبردستی سے نہیں بلکہ خاکساری اور فروتنی سے پہلے غرور و گھمنڈ اور خواجگی دماغ سے نکال دو تب کچھ ہو گا۔ آپ نے غضب ناک ہو کر کہا ہم کرامت لیں گے اور ڈنڈے کے زور پر لیں گے یہ کہا اور گھر آ گئے اپنی برادری کے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے اپنا یہ پلان واضح کیا کہ میاں راج شاہ پہاڑ میں چلہ کر رہے ہیں انھیں قتل کرنا ہے۔ برادری کے تمام لوگ ان کی روحانی عظمتوں سے واقف تھے۔ کہنے لگے کہ کیا میاں؟ ان کا قتل کرنا آسان ہے؟ آپ نے کہا کہ ان سے مجھے ضرور انتقام لینا ہے کیوں کہ انھوں نے مجھے اب تک کوئی کرامت نہیں دی ہے، برادری میں آپ کا بڑا اثر تھا اس لئے اپنے منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر مصر تھے۔ قتل کا پروگرام بنایا گیا اور پروگرام کے مطابق ''سہنا'' کے پٹھانوں نے میاں راج شاہ کا چلہ گاہ جو پہاڑ میں تھا اس پر چڑھائی کر دی، جب وہاں پہنچے تو عجیب ماجرا دیکھا کہ میاں راج شاہ کی شکل میں ہزاروں گھوڑ سوار تلوار ہاتھ میں لئے ہمارے مقابلہ کے لئے تیار ہیں پٹھان بولے بتاؤ کیا کیا جائے ہم پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ میاں راج شاہ بزرگ آدمی ہیں ان سے ٹکرانا آسان کام نہیں یہ کہہ کر برادری کے سب لوگ واپس چلے گئے اور غازی الدین اکیلے وہاں رہ گئے جہاں میاں راج شاہ چلہ فرمارہے تھے اور ذکر الٰہی میں مصروف تھے۔ آپ نے ان کے چاروں طرف لکڑیاں جمع کیں اور اس میں مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی، مقصد یہ تھا کہ میاں راج شاہ اس میں جل جائیں گے خود گھر واپس آ گئے، جب پانچ چھ دن بعد آپ دوبارہ چلہ گاہ پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ چاروں طرف جنگل میں آگ پھیلی ہوئی ہے اور اس کے بیچ میاں راج شاہ اپنی چلہ گاہ میں ذکر الٰہی میں منہمک ہیں، جب غازی الدین کو دیکھا تو فرمایا کہ میرے پاس آ جاؤ عرض کیا حضور کس طرح آؤں گا آگ میں جل جاؤں گا فرمایا کہ نہیں جلو گے آ جاؤ چنانچہ وہ اپنی دہکائی ہوئی آگ میں چل کر میاں راج شاہ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ فرماتے ہیں جب میں آگ میں چل رہا تھا تو ایسا محسوس

ہو رہا تھا کہ میں پھولوں پر چل رہا ہوں میاں راج شاہ کے پاس بیٹھ کر محسوس ہوا کہ جنت کا مشاہدہ کر رہا ہوں، چاروں طرف آگ نہیں پھول بکھرے ہوئے ہیں، میرے دل پر عجیب کیفیت طاری تھی پیر ومرشد نے فرمایا کہ غازی الدین کہیں خدا کے دوستوں کو آگ جلا سکتی ہے؟ اس واقعہ کے بعد آپ پر بارہ برس تک استغراق کی کیفیت طاری رہی۔ پورا دن اسی حال میں گزرتا اور رات کے وقت سوندھ شریف پیر ومرشد کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے، سہنا سے سوندھ شریف کا راستہ بڑا پُر خطر تھا راستہ میں، پہاڑ، گھنا جنگل، اور اوپر سے درندوں کا خوف مگر کسی کی پروانہیں کرتے سر شام سوندھ شریف حاضر ہو جاتے اور چھپ چھپ کر پیر ومرشد کا دیدار کرتے رہتے۔ کبھی کبھی پیر ومرشد کے حجرہ انور کے سامنے صبح تک مودب کھڑے رہتے جب پیر ومرشد نماز تہجد کے لئے حجرہ کے باہر آتے تو زیارت فرما کر اپنے گھر سہنا واپس آ جاتے۔ ایک عرصہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ مرشد کے مکان کی نالی میں سر رکھ کر سو گئے جس کے باعث گھر میں پانی بھر گیا ایک لکڑی سے نالی صاف کرنے لگے اس لکڑی کی ضرب سر پر جا کر لگی گھر والوں نے سوچا کوئی پتھر ہو گا لیکن جب لکڑی باہر نکالی تو دیکھا کہ اس کے سرے پر خون لگا ہوا ہے، یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یہ کس چیز کا خون ہے فوراً کسی نے کہا کہ دیکھو غازی الدین تو نالی میں نہیں ہے؟ دیکھا گیا تو غازی الدین ہی تھے جو نالی میں سر رکھ کر سوئے ہوئے تھے۔ وہاں سے ان کو اسی حال میں اٹھا کر لایا گیا۔ آپ کے سر سے خون رِس رہا تھا، غازی الدین کی نظر جیسے ہی پیر ومرشد پر پڑی قدموں میں آ گئے اور رو رو کر عرض کرنے لگے حضور میں خطاوار ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں حضرت میاں راج شاہ نے جب اپنے مرید صادق کو اس حال میں دیکھا تو پیار آ گیا اور قدموں سے اٹھا کر سینہ سے لگا لیا اور سینہ بے کینہ کو نور سے معمور کر دیا اور فرمایا:

''غازی الدین اب آپ خاں صاحب نہیں شاہ صاحب ہو گئے''

حضرت میاں راج شاہ نے اپنی زیر نگرانی منازل سلوک طے کرائے اور ایسی تربیت فرمائی کہ دیکھنے دکھانے کے قابل کر دیا۔ (ملت راج شاہی ص ۱۷۰)

شیخ نے سب سے پہلے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ،

نقشبندیہ اور سہروردیہ، زاہدیہ، مداریہ وغیرہ جملہ سلاسل کی خلافت عطا فرمائی اور تمام اوراد ووظائف کی اجازت سے بھی نوازا اور پھر تبلیغ دین متین کے لئے آپ کو آپ کے پیرومرشد نے بھرت پور کے علاقہ میں بھیج دیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ بحسن وخوبی اس کام کی انجام دہی کے لئے وہاں کے راجہ کا ملازم بن جانا پھر وہ خود ہی تمھارا، ملازم ہو جائے گا۔ آپ نے تعمیل حکم کی اور بھرت پور کے لئے روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر راجہ کی فوج میں شامل ہوگئے، کچھ دن گزرے ہی تھے کہ جیسا پیرومرشد نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا سب دیکھنے والوں نے دیکھا کہ راجہ خود ہی آپ کا ملازم بن گیا۔ ہوا یوں کہ راجہ کے یہاں کوئی اولاد نہ تھی آپ نے راجہ کے لئے دعا فرمائی اور اس کے گھر میں لڑکے کی ولادت ہوئی۔ پھر کیا تھا راجہ آپ کے پیچھے پیچھے گھومنے لگا۔ یہ بھی روایت ہے کہ بھرت پور کے راجہ کو آپ نے دائرہ اسلام میں داخل کر لیا تھا، قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ کلمہ کا ذکر اور کچھ اوراد بھی بتلا دیئے تھے۔ بھرت پور کے راجہ آپ ہی کی تحریک پر جامع مسجد کے لئے زمین دی جس کی تعمیر آپ نے اپنے صرف خاص سے کروائی۔ راجہ بھی اپنی مملکت کے فنڈ سے مسجد کی تعمیر کرا سکتا تھا، مگر مسلمانوں نے اسے بہتر نہ سمجھا اور انھوں نے اس مسجد کی تعمیر خود کرائی اس کی تعمیر راجہ بلونت سنگھ کے دور اقتدار ۱۸۵۳ء میں ہوئی۔ کسی بندۂ خدا نے اس کی تاریخ تعمیر ''آمد ندائے غیب بگو خانہ خدا ''(۱۲۶۱ھ) سے نکالی۔ مسجد کے تحت ۱۱۷ر دوکانیں اور ۱۷ر مکانات ہیں۔ جس کی آمدنی ۷۰ر ہزار روپئے مسجد کے انتظام وانصرام میں صرف ہوتی ہیں۔

حضرت غازی الدین نے بھرت پور کے علاقے میں جس طرح دین حق کی ترویج واشاعت فرمائی اس کا اعتراف "تذکرۃ العابدین" کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

> ''حضرت غازی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات سے ریاست بھرت پور دھولپور، قرب وجوار مثل قرولی واکبر آباد وغیرہ میں ہزارہا اشخاص مستفیض ہوئے۔ لیکن عمر زیادہ نہ ہوئی پیرومرشد کے سامنے ہی واصل بحق ہوگئے''۔ (تذکرۃ العابدین ص ۱۹۱)

آپ نے بھرت پور کے علاقہ میں سلسلہ عالیہ قادریہ راجشاہیہ کا اجرا بھی فرمایا ہزاروں لوگ آپ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔کم عمری ہی میں آپ کا وصال ۱۳۰۶ھ سے قبل ہو گیا۔مزار اقدس شہر بھرت پور کے باہر گلال کنڈ میں مرجع انام ہے۔ وصال کے وقت آپ کے مریدین کا جم غفیر تھا آپ کی آخری زیارت کے لئے عقیدت مندوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔مریدین وخلفا نے غسل دیا کفن پہنا کر جب چارپائی باہر لائے تو آپ کی بیٹی آخری دیدار کے لئے آپ کے پاس آئی آپ نے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور بیٹی کے سر پر رکھا جسے ایک خلق کثیر نے دیکھا۔(تذکرہ غازی ص ۴۱) اس طرح نہ جانے کتنی کرامتیں آپ کی ذات گرامی سے آپ کی حیات اور بعد ممات صادر ہوئیں۔نواب سردھنہ سید محسن بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ شاہ راجشاہی کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں حضرت غازی الدین شاہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جانا چاہتا ہوں تو وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ شہر بھرت پور کے باہر ''گلال کنڈ'' پر ان کا مزار ہے، فاتحہ پڑھ آؤ چنانچہ میں بھرت پور گیا اور میاں غازی الدین شاہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور چلا آیا۔(ملت راج شاہی ص ۲۸۰)

ان دونوں حضرات کے علاوہ سلسلہ قادریہ کے اور بھی مشائخ کرام ہیں جنھوں نے روحانی اور مشربی خدمات کے علاوہ تبلیغ دین کے تعلق سے جو کاوشیں کی ہیں انھیں ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ایسے مشائخ میں درج ذیل حضرات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱۔حضرت شاہ قمیص اعظم قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۹۹۲ھ/۱۵۸۴ء)

۲۔حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء)

۳۔حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء)

۴۔حضرت شاہ محمد فاضل قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۱۰۴ھ/۱۶۹۲ء)

۵۔حضرت سید شاہ طاہر قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء)

۶۔حضرت شاہ غلام جیلانی روہتکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۹ء)

۷۔حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء)

۸۔حضرت شاہ احسان علی فریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء)

۹۔حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید مہمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء)

۱۰۔حضرت سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء)

۱۱۔حضرت مولانا عبداللہ شاہ سوندھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء)

۱۲۔حضرت عبداللہ عرف بدھا شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء)

۱۳۔حضرت شاہ محمد یامین عرف بنگالی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدفن کراچی (وفات/۲۰۰۱ء)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت شیخ عبدالاحد قادری سرہند، پنجاب
علیہ الرحمۃ والرضوان

پانچ مشہور دریاؤں کی سرزمین پر یہ صوبہ پنجاب واقع ہے اس لئے اسے پنجاب کہا جاتا ہے۔اس صوبہ میں مسلمانوں کے دور حکومت کا آغاز آٹھویں صدی کے اوئل میں محمد بن قاسم کی فوج کشی سے ہوگیا تھا۔۳۹۲ھ میں محمود غزنوی نے اسی سرزمین پر جے پال کو شکست دی تھی اور ایاز کو وہاں اپنا نمائندہ منتخب کیا تھا۔حضرت شیخ اسماعیل (وفات ۴۴۸ھ) اور شیخ علی ہجویری (وفات ۴۶۵ھ) کا تعلق اسی دور سے ہے۔ان حضرات سے پہلے سیدنا سالار مسعود غازی (شہادت ۴۲۴ھ) اس سرزمین پر اسلام کا پرچم بلند کر چکے تھے، انھوں نے ہندوستان میں لڑتے ہوئے شہادت کا درجہ حاصل کیا تھا۔

پنجاب کی سرزمین پر اسلام کا پرچم اگرچہ بہت پہلے بلند ہو چکا تھا مگر سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت کب ہوئی اس میں اختلاف ہے۔مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے اشاعت دین حق کے لئے اس سرزمین کا انتخاب کیا وہ سید محمد غوث اوچی جیلانی ہیں۔

''حضرت سید محمد غوث اوچی جیلانی اول پنجاب آئے''۔

(حدیقۃ الاولیاء، غلام سرور لاہوری ص ۲۸ لاہور ۱۹۷۶ء)

اس طرح بلا واسطہ سید محمد غوث جیلانی اوچی اور بالواسطہ حضرت شیخ علی ہجویری (وفات ۴۶۵ھ) شیخ اسماعیل (وفات ۴۴۸ھ) سے سلسلہ قادریہ کا فیضان پنجاب میں پانچویں صدی ہجری میں پہنچ چکا تھا۔شیخ علی ہجویری مشرباً سید الطائفہ جنید بغدادی کے پیرو تھے اور سلسلہ قادریہ چونکہ سلسلہ جنیدیہ ہی ہے،اس مناسبت سے کہا جاسکتا ہے کہ سلسلہ قادریہ کا فیضان سلسلہ جنیدیہ کی شکل میں شیخ علی ہجویری کے واسطے سے برّ صغیر میں بہت پہلے پہنچ چکا تھا۔شمس بریلوی لکھتے ہیں۔

''آپ کے ورود مسعود نے لاہور کے قالب میں ایک نئی جان ڈال دی آپ کے قیام کے دوران ہزاروں گم گشتگان بادیہ ضلالت وگمراہی آپ سے ہدایت پائی اور ہزاروں مشرکوں کے دلوں سے کلمہ توحید پڑھا کر زنگ کفر وشرک کودور کیا''۔

(کشف المحجوب شیخ علی ہجویری (ترجمہ) ص۷ادہلی ۱۹۸۸ء)

باضابطہ قادری مشائخ میں مفتی غلام سرور لاہوری کے مطابق سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں حضرت سید محمد غوث جیلانی تشریف لائے اور''اوچ''میں قیام کیا اور رفتہ رفتہ''اوچ''قادری مشائخ کا مرکز بن گیا۔جہاں سے قادری فیضان پورے ہندوستان میں عام وتام ہوا۔موجودہ ہندوستان میں شیخ عبد الاحد سرہندی والد ماجد شیخ احمد سرہندی (وفات ۱۰۰۷ھ)،حضرت شاہ بدر گیلانی،حضرت میاں نتھا شاہ قادری (وفات ۱۰۲۷ھ)،حضرت شیخ نعمت اللہ شاہ قادری (وفات ۱۰۱۸ھ) اور حضرت شیخ میاں میر لاہوری نے پنجاب کی سرزمین پر سلسلہ قادریہ کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔

پنجاب کی سرزمین یوں تو اولیائے کرام ومشائخ عظام کا مرکز رہی ہے،لیکن تقسیم ہند کی وجہ سے وہ خطہ جس میں مشائخ وبزرگان دین کی کثرت تھی وہ پاکستان میں چلا گیا،ہم یہاں پنجاب کے ان مشائخ کا ذکر رہے ہیں جن کا تعلق موجودہ ہندوستان سے ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی اپنے زمانہ کے مقتدر بزرگان دین میں سے تھے،سرہند شریف میں ولادت ہوئی

اور وہیں نشو ونما پائی مختصر شجرہ نسب اس طرح ہے۔

''عبدالاحد بن زین العابدین بن عبدالحئ بن محمد بن حبیب اللہ بن رفیع الدین العمری''

ظاہری علوم وفنون کی تکمیل کے بعد باطنی علوم کی تحصیل کے لیے آپ نے گنگوہ کا سفر کیا اور وہاں مخدوم العالم سیدنا شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت بابرکت اختیار کی، ایک دن جب آپ نے ان سے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو شیخ نے اس مقصد کو پورا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمانے لگے کہ ابھی آپ جائیے جس قدر زیادہ ممکن ہو دین اور شریعت کا علم حاصل کیجئے۔ جب اس سے کلی طور پر فراغت مل جائے تو پھر آیئے۔ شیخ کے حکم کے بموجب آپ نے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن شیخ عبدالقدوس گنگوہی اس وقت عمر کے آخری مراحل سے گزر رہے تھے۔ اس لیے آپ کو یہ تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دینی علوم کی تکمیل کر کے جب میں گنگوہ سے واپس آؤں اور شیخ دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں، چنانچہ آپ نے اپنے اس خدشہ کا اظہار حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے کیا تو انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا:

''چوں مرانیابی بفرزندم رکن الدین شوداز وبجو''۔(زبدۃ المقامات ص۹۲)

(اگر آپ مجھے نہ پائیں تو میرے فرزند رکن الدین کی طرف رجوع کیجئے)

چنانچہ ایسا ہی ہوا دینی علوم سے جب ہر طرح آپ کو فراغت ہوگئی اور علم منقول ومعقول بطور خاص فقہ میں جب کمال حاصل کر لیا پھر جب طبیعت روحانی علوم کے اخذ وحصول کی طرف راغب ہوئی تو اس وقت شیخ عبدالقدوس گنگوہی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے ۔شیخ کی تلقین کے بموجب آپ نے شیخ کے فرزند ارجمند حضرت سیدنا شیخ رکن الدین گنگوہی کی خدمت میں حاضری دی اور انھوں نے اپنے والد ماجد کی ایما کے سبب آپ پر خصوصی توجہ فرما کر سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کی خلافت سے سرفراز فرمایا اور ساتھ ہی ایک عنایت نامہ بھی عنایت کیا جسے من وعن صاحب "زبدہ المقامات" نے اپنی شاہکار تصنیف میں درج کیا ہے۔

آپ کے مرشد شیخ رکن الدین گنگوہی کو سلسلہ قالیہ قادریہ کی خلافت حضرت سیدنا شیخ ابراہیم الایرجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل تھی جو حضرت سیدنا شیخ بہاء الدین قادری شطاری علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ تھے، حضرت شیخ رکن الدین گنگوہی اپنے مرشد حضرت سیدنا ابراہیم الایرجی علیہ الرحمۃ والرضوان کا دل سے احترام کرتے تھے، اور بیعت وارادت اور اجازت کے رشتے کے علاوہ ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ایک مرتبہ شیخ رکن الدین نے اپنے مرشد سیدنا ابراہیم ایرجی سے حضرت سیدنا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان کے عرس مبارک میں شرکت کے لیے فرمایا تو حضرت سیدنا ابراہیم ایرجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا کہ آپ جائیے اور وہاں پہنچنے کے بعد مزار اقدس کے قریب بیٹھ کر خواجہ کی روحانیت کی طرف توجہ فرمائیے اور دیکھئے کہ خواجہ کیا فرماتے ہیں؟۔ آپ یعنی شیخ رکن الدین عرس مقدس میں تشریف لے گئے اور مزار اقدس کی پائینتی بیٹھ کر خواجہ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے اس وقت قوالی شباب پر تھی خواجہ صاحب فرمانے لگے۔

ایں بد بختاں چند وقت را بر ما مشوش گردانند'' (زبدۃ المقامات ص ۱۰۲)

یہی بات شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ''اخبار الاخیار'' میں درج ذیل لفظوں میں تحریر کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

''این بد بختاں دماغ مارا بردند و وقت مارا مشوش ساختند''۔ (اخبار الاخیار ص ۲۳۹)

ان دونوں عبارتوں کے الفاظ اگر چہ قدرے مختلف ہیں لیکن مفہوم دونوں کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان بدبختوں نے میرا دماغ کھالیا ہے اور ذہن کو پریشان کر رکھا ہے۔

حضرت شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ خواجہ کی یہ بات سن کر دل کو تکلیف ہوئی اور جب میں اپنے پیر ومرشد سیدنا براہیم ایرجی کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مسکراتے ہوئے ہوئے فرمایا کہ اب آپ مجھے مجلس سماع میں شرکت سے معذور سمجھیں گے یا نہیں تو شیخ رکن الدین نے جواباً فرمایا:

''ایں چنیں است کہ می فرمائند حق بجانب شما است واللہ اعلم'' (اخبار الاخیار ص ۲۳۵)

(وہی درست ہے جو آپ فرماتے ہیں اور آپ ہی حق پر ہیں)

حضرت شیخ رکن الدین نے حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی کو جو اجازت وخلافت نامہ عطا کیا اس میں سلسلہ قادریہ میں اخذ بیعت وخلافت کی پوری تفصیل درج ہے۔وہ شجرہ طریقت اس طرح ہے۔

''شیخ عبدالاحد مرید شیخ رکن الدین مرید شیخ ابراہیم معین ایرجی مرید شیخ بہاء الدین انساری حسینی قادری مرید شیخ محی الدین ابونصر مرید سید ابوصالح مرید سیدنا عبدالرزاق مرید والدخود غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین''

حضرت شیخ رکن الدین کے علاوہ سلسلہ قادریہ کا فیضان اور عرفان آپ کو حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل ہوا تھا جس کا تفصیلی ذکر صاحب "زبدۃ المقامات" نے کیا ہے۔ان کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی پہلی ملاقات حضرت شیخ کمال کیتھلی سے حضرت شیخ جلال کی مجلس میں ہوئی تھی اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

''ایک دن میں حضرت شیخ جلال کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی سپاہیانہ لباس میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔معانقہ کیا اور مجلس میں بیٹھ گیا۔شیخ انھیں فوجی سمجھ کر بادشاہ اور اس کی فوج کی خیریت دریافت کرنے لگے، اس سوال سے وہ آدمی برہم ہوا اور کہنے لگا کہ اے شیخ اگر کوئی مسکین حاجت منداس انداز سے آپ کی خدمت میں فیوض وبرکات حاصل کرنے آئے تو آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ اس سے بادشاہ اور اس کے لشکر سے متعلق معلومات فراہم کریں۔اگر آپ کو بادشاہ اور اس کے سپاہ کے حالات درکار ہیں تو آپ راستے میں بیٹھ کر مسافروں سے حالات معلوم کریں یہ جواب سن کر شیخ جلال اپنے حلم وبرد باری کے باعث خاموشی اختیار کر کے معذرت کرنے لگے ، جب حضرت شیخ عبدالاحد نے اس شیخ کا یہ کردار دیکھا تو اس سے تفصیلی ملاقات کی خواہش

دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ جب وہ مجلس سے اٹھ کر چلنے لگے تو آپ بھی اٹھی کے ساتھ مجلس سے باہر آ گئے، اور اس شخص کو روک کر اس کا نام و پتا دریافت کرنے لگے۔ اس ملاقات سے دل میں ایک خاص قسم کی اپنائیت کا احساس ہوا اس شخص نے اپنا نام ''کمال'' بتایا اور یہ کہا کہ میں ''پایل'' کا رہنے والا ہوں۔ (زبدۃ المقامات ص ۱۰۴)

اس ملاقات سے ان دونوں بزرگوں کے درمیان جو کشش، لطف و محبت اور باہمی ربط اس درجہ ہوا کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ان دونوں حضرات کا ایک دوسرے کے گھر باضابطہ آمد و رفت شروع ہو گئی، کبھی آپ خود پایل تشریف لے جاتے اور کبھی حضرت شیخ کمال اپنے اہل و عیال کے ساتھ سرہند تشریف لاتے، آپ کو حضرت شاہ کمال سے جو فیوض و برکات حاصل ہوئے اس کی طرف مختصراً اشارہ محمد ہاشم کشمی نے اپنی تصنیف ''زبدۃ المقامات'' میں ان لفظوں میں کیا ہے۔

''بالجملہ حضرت اورا فوائد بے شمار از مجالست و مصاحبت شیخ کمال نصیب روزگار آمد و غرائب معاملات و خارق عادات از و معائنہ نمود ایں جا باں قدر کہ از لسان گوہر بار حضرت ایشاں قدس سرہ و مخدوم زادہائے کبار عالی شان دامت برکاتہم مسموع گردیدہ قلم را از زبان اظہار کشودہ می آید''۔

(زبدۃ المقامات ص ۱۰۵)

حضرت شیخ عبدالاحد کی نسبت قادریت قوی تر تھی کیوں کہ یہ نسبت آپ کو دو وجہوں سے حاصل تھی، آپ کی ان دونوں نسبتوں کا ذکر صاحب " اشجار الخلد" محمد اعظم دیدہ مری نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''شیخ عبدالاحد و آنجناب را ایں نسبت (قادریہ) از دو جا رسیدہ۔ یکے از حضرت شیخ رکن الدین فرزند خلیفہ شیخ اجل و اعظم مسلم الثبوت عرفائے عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی کہ اجلہ مشائخ ہند بود و بملازمت ایشاں ہم مکرر رسیدند، دوم حضرت بابرکت شاہ اہل حال حضرت سید کمال قادری

''۔(اشجار الخلد (بیان ذکر سلسلہ عالیہ نادرہ فاخرہ قادریہ)

سطور بالا میں سلسلہ قادریہ کی جن دونسبتوں کا ذکر ہوا ہے یہی دونسبتیں آپ کے واسطے سے آپ کے فرزند و جانشین امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو حاصل تھیں۔ والد ماجد کی اس نسبت قادری سے شیخ مجدد الف ثانی کو باطنی کمالات حاصل ہوئے، جس کا ذکر خود مجدد الف ثانی نے اپنے رسالہ ''مبدء ومعاد'' میں کیا ہے فرماتے ہیں۔

''ایں درویش را مائیہ نسبت فردیت کہ عروج اخیر مخصوص بآں است از پدر بزرگوار خود حاصل شدہ و پدر بزرگوار او را از عزیزے کہ جذب قوی داشتند وبخوارق مشہور بودند بدست آمدہ''۔(مبدء ومعاد ص ۵)

(اس فقیر کو نسبت فردیت اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی اور انھیں ایک ایسے عزیز سے حاصل ہوئی جو جذب قوی رکھتے اور خوارق میں مشہور تھے۔)

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی باطنی تربیت والد ماجد ہی کی زیر نگرانی ہوئی، راہ سلوک انھوں نے سلسلہ قادریہ کے مطابق ہی طے کیا۔بعض مورخین وتذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ باب ولایت میں جو شہرت اور عظمت آپ کے حصہ میں آئی اس میں صرف قادری فیضان کا اثر ہے۔لیکن جب سے انھوں نے اپنے زمانے کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں چلہ فرمایا تو پوری طرح رنگ نقشبندیت میں رنگ گئے اور عمر بھر یہی رنگ آپ پر غالب رہا اور پھر ارباب عقیدت میں ایک نقش بندی بزرگ کی حیثیت سے متعارف ہو گئے۔اگر چہ آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم ترین بزرگ کی حیثیت سے شہرت ملی لیکن خلق خدا میں مقبولیت اور عظمت و برتری جو سلسلہ قادریہ کے باعث آپ کو حاصل ہوئی اس سے بھی انکار ممکن نہیں۔

حضرت شاہ کمال قادری کے فیضان و کرم کا جب دریا رواں تھا اس وقت مجدد الف ثانی عہد طفولیت کے مراحل طے کر رہے تھے۔حضرت شاہ کمال اور حضرت شیخ عبد الاحد سے گھریلو مراسم تھے، بار بار کا آنا جانا تھا۔اسی آمد ورفت کے دوران حضرت شاہ کمال نے مجدد الف ثانی کو بچپن میں ہی دیکھ کر تاڑ لیا تھا کہ یہ بچہ اپنے زمانے کا ''مجدد'' ہوگا

اوراس کی ذات سے کفر ولادینیت کا قلع وقمع ہوگا اور مذہب اسلام کا پرچم بلند سے بلند تر ہوگا۔جب حضرت شاہ کمال قادری کے وصال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے نبیرہ حضرت شاہ سکندر قادری کو اپنا خرقہ عنایت کر کے فرمایا کہ اسے شیخ احمد سر ہندی (مجدد الف ثانی) تک پہنچا دینا۔حضرت شاہ سکندر بالکل نہیں چاہتے تھے کہ یہ خرقہ جو ایک لازوال دولت ہے میرے گھر سے باہر جائے مگر شاہ کمال قادری کا حکم ہی نہیں بلکہ اصرار تھا اس لیے پہنچانا بھی ضروری تھا۔چنانچہ حضرت شاہ سکندر وہ مقدس خرقہ لے کر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سر ہندی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس وقت وہ اپنے اصحاب کے ساتھ مراقبے میں تھے آنکھیں بند تھیں۔حضرت شاہ سکندر نے حضرت شاہ کمال کیتھلی کا عطا کردہ خرقہ قادریہ ان کے دوش مبارک پر رکھا جب انھوں نے آنکھیں کھولیں تو حضرت شاہ سکندر نے متواضعانہ معانقہ کیا اور فرمانے لگے۔

جدامجد کا اصرار تھا کہ یہ خرقہ میں آپ تک پہنچاؤں لیکن میرے لیے ایک مشکل مسئلہ یہ تھا کہ اس مبارک خرقہ کو میں کس طرح اپنے گھر سے باہر نکالوں پھر کسی اور تک پہنچاؤں ؟ مگر چوں کہ جدامجد کا حکم اور اصرار تھا اس لیے اسے آپ کی بارگاہ تک پہنچانا میرے لیے لازم اور ضروری تھا۔شیخ احمد سر ہندی نے جب وہ خرقہ زیب تن کیا تو فوراً ہی گھر کے اندر تشریف لے گیے اور تھوڑی دیر بعد جب گھر کے اندر سے واپسی ہوئی تو اس دوران جن کیفیات سے آپ دو چار ہوئے اس کا ذکر انھوں نے اپنے احباب سے ان لفظوں میں کیا ہے۔

جیسے ہی میں نے وہ خرقہ پہنا کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ الجن والانس حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی حضرت شاہ کمال قادری سمیت تمام خلفا کے ہمراہ جلوہ افروز ہوئے اور انھوں نے میرا دل اپنے قبضۂ تصرف میں کرلیا اور نسبت خاص سے میرا دل منور ومجلی فرمادیا پھر تھوڑی دیر کے لیے میں انوار وتجلیات کے سمندر میں غرق ہوگیا، چند لمحات گزرے ہی تھے دفعتاً میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ تو تو اکابر نقش بندیہ کا پروردہ ہے، تیری نسبت تو ان بزرگوں سے ہے پھر اب یہ کیسی نسبت ہے؟ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ عبد

الخالق غجدوانی اور حضرت خواجہ باقی باللہ تمام اکابر مشائخ نقشبندیہ کے ہمراہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے تو تو میرا پروردہ ہے اور ہماری تربیت سے ہی تو اس کمال تک پہنچا ہے، تمھارا اکابر قادریہ سے کیا واسطہ؟ جب مشائخ قادریہ نے یہ جملہ سنا تو فرمانے لگے:

''درطفولیت مارا باونظرے بود وچاشنی از خوان نعمت مار بوده واکنوں نیز خرقہ ماپوشیدہ''۔(زبدۃ المقامات ص ۱۳۵)

(بچپن سے ہی میری نظران پرتھی انھوں نے ہمارے دسترخوان سے چکھا بھی ہے۔اب خرقہ قادریت سے سرفراز کیا جارہا ہے)

پھر مشائخ کبرویہ اور اکابر چشتیہ کی دو الگ الگ جماعتیں حاضر ہوئیں۔انھوں نے ان مشائخ کے درمیان مصالحت کرائی۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی زیادہ توجہ سلسلہ نقشبندیہ کی نشر واشاعت کی طرف رہی لیکن آپ نے سلسلہ قادریہ میں بھی لوگوں کو مرید کیا ہے اور خلافت بھی دی ہے۔سلسلہ قادریہ کا جو فیضان آپ کی ذات سے جاری ہوا ہے وہ ''سلسلہ عالیہ قادریہ مجددیہ'' کہلایا۔سلسلہ مجددیہ،سلسلہ عالیہ قادریہ کی باضابطہ ایک شاخ کی حیثیت سے رائج ہے اور بڑے بڑے علماء ومشائخ اس سلسلے سے وابستہ ہوکر اشاعت دین حق میں سرگرم عمل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو سلسلہ نقش بندیہ کے تعلق سے جو عزت وشہرت ملی وہ ظاہر ہے لیکن نسبت قادری کا جو فیضان آپ کو حاصل رہا اور اس کے سبب جو آپ نے عروج وارتقا کے مراحل طے فرمائے وہ بھی بیان سے باہر ہے۔'' اشجار الخلد" کے مصنف لکھتے ہیں۔

''حضرت مجدد الف ثانی از نسبت قدیمہ قادریہ عروج کند''(اشجار الخلد قلمی)

حضرت مجدد الف ثانی کو سلسلہ قادریہ کی قدیمی نسبت کے سبب ترقی ملی) اس کا اعتراف خود شیخ احمد سرہندی نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''دریں عروج اخیر کہ عروج در مقامات اصل است مدد از روحانیت حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبد القادر بود قدس اللہ سرہ الاقدس

وبقوت تصرف ازاں مقامات گزرانیدہ باصل الاصول واصل گردانیدہ"۔

(مبدءومعاد ص۵)

حضرت شیخ عبدالاحد کو علوم عقلیہ ونقلیہ دونوں میں بڑی مہارت تھی، فقہ، اصول فقہ اور فن تصوف سے خصوصی لگاؤ تھا، آپ کی تصانیف میں "کنوز الحقائق" اور "اسرار التشهد" نامی ایک رسالہ کا پتا چلتا ہے۔(الاعلام جلد۵ص۲۱۱)

آپ چوں کہ علم وفضل میں یگانۂ روزگار تھے، اس لیے طالبان علوم وفنون کی آپ کی بارگاہ میں ہمیشہ بھیڑ لگی رہتی تھی، بڑے بڑے اکابر علماء کو آپ کے شرف تلمذ پر ناز تھا، تصوف سے خصوصی دلچسپی کی بنیاد پر "عوارف المعارف "اور "فصوص الحکم" کا درس انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ دیا کرتے تھے اور اس درس تصوف کو سننے کے لیے دور دور سے لوگ کثیر تعداد میں آیا کرتے تھے۔علما وفقرا دونوں کے پیشوا شیخ میرک ہروی (وفات ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ء) جو شہزادہ داراشکوہ کے استاد تھے علم ظاہری وباطنی میں حضرت مخدوم ہی کے شاگرد تھے۔

شیخ عبدالاحد کو سنت نبویہ کا حد درجہ خیال رہتا تھا کوشش یہ ہوتی کہ سرکار دوعالم ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل ہو، سنن عادیہ میں کسی سنت کو ترک نہ فرماتے تھے، لباس میں بھی آنحضرت ﷺ کی متابعت کرتے، یہاں تک کہ آپ کا معمول تہہ بند باندھنے کا تھا، نعلین ذوقبالین (دوتسمہ والے جوتے) پہنتے، عبادات مسنونہ کے بعد ادعیہ ماثورہ اور بعض اوراد وظائف بھی پڑھا کرتے تھے۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ کئی بار صادر ہوا" بات وہی جو شیخ بزرگوار نے فرمائی تھی" آپ کے فرزند مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اس وقت آپ کے پاس موجود تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے یہ سمجھا کہ آپ کی مراد شیخ ابن العربی سے ہے اس لیے میں نے یہ کہا شیخ ابن العربی نے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں! ہمارے شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے میں نے دریافت کیا وہ کون سی بات ہے؟ کچھ دیر خاموشی کے بعد فرمایا وہ بات یہ ہے۔

''درحقیقت حق سبحانہ تعالیٰ ہستی مطلق ہے لیکن لباس کونیہ کی خاک مجوبوں کی آنکھ میں ڈال کرانھیں دور و مجور رکھتا ہے''

اس کے بعد میں نے عرض کیا حضور مجھ کو کسی امر کی رہنمائی فرمائیں اور کچھ وصیت کیجئے کہ جس پر عمل کرتا رہوں فرمایا:

''پس تمھیں بھی اسی بات کی وصیت کرتا ہوں'' (حضرت مجددالف ثانی ص ۵۴)

اسّی سال کی عمر میں ۱۷؍رجب المرجب ۱۰۰۷ھ/۱۵۹۸ء) کو وصال فرمایا۔ بعض سوانح نگاروں نے ۲۷؍ربیع الآخر ۱۰۰۷ھ تاریخ وفات لکھی ہے۔مزار اقدس شہر سرہند سے جانب شمال تقریباً ایک میل کی دوری پر واقع ہے۔سنہ وفات کے تعلق سے حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب" مقامات خیر "میں درج ذیل قطعہ تاریخ وصال لکھا ہے۔

آں شیخ کہ بود اعلم اندر ہر فن　　جانش گہرے سرّ ازل را معدن

چوں شیخ زمانہ بود در علم وعمل　　تاریخ وصال آں بگو'' شیخ زمن''

(۱۰۰۷ھ)

(خزینۃ الاصفیا جلد ا ص ۱۴۷)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سید محمد فاضل قادری خانیار، سری نگر

علیہ الرحمۃ والرضوان

کشمیر ہندوستان کا ایک ایسا خوبصورت صوبہ ہے جو اپنی خوبصورتی کی بنیاد پر پوری دنیا میں ضرب المثل ہے۔اس صوبہ کی اسی خوبصورتی کی بنیاد پر''جنت نظیر'' کہا گیا ہے جس کا اظہار ارباب شعروادب نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

اگر فردوس بر روئے زمین است

ہمیں است وہمیں است وہمیں است

اس صوبہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ طوفان نوح اس شہر پر پہلے ہندو راجہ قابض تھے، پھر برسوں بعد یہ شہر مسلمانوں کے زیر نگیں آیا۔ ۷۵۳ھ میں یہ شہر سلطان شمس الدین التمش کے ہاتھوں فتح ہوا۔لیکن باضابطہ چودھویں صدی عیسوی میں حضرت عبدالرحمٰن بلبل شاہ علیہ الرحمۃ کے ہاتھوں اس صوبہ میں اسلام کی داغ بیل اس وقت پڑی جب رنچن شاہ اپنے عمائدین حکومت کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوا۔حضرت بلبل شاہ کے بعد کشمیر میں مشائخ اسلام کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا جو سیاحت نہیں بلکہ اشاعت دین حق کی غرض سے کشمیر آئے،حضرت بلبل شاہ (وفات ۷۲۷ھ) پھر حضرت میر سید علی ہمدانی (وفات ۷۸۶ھ) اور سید محمد رفاعی قادری نے آکر اسلام کو کشمیر کے چپہ چپہ میں پھیلا دیا۔ان تمام نفوس قدسیہ نے اشاعت اسلام کے لئے انتھک کوششیں کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام تو عوام شاہان وقت کے دلوں میں بھی اسلام کی ایسی محبت رچ بس گئی کہ وہ اپنا قدیمی مذہب چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور چودھویں صدی آتے آتے باقاعدہ چھ سلاسل کشمیر کی سرزمین پر پائے جانے لگے،قادریہ،سہروردیہ، کبرویہ،نقشبندیہ،نوربخشیہ،اوررشی سلسلہ،اول الذکر پانچ سلاسل تو ایران وترکستان سے کشمیر میں پہنچے مگر موخرالذکر سلسلہ رشی یہ کشمیر ہی کی پیداوار ہے اس سلسلہ کا خمیر یہیں تیار ہوا اور شیخ العالم نورالدین ریشی نے اس کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔

کشمیر کی سرزمین پر جب صوفیاء ومشائخ کی آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہوا تو دیگر سلاسل کے مشائخ کے ساتھ سلسلہ قادریہ کے مشائخ بھی کشمیر کی سرزمین پر جلوہ بار ہوئے، بطور خاص ایرانی مشائخ کی آمد اور یہاں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے دیگر سلاسل کی طرح سلسلہ قادریہ بھی جگہ جگہ پھیلا لیکن اس سرزمین پر سلسلہ قادریہ کی اشاعت اور شہرت سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی (وفات ۱۰۵۲ھ) کے تلامذہ اور فیض یافتگان سے زیادہ ہوئی سب سے پہلے جس قادری شیخ نے اس سرزمین پر سلسلہ کی اشاعت میں کلیدی کردار ادا کیا وہ شیخ اسماعیل شامی ہیں انھوں نے بہت سے لوگوں کو اپنے کردار سے اپنا گرویدہ بنایا بقول سید محمد فاروق:

''علامہ داؤد خاکی بھی ان کے عقیدت مندوں میں سے تھے بلکہ انھوں نے اپنی اولاد کو بھی انھی کے آغوش تربیت کے سپرد کردی تھی ان کے بعد سید نعمت اللہ حصاری، میر نازک نیازی، سید ابوالحسن قادری پشاوری، اور سید محمد فاضل سخی نے یہ مشعل فروزاں رکھی تھی۔متاخرین میں الحاج میر سید محمد قاسم منطقی (وفات ۱۳۲۴ھ) اوران کے برادرزادا اور جانشین میر شاہ عبداللہ صاحب قادری (وفات ۱۳۸۹ھ) نے اس سلسلے کی آبیاری کرنے میں شہرت اورناموری حاصل کی، میر شاہ عبداللہ نے کشمیری زبان میں شروح وتراجم کا سلسلہ شروع کیا۔جس نے طالبین کی بڑی علمی معاونت کی ان میں ملفوظات وخطبات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حصن حصین، اور بعض دوسرے اوراد ووظائف کے کشمیری تراجم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔(ہمارا ادب اولیاء نمبر (۱) ص ۳۵)

کشمیر میں سلسلہ قادریہ کی آمد کا آغاز دسویں صدی ہجری سے ماننا چاہئے جب حضرت اسماعیل شامی کئی ملکوں کی سیاحت کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور کشمیر جنت نظیر کو اپنا وطن بنایا۔اس وقت بابا داؤد خاکی کشمیر میں جلوہ فگن تھے دونوں نے ایک دوسرے کو اجازت وخلافت سے ہمکنار کیا۔سید اسماعیل شامی زہد وتقویٰ اور ورع وریاضت اور کشف وکرامت میں طاق تھے، اسی وجہ سے بعض لوگوں نے انھیں ہندوستان میں نائب محی الدین جیلانی کے لقب سے یاد کیا ہے صاحب'' روضۃ الابرار '' نے لکھا ہے۔

سید پاکباز و پاک نہاد ذوالکمالات وصاحب ارشاد
کاشف راز ہائے پنہانی نائب محی الدین جیلانی

(روضۃ الابرار، محمد الدین قادری ص ۲۱ جہلم ۱۳۰۲ھ)

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شاہ نعمت اللہ قادری جن کی پیشین گوئیاں بہت مشہور ہیں ان کی ذات ستودہ صفات سے کشمیر میں سلسلہ قادریہ کا فروغ ہوا۔اگر چہ سید محمد رفاعی جنھیں قادریہ نسبت حاصل تھی بہت پہلے وہ کشمیر کی سرزمین پر اپنا قدم رکھ چکے تھے لیکن شاہ

نعمت اللہ قادری کی ذات سے سلسلہ کی نشر واشاعت کثرت سے ہوئی صاحب" تاریخ کشمیر اعظمی " لکھتے ہیں۔

''شاہ نعمت اللہ از اجلہ حضرات قادریہ بود در علم ظاہر و باطن امتیاز تام از اقران داشتہ''۔

(تاریخ کشمیر اعظمی، محمد اعظم دیدہ مری ص۲۰۴ لاہور۱۱۶۵ھ)

حضرت شاہ نعمت اللہ قادری حضرت غوث اعظم کی اولاد میں سے تھےاور آستانہ عالیہ قادریہ بغداد کے سجادہ نشین حضرت شاہ محمد درویش قادری کے مرید وخلیفہ تھے۔غالب گمان یہی ہے کہ دسویں صدی ہجری کے نصف آخر میں چک عہد حکومت میں کشمیر میں آئے ۔کشمیر کی سرزمین پر سلسلہ قادریہ کے ۳۸؍مشائخ کا پتا چلتا ہے لیکن جن کی کوششوں سے سلسلہ کا فیضان پورے خطہ ٔ کشمیر میں عام وتام ہوا ان میں بابا داؤد خاکی (وفات ۹۹۴ھ)سید میرک اندرابی (وفات ۹۹۰ھ)سید میر نازک قادری (وفات ۱۰۲۲ھ) شاہ قاسم حقانی (وفات ۱۰۳۳ھ) حضرت خواجہ داؤد مشکوٰتی (وفات ۱۰۹۷ھ)میر سید ہاشم قادری (وفات ۱۰۹۷ھ)اور سید محمد فاضل (وفات ۱۱۱۸ھ)حضرت سید میر یوسف قادری (وفات ۱۶۱۷ء)حضرت شیخ اسماعیل قادری (وفات ۱۶۱۷ء)حضرت شاہ نعمت اللہ قادری (وفات ۱۶۱۹ء) حضرت باباحاجہ کانجو قادری (وفات ۱۶۵۷ء) حضرت میر محمد علی قادری (وفات ۱۶۵۹ء) حضرت شاہ ابوالحسن قادری (وفات ۱۷۰۳ء) حضرت شاہ محمد قادری (وفات ۱۷۰۵ء) حضرت باباعثمان قادری (وفات ۱۷۰۵ء) حضرت شیخ عبدالرشید چکن پوش (وفات ۱۷۰۷ء) حضرت بابا اسماعیل قادری (وفات ۱۱۱۹ھ) حضرت میر ابوالفتح قادری (وفات ۱۷۱۳ء) حضرت شیخ عبدالرحیم قادری ۱۷۱۳ء) حضرت شیخ عبداللطیف قادری (وفات ۱۷۲۱ء) حضرت میر محمد ہاشم گیلانی (وفات ۱۷۲۲ء)حضرت میر شرف الدین قادری (وفات ۱۱۳۵ھ)حضرت شاہ ابوالبقا قادری (وفات ۱۷۲۳ء)حضرت میر ضیاء الدین قادری (وفات ۱۷۲۸ء) حضرت شیخ محمد فاضل زونمیری (وفات ۱۷۳۸ء) حضرت بابا محمود قادری (وفات ۱۷۶۶ء) حضرت میر محی الدین قادری (وفات ۱۷۹۶ء)

حضرت میر نظام الدین قادری (وفات ۱۸۰۰ء) حضرت میر عبداللہ منطقی قادری (وفات ۱۸۱۰ء) حضرت سید بزرگ شاہ قادری (وفات ۱۸۱۶ء) حضرت شاہ عبدالرحمٰن قادری (وفات ۱۸۱۷ء) حضرت سید حسن شاہ قادری (وفات ۱۸۲۵ء) حضرت میر لطیف اللہ قادری (وفات ۱۸۵۳ء) حضرت میر ضیاء الدین قادری (وفات ۱۸۵۷ء) حضرت میر حسن قادری (فات ۱۸۸۲ء) حضرت میر یامین قادری (وفات ۱۸۸۷ء) حضرت حافظ عنایت اللہ قادری کے اسماء بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں صرف ان دو شخصیتوں کا ذکر تفصیل سے کیا جارہا ہے کشمیر کی سرزمین پر فیضان قادریت کو عام وتام کرنے میں جن کا کلیدی کردار رہا ہے۔

حضرت شاہ محمد فاضل کا نسبی تعلق سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان سے ہے۔''ذکر الصالحین'' کے مصنف محمد شاہ نوہٹہ نے شاہ محمد غوث لاہوری کے''رسالہ غوثیہ'' کے حوالہ سے سلسلہ نسب بدیں طور درج کیا ہے۔

> ''شاہ محمد فاضل قادری بن سید عبداللہ بن سید محمود بن سید عبدالقادر گیلانی بن سید عبدالباسط بن سید حسین بن سید حسن بن قطب العالم سید احمد بن سید شرف الدین بن سید قاسم بن سید شرف الدین یحییٰ بن سید بدرالدین بن حسن بن شمس الدین بن محمد سید شرف الدین بن شہاب الدین احمد بن سید عمادالدین بن سید ابی صالح نصر بن قطب الاآفاق سید عبدالرزاق بن حضرت غوث العالمین قطب المتقین محی الدین ابو محمد سلطان سید شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ''۔
>
> (تحفۃ الابرار، مرزا آفتاب بیگ ص ۸۴ دہلی ۱۳۳۳ھ)

اس شجرۂ نسب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ محمد فاضل حضرت شاہ محمد قادری کے بھائی تھے۔لیکن" تذکرہ اولیائے کشمیر" کے مصنف نے جونسب نامہ دیا ہے وہ اس سے قطعی مختلف ہے جو" تحفۃ الابرار" کے مصنف نے حضرت شاہ محمد فاضل کو حضرت شاہ ابوالحسن قادری کا بھائی بتایا ہے۔لیکن جونسب نامہ حضرت شاہ ابوالحسن کے

تذکرہ میں دیا ہے وہ انتہائی ناقص ہے شروع کے اکثر نام شجرہ نسب سے غائب ہیں۔

حضرت شاہ محمد فاضل قادری ۱۰۹۲ھ/۱۶۸۱ء میں کشمیر تشریف لائے متوکلانہ زندگی بسر کرنے کے خوگر تھے جو کچھ نذر و نیاز کے نام پر ملتا اسے اپنے اوپر خرچ کے بجائے خاندان کے دیگر افراد پر خرچ کیا کرتے تھے۔مصنف" تحفۃ الابرار" کے مطابق تقریباً خاندان کے سو افراد ایسے تھے جن کی آپ کفالت کیا کرتے تھے،آپ کی متوکلانہ زندگی کے تعلق سے" روضۃ الابرار "کے مصنف نے لکھا ہے۔

''مقتدائے اہل توکل بود وصد کس از اہل وعیال خادمان ومسافراں در ظل عاطفش گزران می کرد و ہر چہ می آمد برایشاں صرف می نمود از ذخیرہ کردن بالکل مجتنب بود'' (روضۃ الابرار،محمد الدین قادری ص ۲۵ جہلم ۱۳۰۲ھ)

(وہ متوکلین کے سردار تھے تقریباً سو لوگ ایسے تھے جن کی تربیت آپ کے زیر سایہ ہوتی تھی، جو کچھ آمد ہوتی تھی انھیں پر خرچ ہوتا تھا ذخیرہ اندوزی کے آپ قطعی مخالف تھے)

اپنے خاندان و دیگر ضرورت مندوں پر اس طرح دل کھول کر خرچ کرتے تھے کہ بسا اوقات قرض دار ہونے کی نوبت آجایا کرتی تھی۔آپ نے اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ بھی نہیں اکٹھا کیا، جو کچھ آیا سب ضرورت مندوں پر خرچ ہو گیا۔" تاریخ کشمیر اعظمی "کے مصنف لکھتے ہیں۔

''مقتدائے ارباب توکل بود کہ از صد تا ہزار ہر چہ می رسد در ہماں زماں بحاضراں می رسانید وگاہے باوجود مدیونی واحتیاج عسرت اولاد وازواج چیزے ذخیرہ نکرد''۔

(تاریخ کشمیر اعظمی،خواجہ محمد اعظم دیدہ مری ص ۲۰۱ لاہور ۱۱۶۵ھ)

آپ بڑی ہی عجیب وغریب شخصیت کے مالک تھے۔آپ کی شخصیت عوام وخواص دونوں کی سمجھ سے بالاتر تھی خود ہی فرماتے ہیں۔

''وقتے مرا آں حال می بود کہ باوجود پیری در صورت طفل رضیع کہ

بردست ہا بردارند ظاہر می شدم وباز بوجود اول معاودت می کردم وگاہے در ایام زمستان در آب بدعوات مشغول می گشتم وآں جامہ ہائے تر بر بدن خشک می نمودم ومجرد براہ ہولناک می رفتم''۔

(تحائف الابرار، حاجی محمد محی الدین مسکین،ص۶۴،امرتسر۱۳۲۲ھ)

(کبھی ایسا ہوتا کہ بڑھاپے کے باوجود ایک دودھ پیتے بچے کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا اور کبھی جاڑے کے موسم میں پانی میں گھس کر دعا میں مشغول ہوجاتا اور اس بھیگے کپڑے کو بدن پر ہی خشک کرتا اور تن تنہا خطرناک راستے پر سفر کرتا)

۱۰۹۲ھ/۱۶۸۱ء میں عقد فرما کر ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ ۹/جمادی الاولیٰ ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء کو وصال ہوا محلّہ خانیار کشمیر میں آرام گزیں ہوئے۔ بہت بافیض دربار ہے۔ معتقدین ومتوصلین کا آپ کے دربار میں ہمیشہ ہجوم رہتا ہے۔راقم السطور کو بھی کئی بار زیارت کا شرف حاصل ہوچکا ہے۔کسی نے آپ کی تاریخ سنہ رحلت اس طرح لکھی ہے۔

زدہ سر زآسماں ہاتف بگفتا ''بگو سید محمد فاضل ما''

۱۱۱۸ء

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت بابا داؤد خاکی انت ناگ، کشمیر

علیہ الرحمۃ والرضوان

کشمیر میں سلسلہ قادریہ کے جن مشائخ کرام نے شہرت ومقبولیت کے ساتھ اپنی علمی وفنی صلاحیتوں سے ایک عالم کو متاثر کیا ان میں حضرت بابا داؤد خاکی کا نام سرفہرست ہے،آپ محلّہ کلاش پوری سری نگر کے گنائی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔اسی خاندان میں ۹۰۸ھ/۱۵۰۲ء میں ولادت ہوئی۔خاندانی رشتہ حضرت عاصم بن امیر المؤمنین خلیفہ دوئم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مربوط ہے۔

حضرت بابا داؤد خاکی غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے۔عہد طفولیت ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، یتیمی کے عالم میں بچپن گزارا، جب باشعور ہوئے تو تحصیل علم کی طرف رغبت ہوئی۔جن اساتذہ کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا، انھوں نے آپ کو صرف زیور علم سے ہی آراستہ نہیں کیا بلکہ ایسی تربیت فرمائی کہ آپ گوناگوں صلاحیتوں کے باعث جلد ہی اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوگئے۔ایسے اساتذہ میں ملابصیر، ملارضی اور شمس الدین پال جیسے ارباب علم وفضل کا نام نامی اسم گرامی قابل ذکر ہے۔

ظاہری علوم سے آراستہ ہونے کے بعد بابا داؤد خاکی کو باطنی علوم حاصل کرنے کی فکر ہوئی۔محبوب العالم شیخ حمزہ (وفات ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء) کی بارگاہ تک کسی طرح رسائی ہوئی، ان کی گفتگو سے آپ اس درجہ متاثر ہوئے کہ پھر ہمیشہ کے لیے انھی کے ہوکر رہ گئے، شرف بیعت وارادت حاصل کیا، سلوک کی منزلیں طے کیں اور پھر شیخ نے آپ کی ایسی تربیت فرمائی کہ

''از غایت عشق ومحبت شیخ بمراتب فنافی الشیخ رسید وتارک الدنیا گشت''۔

(خزینۃ الاصفیا ص ۲۵۷)

شیخ کے الطاف کریمانہ سے فنافی الشیخ کے منصب تک پہنچ گئے اور تارک الدنیا ہوگئے اور صرف یہی نہیں بلکہ تمام دنیاوی جاہ وحشم مال ومتاع اور اسباب عیش وعشرت سے بالکل لاتعلق ہوگیے۔مزاج میں حد درجہ انکساری آگئی، بدن میں چمڑے کا لباس، سر پر چمڑے کی ٹوپی اور پاؤں میں گھاس کے جوتے پہن کر اپنے شیخ کی سواری کے آگے چل کر چوبداری کا فریضہ انجام دینے لگے۔اس طرح آپ نے اپنا ننگ وناموس اور خودی وانانیت کو چکنا چور کر کے خاک میں ملا دیا۔اسی مناسبت سے آپ کو''خاکی'' کہا جاتا ہے۔ اس نام سے آپ کو اتنی شہرت حاصل ملی کہ لوگ آپ کا اصل نام بھول گئے۔

بابا داؤد خاکی نے شیخ حمزہ کے علاوہ میر سید احمد کرمانی، مولانا شیخ محمد مخدوم قادری ،اور میر سید اسماعیل شامی قادری سے سلسلہ قادریہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔صاحب'' روضۃ الابرار'' لکھتے ہیں۔

''بابا داؤد خاکی کہ از نجبائے کشمیر بود، دست ارادت بدامان شیخ مخدوم حمزہ زوجہ بدرجہ اعلیٰ رسید گویند کہ بمرتبہ فنافی الشیخ واصل شدہ وسوائے ایشاں از سید احمد کرمانی مخدوم وسید اسماعیل ہم استفادہ نمود''۔

(روضۃ الابرار ص۴۳)

بابا داؤد خاکی نے بڑی مجاہدانہ ومتوکلانہ زندگی بسر کی ہے، خلوت میں آبادی سے دور آپ نے کئی ایک چلے کیے ہیں، حضرت خضر علیہ السلام سے بھی آپ کی ملاقات تھی، پانی کے چشموں کے تمام آپ کے موکل معتقدین میں سے تھے، یہ موکل آپ کے دامن عقیدت سے کس طرح وابستہ ہوئے اس کی تفصیل صاحب" تذکرہ اولیائے کشمیر" نے یہ لکھی ہے۔

''ایک دن آپ نماز تہجد کے غسل کے لیے چشمہ پر نکلے تھے، چشمہ کے بیچ میں ایک آدمی کو کپڑے پہنے ہوئے کھڑا دیکھا تو ڈر گیے کہ بھوت ہے ۔ڈرنے کے باجود پھر بھی خدا کے بھروسے چشمہ پر گیے ۔دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں، سلام کے بعد آپس میں پیار ومحبت کی باتیں ہوئیں اور فرمایا آج سے جہاں تم جاؤ گے چشموں کے موکل تمہارے استقبال کو آئیں گے، اور مرید بنیں گے''۔(تذکرہ اولیائے کشمیر ص۱۲۶)

ظاہری علوم وفنون میں بابا داؤد خاکی اپنے وقت کے امام اعظم تھے، مسائل شرعیہ بالخصوص مسائل اجتہاد پر آپ کی گہری نظر تھی، اسی وجہ سے آپ کو''ابو حنیفہ ثانی'' کہا جاتا ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اجرا میں از حد کوشش فرماتے اس سلسلے میں رشید تاثر لکھتے ہیں۔

''علم وفضل اور مسائل دینی میں اجتہاد، سخت ریاضت، تحقیق، جد وجہد، غور وفکر سے نئے انکشاف اور نئی باتیں پیدا کرنے اور حقائق تلاش کرنے میں ید طولیٰ کے امیر زماں تسلیم کیے گئے۔اس نسبت سے آپ کو بالخصوص فرزندان کشمیر اور بالعموم اسلامیان عالم آپ کو''ابو حنیفہ ثانی'' کے لقب

سے پکارتے ہیں''۔(ہمارا ادب اولیا نمبر(۱)ص ۷۶)

حضرت بابا داؤد خاکی صرف دنیائے روحانیت کے ہی تاجدار نہیں تھے، بلکہ دنیائے علم وفضل میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا،طبیعت بھی بڑی موزوں پائی تھی۔مولانا عبدالحئی رائے بریلوی نے بھی''احد رجال العلم والطریقۃ"(الاعلام جلد۴ص ۹۷) لکھ کر آپ کو علم ظاہری (شریعت) اور علم باطنی (طریقت) دونوں میں یگانہ قرار دیا ہے۔ آپ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف صاحب" تذکرہ شعرائے کشمیر" نے''مرد دانشمند شاعر توانائی بود''۔(تذکرہ شعرائے کشمیر ص ۷۶) لکھ کر کیا ہے۔شعروسخن میں آپ کو کس درجہ کمال حاصل تھا،اس کا اندازہ ذیل کے متصوفانہ شعر سے لگایا جا سکتا ہے۔

چلہ گمرہ تر کند بے پیر را گفتند زاں
کار یک صحبت بہ پیری بہتر از صد چلہ است

حضرت بابا داؤد خاکی اعلیٰ درجہ کے مصنف بھی تھے۔ہزاروں صفحات پر نثر ونظم میں آپ کے نادر خیالات اور بلند افکار پائے جاتے ہیں۔درج ذیل کتابیں آپ سے یادگار ہیں۔

۱۔وردالمریدین ۲۔دستورالسالکین ۳۔مجمع الفوائد
۴۔قصیدۂ ضروریہ ۵۔قصیدۂ لائیہ ۶۔قصیدۂ غسلیہ

۳؍ماہ صفرالمظفر ۹۹۴ھ؍۱۵۸۵ء کو وصال ہوا''خیر مقدم''اور''روئے جنت بدید شیخ امم'' تاریخ سنہ رحلت ہے۔مفتی غلام سرور لاہوری کے بقول پہلے آپ کے مریدین نے آپ کو''اننت ناگ''(اسلام آباد) کشمیر میں دفن کیا، پھر آپ کے معتقدین نے آپ کی نعش مبارک کو نکال کر آپ کے مرشد برحق کے مزار اقدس کے احاطہ میں دفن کیا۔مفتی غلام سرور نے قطعہ تاریخ وصال اس طرح لکھا ہے۔

زفرش خاک شد بر اوج افلاک چوں آں داؤد خاکی شیخ مسعود
وصالش ہادی دیں شیخ گفتم دگر جستم زحاکم شیخ داؤد
(۹۹۴ھ)

آستانہ عالیہ حضرت شاہ قاسم حقانی بڈگام کشمیر

علیہ الرحمۃ والرضوان

تاریخ کے حوالہ سے یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ اگر چہ کشمیر میں اشاعت اسلام کی ابتدا آٹھویں صدی ہجری میں شروع ہو چکی تھی لیکن زور وشور سے اسلام اس وقت پھیلا جب اس وادی میں امیر کبیر سید علی ہمدانی اپنے رفقا کے ہمراہ تشریف لائے۔ ان حضرات کی شبانہ روز مساعی سے پوری کشمیر وادی میں اسلام کی لہر دوڑ گئی۔ جو صوفیا و شائخ امیر کبیر کے ہمراہ کشمیر تشریف لائے تھے انھیں میں سے حضرت شاہ قاسم حقانی کے دادا میر شمس الدین شامی بھی تھے۔

شاہ قاسم حقانی کے آباواجداد ملک شام کے امرا اور ارباب اقتدار لوگوں میں سے تھے۔ لیکن دولت وثروت اسلام کی خاطر قربان کردی اور وحدہ لاشریک کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بغرض اشاعت اسلام سچے جانباز سپاہی کی حیثیت سے شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی کے ہمراہ کشمیر آ گئے۔ صاحب روضۃ الابرار لکھتے ہیں۔

''شاہ قاسم حقانی از احفاد میر شمس الدین شامی است کہ از امرائے سلاطین شام بود و ترک دنیا کردہ باعلی ثانی کشمیر رسید''۔ (روضۃ الابرار ص ۴۹)

شاہ قاسم حقانی کی ولادت انھیں کے خاندان میں ۲۹ / ماہ رجب ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء کو ہوئی۔ بچپن ہی سے چہرہ مبارک پر بزرگی اور سعادمندی کے آثار نمایاں تھے۔ اور عنفوان شباب ہی سے جبین مقدس سے ولایت کا نور چمکنے لگا اور بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھتے رکھتے دنیاوی امور سے دل میں بیزاری پیدا ہوگئی۔ اپنے ہوش وحواس اور عقل ودانش کو روحانی منازل کے راستے پر گامزن کیا۔ حفظ کلام اللہ کی طرف مائل ہوئے تو چند ہی سالوں میں اس کی تکمیل فرمالی۔ اور اپنی روحانیت کو پردہ میں رکھ کر ایک عام انسان کی طرح

عبادت حق میں سرگرم عمل ہو گئے۔گیارہ سال تک چاشت کے وقت اپنا کھانا فقرا میں تقسیم کیا اور خود روزہ دار رہ کر اپنے مشائخ کے عطا کردہ اوراد و معمولات پر شدت سے عمل پیرا رہے، انھیں ایام میں آپ نے حضرت میر محمد خلیفہ کی خدمت میں حاضری دی اور ان کے فیضان کرم سے درجہ تکمیل کو پہنچے۔پھر آپ کو حضرت شیخ یعقوب صرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کبرویہ سلسلے کا خرقہ بھی نصیب ہوا۔ اور حضرت خواجہ جمال الدین ''دیوانہ'' سے سلسلہ نقشبندیہ کا فیضان ملا۔ جب ساتویں مرتبہ آپ زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت شیخ صبغۃ اللہ مکی نے سلسلہ عشقیہ شاذلیہ سے مشرف فرمایا اور ساتھ ہی ''قدم مبارک'' کا انمول تحفہ بھی عطا کیا۔اس طرح حضرت شاہ قاسم حقانی کو مشائخ عظام نے جملہ سلاسل کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

جس ''قدم مبارک'' کا ذکر سطور بالا میں ہوا اس کے تعلق سے جو تفصیل " انیس الغربا "اور'' تذکرۃ المتقدمین "معرفت الحقانی اور لطائف الحقانی "جو بیان کی گئی ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

حضرت شاہ قاسم حقانی ساتویں سفر حج کے دوران جب مکہ معظّمہ پہنچے تو ایک رات خواب میں سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔خواب ہی میں سرکار دو عالم ﷺ نے آپ سے فرمایا کہ شب معراج ایک پتھر کے ٹکڑے پر میں نے اپنا قدم رکھا تھا جس پر میرے پیر کے نشان بن گئے تھے وہ پتھر شریف مکہ سید صبغۃ اللہ کے پاس موجود ہے وہ میں تمھیں عطا کرتا ہوں۔دوسرے دن جب حضرت شاہ قاسم حقانی نے اپنے خواب کی تفصیل شریف مکہ سید صبغۃ اللہ سے بیان کی تو انھوں نے اس سنگ شریف کی برکت اور سعادت کے پیش نظر اسے دینے سے انکار کر دیا بالآخر اس بات پر فیصلہ ہوا کہ اس تبرک کو مسجد نبوی کے دروازہ پر رکھا جائے جسے سرکار عطا کریں گے وہ لے جائے۔حضرت سید صبغۃ اللہ مکی اور ان کے حمایتیوں نے کافی زور لگا کر اس سنگ شریف کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہے۔سنگ مبارک میں کچھ حرکت ہی نہ ہوئی۔ اور جب حضرت شاہ قاسم حقانی کی باری آئی تو وہ تنہا جا کر اسے آپ نے اپنے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔جب سید صبغۃ اللہ مکی

نے یہ منظر دیکھا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور انھوں نے حضرت شاہ قاسم حقانی کو سلسلہ عشقیہ سے سرفراز کیا اور عکس قدم رسول کا وہ تبرک بھی بخشا۔ اس زمانے کے سلطان بھی شاہی محافظ کی طرح نو منزل تک حضرت کے ہمرکاب تھے۔ جب حضرت اس تبرک کو لے کر کشمیر پہنچے تو کشمیر کے عمائدین واکابرین اور حضرت کے خلفا نے شاندار استقبال کیا اس تبرک کے تین آثار جو معجزات نبوی سے ہیں آج بھی خانقاہ میں پائے جاتے ہیں۔

۱۔ درود پاک کی کثرت کرنے سے اس سنگ مبارک سے جس پر قدم مبارک کے نشان ہیں عرق ٹپکتا ہے جو ایک پیاسے کو سیراب کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

۲۔ اس قدم مبارک کے نشان سے اس قدر خوشبو آتی ہے کہ دنیا کی عطریات اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

۳۔ تیسرا یہ کہ سنگ شریف کا رنگ مائل بہ سرخی ہے اور کمال حضور وشوق سے درود شریف پڑھنے کے وقت اس کا رنگ سبز ہو جاتا ہے۔

یہ نشان قدم مبارک اور اس کے علاوہ جو اور دوسرے تبرکات اس خانقاہ کے زیر اہتمام مقام ''سویہ بگ بڈگام'' میں موجود ہیں ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ قدم رسول مقبول ﷺ

۲۔ موئے مبارک رسول اکرم ﷺ

۳۔ چادر شریف حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنھا

۴۔ موئے مبارک داماد رسول حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم

۵۔ موئے مبارک حضرت پیران پیر دستگیر غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۶۔ کشتی مبارک قطب الاقطاب حضرت خواجہ محی الدین چشتی علیہ الرحمہ

۷۔ خرقہ مبارک محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان

۸۔ عصائے مبارک حضرت شاہ قاسم حقانی علیہ الرحمۃ والرضوان

خانقاہ حقانیہ کے صاحب سجادہ حضرت سید شاہ عزیز اللہ حقانی نے اپنے زمانہ

سجادگی میں اپنے فرزند میر سید شاہ علاء الدین حقانی کو وصیت کی تھی کہ اوران تبرکات کے شایان شان ایک حجرہ ’’سویہ بگ‘‘ میں تعمیر کیا جائے تا کہ ان مقدس تبرکات کو’’نر پرستاں‘‘ سے ’’سویہ بگ‘‘ میں منتقل کیا جا سکے۔

حضرت میر سید علاء الدین حقانی نے ان تبرکات کے رکھنے کے لیے زمین کے اوپر چنار کے ایک پیڑ پر جو’’ حقانی منزل‘‘ کے صحن میں واقع ہے منتخب کیا اور چنار کے درخت پر لکڑی کا صندوق نما حجرہ تعمیر کرایا اوراس میں ان تمام تبرکات کو رکھا گیا۔ راقم السطور نے فروری ۲۰۲۰ء میں چنار کے درخت پر رکھے گئے اس حجرہ کی زیارت کی ہے جس میں تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔ چنار کے درخت قدرتی طور پر نشو ونما پاتے ہیں لیکن یہ دلچسپ کرامت ہے کہ چنار کے جس درخت کے دامن میں تبرکات کا صندوق رکھنے کا شرف حاصل ہے وہ درخت اب بھی اسی حالت میں ہے جس حالت میں اس پر تبرکات کا صندوق رکھا گیا تھا نہ تو اس میں اور شاخیں نکلیں اور نہ ہی قدرتی طور پر اس درخت کی طبعی ساخت میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی۔

حضرت شاہ قاسم حقانی سفر زیارت حرمین شریفین کے دوران ’’اجین‘‘ بھی تشریف لے گئے۔ وہاں حجۃ اللہ ابوالمکارم حضرت شیخ فضل اللہ قادری کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ان دنوں شیخ جنگل میں خلوت گزیں تھے۔حضرت شاہ قاسم حقانی بھی انھیں کے ہمراہ اسی جنگل میں چالیس روز تک معتکف ہوکر عبادت وریاضت میں مصروف رہے۔ جب شیخ کا چلہ ختم ہوا تو انھوں نے اپنی توجہ آپ کی طرف مبذول فرمائی اور زہد وریاضت میں انہاک دیکھ کر سلسلہ قادریہ کی اجازت وخلافت سے آپ کو سرفراز فرمایا اور تبرک کے طور پر حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا جامہ اور شاہ ہمدان میر سید علی ہمدانی کا خرقہ اورایک تسبیح آپ کے سپرد کیا مورخین کے بقول یہ تمام تبرکات آج بھی اس خاندان میں محفوظ ہیں۔ آپ کے پاس متعدد سلاسل کی اجازت وخلافت تھی لیکن آپ نے حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے والہانہ محبت اور عقیدت کی بنیاد پر سلسلہ قادریہ کو رواج بخشا اور ایک عالم کو اس قادری فیضان سے سیراب کیا۔

حضرت شاہ قاسم حقانی کی ملاقات مدینہ منورہ میں حضرت شیخ سلیم چشتی فتح پوری علیہ الرحمہ سے ہوئی تو انھوں نے آپ کو سلسلہ چشتیہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمانے کے بعد حضرت خواجہ معین الحق والدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کی لکیر والی پگڑی جسے کشمیر میں ''لونگی'' کہتے ہیں عطا کی تھی۔ اس طرح آپ سلاسل قادریہ وچشتیہ دونوں کے فیوض وبرکات کے سنگم تھے۔لیکن بیعت وارادت سلسلہ قادریہ میں کرنے کی وجہ سے قادری بزرگ کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

حضرت شاہ قاسم پہلے ملا قاسم اور حاجی قاسم کے نام سے متعارف تھے شاہ قاسم کے نام متعارف ہونے کی وجہ محفل سماع بتائی جاتی ہے۔اس تبدیلیٔ لقب کے سلسلے میں تذکرہ اولیائے کشمیر کے مصنف نے درج ذیل سبب لکھا ہے۔

''شاہ قاسم محفل سماع کے شائق تھے۔ایک مرتبہ میر محمد خلیفہ نے محفل سماع منعقد کی ملا قاسم کو جیسے ہی خبر ملی محفل سماع میں آگئے جوں ہی میر محمد خلیفہ کی نظر آپ پر پڑی تھر تھر کانپنے لگے۔خلیفہ نے شیخ یوسف شوقی کو اشارہ کیا کہ شکار کا وقت ہے یوسف نے ترنم کے ساتھ یہ شعر پڑھنا شروع کیا۔

خنجر کشید بر سر قتلم شتاب چیست   خود کشتہ می شوم ترا اضطراب چیست

یہ شعر سنتے ہی ملا قاسم پر وجد طاری ہوگیا اور مدہوش کر زمین پر گر پڑے۔ جب نماز ظہر کے وقت ہوش میں آئے اور آنکھیں کھولیں تو میر محمد خلیفہ کے قدموں میں گر پڑے، وضو کے لیے پانی لایا گیا، نماز ادا کی گئی۔نماز کی ادائیگی کے بعد خلیفہ نے فرمایا قاسم ''ملا'' رہو گے یا ''شاہ'' آپ نے فرمایا جیسی آپ کی رضا! تو خلیفہ نے فرمایا کہ جاؤ آج سے تم ''شاہ'' ہو جس کسی کو تمھارے پاس بھیجوں گا وہ تمھیں ''شاہ'' ہی کہے گا اب میں نے تمھیں ''شاہی'' کا خطاب دیا ہے''۔(تذکرہ اولیائے کشمیر ص ۲۶۷)

مفتی غلام سرور لاہوری نے اس تبدیلیٔ لقب کی ایک دوسری وجہ بھی لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب تک شاہ قاسم علیہ الرحمہ زیور علم وفضل سے آراستہ نہیں ہوئے تھے اس

وقت وہ ''ملا قاسم'' اور ''حاجی قاسم'' سے متعارف تھے۔لیکن جب علم وفضل سے آراستہ ہوکر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ پر نظر کیمیا اثر ڈالی تو اوج کمال پر پہنچ گئے۔اسی وقت سے مرشد نے ''شاہ قاسم'' کہنا شروع کر دیا۔اصل عبارت یہ ہے۔

''شاہ قاسم را در ابتدا ملا قاسم وحاجی قاسم می گفتند وبعد تحصیل علوم ظاہر بخدمت شیخ محمد خلیفہ کشمیری رسید مرید شد وبکمالات رسید وبخطاب شاہ گردید ودر مجاہدات وریاضت وزہد وتقویٰ گوئے سبقت از اقران خود برد''۔(خزینۃ الاصفیا ص ۹۸۰)

آپ کو''حقانی'' کے نام سے متعارف کرنے میں بھی بڑی حکمت ہے۔اس تعلق سے واقعات انتہائی دلچسپ اور اثر انگیز ہیں۔''تاریخ کشمیر'' میں اس طرح کے واقعات کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔حضرت شاہ محمد فاضل حقانی نے" انیس الغربا "اور''تذکرۃ المتقدمین"میں اور حضرت شاہ یعقوب صرفی" معرفت الحقانی " میں روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت شاہ قاسم حقانی کو بیماری کے آثار ظاہر ہوئے اس وقت آپ کے پاس ۲۷؍عالی مرتبت خلفا حاضر خدمت تھے،ان دنوں وہ اپنے گھر نہیں جاتے تھے بلکہ اپنے شیخ حقانی کی خدمت کے لئے ہمیشہ شیخ ہی کے پاس رہتے تھے۔انھیں ۲۷؍خلفا میں ایک کا نام محمد شریف تھا ایک دن اس نے نماز ظہر خانقاہ معلیٰ میں ادا کی وہاں اس کی ملاقات ایک ظاہر بیں درویش سے ہوگئی اس درویش نے محمد شریف سے حضرت شاہ حقانی کی بیماری کے بارے میں دریافت کیا جواب میں انھوں نے بتایا کہ قویٰ کو دیکھ کر ان کی زندگی کی امید نہیں کی جاسکتی ہے۔یہ جواب سن کر اس درویش نے کہا کہ اگر چہ حضرت شاہ اس زمانہ میں بے مثل ہیں،لیکن اللہ تعالیٰ ان کی عاقبت محمود کر دے۔یہ سن کر محمد شریف نے اس درویش سے سوال کیا کہ تجھے حضرت شاہ کے انجام میں کیوں اشتباہ ہے؟ اور حضرت شاہ کے اوصاف جمیلہ بیان کئے۔درویش نے کہا کہ میں حسد اور بغض نہیں رکھتا ہوں ان کے اوصاف جو تو نے ابھی بیان کئے ہیں وہ اس سے بھی کہیں زیادہ اعلیٰ اوصاف کے حامل ہیں۔لیکن وہ کبھی کبھی ساز اور نے کا استعمال فرماتے ہیں جسے میں شریعت کی رو سے ناروا سمجھتا ہوں۔محمد

شریف اس درویش سے اس طرح کی باتیں سن کر ناراض ہو گئے۔ اور پھر وہاں سے واپس وہ شیخ کے پاس آ گئے اس وقت شاہ حالت استغراق میں تھے۔ آنے کے بعد محمد شریف سے فرمایا کہ تو نے نماز ظہر کہاں پڑھی اور اس درویش نے تم سے کیا گفتگو کی؟ محمد شریف نے عرض کیا کہ شاہا جو کچھ میں آپ کے سامنے بیان کروں وہ سب آپ پر پہلے سے ہی عیاں ہے۔ حضرت نے حاضرین سے فرمایا کہ میں اپنی تمام عمر میں ساز و نے سنتا تھا لیکن اللہ کے بھیدوں پر سر پوش رکھتا تھا اب میں اتنا کہتا ہوں کہ آج رات کے آخری وقت میں حق تعالیٰ سے ملاقات کروں گا اگر میری تدفین کے بعد بہشت کا سرکنڈہ (نرکل) میری قبر سے اُگے گا تو وہی میری مقبولیت کی علامت ہوگی۔ یہ میری برہان ہوگی جو میرے قرب حق پر دلالت کرے گی۔ اور یہ برہان (سرکنڈہ اگنے کی) قیامت تک میری قبر سے ظاہر ہوتی رہے گی۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت شاہ قاسم ساز اور آواز دونوں کے دلدادہ تھے۔ آواز سننے کے لیے محفل سماع میں شرکت کرتے اور ساز کے لئے خود بانسری کا استعمال کرتے۔ بانسری آپ کی زندگی کا جزء لاینفک بن گئی تھی۔ اس سے حد درجہ شغف تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ میرا انجام ان شاء اللہ اس بانسری کی وجہ سے بخیر ہوگا۔ اللہ والوں کا فرمان برحق ہوتا ہے کیوں کہ بقول مولانا رومی:

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ شود

ہوا وہی کہ وصال کے بعد جب آپ کی تدفین عمل میں آئی اور قبر پر مٹی برابر کی گئی اور فاتحہ فراغ پڑھ کر پورے طور سے عقیدت مند وہاں سے رخصت بھی نہیں ہوئے تھے کہ کہ ''نرکل'' کی شاخیں قبر کے سرہانے سے نمودار ہونی شروع ہو گئیں اور تھوڑی ہی دیر میں دیکھتے دیکھتے پوری قبر پر نرکل کی شاخیں نکل آئیں اور رات تک سارا مقبرہ سرکنڈوں کی ٹہنیوں سے پُر ہو گیا اس لئے محلّہ علاء الدین پور جہاں آپ کا مزار اقدس ہے ''نرپرستان'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس وقت سے ہر سال ۲۹ر پھاگن جو حضرت شاہ کا یوم وصال ہے سرکنڈے کی ٹہنی مرقد عالی میں ظاہر ہوتی ہے اور اب بھی یہ کرامت جاری وساری ہے۔

حضرت شاہ قاسم حقانی صاحب تصرف بزرگ تو تھے ہی جو کچھ زبان مبارک سے

فرماتے تھے۔گفتہ او گفتہ اللہ بود'' کے مصداق من جانب اللہ اس کی تکمیل ضرور ہوتی تھی۔ عبادت وریاضت میں بھی آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہیں تھا۔ اس میدان میں بھی کوئی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔ صاحب روضۃ الابرار لکھتے ہیں۔

''درمجاہدات گوئے از اقران درربود''۔(روضۃ الابرار ص ۵۰)

آپ کی عظمت وفضیلت سے متعلق خوارق السالکین کے حوالہ سے تحائف الابرار کے مصنف نے کئی ایک کرامتوں کا ذکر کیا ہے انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت یعقوب صرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمراہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ آپ کے سامنے ایک گھوڑ سوار کا گزر ہوا اس نے آپ کی تعظیم کا خیال نہ کرکے گھوڑے پر سوار ہوکر چلا گیا یہ دیکھ کر آپ غیرت میں آ گئے اور نگاہ غضب سے جو اس شہ سوار کی طرف دیکھا تو وہ سوار بے ہوش ہوکر زمین پر گر پڑا پھر حضرت کے حکم سے ہی اسے ہوش میں لایا گیا اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی۔(تحائف الابرار ص ۱۸۵) آپ نے جس رضا ورغبت کے ساتھ اشاعت دین حق کا اہم فریضہ انجام دیا اس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے بے شمار لوگوں کو آپ کی ذات سے رشد وہدایت کی دولت ملی اور کئی ایک بندگان خدا ترک دنیا کر کے مائل الی اللہ ہوگئے۔ تاریخ کشمیر اعظمی کے مصنف نے لکھا ہے۔

''جوش ارشاد را بفلک رسانید وعالمے را بتربیت وافادہ از عوائق وجود رہا نید''۔(تاریخ کشمیر اعظمی ص ۱۳۱)

(آپ کے زمانے میں رشد وہدایت کا دائرہ بہت وسیع ہوا اور عالم کو اپنی تربیت کے ذریعہ عوائق دنیا سے بے نیاز کردیا)

۲۹؍ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ؍۱۶۲۴ء کو وصال ہوا محلّہ علاء الدین پورہ میں تدفین عمل میں آئی مفتی غلام سرور لاہوری نے درج ذیل قطعہ تاریخ وصال لکھا ہے۔

شد زدنیا چو در بہشت بریں شاہ قاسم ولیٔ خوش قسمت
گفت تاریخ رحلتش سرور ''صاحب علم قاسم النعمت''

۱۰۳۳ھ

آستانہ عالیہ حضرت سید بابا غلام علی شاہ بادشاہ، جموں
علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت غلام علی شاہ بادشاہ کی ولادت تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی پاکستان میں ۱۷۴۳ء میں ہوئی۔ ۱۷۶۵ء میں آپ مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے جموں وکشمیر میں ''شاہدرہ'' نامی مقام پر پہنچے، جہاں آپ نے چلہ کشی کی اور خلق خدا کو دعوت دین دے کرانھیں اپنے قریب کیا۔ شاہدرہ شریف جموں کے متبرک آستانوں میں سے ایک ہے۔ یہ آستانہ پیر پنجال کے مغربی ڈھلوانوں میں ''رتن پیر'' پہاڑی سلسلہ کے دامن میں ایک خوبصورت مقام پر ''راجوری'' قصبہ کے شمال میں واقع ہے۔ جموں شہر سے اس آستانہ کی دوری ۱۸۱ رکلومیٹر اور سری نگر کا فاصلہ مغل روڈ کے راستہ سے ۱۶۴ رکلومیٹر ہے۔ یہ علاقہ پہلے ''سیہ درہ'' کے نام سے مشہور تھا۔ بابا غلام علی شاہ بادشاہ کی تشریف آوری کے بعد یہ مقام ''شاہدرہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

آپ کا مکمل نام سید غلام علی ہے اور غلام شاہ بادشاہ آپ کا لقب ہے، آپ کے والد ماجد کا نام ادریس محمد شاہ تھا دادا کا نام سید ایاز شاہ اور والدہ ماجدہ کا نام غلام فاطمہ تھا۔ آپ کے والد اور دادہ دونوں صاحب عرفان بزرگ تھے، تقویٰ ودیانتداری میں ان کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ تیس واسطوں سے آپ کا شجرہ نسب حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تک پہنچتا ہے۔

آپ کی ذات اقدس سے بچپن سے ہی کشف وکرامات ظاہر ہونے لگی تھیں۔ فقہ حنفی کے پیروکار تھے، طریقت میں سلسلہ قادریہ سے وابستگی تھی، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے والہانہ عقیدت کی بنیاد پر آپ نے اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبد

اللطیف بری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست اقدس پر بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا۔ والد ماجد سے بھی روحانی فیضان حاصل تھا۔آپ کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ آپ کے والد نے بچپن میں آپ کو بھائی کی جگہ بکریوں کی ریوڑ کے ساتھ چراگاہ کی طرف بھیج دیا آپ کسی وجہ سے بکریوں کی ٹھیک طرح سے نگرانی نہیں کر سکے اوران بکریوں نے کسی کسان کی فصل کونقصان پہنچادیا جب کسان کواس کی خبر ہوئی تو وہ آپ کے والد ماجد کے پاس آپ کی شکایت لے کرآ گیا اور محکمۂ پولیس میں بھی مقدمہ درج کرانے کی دھمکی دی۔آپ کے والد ماجد نے جب آپ سے بازپُرس کیا تو بابا غلام علی نے کسی قسم کا نقصان ہونے سے انکار کیا جب معائنہ کرنے اور حقیقی صورت حال جاننے کے لیے کھیت میں لوگ پہنچے تو دیکھا کہ کھیت کی فصل لہلہارہی ہے اور کوئی نقصان نہیں نظر آرہا ہے، حالاں کی بکریوں نے نقصان پہنچایا تھا یہ منظر دیکھ کر کرلوگ حیران رہ گئے اوراس کی وجہ سے پورے علاقہ میں حضرت بابا غلام علی شاہ بادشاہ کی شہرت ہوگئی۔اورقبل از وقت آپ کی ذات سے اس طرح کی کرامتیں صادر ہوتے دیکھ کر آپ کے والد نے آپ کو گھر سے آپ کے پیر ومرشد حضرت شاہ عبد اللطیف بری کے پاس بھیج دیا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ نے اپنے والد کا گھر خود ہی چھوڑ دیا اور راولپنڈی کے مشہور دربار پاک پٹن اپنے مرشد گرامی حضرت شاہ عبداللطیف بری کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں آپ نے دوسال قیام کیا اوراس کے بعد آپ کے مرشد نے'' سیہ درہ'' (شیروں کا درہ) موجودہ شاہدرہ شریف جانے کا حکم دیا اور راجوری وپونچھ کی روحانی ولایت عطا کی۔آپ اس ویران جنگل میں ابتداً جانے کے لیے تیار نہ تھے مگر مرشد کا اصرار تھا،آخری بار جب آپ نے اس ویران جنگل میں جانے سے منع کیا تو آپ کے مرشد گرامی سجدہ میں گر گئے اور کہا کہ یہی حکم ہے ،آپ کو وہاں جانا ہوگا جو شیروں کی قیام گاہ ہے اللہ کے حکم سے شیر وہاں سے کہیں اور چلے جائیں گے۔ وہاں صرف جا کر بیٹھ جاؤ، وہاں زمین کھودنے پر آپ کو آگ ملے گی اور وہاں لنگر شروع کرنا جو خدائے تعالیٰ کے حکم سے قیامت تک جاری رہے گا،آپ کے مرشد نے مزید فرمایا کہ اپنے ساتھ ایک بکرا بھی لے جائیں اور جہاں پر شیر دکھائی دے وہاں بکرے کو چھوڑ دیں اور پھر دیکھیں کہ اگر شیر اور بکرا

دونوں اکٹھے اس مقام پر چکر لگا کر غائب ہو جائیں تو آپ اس مقام پر کھدائی شروع کرنا جہاں آگ برآمد ہو جائے بس وہیں آپ کی قیام گاہ ہوگی۔ مرشد گرامی نے یہ علامت بھی بتائی تھی کہ اس جگہ انگور کی بیل چڑھی ہوگی ، بابا غلام علی شاہ بادشاہ اپنے مرشد کے حکم کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اس مقام کی تلاش میں چل پڑے ۔کشمیر اوڑی کے راستے پونچھ میں داخل ہوئے اور''بانڈی پچیاں'' میں کچھ وقت کے لیے قیام کیا، یہ جگہ پونچھ سے تقریباً سات کلومیٹر کی دوری پر شمال مشرق میں'' نالہ درنگی'' کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہاں آپ نے پانچ سال تک قیام کیا اور لوگوں کو دین اسلام کی روشنی سے منور کیا۔ یہاں سے''بانڈیاں سرنکوٹ'' تشریف لے گئے اور دعوت وارشاد کی غرض سے دو سال قیام کیا ۔ یہاں سے آپ پونچھ سے تقریباً ۱۲ رکلومیٹر کی دوری پر جانب مشرق ایک گاؤں''سینہ درہ'' چلے گئے اور ایک سال وہاں قیام کیا ۔وہاں کے باشندوں نے آپ کو روکنا چاہا مگر ابھی تک مرشد کی بتائی ہوئی علامات ظاہر نہیں ہوئی تھیں اس لیے وہ یہاں قیام نہیں کر سکے ۔ یہاں سے رات کے اندھیرے میں نکل کر بارہ کلومیٹر دور''لسانہ گاؤں'' پہنچ کر''دریا سرن'' کے کنارے پتھروں کے ایک ٹیلہ پر جھوپڑی اور چلہ کشی شروع کی ۔کچھ عرصہ بعد یہاں بھی آپ کا شہرہ لوگوں میں عام ہو گیا اور لوگ جوق درجوق آپ کی بارگاہ میں آنے لگے، یہاں ایک مصری نامی قرآن خواں بزرگ تھے۔ بابا غلام علی شاہ بادشاہ نے ان سے درس قرآن کی گزارش اور اس طرح سے کافی عرصہ تک آپ نے میاں مصری سے درس قرآن لیا۔میاں مصری آپ سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی اکلوتی بیٹی کا نکاح آپ سے کرنے کا عہد کر لیا ساری تیاریاں مکمل ہوگئی تھیں بس بارات گھر سے نکلنے والی تھی کہ میاں مصری کی بیٹی کا اچانک انتقال ہو گیا، اس واقعہ سے بابا غلام علی شاہ بادشاہ کافی رنجیدہ ہو گئے اور میاں مصری سے بھی تعلقات پہلے جیسے نہیں رہے۔آپ'' دریائے سرن'' کے کنارے قیام پذیر تھے کہ ایک دن سیلاب آیا اور بابا غلام علی شاہ بادشاہ کی چلہ گاہ تک پہنچ گیا ۔لوگ پریشان ہوئے کہ شاید آپ طغیانی میں بہہ گئے مگر جب لوگ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بابا غلام شاہ بادشاہ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہیں اور آس پاس کی جگہ بالکل خشک پڑی ہے

کچھ عرصہ دریا کے کنارے بود و باش اختیار کرنے کے بعد غلام علی شاہ بادشاہ موضع ’’سینی سرنکوٹ‘‘ تشریف لے گئے اور یہاں ایک درخت کے نیچے جھوپڑی بنا کر بیٹھ گئے اور عبادت وریاضت میں مشغول ہوکر یاد الٰہی میں منہمک ہو گئے۔ جب لوگوں نے یہاں بھی سکون سے نہیں رہنے دیا تو آپ یہاں سے بھی رخصت ہو گئے اور ’’ڈنہ شاہ ستار‘‘ پہاڑ کے پاس جنگل میں عبادت گاہ بنا کر چلہ کشی شروع کر دی مگر آپ کے عقیدت مند یہاں بھی پہنچ گئے اور مجبوراً آپ کو یہاں سے ’’کالا بن‘‘ جانا پڑا۔ اس کالا بن میں ’’موہڑہ سانگل‘‘ کے پاس ایک عبادت گاہ تعمیر کی اور وہیں عبادت میں مشغول ہو گئے۔ یہاں آپ نے کافی عرصہ تک سکونت اختیار کی اور اس کالا بن کو درختوں سے آباد کیا۔ یہاں آپ خود بھی عبادت وریاضت میں مشغول رہے اور لوگوں کے اندر بھی شوق عبادت پیدا کر کے ان کو رشد وہدایت کا راستہ دکھایا۔ اس زمانہ میں پونچھ کا راجہ رستم خان تھا اور اس کا چچازاد بھائی ایاز خان بابا غلام علی شاہ بادشاہ کا مرید تھا اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا ایک دن کسی نے رستم خان سے شکایت کی کہ ایاز خاں آپ کا اقتدار چھیننے کے درپے ہے راجہ نے اس کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا اور ایاز خاں گرفتار ہو کر راجہ رستم خاں کے دربار میں لایا گیا اس وقت غلام علی شاہ بادشاہ اپنی چلہ گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک صدا لگائی کہنے لگے ’’مارا وایاز مار‘‘ ادھر ایاز نے راجہ کے پانچ فوجی مار دیئے جب کہ باقی فوج نے اسی وقت ایاز خاں کو مار ڈالا۔ اس بات سے ناراض ہو کر غلام علی شاہ بادشاہ نے غصے میں آکر درخت اکھاڑنے شروع کر دیئے۔ ایک درخت کا ایک حصہ اکھاڑا تھا کہ ایک مرید نے آپ کو روک لیا اس درخت کا بچا ہوا حصہ اب بھی وہاں موجود ہے۔ اکھڑا ہوا حصہ آپ اپنے ساتھ لائے اور اس کو شاہدرہ شریف میں لگایا جو آج بھی شاہدرہ شریف میں موجود ہے۔ پونچھ کے راجہ سے آپ کی ناراضگی کے بعد پونچھ میں قحط پڑ گیا۔ بعد میں لوگوں نے بابا غلام علی شاہ بادشاہ کے مرید لا روسے دعا کرائی اور اس طرح لوگوں کے قحط سے نجات ملی۔

ایاز خاں کے قتل کے بعد بابا غلام علی شاہ بادشاہ نے ’’سیہ درہ‘‘ کی تلاش میں چلتے چلتے پونچھ سے تقریباً ۳۳ رکلومیٹر مشرق کی جانب ’’سرنکوٹ ڈیرہ‘‘ گلی روڈ پر واقع ’’درابہ

گاؤں'' میں ایک پہاڑ کے دامن میں شالی کے کھیتوں کے کنارے ''موہڑہ پٹودی'' میں اپنی چلہ گاہ قائم کی جو آج بھی موجود ہے۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ اپنی منزل کی تلاش میں ''چمریٹر گلی'' کے راستے راجوری میں ''بھنگائی'' پہنچے۔ جو شاہدرہ شریف سے ایک کوس شمال میں واقع ہے۔ چند دن قیام فرمانے کے بعد'' سیہ درہ'' کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ کو لگا کہ مرشد کا بتایا ہوا مقام اب قریب ہے تو آپ نے ایک بکرا خریدا اور ''سیہ درہ'' کے قریب پہنچنے پر ایک شیر ظاہر ہوا اور آپ نے مرشد کی ہدایت کے مطابق بکرا چھوڑ دیا اور بکرا اور شیر دونوں اس مقام کا چکر لگا کر غائب ہو گئے اسی جگہ آپ نے ایک درخت پر جنگلی انگور کی بیل چڑھی ہوئی دیکھی پھر ان جھاڑیوں کو صاف کیا گیا اور بابا غلام علی شاہ بادشاہ پانچ دن تک وہاں کھدائی کرتے رہے بالآخر وہ تمام نشانیاں ظاہر ہو گئیں جو مرشد گرامی نے بتلائی تھیں اور آپ نے اس مقام پر مستقل رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب یہ جگہ بابا غلام علی شاہ بادشاہ کی عبادت گاہ بن گئی جو سیہ درہ (شیروں کی رہنے کی جگہ) تھی اب وہ دنیائے روحانیت کے ایک بادشاہ کے رہنے کی جگہ بن گئی اور ''شاہدرہ شریف'' کے نام سے شہرت حاصل کی۔ بابا غلام علی شاہ بادشاہ اپنے کئی مریدوں وعقیدت مندوں کے ساتھ ۱۱۸۰ھ/۱۷٦٦ء میں شاہدرہ شریف تشریف لائے ان عقیدت مندوں میں آپ کے دو خاص خلفا خیر اللہ شاہ اور دوسرے پیر بخش شاہ نے اس جگہ لنگر کا انتظام کیا جتنے بھی لوگ بابا غلام علی شاہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ان سب کو یہاں کھانا کھلایا جاتا اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

بابا غلام علی شاہ بادشاہ نے شاہدرہ کے مقام پر تقریباً چالیس برس عبادت وریاضت، چلہ کشی، اشاعت اسلام، اور تبلیغ دین میں گزار دیئے۔ جموں کا پیر پنچال علاقہ خاص طور سے اور پورا غیر منقسم جموں وکشمیر عمومی طور پر آپ کی خدمات کا معترف ومرہون منت ہے کہ آپ نے اپنی خدمات وروحانی اثرات سے اس علاقہ کو نور اسلام سے منور ودرخشندہ کر دیا۔ شاہدرہ شریف میں قیام کرنے کے بعد آپ کی بہت تشہیر ہو گئی دور دراز علاقوں سے لوگ حصول فیوض وبرکات کے لیے آپ کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔

جس وقت بابا غلام شاہ ضلع راجوری میں تشریف لائے اس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت تھی اور یہاں کے مسلمان دین نام کی چیز سے بھی واقف نہ تھے مشرکانہ رسم ورواج کا دور دورہ تھا۔حضرت اصلاحی کاوشوں کے ذریعہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں ان غیر اسلامی رسومات سے علاقہ کو پاک وصاف کردیا، آپ کے وصال کے بعد خاص کر آپ کے خلفا نے دن رات محنت کر کے تعلیمات اسلام کو عام کیا اور آپ کے اس مشن کو آگے بڑھایا ان تمام حضرات میں خاص طور سے حاجی نوران شاہ، پیش پیش رہے اور انھوں نے جانفشانی کے ساتھ بابا غلام علی شاہ بادشاہ کے ذریعہ شروع کردہ اس دعوتی واصلاحی مشن کو آگے بڑھایا۔ آپ کی انھیں خدمات جلیلہ کا صلہ ہے کہ آپ کے نام سے اس علاقہ میں کئی علمی واصلاحی ادارے چل رہے ہیں۔آپ کے نام سے جموں وکشمیر کی مشہور یونیورسٹی ’’ بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی‘‘ قائم کی گئی ہے جسے صوبائی حکومت مالی تعاون بھی حاصل ہے۔کاش دوسری خانقاہوں اور درگاہوں کے سجادہ نشین اپنی درگاہوں کی آمدنی سے ملت اسلامیہ کے نونہالوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے اعلیٰ پیمانے پر تعلیم کا نظم ونسق کرتے ؟۔

آپ نے اپنی حیات ہی میں ۱۸۰۴ء میں ایک ملتانی معمار کی مدد سے اپنا مقبرہ تیار کروالیا تھا پھر دو سال بعد ۳ر فروری ۱۸۰۶ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اسی تیار کردہ مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔بعض مورخین نے سن وصال میں اختلاف کیا ہے اور ۱۸۱۱ء لکھا ہے مگر مشہور ۱۸۰۶ء ہی ہے۔

آپ کا مقبرہ ہمالیائی پہاڑی سلسلہ پیر پنجال کی گود میں ایک ہموار ٹیلہ پر واقع ہے، ضلع راجوری کے وسط کنارے میں ۳۰۔۳۳ ڈگری شمالی طول بلد اور ۲۶۔۷۴ ڈگری مشرقی طول بلد پر واقع ہے اور سطح سمندر سے ۵۸۰۷ فٹ بلندی پر ہے یہ زیارت ۱۰۴۸ کنال زمین پر محیط ہے اور فن تعمیر کا حسین شاہکار ہے،اس آس پاس خوبصورت باغات نے اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا رہے ہیں، یہاں ہمیشہ زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور لوگ بلاتفریق مذہب وملت حاضری دے کر فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں ان کی زیارت پر حاضری دینے والوں میں ہندو مسلم سکھ عیسائی ہر مذہب وملت کے لوگ ہوتے ہیں۔

بابا غلام علی شاہ بادشاہ کا عرس مبارک ہر سال دس محرم الحرام انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے،عرس کی تقریبات دو دن متواتر چلتی ہیں ۔۹رمحرم الحرام سے ذکر واذکار اور نعت ومنقبت کی محفلیں سجتی ہیں اور پورے جموں وکشمیر اور پنجاب کے علاقوں سے لوگ ان دنوں میں یہاں آتے ہیں اوران مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں، ذکراذکار کرتے ہیں،نوافل نمازیں پڑھتے ہیں، فاتحہ خوانی ہوتی ہے اورختمات ،معظمات پڑھے جاتے ہیں اور پوری امت مسلمہ وعالم انسانیت کے لیے حفظ وامان کی دعائیں کی جاتی ہیں لنگر خانہ جو وہاں پورے سال چلتا رہتا ہےضرورت مندوں اورزائرین کومفت کھانا کھلایا جاتا ہے۔ عرس کے موقع پر زائرین کے لئے عرس کمیٹی کی جانب سے عمدہ کھانوں اور چائے وناشتہ کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

عرس کے موقع پر زائرین غایت عقیدت میں اس درگاہ کے اخراجات کے لیے اپنے نذرانے نقدی زیورات، اور مال ومویشی کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ یہی اس درگاہ کی آمدنی کے ذرائع ہیں جن سے سال بھرلنگر چلتا رہتا رہا ہے۔ اور بابا غلام شاہ بادشاہ کے نام سے بنی یونیورسٹی کی بھی اسی آمدنی سے امداد کی جاتی ہے ۔ اس کے علاوہ علاقہ غربا ومساکین اور بیوہ عورتوں کی بھی مدد کی جاتی ہے مدارس چلائے جاتے ہیں اوراوقاف کے ملازمین کی تنخواہیں بھی اسی آمدنی سے ادا کی جاتی ہیں ۔انتظامیہ کمیٹی کی اعداد وشمار کے مطابق ایک سال میں ۱۲رلاکھ افراد اس مقدس مقام کی زیارت کر کے فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں۔ (ماخوذ از تاریخ اولیائے جموں وکشمیر ، ولی محمد اسیر ص ۶۱۲ اردو فورم ۲۰۱۳ء)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت شیخ سید عبداللہ الجیلی ، بنگال

علیہ الرحمۃ والرضوان

بنگال کا لفظ بنگا سے نکلا ہے، بنگا ایک آریائی قوم تھی جو وہاں آباد تھی اسی مناسبت سے اس خطہ کو بنگال کہا جاتا ہے، بنگال کے دو مختلف حصے تھے لکھنوتی اور بنگالہ یہ دونوں حصے

سلطان الیاس شاہ (وفات ۷۵۹ھ) کے عہد حکومت میں متحد ہو گئے۔ اس سر زمین پر مسلمانوں کے فاتحانہ قدم تو چھٹی صدی میں پہنچے لیکن صوفیاء اور مشائخ اس سر زمین کو چھٹی صدی ہجری سے پہلے ہی دین حق کی ترویج واشاعت کے لئے منتخب فرما چکے تھے، ماہنامہ ثقافت لاہور میں ہے۔

''بنگال میں تیرہویں صدی عیسوی سے صوفیوں اور مبلغوں کی آمد کا پتا چلتا ہے فاتح بنگالہ اختیار الدین خلجی بختیار خلجی اور دوسرے مسلم حکمراں کے حملۂ بنگال سے پہلے صوفیا اللہ کا آخری پیغام پہنچا چکے تھے''۔

(ماہنامہ ثقافت لاہور ۱۹۶۰ء ص ۳)

بنگال کی سر زمین پر ایک فاتح کی حیثیت سے مسلمانوں کے قدم چھٹی صدی ہجری میں پہنچ چکے تھے مگر جدید تحقیق کے مطابق تیسری صدی ہجری میں اسلام کی روشنی اس خطہ پر پڑ چکی تھی، بنگال کے صوفیائے کرام" کے مقالہ نگار کی تحقیق کے مطابق۔

''جنوبی بنگلہ دیش کے ساحلی شہر چاٹگام میں حضرت بایزید بسطامی کا ایک چلہ ہے، مقامی روایت کے مطابق حضرت بایزید بسطامی سمندری راستے سے بنگال کے جنوبی ساحل پر پہنچے تو انھوں نے اپنے لئے ایک چٹائی (جائے نماز) کی جگہ طلب کی تھی۔ اس وجہ سے اسے چاٹ گاؤں/چاٹ گرام، چاٹگام کہا جانے لگا۔ حضرت بایزید بسطامی نے جنوبی بنگلہ دیش اور شمالی برما، (صوبہ ارکان) کے علاقے میں تبلیغ دین کا کام کیا جس سے ایک وسیع حلقہ مشرف بہ اسلام ہوا۔''

جو مشائخ چھٹی صدی ہجری میں تشریف لائے ان کی تفصیل تو نہیں ملتی البتہ ساتویں صدی ہجری سے باضابطہ ان مشائخ کی آمد کا پتا چلتا ہے۔ جنوبی بنگلہ دیش کے ساحلی شہر چاٹگام میں حضرت بایزید بسطامی (وفات ۲۶۴ھ) کا چلہ ہے وہ وہاں تشریف لائے اور انھوں نے اپنی شبانہ روز مساعی سے اس خطہ کو بقعۂ نور بنایا ان کے علاوہ اور جن اکابر مشائخ نے اپنے قدم ناز سے اس سر زمین کو رونق بخشی ان میں جلال الدین مجرد کیانی

(وفات ۷۴۰ھ) شیخ حسین غریب ڈھکر پوش (وفات ۸۰۲ھ) شیخ اخی سراج الدین عثمان آینۂ خدا (وفات ۷۵۸ھ) شیخ علاء الحق پنڈوہ (وفات ۸۰۰ھ) اور شیخ جلال الدین تبریزی (وفات ۶۴۲ھ) بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید وخلیفہ تھے۔ سہروردیت اور قادریت دونوں کے اصل سرچشمہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں۔ اس مناسبت سے کہا جاسکتا ہے کہ بالواسطہ سلسلہ قادریہ کا فیضان شیخ جلال الدین تبریزی کے واسطے سے بنگال کی سرزمین پر بہت پہلے پہنچ چکا تھا ۔ ماہنامہ منادی دہلی میں ہے۔

> ''بنگال میں قادریت کا پہلا پیغام حضرت جلال الدین تبریزی سہروردی (وفات ۶۴۲ھ) لے کر پہنچے حضرت کے کشف وکرامات اور تبلیغی کارناموں سے تذکرے کی کتابیں مملو ہیں۔ ابن بطوطہ نے بھی آپ کی زیارت ''کاروپ''، ضلع سلہٹ میں کی تھی''۔(ماہنامہ منادی دہلی ۱۹۶۱ء ص ۹)

اس خطہ میں اسلام کی اشاعت میں علماء وصوفیاء اور مشائخ کے علاوہ سلاطین کا بڑا حصہ ہے۔ انھوں نے حکومت قائم کر کے علماء کی سرپرستی فرمائی اور صوفیائے کرام کو اسلام کی ترویج کے مواقع فراہم کئے۔ انھوں نے مدرسے کھولے، مسجدیں تعمیر کرائیں اور خانقاہوں کی تعمیر کرواکے ایک خاص مسلم معاشرہ کی بنیاد ڈالی۔ صوفیائے کرام ومشائخ عظام کی رواداری اور انسانیت دوستی نے ہندوؤں پر بہت اثر کیا۔ جس کے باعث لوگ کثرت سے حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

بعض مورخین شاہ نعمت اللہ قادری کو نہ صرف بنگال بلکہ پورے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے اولین مبلغ کے طور پر پیش کرتے ہیں جو سراسر حقائق کے خلاف ہے۔ ان میں شیخ محمد اکرام کا بھی نام آتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

> ''بنگال میں سب سے پہلے سلسلہ قادریہ کے جس بزرگ کا نام لیا جاتا ہے ان میں گوڑ کے شاہ نعمت اللہ قادری تھے جو نارنول میں پیدا ہوئے''۔
>
> (رود کوثر، شیخ محمد اکرام ص ۵۱۳ لاہور ۱۹۷۹ء)

ان مشائخ میں قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ تمام سلاسل کے مشائخ شامل تھے۔تصوف کے موضوع پر لکھنے والوں نے اس کی صراحت کی ہے کہ سلسلہ قادریہ کی اشاعت بنگال میں اس وقت ہوئی جب حضرت جلال الدین تبریزی بنگال تشریف لائے ان کی سنہ وفات ۶۴۲ھ ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلسلہ قادریہ باضابطہ طور پر بنگال میں ساتویں صدی ہجری میں پہنچ چکا تھا۔(ماہنامہ منادی نئی دہلی فروری ۱۹۶۱ء ص ۹)

مسلمان اور ہندوستان نامی کتاب کے مصنف لکھتے ہیں۔

''بنگال میں قادریت کا پہلا پیغام حضرت جلال الدین تبریزی سہروردی (وفات ۶۴۲ھ) (مدفون پنڈوہ مالدہ) لے کر پہنچے حضرت کے کشف وکرامات اور تبلیغی کارناموں سے تذکرے کی کتابیں مملو ہیں ابن بطوطہ نے بھی آپ کی زیارت ''کاروپ''، ضلع سلہٹ میں کی تھی''۔

(مسلمان اور ہندوستان ص ۱۹۸)

سلسلہ قادریہ کے جن مشائخ نے بنگال کی سرزمین پر قادری فیضان کو عام وتام کیا ان میں شاہ نعمت اللہ نارنولی (وفات ۱۰۸۰ھ) حضرت شیخ عبداللہ جیلی، حضرت سید شاہ ذاکر علی جیلی (وفات ۱۱۹۲ھ) حضرت سید شاہ طفیل علی قادری (وفات ۱۲۵۱ھ) حضرت سید شاہ مہر علی قادری (وفات ۱۲۸۵ھ) بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

بنگال میں سب سے پہلے جس قادری بزرگ کا نام سلسلہ کی نشرواشاعت کے تعلق سے ملتا ہے ان میں شاہ قمیص اعظم قادری کا بھی نام شامل ہے" سوانح مولانا امان اللہ" کے مصنف کا کہنا ہے کہ قمیص اعظم قادری نے قادری فیضان سے نہ صرف بنگال بلکہ پورے ہندوستان کو سیراب کیا اصل عبارت یہ ہے وہ فرماتے ہیں۔

''آپ (قمیص اعظم قادری) کے دریائے فیض سے نہ صرف بنگال بلکہ پورا ہندوستان سیراب ہوا''۔

(سوانح مولانا امان اللہ، ہلال احمد قادری ص ۳۷ کلکتہ ۱۹۸۹ء)

اس طرح کی اور عبارتیں کتب تواریخ میں پائی جاتی ہیں جس کی روشنی میں بلاشبہ

یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس نے جتنی زیادہ تتبع اور تلاش کی اس کے سامنے اتنی ہی تحریریں آئیں ۔اس تعلق سے ایک بحث راقم کی تصنیف" ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون ؟" نامی کتاب میں گزر چکی ہے۔تفصیلی مطالعہ اس کتاب میں کیا جا سکتا ہے۔

صوبہ بنگال میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں سلاطین علماء اور صوفیاء کی خدمات اپنی اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن اس سلسلے میں صوفیائے کرام کی مساعی جمیلہ اور تبلیغی کارنامے تاریخ کے سینوں میں انمٹ نقوش کی طرح ثبت ہیں۔

بنگال کی سرزمین کو اسلام کی تابانی سے روشن وضیا بار کرنے میں تمام سلاسل کے مشائخ اور بزرگان کی کوششوں کا یکساں عمل دخل رہا ہے۔ ہر ایک بزرگ نے اپنے اپنے حلقہ اثر میں اسلام کی اشاعت فرمائی اور اس کا ابدی وآفاقی پیغام عام وتام کیا۔انعام الحق مسلم بنگالی ادب کراچی ۱۹۵۷ء میں بنگال میں اشاعت اسلام کے تعلق سے صوفیائے کرام کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"جن صوفیائے کرام نے بنگال کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا ان میں بلا امتیاز قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، اور نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے تھے ان حضرات کی رواداری اور انسانیت دوستی نے ہندوؤں پر بہت اثر کیا جس کے باعث لوگ کثرت سے حلقہ اسلام میں داخل ہونے لگے ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ حضرت بایزید بسطامی (وفات ۸۷۴ھ) اور شیخ جلال تبریزی (سہروردی) بھی بنگال تشریف لائے ،موخر الذکر بزرگ کے لئے راجہ لکشمن نے ایک مسجد کی تعمیر کرائی اور اس کے اخراجات کے لئے زمین وقف کردی"۔ (ہنداسلامی تہذیب کا ارتقاء ص ۱۰۷)

بنگال میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں صوفیاء اور مشائخ نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں ،اس سے صرف نظر ممکن نہیں بعض مورخین نے لکھا ہے کہ دو چار مشائخ کرام نہیں بلکہ تقریباً تین سو ساٹھ بزرگان دین نے بنگال کی سرزمین کو مذہبی سرگرمیوں کے لئے منتخب کیا جن صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی مخلصانہ جد وجہد سے بنگال کی سرزمین میں

ایمان کا اجالا پھیلا اوراس کی تابانی سے خطہ بنگال بقعہ نور بنا ان میں شیخ جلال الدین تبریزی (وفات ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء) شیخ جلال مجرد یمنی سلہٹی (وفات ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ھ) شیخ سراج (وفات ۷۲۶ھ/۱۳۲۵ء) مولانا عطا دیناج پوری (وفات ۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) شیخ علاء الحق پنڈوی (وفات ۸۰۰ھ/۱۳۹۷ء) شیخ نور قطب عالم (۸۱۳ھ/۱۴۱۰ء) سید نعمت اللہ قادری (وفات ۱۰۷۵ھ/۱۶۶۴ء) حضرت قمیص اعظم قادری (وفات ۹۹۲ھ/۱۵۸۴ء) کے علاوہ سید تاج الدین محمود گیلانی (وفات ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء) اور سید ابوالحیوٰۃ گیلانی، حضرت عبداللہ الجیلی، حضرت سید شاہ ذاکر علی القادری (وفات ۱۱۹۲ھ) حضرت شاہ طفیل علی القادری (وفات ۱۲۵۱ھ) حضرت سید شاہ مہر علی القادری (وفات ۱۲۸۵ھ) حضرت شاہ مرشد علی القادری (وفات ۱۳۱۸ھ) اور حضرت سید شاہ ارشاد علی القادری (وفات ۱۳۷۲ھ) اور دور آخر میں حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء جنوبی ۲۴ پرگنہ اور حضرت القادری اور مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمان قادری (وفات ۱۹۸۱ء) کے اسماء بطور خاص قابل ذکر ہیں کچھ اہم مشائخ کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ ذیل میں کیا جارہا ہے۔

حضرت سیدنا عبداللہ الجیلی الحموی کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی کے واسطہ سے آگے بڑھ جاتا ہے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی تک شجرۂ نسب اس طرح ہے۔

> ''سید شاہ عبداللہ بن سید شاہ معشوق اللہ بن سید شاہ ہدایت اللہ بن شاہ احمد ثالث بن سید شاہ عبدالجلیل بن سید شاہ ابراہیم بن سید شاہ شرف الدین بن شاہ احمد ثانی بن سید شاہ قاسم الدین بن سید شاہ علاء الدین بن سید شاہ بدر الدین بن سید شاہ شہاب الدین بن سید شاہ احمد اول بن سید شاہ ابو صالح نصر بن سید شاہ عبدالرزاق بن حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہم الرحمۃ والرضوان''۔ (ماہنامہ منادی نئی دہلی ص ۱۳ فروری ۱۹۶۱ء)

حضرت سیدنا شاہ عبداللہ الجیلی حضرت سیدنا تاج الدین عبدالرزاق کی اولاد سے تھے۔ پہلے قیام بغداد میں تھا پھر ترک وطن کر کے حماۃ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت

اختیار کر لی۔اس لئے آپ کے نام کے ساتھ حموی لکھا جاتا ہے۔آپ نے ہندوستان کے لئے سفر کی شروعات حماۃ سے کی پہلے بغداد پہنچ کر بارگاہ غوثیت میں حاضری دی پھر وہاں سے آپ نے ہندوستان کا رخ کیا اور بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر میں بنگال کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرما کر منگل کورٹ ضلع بردوان میں اقامت فرمائی۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے فرزند سید شاہ ابوالحسن ذاکر علی القادری،سید غلام حسین القادری، سید شاہ رجب علی القادری اور سید روشن علی القادری کے علاوہ آپ کے نبیرہ حضرت سید شاہ ابواحمد طفیل علی القادری بھی تھے۔اس کا ذکر مذاکرہ قطب العالمین کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''ایں پنج تن پاک نور دیدگان مخاطب لولاک از اشرف البلاد بغداد روانہ ہند و بنگالہ شدند و چوں منزل بہ منزل طے مسافت کردہ و مثل آفتاب عالم تاب از شہرے بشہرے ارتحال فرمودہ داخل بنگالہ شدند''۔

(مذاکرہ قطب العالمین ص ۸۴)

(یہ پانچ حضرات اشرف البلاد بغداد سے ہندوستان کے لئے روانہ ہوئے منزل بہ منزل مسافت طے کی اور آفتاب عالم تاب کی مانند یک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتے ہوئے بنگال میں داخل ہوئے)

بنگال کے مشہور عالم حضرت مولانا دانشمند جو اپنے بزرگ چچا حضرت شاہ ابو ایوب ابوالبقا علیہ الرحمہ سے ارادت کے متمنی تھے۔انھوں نے اپنے چچا کی خدمت میں اس مضمون پر مشتمل ایک خط ارسال کیا جس کے جواب میں انھوں نے فرمایا تھا آپ کا حصہ خاندان قادریت میں ایک عظیم المرتبت بزرگ کے پاس ہے جو چند ہی دنوں میں آپ کی خدمت میں پہنچنے والے ہیں۔ وہی آپ کو بیعت وارادت کی دولت سے سرفراز فرمائیں گے۔جن کا نام نامی اسم گرامی حضرت عبداللہ الجیلی ہے۔جواب خط کا اقتباس جس میں نام کی وضاحت "مذاکرہ قطب العالمین" کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

''اسم سامی ونام گرامی آں در یکتائے دریائے قادری باعث حدوث

اشیائے عجیبہ وظہور امور غریبہ متخلق باخلاق اللہ ورسول اللہ مظہر خوارق کرامت حضرات قادریہ عالیہ سیدی سندی بغدادی سیدنا ومولانا سید شاہ ابومحمد عبداللہ قادری الرزاقی الحسنی والحسینی البغدادی الجیلانی رضی اللہ عنہ خواہد بود‘‘۔ (مذاکرہ قطب العالمین ص۷۶)

حضرت ابوالبقا نے آپ کے تعلق سے چند علامتیں اور سوالات بھی تحریر کئے تھے اور مولانا دانش مند کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ آپ کے ان سوالات کا تسلی بخش جواب بھی دیں گے۔ جب مولانا دانش مند کو اپنے چچا حضرت ابوالبقا کا خط ملا تو وہ شدت سے حضرت عبداللہ الجیلی کا انتظار کرنے لگے بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور آپ نے دیار بنگالہ میں نزول اجلال فرمایا مولانا دانش مند کو جب آپ کی آمد کی خبر ہوئی تو مسرت وشادمانی سے چہرہ کھل اٹھا جلد ہی عقیدت ومحبت کے سوغات لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعوت کی درخواست پیش کی آپ نے مولانا کی دعوت قبول کی اور ان کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے قبل اس کے کہ مولانا دانش مند وہ سوالات آپ سے کرتے جو شاہ ابوالبقا نے انھیں ان کے خط کے جواب میں لکھے تھے خود آپ نے شاہ ابوالبقا کی بشارت کا ذکر کیا اور ان تمام سوالات کا جس طرح آپ نے جواب دیا اس سے مولانا کا سینہ علوم ومعارف کا گنجینہ بن گیا، پھر آپ نے انھیں اپنے حلقہ ارادت میں شامل کیا اور ایسی توجہ فرمائی کہ عالم ملکوت وجبروت ولاہوت اور ہاہوت کے تمام مقامات آپ پر منکشف ہوگئے "مذاکرہ قطب العالمین" میں ہے۔

’’بیک توجہ خاص بہ منزل سیر الی اللہ وسیر فی اللہ وسیر باللہ وفنا فی اللہ وبقا باللہ فائز گردانید‘‘۔ (مذاکرہ قطب العالمین ص۷۷)

پھر آپ نے مولانا دانش مند کو اپنے خلفا کی فہرست میں شامل کرلیا اور منازل سلوک جو طے کرنا باقی رہ گئے تھے ان کی تکمیل کرائی اور وہ فضائل وکمالات جس کا انھوں نے مشاہدہ فرمایا اس سے وہ کافی متاثر ہوئے اور اپنے تمام احباب ومخلصین میں جابہ جا اس کی تشہیر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ جوق درجوق آپ کی خدمت میں حاضری دے کر

فیوض و برکات حاصل کرنے لگے انھی فیوض و برکات حاصل کرنے والوں میں موضع سبنگ ضلع میدنی پور کا ایک رئیس بھی تھا جس کے پاس کوئی اولا دنرینہ نہ تھی، وہ انتہائی مضطرب اور پریشان رہتا تھا اس نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور استغاثہ پیش کیا آپ نے اس پریشان حال رئیس کے لئے دعا فرمائی، آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا بارگاہ رب العزت میں باب اجابت سے ٹکرائی اس کے دل کی مراد پوری ہوگئی اور چند مہینوں کے بعد اس کے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا اظہار عقیدت کے طور پر جس کا نام اس نے غلام محی الدین رکھا۔(ماہنامہ منادی نئی دہلی ص۱۳ فروری ۱۹۱۶ء)

جب تک اس مقام پر آپ جلوہ فگن رہے طالبان فیوض و برکات کا تانتا بندھا رہا سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے لیے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے انسانوں کے ساتھ اجنہ بھی آئے ضیاء الرحمٰن شاہ قلی پوری نے لکھا ہے۔

''ہزارہا از رجال ونسواں بلکہ جنیاں و پریاں ہم دریں خانوادہ قادریہ رزاقیہ بعہد حضرت سیدی سندی بغدادی داخل شدند، دست بیعت بصد ہزار شوق ورغبت بخدمت آں شیخ الثقلین ملجاو ماویٰ دارین دادند''۔

(مذاکرہ قطب العالمین ص۷۹)

(ہزاروں مرد عورت جن و پری حضرت سیدنا عبد اللہ البغدادی کے عہد میں اس خانوادہ سے وابستہ ہوئے اور ہزارہا عقیدت وشوق کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا)

حضرت شاہ عبد اللہ بغدادی کے ذریعہ سلسلہ قادریہ کا فیضان بنگال میں کافی عام ہوا ہزارہا لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے بغدادی کے لقب سے آپ کو شہرت حاصل تھی لیکن حلقہ ارباب علم وفضل میں قطب البغداد غوث الاوتاد سید الافراد جیسے بیالیس خطابات والقابات سے مشہور تھے۔جب ہر طرح بنگال کی سرزمین پر سلسلہ عالیہ قادریہ کا فیضان عام ہوگیا تو آپ اپنے دونوں فرزندوں کو ساتھ لے کر بغداد چلے گئے اور اشاعت دین حق کے لئے باقی دو فرزندوں کو بنگال رہنے کا حکم دیا بغداد پہنچنے کے بعد وہیں آپ کی

رحلت ہوگئی اس لئے تاریخ وصال کا علم نہ ہو سکا البتہ ہندوستان سے بغداد واپسی کا ذکر تذکرہ نویسوں نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

”حضرت سیدی سندی بغدادی رضی اللہ عنہ ازیں دیار مراجعت اشرف البلاد بغداد فرمود ہمانجا رحلت ونہضت نمودہ آسودہ اند بنابریں از تحریر تاریخ ارتحال وانتقال ایشاں معذور ماندم“۔ (مذاکرہ قطب العالمین ص ۸۱)

(حضرت سیدنا عبداللہ بغدادی ہندوستان سے بغداد چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا اس وجہ سے ان کی تاریخ وفات کا علم نہ ہوسکا۔)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت شیخ نصیر الدین اولیاء جنوبی ۲۴ر پرگنہ، کولکاتا علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت شیخ نصیر الدین اولیاء کی ولادت مغربی بنگال کے مشہور ومعروف شہر کلکتہ کے ضلع دکھن چوبیس پرگنہ کے ایک چھوٹے سے گاؤں ”پون کمرہ“ میں ہوئی۔آپ کو بچپن سے ہی علم دین حاصل کرنے کا بڑا شوق رہا۔یہی وجہ تھی کہ بچپن ہی سے اپنے گاؤں پون کمرہ ہی میں علم دین کی تحصیل میں مصروف ومنہمک ہوگئے۔گھر کی مالی حالت ٹھیک نہ تھی بسا اوقات فاقہ کشی کی بھی نوبت آجایا کرتی تھی اس لیے والد محترم کا ارادہ تھا بڑا ہوتے ہی آپ کو کام دھندھے سے لگا دیا جائے گا تاکہ تھوڑی معیشت بہتر ہوجائے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک دن آپ کی دادی جان نے خواب دیکھا کہ آپ پانی کے اندر کچھ لوگوں کے درمیان بہت ہی والہانہ انداز میں خطاب فرما رہے ہیں۔دادای جان نے اس خواب کا تذکرہ آپ کے دادا جان سے کر دیا اور ساتھ ہی یہ گذارش بھی کر دی کہ نصیر الدین کو تعلیم وتربیت کے لیے حضرت قربان علی بغدادی کے سپرد کر دیجئے۔ چنانچہ دادا جان نے بلا تامل آپ کو تعلیم کے لیے حضرت قربان علی بغدادی کے حوالہ کر دیا۔

پہلے تو آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا حضرت شیخ شبیر علی علیہ الرحمہ سے حاصل

کی پھر منتہی کتابوں کی تدریس کے لیے اپنے مشفق ومہربان استاد حضرت حکیم قربان علی شاہ بغدادی علیہ الرحمۃ والرضوان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس زمانہ میں کوئی باضابطہ مدرسہ نہ تھا حضرت قربان علی بغدادی اپنے گھر پر ہی طالبان علم نبوت کو درس قرآن وحدیث سے فیضیاب فرماتے تھے۔ دور دراز سے طلبہ اپنی علمی تشنگی دور کرنے آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ نصیر الدین بھی روزانہ چھ کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کر کے آپ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ تنگ دستی کے سبب ناشتہ بھی میسر نہ ہوتا بس ایک دو گھونٹ پانی پی لیتے اور صبح سویرے تعلیم کے لیے نکل جاتے۔ استاد گرامی کو جب آپ کی اس کیفیت کی خبر ہوتی تو آپ اپنے گھر سے ناشتہ وغیرہ کرادیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی اس کیفیت کو چھپانے کے لیے ایک انوکھا طریقہ ایجاد کر رکھا تھا اور وہ یہ تھا کہ رات کے کھانے میں ۳ ر۴ چاول رکھ لیا کرتے تھے اور صبح سویرے وہی تین چار چاول کھا کر اپنے استاذ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے جب استاذ آپ سے پوچھتے کہ ناشتہ کر لیا ہے؟ تو آپ فرمادیتے کہ چاول کھا کر آیا ہوں۔ یہ سن کر استاذ گرامی مطمئن ہو جاتے۔ آپ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ اپنے ہمدرس ساتھیوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے اور جھوٹ بھی نہ ہو مگر ایک دن یہ راز فاش ہو ہی گیا اور ساری بات استاذ مکرم کو معلوم ہوگئی۔ تب استاذ مکرم کو خیال آیا کہ میرا یہ شاگرد صرف علم ظاہری پانے کا حق دار نہیں بلکہ علم باطن سے بھی آراستہ ہونے کا حقدار ہے۔ اس لیے اس دن سے استاذ محترم آپ کو علم ظاہری کے ساتھ علم باطنی کا بھی درس دینے لگے اور نفس کشی وریاضت ومجاہدہ کے اصول بتانے لگے۔ اس طرح رفتہ رفتہ آپ کی ذات گرامی شریعت وطریقت کے حسین سنگم میں تبدیل ہونے لگی۔ استاذ محترم کی مشفقانہ رہنمائی اور خصوصی توجہ وتربیت ہی کا ثمرہ ہے کہ شیخ طریقت نے ظاہری تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ آپ کو بیعت اور اجازت وخلافت سے بھی نواز دیا تھا۔

علم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ علم روحانی کی طرف متوجہ ہوئے تو اس زمانہ کے مشہور ومعروف بزرگ شیخ طریقت حضرت سید شاہ حسن موسیٰ رضا حسنی وحسینی علیہ الرحمۃ والرضوان جو ''سید صاحب'' کے نام سے مشہور تھے کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ریاضت

ومجاہدہ کے بعد بیعت وخلافت کی دولت سے سرفراز کیے گئے۔آپ کی بیعت وخلافت سے متعلق ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

''ایک رات حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء نے خواب دیکھا کہ ایک سفید پوش وجیہ صورت بزرگ سبز عمامہ باندھے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوکر آپ کی بستی میں تشریف لا رہے ہیں۔ راستہ میں حضرت نصیر الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کی ملاقات ہو جاتی ہے دونوں کے درمیان عربی زبان میں گفتگو ہوتی ہے پھر آپ آنجناب کو اپنے ہمراہ اپنے دولت کدہ پر لاتے ہیں۔دولت کدہ پر آکر آنجناب آپ کی گود میں سر رکھ کر آرام فرمانے لگتے ہیں اور ادھر خواب ٹوٹ جاتا ہے۔جب صبح ہوئی تو آپ نے اپنے استاذ محترم سے سارا خواب بیان کر دیا تو استاذ محترم حضرت قربان علی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر دی کہ عنقریب کوئی سید زادہ اس بستی میں تشریف لانے والے ہیں اور وہی تمہارے شیخ طریقت ہوں گے۔تم کو انھیں سے مرید ہونا ہے۔خواب کی یہ تعبیر سن کر آپ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیے دل رونے لگا نم آنکھوں سے عرض گزار ہوئے، حضور میں تو آپ ہی سے بیعت ہوں گا، دلی طور پر میں آپ ہی کا ہوں اور آپ ہی کا رہوں گا۔مشفق استاذ کے باصرار سمجھانے پر بالآخر آپ راضی ہو گئے۔

چند دنوں کے بعد واقعی تعبیر کے مطابق حضرت حکیم قربان علی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شیخ زادہ پیر بھائی حضرت سید شاہ حسن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زمین وجائداد کے معاملہ میں دلی سے کولکاتا تشریف لائے خبر پاکر حضرت قربان علی اپنے پیرزادہ کو (امت علی) پون کمرہ لے آئے اور اپنے شاگرد رشید حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کے حوالہ کر دیا۔ حضرت فوراً ہی برضا ورغبت آپ کو بیعت کر لیا اور خلافت

واجازت سے نواز دیا۔‘‘

حضرت نصیر الدین شاہ قادری کو ضلع چوبیس پرگنہ میں ’’بڑے استاذ‘‘ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ کیوں کہ اس زمانے میں تعلیم وتعلم کا زیادہ رواج بھی نہیں تھا اس لیے ایک عالم دین کی حیثیت سے آپ کی بڑی عزت وشہرت تھی۔ ہر چھوٹے بڑے پروگراموں میں آپ ہی کو دعوت دی جاتی اور مخلوق خدا ان سے علمی وروحانی استفادہ کرتی، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کے پیر ومرشد حضرت سید شاہ حسن موسیٰ رضا حسنی وحسینی علیہ الرحمہ والرضوان تعمیر مسجد کی خاطر دہلی سے اپنے کاندھے پر لکڑیاں اٹھا کر لائے تو اسے مغربی پون کمرہ میں رکھی گئیں۔تو یہاں کے رہنے والوں نے ان لکڑیوں کو غائب کرنا شروع کر دیا۔ان باشندوں کی اس عادت قبیحہ سے متنفر ہو کر آپ نے اس علاقہ کو خیر آباد کہہ دیا اور مغربی پون کمرہ سے رخت سفر باندھ کر مشرقی پون کمرہ میں اقامت گزیں ہوگئے اور پھر وہیں ایک عالیشان مسجد تعمیر فرمائی جسے آج ’’بڑی مسجد‘‘ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

حضرت شیخ نصیر الدین شاہ قادری کے روز وشب اکثر اسی مسجد میں گذرتے اور خلق خدا ان سے وہیں استفادہ کرتی، آپ نے علم دین کی روشنی سے اس خطہ بنگال کو منور ومجلیٰ فرمایا اور اپنی پوری زندگی علم دین کی ترویج واشاعت میں گذار دی۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد اس خطہ میں کوئی ایسا علمی شخص نہیں تھا جو علم دین کی اس قندیل کو روشن رکھتا جسے حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء نے کبھی مدھم نہ ہونے دیا۔

ایک زمانہ گزرنے کے بعد اسی خانوادہ میں ایک ایسا چراغ نمودار ہوا جس نے اس تعلیمی وروحانی مشن کو آگے بڑھایا جسے حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء لے کر آگے بڑھے تھے اور وہ ذات گرامی ہے صوفی ملت حضرت عبد الحکم شاہ قادری کی ہے، جنھوں نے بحیثیت صاحب سجادہ اپنے آبا واجداد کے تعلیمی وروحانی مشن کو آگے بڑھانے میں اپنا سب کچھ لگا دیا ہے اور ایک بڑے تعلیمی ادارہ کے قیام سے اس خطہ سے جہالت کی تاریکی کو دور کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔جس علاقہ کو پہلے کے لوگوں نے ’’کوفہ‘‘ کا نام دے رکھا تھا آج وہی علاقہ، علمی چہل پہل کی وجہ سے ’’قادری محلّہ‘‘ کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

علم دین کی ترویج واشاعت کے سلسلہ میں حضرت عبدالحکم قادری کو کئی دشواریوں سے نبرد آزما ہونا پڑا مگر وہ اس راہ میں اپنے مرشدین عظام کے فیوض وبرکات سے جبل مستقیم بن کر ڈٹے رہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پون کمرہ کے ایک بڑے خطہ پر علم وفن کا ایک ایسا شہر بسا دیا جو بنگال کی سرزمین پر بلاشبہ قابل رشک ولائق صد آفریں تو ہے ہی بنگال اور اس کے اطراف وجوانب کی ریاستوں کے تشنگان علوم وفنون کے لئے بھی چشمۂ شیریں بن کر علمی آسودگی فراہم کرنے لگا ہے۔اس چمنستان قادریت میں ''دارالعلوم نصیرالدین اولیاء '' کے علاوہ ''خانقاہ قادریہ امامیہ'' اور ایک بڑی عالی شان ودیدہ زیب'' مسجد مہر اللہ شاہ '' بھی دعوت نظارہ دیتی ہے۔

دارالعلوم نصیرالدین اولیاء میں بنگال اور دوسرے صوبوں کے طلبہ علم دین کی تحصیل میں سرگرم عمل ہیں۔سیکڑوں طلبہ حفظ وقرأت کے علاوہ درس نظامی اور تخصص کے کورس میں داخلہ لے کر علم دین کی تحقیق وترویج میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں۔اس ادارہ میں'' مکتبہ وحیدیہ قادریہ'' کے نام سے ایک عالی شان لائبریری بھی ہے،جس میں مختلف علوم وفنون پر ہزاروں کتابیں طلبہ واساتذہ کے لیے ہمیشہ دستیاب رہتی ہیں۔اس ادارہ کے بانی وسربراہ اور''خانقاہ قادریہ نصیریہ'' کے سجادہ نشین جناب عبدالحکم قادری جس طرح اس تعلیمی ادارہ کی تعمیر وترقی میں منہمک ہیں اور اساتذہ جس طرح طلبہ کی شخصیت سازی میں اپنا کردار نبھا رہے ہیں اس سے بلاشک وارتیاب یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل میں صوبہ بنگال میں ہی صرف نہیں مشرقی ہندوستان کے اہم اداروں میں اس کا شمار ہوگا۔بحیثیت مہمان خصوصی محبوب سبحانی کانفرنس وجلسہ تقسیم اسناد ودستار بندی کے موقع پر ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۹ء کو جنوبی ۲۴ر پرگنہ کولکاتا جانا ہوا ادارہ کی عمارت اور طلبہ کی چہل پہل کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔اس موقع سے ،راقم السطور کو ۲۲ر دسمبر کو نماز مغرب پڑھا کر ''مسجد مہر اللہ شاہ'' کا افتتاح بھی کرنے کا شرف حاصل ہوا۔اسی موقع سے مولانا ابوالحسن قادری فرزند سعید مولانا عبدالحکم قادری نے دارالعلوم کے لیے ترانہ کی فرمائش کی جسے میں نے باعث سعادت سمجھا اور تعمیل حکم میں خوشی محسوس ہوئی وہ ترانہ یہ ہے۔

ترانہ دارالعلوم نصیر الدین اولیاء جنوبی ۲۴؍ پرگنہ، بنگال

علم وفن کی دولت سے ہر مومن مالا مال ہے
نسبت شاہ نصیر الدیں سے جو قطب بنگال ہے

فیضان بغداد یہاں سے ہر مومن کو ملتا ہے — سید شاہ حسن موسیٰ کا سکّہ یہاں پر چلتا ہے
عبد الرحیم و مہر اللہ کے فیض کا دریا بہتا ہے — ان کے لطف وکرم سے بے شک ہر مومن خوشحال ہے

علم وفن کی دولت سے یہ مرکز مالا مال ہے
نسبت شاہ نصیر الدیں سے جو قطب بنگال ہے

بانی عبد الحکم قادری کا مقصد علم پھیلانا ہے — اس خطہ سے کفر وضلالت جڑ سے انھیں مٹانا ہے
اخلاق نبی، کردار مشائخ ہر گھر میں پہنچانا ہے — صل زیست کا یہی ہے مقصد باقی سب جنجال ہے

علم وفن کی دولت سے یہ مرکز مالا مال ہے
نسبت شاہ نصیر الدیں سے جو قطبِ بنگال ہے

دور دور سے طلبہ یہاں پر علم کی خاطر آتے ہیں — علم وفن کے اس چشمہ سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں
خلق ومروت، علم وہنر اخلاص کی دولت پاتے ہیں — ہر اک طالب علم یہاں کا کیا ہی خوش اقبال ہے

علم وفن کی دولت سے یہ مرکز مالا مال ہے
نسبت شاہ نصیر الدیں سے جو قطبِ بنگال ہے

پڑھ لکھ کے ہم امن کا پرچم دنیا میں لہرائیں گے — الفت، پیار، محبت کا ہم سب کو سبق پڑھائیں گے
حق وصداقت کی خاطر ہم طوفاں سے ٹکرائیں گے — دار العلوم نصیر الدیں کا مشن یہ ماہ وسال ہے

علم وفن کی دولت سے یہ مرکز مالا مال ہے
نسبت شاہ نصیر الدیں سے جو قطبِ بنگال ہے

عزت ودولت، شہرت وثروت اپنی رحمت دے اللہ — علم میں برکت، رزق میں وسعت عزم وہمت دے اللہ
ظلم وتشدد جڑ سے مٹائیں ایسی قوت دے اللہ — جن کے پاس نہیں یہ سب کچھ انجم وہ کنگال ہے

علم وفن کی دولت سے یہ مرکز مالا مال ہے

نسبت شاہ نصیر الدیں سے جو قطب بنگال ہے

حضرت نصیر الدین شاہ قادری تقویٰ وپرہیز گاری کے پیکر تھے،ان سے منسوب تقویٰ وتدین کی کئی ایک مثالیں اس علاقہ میں عوام وخواص کی زبان زد ہیں ۔آپ کے دوسرے فرزند حضرت عبد الرحیم شاہ قادری بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں گھریلو تنازع کے سبب اپنی اہلیہ اور بچوں کے ساتھ الگ رہنے لگا۔غربت زیادہ تھی اس لئے والد ماجد سے الگ رہنے کے باوجود بھی کبھی کبھی مالی مدد بھی فرمادیا کرتے تھے اور کبھی کبھی میرے گھر سے والد ماجد کے لیے سالن بھی چلا جایا کرتا تھا ایک مرتبہ میری اہلیہ نے سالن بھجوایا تو آپ نے اسے واپس کر دیا۔واپس کرنے کی جب وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا:

''عبد الرحیم مجھ سے کچھ دھان قرض کے طور پر لے گیا ہے اگر میں یہ سالن لے لوں تو اس قرض کا سود ہو جائے گا لہٰذا جب وہ قرض سے بری ہو جائے گا تو پھر سالن لوں گا ابھی اسے واپس لے جاؤ''۔

(قطب کلکتہ نصیر الدین شاہ قادری: ابو الحسن قادری ص۲۲ مطبوعہ ۲۰۱۹ء)

حضرت نصیر الدین شاہ قادری کی پوری زندگی اتباع شریعت سے عبارت تھی۔ ہمیشہ آپ نے اپنی زندگی قرآن وحدیث کی روشنی میں بسر کی ،مصلحت پسندی سے کوسوں دور تھے، جو حق ہوتا وہی زبان پر لاتے ،صبر وتحمل کے وہ ایسے پیکر تھے کہ کوئی کچھ بھی کہہ دیتا مگر آپ پلٹ کر اسے جواب نہیں دیتے ۔لیکن شریعت کے خلاف وہ شمشیر برہنہ تھے ، خلاف شرع آپ نے کبھی ،کسی کی کوئی بات برداشت نہ کی ۔آپ ایک دن حسب معمول مسجد میں اپنے مریدین ومتوسلین کو وعظ ونصیحت فرمارہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص جس کا نام یوسف جمعدار تھا آیا اور آپ کو برا بھلا کہنے لگا،لیکن آپ نے اس کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔مریدین اس کی باتیں سن کر جز بز ہورہے تھے مگر آپ نے سب کو منع کر دیا کہ کوئی اس کے خلاف اپنی زبان نہیں کھولے گا۔سب خاموش تماشائی بنے رہے اور آپ سب کو برابر نصیحت فرماتے رہے کہ صبر کرو اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔لوگوں کا بیان ہے کہ یوسف جمعدار آپ کے خلاف کچھ دیر بکواس کرتا رہا پھر واپس چلا گیا

جب رات ہوئی تو اس کے گھر والے روتے چلاتے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض گزار ہوئے کہ یوسف جمعدار کو شدید طور پر جلاب وقے کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ حالت بہت نازک ہے دوا کام نہیں رہی ہے، حضرت نظر کرم فرمائیں۔مریدین نے روکا مگر آپ نہ مانے اور اپنے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اس کے گھر پہنچ کر آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی اور پھر دوسرے دن وہ ٹھیک ہو گیا اور پھر وہ آپ کی مخالفت سے باز آ گیا''۔(قطب کلکتہ نصیر الدین شاہ ص۲۳)

حضرت نصیر الدین شاہ پر سانپ بچھو کے کاٹنے کا اثر بالکل نہیں ہوتا اس تعلق سے جناب مبارک صاحب جو حضرت کے مرید خاص تھے ان کا بیان ہے اور یہ بات اس وقت کی ہے جب سانپ بچھو اور دیگر زہریلے اور موذی جانوروں کے کاٹ لینے کا زہر نکالنے کا علاج عروج پر تھا۔مبارک صاحب خود بھی زہریلے جانوروں کا زہر نکالنے میں ماہر طبیب تھے۔وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت کے پاؤں دبا رہا تھا اچانک چونک اٹھے اور کہنے لگے کہ حضرت آپ کے پیر میں فلاں جگہ سانپ کا زہر معلوم ہوتا ہے اور زہر سارے جسم میں پھیلا نہیں ہے بلکہ ایک جگہ منجمد ہے۔اگر آپ اجازت فرمائیں تو اسے نکالوں حضرت نے ارشاد فرمایا:

> ''ہاں یہ سانپ کا زہر ہے طالب علمی کے زمانے میں میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ ایک زہریلا سانپ کہیں سے آیا اور مجھے ڈس لیا میں دوڑتے ہوئے اپنی والدہ کے پاس آیا اور کہا کہ جلدی سے سورہ فاتحہ پڑھ کر میرے پیر پر دم کر دو میری ماں فوراً سورہ فاتحہ پڑھ کر پیر پر پھونک ماردی جس کے سبب زہر وہیں ٹھہر گیا اور پورے بدن میں نہ پھیل سکا آج اس زہر کو تم نے ڈھونڈ ھ نکالا ہے اچھا ہوا تم اسے نکال دو مبارک صاحب کا کہنا ہے کہ اس زہر کو تو میں نے نکال دیا اگر یہ زہر کسی اور کے جسم ہوتا تو یقیناً وہ شخص فوت ہو جاتا''۔(قطب کلکتہ نصیر الدین شاہ ص۲۴)

حضرت نصیر الدین شاہ قادری کے کے تابع فرمان اجنہ بھی تھے۔اگر محلّہ میں کوئی

جن کسی کو پریشان کرتا تو اس کی گوش مالی بھی آپ فرماتے ان کے بچے آپ کے پاس تعلیم بھی حاصل کرتے آپ کو ان سے کسی قسم کا خوف نہ رہتا۔انسانوں کیا؟ اجنہ بھی آپ کا ادب واحترام کرتے۔وہ اس طرح گھل مل کر آپ کے پاس رہتے انھیں پہچاننا مشکل تھا کہ یہ جن کے بچے ہیں یا انسان کے؟ البتہ ان کی کچھ عادتیں ایسی ضرور تھیں جو حیرت انگیز تھیں۔اس سلسلہ میں کئی واقعات بیان کیے جاتے ہیں یہاں صرف دو واقعہ کی طرف اشارہ مناسب سمجھتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اللہ والے صرف اور صرف اپنے مالک حقیقی سے ہی خوف کھاتے ہیں اور کسی سے نہیں۔حضرت شاہ عبدالرحیم قادری بیان فرماتے ہیں:

''پونکمرہ گاؤں میں ایک کالی نام کا جن رہتا تھا لوگوں کو کھلے عام ستانا پریشان کرنا اس کا مشغلہ تھا کبھی کتا بن کر کبھی بلی کی صورت میں اور کبھی کوئی ڈراؤنی شکل اختیار کر کے بندگان خدا کو ڈرایا کرتا تھا۔ایک دن آپ (شاہ نصیر الدین قادری) کی بڑی بہو کپڑے دھو کر سوکھانے کے لیے باہر رسی کے قریب گئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ ایک لحیم شحیم عظیم الجثہ آدمی اس رسی پر کھڑا ہے اس کا ایک قدم رسی پر اور دوسرا قدم قریب کے ایک درخت پر ہے وہ یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئیں اور چیخ مار کر اندر چلی گئیں، چیخ کی آواز سن کے اندر سے حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء باہر تشریف لائے اور دیکھا تو وہ جن بدستور اسی پر کھڑا تھا۔حضرت نے اس کا کان پکڑا اور نیچے لا کر تنبیہ فرمایا کہ آج کے بعد میرے خاندان والوں میں سے کسی کو نہیں ستائے گا۔پھر اسے چھوڑ دیا اس کے بعد اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا''۔

(قطب کلکتہ حضرت نصیر الدین شاہ ص ۲۵)

امام اِٹالی مسجد بہادر ملا بیان کرتے ہیں کہ حضرت نصیر الدین شاہ قادری کے پاس انسانوں کے علاوہ جناتوں کے بچے بھی پڑھا کرتے تھے اور وہ صبح وشام آپ کے ہی پاس رہا کرتے تھے لیکن ان کا نیچر عام انسانی بچوں سے قدرے مختلف تھا۔جب حضرت سے پوچھا جاتا کہ یہ بچے کون ہیں تو حضرت ارشاد فرماتے یہ دونوں غریب بچے ہیں کلکتہ سے آئے ہیں،

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت نے ان بچوں سے کہا کہ کتابیں سب دھوپ میں ڈال دیں ۔کتابیں دھوپ میں ڈالی گئیں اور حضرت گھر کے اندر آرام فرمارہے تھے اتنے میں بادل چھا گئے اور تھوڑی دیر میں بارش ہونے لگی، جناب بہادر ملا بیان کرتے ہیں۔

''دیکھنے والوں نے دیکھا کہ یہ دونوں بچے جلدی جلدی کتابیں اٹھانے لگے جب بارش بہت تیز ہونے لگی تو یہ دونوں بچے اپنا ایک پیر میدان میں اور دوسرا پیر مسجد کے اندر رکھے جلدی جلدی اٹھالائے اور مسجد کے اندر رکھ دیئے۔لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے، حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سب نے واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا یہ دونوں جنات کے بچے ہیں جو میرے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے یہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے لیکن سب لوگ ڈرنے لگے اور ان بچوں سے دور رہنے لگے تو حضرت نے انھیں واپس بھیج دیا''۔

(قطب کلکتہ نصیر الدین شاہ قادری ص ۲۶)

حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء شعر و سخن کا بھی اعلیٰ مذاق رکھتے تھے، آپ کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی نظم گوئی صرف فقہی اور متصوفانہ مسائل ہی میں منحصر تھی مکارم اخلاق کے موضوع پر آپ کے کچھ اشعار بطور نمونہ ذیل میں دیئے جارہے ہیں۔

اے خلیفہ خاص تو سبحان کا — کیوں نہیں کرتا عمل اس شان کا
تو خدا کی دل میں رکھ شرم وحیا — رب تجھے کس واسطے پیدا کیا
چھوڑ کر وہ کام تو کرتا ہے کیا — آرزو میں نفس کے مرتا ہے کیا
تجھ کو لازم نفس کا کرنا خلاف — ہوئے دل کا آئینہ اس وقت صاف
راستی لے اور قناعت باصفا — لے توکل اور تسلیم ورضا
ہے تجھے ہونا اگر جنت مقام — اے برادر کر نکو یہ پانچ کام
کبر وکینہ غیبت وبغض وحسد — کر نکو یہ کام ہیں سب سخت بد
گر تجھے دیدار کی ہے آرزو — آہ یہ دس کام کر اے خوبرو

صبر و تقوی حلم اور شکر ووفا طاعت وعلم ویقیں ، عدل وسخا
چاہے اپنے سے رہے راضی خدا اے برادر دل کسی کا مت دکھا
گر تجھے اب چاہئے قرب حضور تین کاماں دل سے کرنا ہے ضرور
مومناں کی تو سدا تعریف کر تو کبھی ان کا گلہ مت کر پسر
فائدہ پہنچا ہو تیرے سے اگر تو کبھی ہرگز نہ کر ان کا ضرر
ہے ولایت کی تجھے گر جستجو رکھ ہمیشہ نیک نیت نیک خو
تو فنا فی اللہ کا چاہے مقام ہونکو خود بیں وبد بیں والسلام
ہے وہ انساں جس میں ہے علم وعمل دوصفت یہ خاص اس کے بے خلل
نیک خو انسان کی کر جستجو شیطان ہے وہ جونہیں ہے نیک خو
(قلمی بیاض سے مستفاد)

آپ کی تصوف کے موضوع پر ایک تحریر جو'' ذکر کی فضیلت'' کے بیان میں ہے۔بطور نمونہ ذیل میں نقل کی جارہی ہے۔

'' ذکر کے چار درجے ہیں ایک تو یہ کہ فقط زبانی ذکر ہو دل اس سے غافل اور بے خبر ہو اس کا اثر کم ہوتا ہے مگر بالکل بے اثر نہیں ہے، اس واسطے کہ جو زبان ذکر الٰہی میں مشغول ہو اس کو اس زبان پر جو بے ہودہ باتوں میں مصروف ہو یا بالکل بیکار ہو اس پر فضیلت ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دل میں تو ہو لیکن قرار نہ پکڑے ایسا ہو کہ دل کو تکلیف سے ریا سے ذکر کے ساتھ مشغول ہوا کریں اگر تکلیف نہ ہو تو دل غفلت یا نفس کے خطرہ سے پھر اپنی طبیعت کے موافق ہو جائے۔

تیسرا درجہ یہ کہ ذکر دل میں گڑھ گیا ہو اور ایسا غالب اور متمکن ہو گیا ہو کہ اور کام کی طرف اسے تکلیف سے مشغول کریں یہ بہت بڑی بات ہے اور بہتر ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ جس کا ذکر ہے وہ دل میں بس گیا ہو اور وہ حق سبحانہ

تعالیٰ ہے اور ذکر دل میں نہ ہواس واسطے کہ جس شخص کا دل مذکور یعنی خدا کو دوست رکھتا ہے اس میں اور جس کا دل ذکر کو دوست رکھتا ہے بڑا فرق ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ ذکر اور ذکر کا خیال بالکل دل سے جاتا رہے، مذکور ہی مذکور رہ جائے اس واسطے کہ ذکر عربی ہو خواہ فارسی سخن نفس سے خالی نہ ہوگا بلکہ عین سخن ہوگا اور اصل یہ ہے کہ سخن عربی وفارسی وغیرہ جو کچھ ہے سب چیزوں سے دل خالی ہو جائے دل میں کسی دوسری چیز کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔فرط محبت جس کو عشق کہتے ہیں یہ امر اس کا نتیجہ ہے یعنی اس سے حاصل ہوتا ہے اور عاشق ہمیشہ معشوق ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ اس کے تصور اور کمال خیال میں اس کا نام بھی بھول جائے جب ایسا مستغرق اور محو ہو جائے گا کہ اپنے تئیں اور غیر حق کو جو کچھ ہے بھول جائے گا تو تصوف کے پہلے راستے پر آجائے گا ۔صوفیہ صافیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حالت کو فنا اور نیستی کہتے ہیں یعنی جو کچھ ہے وہ سب اس کے ذکر سے نیست ہو گیا اور خود بھی نیست ہو گیا کہ اپنے تئیں بالکل بھول گیا اور جس طرح حق تعالیٰ کے بہت سے عالم ایسے ہیں کہ ہمیں ان کی خبر نہیں اور وہ ہمارے حق میں نیست ہیں اور ہم جن سے آگاہ نہیں اور ہمیں جن کی خبر ہے وہ ہمارے نزدیک ہست ہیں اگر یہ عالم جو خلق کے نزدیک نیست ہیں کسی کو بھول گئے تو اس کے نزدیک نیست ہو گئے اور جب اپنی خودی بھول گیا اور خدا کے سوا جب کوئی چیز اس کے ساتھ نہ رہی تو حق تعالیٰ ہی اس کے نزدیک ہست اور موجود ہے ۔جس طرح تو جب نگاہ کرے اور زمین اور آسمان اور جو کچھ اس میں ہے وہی دیکھے اس کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے تو یہی کہے گا کہ اس کے سوا عالم ہستی نہیں اور تمام عالم یہی ہے ۔اسی طرح یہ ذاکر بھی خدا کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور کہتا ہے ہمہ اوست یعنی اللہ ہی اللہ ہے سوا اللہ کے کچھ نہیں اس

مقام پر اس کے اور خدا کے درمیان جدائی نہیں باقی رہتی ۔اور یگانگی حاصل ہو جاتی ہے یہ توحیداور وحدانیت کا پہلا عالم ہے یعنی جدائی اوٹھ جاتی ہے جدائی اور دوئی سے کچھ خبر ہی نہیں رہتی اس واسطے کہ جدائی وہ جانتا ہے جو دو چیزیں جانے ،اپنے تئیں اور خدا کو پہچانے اور یہ شخص اس وقت آپ سے بے خبر ہے ایک کے سوا دوسرے کو پہچانتا ہی نہیں تو جدائی کیوں کر جانے ۔آدمی جب اس درجہ پر پہونچتا ہے تو فرشتوں کی صورتیں اس پر ظاہر ہونے لگتی ہیں ملائک اور انبیا کی روحیں اچھی اچھی صورتوں پر نظر آنے لگتی ہیں جناب احدیت کے واسطے جو چیزیں خواص ہیں وہ منکشف اور ظاہر ہونے لگتی ہیں اور بڑے بڑے احوال نمودار ہوتے ہیں کہ ان کا بیان ممکن نہیں جب پھر آپ میں آتا ہے اور کاموں سے آگاہی پاتا ہے تو اس کا اثر اس میں رہتا ہے اور اس حالت کا شوق غالب ہوتا ہے اور دنیا و مافیہا اور جن کاموں میں خلق مشغول ہے وہ سب اسے ناگوار اور ناپسند ہوتے ہیں اپنے بدن سے تو آدمیوں میں ہوتا ہے اور دل سے غائب رہتا ہے اور تعجب کی نظر سے لوگوں کو دیکھتا ہے کہ دنیا کے کام میں مشغول ہیں اور رحمت اور حسرت کی نگاہ سے دیکھنا اس واسطے ہے کہ جانتا ہے کہ یہ لوگ کتنے بڑے اور عمدہ کام سے محروم ہیں اور لوگ ہنستے ہیں کہ خود بھی دنیا کے کاموں میں کیوں نہیں مشغول ہوتا اور گمان فاسد کرتے ہیں کہ اوسے سودا جائے گا ۔اگر کوئی شخص فنا اور نیستی کے درجہ تک نہ پہونچے اور یہ حالت و مکاشفت اس پر ظاہر نہ ہوں لیکن ذکر الٰہی اس پر غالب اور غلبہ کرنے والا ہو جائے تو یہ بھی کیمیائے سعادت ہے۔ اس واسطے کہ جب ذکر ہوگا تو محبت غلبہ کرنے والی ہوگی اور دل پر چھا جائے گی۔ پہلے سے حق تعالیٰ کو زیادہ دوست رکھے گا اور خلاصہ سعادت یہی ہے اس واسطے کہ جب خدا کی طرف رجوع ہوگا تو موت سے اس

کے دیدار کے بہ سبب کمال لذت بقدر حاصل اور جس کی محبوبہ معشوقہ دنیائے دوں ہے اور جو اس پر زوال پر عاشق وشیفتہ ہے وہ بقدر عشق ومحبت اس کی فریب میں رنج واذیت کھینچے گا۔ اگر جو شخص بہت ذکر کرتا ہے اور وہ احوال جو صوفیہ کو ہوتا ہے وہ ظاہر اور نمودار نہ ہو تو بیزار نہ ہو کہ سعادت اس حال پر موقوف نہیں کہ دل جب نور ذکر سے آراستہ نہ ہو تو کمال سعادت پر مہیا نہ ہوتا ہے اور جو کچھ اس جہاں میں اسے نہ ظاہر ہو گا وہ مرنے کے بعد ظاہر ہو گا تو آدمیوں کو چاہیئے مراقبہ دل کا اپنے اوپر لازم کرے رکھے، تاکہ خدا سے لگا رہے اور کبھی غافل نہ ہو اس واسطے کہ ذکر دائمی وعجائب ملکوت کی کنجی ہے''۔

ایک عالم دین دعوت وتبلیغ اور رشدو ہدایت کے علاوہ مسجد میں امامت وخطابت درس وتدریس کا جو فریضہ انجام دیتا ہے وہی آپ کا بھی شغل رہا البتہ آپ کی ایک خدمت جو آپ کو اور دوسرے حضرات سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے دست اقدس سے کلام الٰہی لکھ کر دوسروں کو عطا فرماتے تھے۔ آج کل کی طرح اُس زمانے میں مطبوعہ قرآن کریم کی فراوانی نہیں تھی، ناپید نہیں تو نادر ضرور تھے۔خصوصاً آپ کے علاقہ میں۔آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن کریم کا ایک نسخہ آج بھی خانقاہ میں موجود ہے جو آپ کے نبیرہ حضرت صوفی شاہ عبدالحکم قادری مدظلہ النورانی کی تحویل میں ہے۔

حضرت نصیرالدین شاہ قادری صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔کئی ایک کرامتیں آپ سے صادر ہوئیں، کرامتوں کے اظہار کو آپ مناسب نہیں سمجھتے تھے لیکن بسا اوقات وہ ظاہر ہو ہی جایا کرتی تھیں ۔مشہور روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ مسجد کی چھت پر چڑھ کر زارو قطار رونے لگے۔مریدین ومتوسلین نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ

میں دیکھ رہا ہوں کہ کلکتہ میں ہندو مسلم فساد ہو رہا ہے اور مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا جارہا ہے، بہت سارے مسلمان زخمی ہو گئے ہیں اس زمانہ میں نہ کوئی فون تھا اور نہ

اطلاع کا کوئی ذریعہ حضرت کی اس بات پر کچھ لوگوں کو یقین نہ آیا اور حضرت کی بارگاہ میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ حضرت نے صبر سے کام لیا جب تین چار دن بعد کلکتہ سے کچھ لوگ آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کلکتہ میں دو تین یوم قبل ہندو مسلم جھگڑا ہوا تھا تو انھوں نے ''ہاں'' میں جواب دیا اور جس طرح آپ نے منظر کشی کی تھی ان لوگوں نے ہو بہو ویسے ہی واقعہ بیان کیا۔

''آپ کے دوسرے فرزند حضرت عبدالرحیم شاہ قادری بیان کرتے ہیں کہ آپ کی علالت کے دوران لوگ مسجد ہی میں آپ کی مزاج پُرسی کے لیے آیا کرتے تھے جب طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو مریدین کی بھیڑ کثرت سے آپ کے پاس رہنے لگی اسی دوران آپ کے چھوٹے صاحبزادے میاں عبدالہادی مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر رونے لگے آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو مریدین نے کہا کہ اسے کھیر کھانے کی طلب ہے، اسی لیے رو رہا ہے کھیر کا ہمیشہ ملنا مشکل تھا لیکن آپ نے فرمایا گھر سے کھیر لا کر بچے کو دے دو، حالاں کہ گھر پر کچھ پکا ہی نہیں تھا چوں کہ حضرت کا حکم تھا اس لیے اہلیہ محترمہ گھر گئیں تو دیکھا کہ کیلے کے پتے میں گرم گرم کھیر رکھی ہوئی ہوئے۔ وہ کھیر لا کر عبدالہادی کو کھلائی پھر انھوں نے رونا بند کیا''۔ (قطب کلکتہ نصیر الدین شاہ قادری ص ۲۸)

اس طرح ایک دوسرا واقعہ جو اس طرح زبان زد ہے کہ ایک ہندو عورت جوانت کی ماں کے نام سے مشہور و معروف تھی وہ حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء کی بہت معتقدہ تھی وہ وقتاً فوقتاً حضرت کے پاس آیا کرتی تھی حضرت براہ شفقت اسے فاتحہ کی شیرینی دیا کرتے تھے اور وہ بھی عقیدت سے شیرینی لے لیتی اور کھا لیتی تھی اس کا یہ اکلوتا بیٹا جس کا نام انت تھا ایک دن اچانک اپنی ماں سے بات کرنا چھوڑ دیا اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر وہ اپنے فیصلہ پر اٹل رہا اس کی ماں بہت پریشان تھی اس سے پوچھتی پھرتی مندر میں جا کر عرضی لگاتی چڑھاوا چڑھاتی مگر اثر ندارد! اس عالم بے چینی میں ایک سادھو مل گیا اس نے

اپنے علم کے مطابق کہا کہ تم مسلمان کی چیز کھایا کرتی ہو اس لیے یہ تمہارا بیٹا تم سے بات نہیں کرتا ہے۔ وہ عورت حضرت کے پاس آئی اور سارا ماجرا بیان کیا پھر حضرت نے اسے کوئی چیز کھلائی اور فرمایا اطمینان رکھو جس دن تم اپنے بیٹے کو پہچان نہ پاؤ گی اس دن تمھارا بیٹا تم کو ماں کہہ کر پکارے گا۔عورت کو کسی قدر اطمینان ہو گیا حضرت کے یہاں اس عورت کا آنا جانا بدستور جاری رہا ۔زمانہ گذرتا گیا یہاں تک کہ آج سے تقریباً تیس سال قبل حضرت کے وصال کے بعد جب وہ عورت عمر کی آخری منزل کو پہنچ گئی تو اپنے بیٹے کو بھول گئی اسے ہر طرح سے یاد دلایا جانے لگا کہ یہ تمھارا بیٹا ہے مگر وہ کسی صورت اسے نہ پہچان پاتی ۔ بیٹا اس کے پاس ہر طرف سے آکر کہتا کہ میں فلاں ہوں ماں تم بات کیوں نہیں کرتی ہو؟ ماں تم مجھے کیسے بھول گئی ہو الغرض بیٹا بات بات پر لفظ ماں کہہ کر اپنی ماں کو مخاطب کرتا رہا دل وجان سے ماں کی خدمت کرتا، ہر پل ماں کا خیال رکھتا مگر ماں اسے قطعی نہ پہچانتی اور اسی حالت میں وہ دنیا سے چلی گئی اور اس طرح حضرت کا فرمان حضرت کے پردہ فرمانے کے پچاس سال بعد درست ثابت ہوا۔

خدا بخش جو آپ کے مریدین میں سے تھے وہ فرماتے ہیں کہ میرے پیر ومرشد حضرت شاہ نصیر الدین قادری نے مجھ سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میرے پیر ومرشد حضرت سید شاہ حسن موسیٰ رضا علیہ الرحمۃ والرضوان اور استاذ محترم حضرت قربان علی شاہ قادری بغدادی علیہ الرحمہ مدینے کو جارہے ہیں میں نے بھی ضد کی کہ مدینہ میں بھی چلوں گا پہلے تو ان حضرات نے منع کیا مگر میرے اصرار پر کہنے لگے ٹھیک ہے دس رجب کو تیار رہنا ہم لوگ مدینے چلیں گے۔

خدا بخش کا بیان ہے کہ حضرت شاہ نصیر الدین قادری نے وفات کے کچھ دن قبل مجھ سے کفن منگوایا اور خود کاٹ کر اسے دھویا اور سکھا کر اپنے پاس رکھا پھر ۹/رجب ۱۳۵۴ھ کو یہ دار فانی چھوڑ کر اپنے مدینے والے آقا سے جا ملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعد وصال حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء کا تصرف جاری رہا آپ کے شاگرد منشی عبد الغنی جو عملیات میں ید طولیٰ رکھتے تھے ان کا بیان ہے کہ حضرت کے محلّہ میں ایک مرتبہ

میں ایک گھر کی آسیب سے بندش کے لیے گیا، رات کا وقت تھا بندش کی پوری تیاری کر چکا تھا اور فاتحہ کے لیے شیرینی سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے جا ہی رہا تھا کہ اچانک کہیں سے ایک کتا آ گیا اور شیرینی کی تھیلی منھ میں دبا کر بھاگ گیا۔ میں سمجھ گیا کہ آج میری خیر نہیں بندش کا کام چھوڑ کر مالک مکان کو بغیر بتائے بھاگ کھڑا ہوا راستہ میں میں کافی دہشت زدہ ہو گیا تھا ایسا لگتا تھا کہ پیچھے سے کوئی طوفان آ رہا ہے اور ہوا کا دباؤ مجھے گرا دینا چاہتا ہے۔ میں گھبرا گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ کروں تو کیا کروں؟ اور جاؤں تو کہاں جاؤں؟ اچانک خیال آیا کہ حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء کے مزار میں گھس جاتے ہیں یہ خیال آتے ہی میں مزار شریف کی طرف بھاگنے لگا قریب پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ مزار شریف کے سامنے ایک شیر کھڑا ہے دل دھڑ کنے لگا کہ اب کیا کروں کیسے مزار شریف کے اندر جاؤں؟ مگر دل نے گواہی دی کہ حضرت کے جوار میں آ چکے ہو اب ڈر کس بات کا؟ اسی اعتقاد کے ساتھ شیر کے سامنے سے سرپٹ دوڑ کر حضرت کے مزار اقدس کے اندر گھس گیا اور شیر کی مطلق پرواہ نہ کی شیر بھی کچھ مزاحم نہ ہوا جہاں تھا وہیں دم دبائے کھڑا رہا۔ ادھر حملہ آور شیاطین نے جب شیر کو دیکھا تو واپس بھاگ گئے اس طرح حضرت کے باطنی تصرف سے میری جان بخشی ہوئی ۔ عامل عبد الغنی کا ماننا ہے کہ وہ شیر شیر نہ تھا بلکہ ہمارے استاذ مکرم حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء کی مقدس روح تھی اسی وجہ سے عامل عبد الغنی صاحب حضرت کے گھرانے کے بچوں کو ''شیر کے بچے'' کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔

حضرت شاہ نصیر الدین قادری کا وصال بروز جمعرات ۹/ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۶/ دسمبر ۱۹۳۵ء کو ہوا۔

حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء سے بیعت وارادت کا شرف تو بے شمار لوگوں نے حاصل کیا لیکن اجازت وخلافت کی دولت سے آپ نے صرف دو لوگوں کو مشرف فرمایا۔

۱۔ فرزند رشید شیخ عبد الرحیم شاہ قادری علیہ الرحمہ

۲۔ حضرت شیخ باری دل قادری علیہ الرحمہ

درج ذیل شجرہ مبارکہ کا اس خانقاہ مبارکہ میں ورد ہوتا ہے اور یہی شجرہ اس

سلسلہ سے وابستہ مریدین کو بھی دیا جاتا ہے یہ شجرہ پوری طرح مربوط ہے، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے ہوتے ہوئے امام الاولیاء حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور سیدالمرسلین احمد مجتبیٰ ﷺ پر منتہی ہوتا ہے۔

شجرہ متبرکہ طریقت قادریہ

ازعبدالرحیم شاہ قادری قدس اللہ سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یاحق یاحق یاحق

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ شیخ عبدالرحیم قادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ شیخ المشائخ نصیرالدین القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید شاہ حسن موسیٰ علی رضا قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ شیخ مولانا عاشق علی القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ شیخ غلام بولن القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ غلام احمد القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ شیخ حافظ محمد امین القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ شیخ بلاقی ولی اللہ القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ شیخ سید محمد باقر القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید احمد القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید انبیاء القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید محمد القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید کبیر القادری قدس اللہ سرہ العزیز

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید قطب الدین القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید محمد علی القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید بہاء الدین الکرخی القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید محمود القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید عبد الواسع القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید عبد العزیز القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید عبد الصمد القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمتراز و نیاز حضرت شاہ ابراہیم القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید اسمٰعیل القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید شاہ بہاء الحق القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید ابو المعالی القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید احمد القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید شاہ موسیٰ القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید محمد حسن ثانی القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید محی الدین قرنی قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید ابو صالح القادری قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ سید تاج العارفین شیخ المشائخ تاج الدین عبد الرزاق قدس اللہ سرہ العزیز
الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شاہ محی الدین ابو محمد شیخ سید عبد القادر جیلانی قطب الجن والانس والملٰئکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک دوسرا شجرہ جو آپ کے استاذ محترم حضرت سیدنا شاہ حکیم قربان علی بغدادی سے حاصل ہوا تھا وہ کچھ اس طرح ہے۔

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ المشائخ شاہ نصیر الدین القادری قدس اللہ سرہ

العزیز

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت سید شاہ حکیم قربان علی القادری بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت قطب زماں سید حافظ وزیر علی القادری قدس اللہ سرہ العزیز

الٰہی بحرمت راز و نیاز حضرت شیخ شاہ بولن القادری قدس اللہ سرہ العزیز

یعنی حضرت کے دونوں سلسلے حضرت بولن شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہوتے ہوئے بانی سلسلہ قادریہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادری الجیلانی غوث اعظم دستگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

نوٹ: یہ واضح رہے کہ حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے متعلق بہت سی باتیں نبیرہ حضرت شاہ نصیر الدین اولیاء حضرت شاہ صوفی عبدالحکم قادری نے اپنے دادا حضرت عبدالرحیم شاہ قادری اور حضرت نصیر الدین اولیاء کے بعض شاگردوں معتقدوں سے سنی ہیں جو انھوں نے ہم تک پہنچائیں اور بعض چیزیں حضرت کی ڈائری سے بھی فراہم ہوئی ہیں۔

باب چہارم

جنوبی ہند میں سلسلہ قادریہ کی مشہور درگاہیں

آستانہ عالیہ حضرت شیخ بہاء الدین دولت آباد، مہاراشٹر

علیہ الرحمۃ والرضوان

منہاج العابدین حضرت سیدنا شیخ بہاء الدین شطاری قادری دولت آبادی اورنگ آباد مہاراشٹر کے والد گرامی کا نام نامی ابراہیم عطاء اللہ انصاری جنیدی قادری شطاری حسینی تھا۔صاحب حال اور جامع کمالات بزرگ تھے۔ ہندوستان میں قادریہ سلسلے کے ناشرین میں آپ کا نام نمایاں ہے۔آپ کی ولادت باسعادت سرحد پنجاب میں ''جنید'' نامی شہر میں ہوئی۔اور وہیں آپ کی نشو ونما ہوئی ۔ آپ کی ذات مقدس سے ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی خوب ترویج واشاعت ہوئی۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

> ''آپ نے اپنی نسبت سلسلہ قادریہ تک اس طرح پہنچائی ہے۔شیخ السمٰوٰت والارضین شیخ عبدالقادر جیلانی کے ذریعہ ان کے فرزند ارجمند حضرت سیدنا شیخ عبدالرزاق جن سے دیگر شیوخ کے ذریعہ میرے پیر شیخ احمد جیلی قادری شافعی تک سلسلہ پہنچتا ہے۔میرے شیخ نے مجھے تمام اذکار واشغال سکھائے اور حرم شریف میں مجھے خرقہ خلافت پہنا کر اجازت مرحمت فرمائی کہ میں دوسرے لوگوں کو مرید کر کے خرقۂ خلافت سے نوازوں اس لئے جو میرا مرید ہوتا ہے میں اس کو خرقہ خلافت پہنا تا ہوں'' (اخبار الاخیار ص۴۲۳)

ہندوستان کی سر زمین پر سلسلہ قادریہ رزاقیہ برکاتیہ کی نشر واشاعت کا سہرا حضرت سیدنا بہاء الدین شطاری بن ابراہیم الانصاری کے سر ہے آپ کو سلسلہ قادریہ کی دولت اجازت وخلافت سلسلہ قادریہ کے بزرگ حضرت سید احمد جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۸۵۳ھ) سے حاصل ہوئی ۔ یہ بزرگ حضرت سید احمد الجیلانی بغدادی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساتویں نسبی پشت ہیں اور ساتھ ہی سلسلہ قادریہ رزاقیہ

کے شیخ طریقت بھی ہیں۔حضرت بہاء الدین شطاری سے یہ سلسلہ حضرت سید ابراہیم ایرجی (وفات ۹۵۳ھ) ان سے حضرت سید محمد نظام الدین شاہ بھکاری (وفات ۹۸۱ھ) ان سے حضرت قاضی ضیاء الدین المعروف شیخ جیا (وفات ۹۸۴ھ) ان سے حضرت سید جمال اولیاء (وفات ۱۰۴۷ھ) اوران سے یہ سلسلہ کالپی شریف کے سادات گھرانے تک پہنچا اور شیخ جمال اولیاء سے خلافت بلگرامی بزرگ حضرت سید میر محمد کالپوی (وفات ۱۰۷۱ھ) کو حاصل ہوئی۔آپ سے یہ خلافت حضرت میر سید احمد کالپوی (وفات ۱۰۸۴ھ) اوران سے حضرت میر سید فضل اللہ کالپوی بلگرامی تک پہنچی جن کا وصال ۱۱۱۱ھ میں ہوا۔ آپ سے سلسلہ قادریہ کی خلافت حضرت شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی تک پہنچی جن سے مارہرہ شریف میں سلسلہ قادریہ برکاتیہ کی بنیاد پڑی۔آپ کا وصال ۱۱۴۲ھ میں ہوا۔سلسلہ قادریہ برکاتیہ کا یہ سلسلہ حضرت سید آل محمد مارہروی (وفات ۱۰۹۶ھ) سے حضرت سید حمزہ مارہروی (وفات ۱۱۹۸ھ) ان سے یہ سلسلہ قادریہ برکاتیہ حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروری (وفات ۱۲۳۵ھ) تک پہنچا۔آپ کے بعد آپ کے پوتے حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قادری مارہروی (وفات ۱۲۹۶ھ) سجادہ بنے جن سے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ امام احمد رضا قادری نے بیعت ہونے کے کچھ عرصے بعد بریلی شریف میں سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی بنیاد رکھی۔

حضرت سیدنا بہاء الدین قادری شطاری علیہ الرحمۃ والرضوان آپ سلطان غیاث الدین بن سلطان محمد خلجی کے عہد حکومت میں ''مندو'' تشریف لائے۔صاحب ''تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ'' لکھتے ہیں۔

> ''آپ کی ذات مقدسہ سے ہندوستان میں قادریہ سلسلے کی ترویج واشاعت ہوئی جوق در جوق لوگ آپ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اورآپ کے فیض صحبت سے بے شمار خلق خدا سلسلہ ارادت میں شامل ہوکر ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئے ، یہی وجہ ہے کہ آج بھی

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ سے کروڑوں افراد منسلک ہیں اور آپ کا فیض روحانی اہل ہند پر جاری وساری ہے۔ نیز دیگر جملہ سلاسل سے سلسلہ قادریہ کے ماننے والے بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں''۔

(تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، عبدالمجتبیٰ نیپالی ص ۲۷۹ دہلی ۱۹۸۹ء)

گرامی قدر ولی اور طالبان حق کے لیے پیر ومرشد برحق تھے۔تصوف میں شان عظیم اور رتبہ عظیم رکھتے تھے۔کسی بادشاہ کی خواہش پر شہر''مندو'' کو رونق بخشی۔مشرب شطاریہ میں آپ کا ایک رسالہ ہے جس کے اندران مقامات کی طرز ریاضت کو عنوان کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر عمدہ کتاب کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔باوجودیکہ اپنی بیعت کا تذکرہ خانوادہ قادریہ میں کرتے ہیں۔ دوسرے سلاسل میں ان کو فیض ونعمت حاصل تھی۔خوشبو سونگھتے وقت آپ پر وجد کی ایسی حالت طاری ہوتی کہ مرنے کے قریب پہنچ جاتے۔جس زمانہ میں آپ بہت کمزور ہو گئے تھے ایک مغنی کو پاس لایا گیا اس نے گانا شروع کیا اور سرود سنتے ہی جان جاں آفریں کے حوالے کی''۔ (بحر زخار جلد دوم ص ۲۴۸)

صاحب تصانیف بزرگ تھے سطور بالا میں جس رسالہ کا ذکر ہوا اسے آپ نے مرید وارشد خلیفہ حضرت شیخ ابراہیم بن معین ایرجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واسطے لکھا ہے جس کی تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب''اخبارالاخیار'' میں لکھی ہے۔

رسالہ شطاریہ جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا جسے آپ نے شطاریہ سلسلے کے اذکار، اشغال اور آداب سے متعلق لکھے ہیں۔اس میں آپ نے ایسی ایسی انمول باتیں لکھی ہیں جسے پڑھ کر قاری وجد کرنے لگتا ہے۔ اس میں آپ نے لکھا ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے اتنے طریقے ہیں جتنے مخلوقات کی سانس! لیکن ان مین تین طریقے بہت مشہور ہیں۔

پہلا طریق: یہ طریق نیک لوگوں کا ہے اور وہ روزہ نماز حج وزکوٰۃ وغیرہ ہے۔ اس طریقہ پر عمل کرنے والے بہت مدت کے بعد اپنے مقصود کا تھوڑا سا حصہ پاتے ہیں۔

دوسرا طریق: مجاہدہ اور ریاضت کرنے والوں کا ہے جو اپنے اخلاق رزیلہ وذمیمہ کو اچھے اخلاق اور تزکیہ قلب سے تبدیل کر لیتے ہیں۔اور یہ طریق پاکباز لوگوں کا ہے

اس طریق سے پہنچنے والے، طریق اول سے زیادہ ہیں۔

تیسرا طریق :اس طریق کو شطاریہ کہتے ہیں اس طریق پر چلنے والے اپنے مقصود تک ابتدا ہی میں وہاں تک پہنچ جاتے ہیں جہاں تک دوسرے طریقوں پر چلنے والے اخیر میں پہنچتے ہیں۔ اور یہ طریق پہلے دونوں طریقوں کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اس طریقہ شطاریہ کے یہ دس انتہائی اہم اصول ہیں جنھیں سالکین تصوف کے لیے ذیل میں درج کیے جارہے ہیں۔

۱۔توبہ یعنی تمام ماسویٰ اللہ سے علاحدہ اور جدا ہو جانا۔

۲۔زہد دنیا کی تمام خواہشات سے خواہ کم ہوں یا زیادہ کنارہ کش ہو جانا۔

۳۔توکل اسباب کا ترک کر دینا۔

۴۔قناعت تمام خواہشات نفسانیہ کو چھوڑ دینا۔

۵۔عزلت ازابتدا تا مرگ لوگوں سے جدا رہنا۔

۶۔توجہ الی اللہ ماسوی اللہ سے تمام خواہشات کو ختم کر کے صرف خدا ہی کی ذات کو اپنا مطلوب ومقصود بنالینا۔

۷۔صبر مجاہدہ کے ذریعہ نفس کی تمام مسرتوں اور خوشیوں کو کچل دینا

۸۔رضائے الٰہی اپنے تمام ارادوں کو ختم کر کے تا زیست خدا کے احکام کی پیروی کرتے رہنا اور اپنی جملہ تدبیروں کو خدا کی تقدیر کے سپرد کر دینا۔

۹۔ذکر اللہ کی یاد کے علاوہ سب کچھ پس پشت ڈال دینا۔

۱۰۔ مراقبہ اپنے وجود اور اپنی قوت کو ختم کر دینا گویا کہ اپنے کو مردہ تصور کرنا۔

ذکر کے بھی اصول بتائے ہیں جس کی صراحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس

طرح کی ہے۔ اسمائے ذکر تین قسم کے ہیں۔

۱۔اسم جلال ۲۔اسم جمال ۳۔اسم مشترک

جب غرور اور نخوت اپنے نفس میں محسوس کرو تو پہلے اسم جلال کا ورد کرو تا کہ سرکش نفس مطیع اور منقاد ہو جائے۔ اسمائے جلالیہ یہ ہیں۔

یاقھار یاجبار یامتکبر وغیرہ

اور اسمائے جمالیہ یہ ہیں۔ یاملک یاقدوس یامھیمن وغیرہ

اس کے بعد جب تم میں تواضع اور انکساری کی صفت پیدا ہو جائے تو اس کے بعد اسمائے جمالیہ اور اسمائے مشترکہ بعد اسمائے جلالیہ کا ورد و وظیفہ کرو تا کہ دل میں مزید جلا اور روشنی جلوہ گر ہو جائے اور اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان اور شکیبائی نصیب ہو جائے۔ اسی رسالہ شطاریہ میں شیخ بہاء الدین نے مراقبہ کی اہمیت اور ضرورت پر بھی گفتگو کی اور لکھا ہے کہ مراقبہ دراصل نام ہے اپنی ہستی اور تمام کائنات کو مٹا دینے اور خدا کی ذات کو تمام احوال میں ثابت رکھنے کا اور بس! پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ جہاں کہیں بھی رہے اگر کوئی شرعی مانع نہ ہو تو اللہ کا ذکر ضرور کرے اور اس کے ذریعہ اپنے قلب کی پاکیزگی حاصل کرے۔ پھر مراقبہ کیا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''مراقبہ کا اصل مادہ رقیب ہے جس کے معنیٰ حفاظت اور نگرانی کرنے والے کے ہیں، یعنی جب تک مرید مراقبہ میں مشغول ہے تو وہ خواہشات نفسانیہ، شیطانی وساوس اور جسمانی شواغل خواطر قلبیہ خناسیہ سے محفوظ ہو کر خدا کی جانب متوجہ رہے۔ اسی لیے مشہور ہے کہ فکر افضل ہے ذکر سے اس لئے کہ فکر تو ایک باطنی شغل ہے جس کی کسی کو خبر نہیں یعنی مراقبہ اس کو کہتے ہیں کہ دل کی نگہبانی کر کے خدا کی جانب متوجہ کرنا اور جو چیز خدا کے ماسویٰ ہے اس کو دل میں جگہ نہ دینا سوا یسے آدمی کو صوفیا کی اصطلاح میں ''اہل دل'' کہتے ہیں''۔(اخبار الاخیار ص ۴۲۶)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مراقبہ کیسے کیا جائے تو اس سلسلے میں انھوں نے بھی

رہنمائی کی ہے اور لکھا ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات وکلمات جن سے توحید کا مفہوم سمجھا جاتا ہے وہ سب اسمائے مراقبہ ہیں۔یعنی جب مراقبہ کرنے کا ارادہ ہوتو ان آیات وکلمات کو پڑھا جائے وہ کلمات یہ ہیں۔

وهو معكم اينما كنتم ۔اينما تولوا فثم وجه الله ۔ الم يعلم بان الله يرىٰ ۔ نحن اقرب اليه من حبل الوريد۔ ان الله بكل شئى محيط ۔ وفى انفسكم افلا تبصرون ۔ان معى ربى سيهدين ۔

اسی طرح الله حاضرى ۔الله ناظرى ۔ الله شاهدى ۔ الله معى اور ذات بارى کا مراقبہ ۔ یا حی یا قیوم کا مراقبہ ۔تمام اسمائے حسنیٰ کا مراقبہ ۔قرآن کریم کی تلاوت کا مراقبہ۔اپنے فنا ہوجانے کا مراقبہ

مراقبہ کے یہ چند رموز تحریر کردیئے گئے ہیں تاکہ ان میں سے کسی کو پسند کر کے مراقبہ شروع کردیں اور فائدہ حاصل کریں۔

آپ کے خلفا کی مکمل فہرست کہیں دستیاب نہیں جن مشاہیر خلفا کا نام ملتا ہے ان میں درج ذیل حضرات ہیں۔

۱۔حضرت محمد بن شیخ ابراہیم ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ شہر بیدر کرناٹک میں اپنے والد ماجد کے صاحب سجادہ مقرر ہوئے۔

۲۔حضرت سیدنا شیخ ابراہیم بن معین ایرجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۳۔حضرت مولانا شیخ علیم الدین استاذ حضرت شیخ ابراہیم ایرجی علیہ الرحمہ

جس زمانے میں حضرت شیخ بہاء الدین شطاری بہت کمزور ہوگئے تھے،ایک مغنی (گانے والے) کو پاس بلایا اس نے گانا شروع کیا اور سرود سنتے ہی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔سال وفات ۹۲۱ھ ہے اور مادہ تاریخ وصال ''گلشن شکر'' ہے۔

ایک دوسری روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ کو اچھی خوشبو سونگھتے ہی ایسا ذوق وحال طاری ہوتا تھا کہ جاں بلب ہوجاتے تھے۔چنانچہ ظاہری سبب آپ کے وصال کا یہی ہوا کہ ایک مرتبہ ایک شخص حالت نقاہت میں آپ کی خدمت میں ''غالیہ'' خوشبو مشک

وعنبر کافور کا) لایا تو اسی اچھی خوشبو کے اثر سے آپ کی روح قفص عنصری سے ۱۱؍ ذی الحجہ ۹۲۱ھ کو پرواز کرگئی۔آپ کا مزار قدس دولت آباد دکن میں مرجع انام ہے۔کسی نے قطعہ تاریخ وصال اس طرح لکھا ہے۔

شیخ روئے زمیں بہاء الدین ماہ فردوس بدر چرخ کمال
رفت چوں از جہاں بخلد بریں عارف شرع و ذاکر آمد سال

۹۲۱ھ

(تذکرہ قادریہ رضویہ ص۲۸۲)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ شیخ ابوالفتح محمد شمس الدین ملتانی، بیدر، کرناٹک
علیہ الرحمۃ والرضوان

مخدوم شمس الدین ابوالفتح شیخ محمد ملتانی کے والد ماجد کا نام شیخ ابراہیم تھا۔صاحب مخازن قادریہ فرماتے ہیں۔

’’شیخ شمس الدین ابوالفتح حضرت شیخ بہاء الدین انصاری کے مرید وخلیفہ تھے اوران کو شیخ ابراہیم انصاری سے اورانھیں سید احمد حلبی المغربی سے اور ان کو ان کے والد سید حسن سے اوران کو ان کے والد سید موسیٰ سے اوران کو ان کے والد سید علی سے اوران کو ان کے والد سید محمد بغدادی سے اوران کو ان کے والد بزرگوار سید حسین بغدادی سے اوران کو ان کے والد ماجد سید محمد ضواحمد سے اوران کو ان کے والد ماجد سید ابی نصر محی الدین سے اوران کو ان کے والد ماجد حضرت سیدنا عماد الدین ابی صالح نصر سے اوران کو اپنے والد گرامی حضرت سیدنا بدر الآفاق سید تاج الدین عبد الرزاق قادری علیہم الرحمۃ والرضوان سے بیعت وخلافت حاصل تھی‘‘۔

صاحب تذکرہ حضرت مخدوم سید شمس الدین ابوالفتح عارف کامل اور جمیع کمالات

صوری ومعنوی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔صاحب مخازن قادریہ یہ بھی لکھتے ہیں۔

کہ ہر صاحب سیر وسلوک جانتا ہے کہ حضرت محمد ملتانی بدری کا مرتبہ کتنا بلند تر ہے،آپ کے بے شمار خوارق عادات ہیں۔

آپ کی ولادت ۸۶۲ھ میں شہر بیدر دکن میں ہوئی اور وفات بتاریخ ۲؍شوال المکرّم ۹۳۵ھ میں واقع ہوئی۔مزار شریف شہر بیدر میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل نے ولادت ووفات کا تاریخی مادہ اس طرح استخراج کیا ہے۔

عارف والا گہر قدسی جمال (۸۶۲ھ) شمس دین باصفا بدر کمال (۹۳۵ھ)

آپ کے پانچ صاحب زادے تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔شیخ ابراہیم ۲۔شیخ اسماعیل ۳۔شیخ اسحاق ۴۔شیخ بدر الدین ۵۔اور شیخ فخرالدین آپ کا انتقال چار سال کی عمر میں ہوگیا تھا۔

آپ کے والد ماجد فرماتے ہیں کہ جب میرے فرزند شمس الدین کی ولادت ہوئی تو میں نے اس کا نام محمد کنیت ابوالفتح اور لقب شمس الدین رکھا۔میرا مقام ولادت ملتان تھا اور اس لڑکے کا مقام ولادت اعظم البلدان محمد آباد بیدر تھا۔(بیدر پہلے دکن میں شامل تھا اور اب ریاست کرناٹک میں ہے)،آپ کا شمار سلسلہ قادریہ کے دکن میں طبقہ اول کے عظیم الشان اولیاء میں ہوتا ہے۔آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب میرے فرزند شیخ محمد ملتانی متولد ہوئے تو مجھے مزامیر کی آواز سنائی دی جب میں نے غور وفکر کیا تو غیب سے ندا آئی کہ اے ابراہیم تمھارے فرزند کی ولادت پر عالم ملکوت میں جشن مسرت منایا جا رہا ہے۔میں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ میرا لڑکا ولی ہے۔

آپ کو حضور غوث اعظم دستگیر کا روحانی بیٹا بھی کہا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے والد ماجد سیدنا شیخ ابراہیم کو حضور غوث اعظم نے خواب میں ایک موتی عطا فرمائی اور بشارت دی کہ اسے تم اپنی بیوی کو کھلا دو جس سے تم کو ایک فرزند نرینہ ہوگا۔جس کا نام محمد رکھنا چنانچہ حسب ارشاد غوث اعظم آپ کی ولادت ہوئی۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ بادشاہ وقت سلطان ہمایوں بن سلطان علاء الدین

بن سلطان احمد بہمنی نے جو نہایت ظالم و جابر بادشاہ تھا کئی بزرگوں کو بغیر کسی سبب کے قتل کروادیا تھا۔وہ روزانہ اس وقت تک کھانا نہ کھاتا تھا جب تک کسی بے گناہ کا خون نہ بہادیتا تھا۔بہت سے لوگ اس کے دست تظلم کا شکار ہوئے۔میں نے مظلوموں سے شفقت کا برتاؤ کیا اور کہا کہ میں اپنے بیٹے شیخ محمد کے ساتھ جو اس وقت تین سال کے تھے سلطان ہمایوں کی موت تک اس کے لیے بددعا کرتا رہوں گا۔کہ یکا یک میرے بیٹے کی زبان سے نکلا'' ہمایوں مات ، ہمایوں مات ، ہمایوں مات'' ابھی تیسری بار یہ بات دہرائی نہ تھی کہ سلطان کے گھر سے گریہ وزاری کی آواز آنے لگی اور خبر عام ہوگئی کہ'' ہمایوں مرگیا'' میں سمجھ گیا کہ میرا بچہ اللہ کا ولی ہے۔اس وقت آپ کی عمر کل تین برس کی تھی۔

شیخ اسحاق بن شیخ محمد ملتانی فرماتے ہیں کہ میرے والد شیخ ابوالفتح شمس الدین محمد ملتانی فرماتے تھے۔

جب میرے والد حضرت مخدوم شیخ ابراہیم کی رحلت ہوئی اس وقت میں کم سن تھا، اس وقت مجھے کچھ علم نہ تھا اور نہ علمائے شہر نے میری ہدایت کی جانب توجہ کی۔بالآخر شیخ الاسلام مخدوم شیخ حسن قادری بنگال سے تشریف لائے اور اپنے اصحاب سے کہا کہ شیخ محمد بن شیخ ابراہیم کے گھر جاؤ اور انھیں میرے پاس لے آؤ الغرض آپ کے اصحاب میرے پاس آئے اور مجھے حضرت مذکور کے پاس لے گئے، جب میں وہاں پہنچا تو حضرت مخدوم نے میرا استقبال کیا اور مصافحہ کرکے مجھے اپنی مسند پر بٹھایا اور فرمایا کہ میرے یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھ سے فرمارہے ہیں کہ شیخ محمد ولی کے پاس جاؤ ان کے والد شیخ ابراہیم کا انتقال ہوگیا ہے انھیں روبرو کرکے میرے سلسلے میں داخل کرو میں نے عرض کیا کہ یاسیدی وہ کہاں ہیں؟ فرمایا کہ وہ شہر بیدر میں ہیں۔جب میں بیدار ہوا تو میں نے بیدر کی راہ لی۔ اس طرح آپ بیدر تشریف لائے اور مجھے مرید کیا اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں داخل کیا اس کے بعد آپ نے اور کئی لوگوں کو زمرۂ قادریہ میں شامل کیا اور واپس ہوگئے لیکن خرقہ واجازت مطلقہ کسی کو عطا نہ فرمائی، جب میں'' بری'' کے قریب پہنچا تو ایک رات خواب

میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ میں اجازت مطلقہ عطا کرتا ہوں تا کہ تم بزرگان سلف کی طرح طالبان ہدایت کی تربیت کرسکو۔جب میں بیدار ہوا تو حضرت کو نہ پایا میں نے بغداد جانے کا ارادہ کیا تا کہ وہاں پر آپ کی اولاد میں سے کسی بزرگ کے ہاتھ سے خرقہ خلافت حاصل کروں ۔میں اسی سوچ میں تھا کہ دوسری شب میں ایک بزرگ کو خواب میں پھر دیکھا جن کا روئے انور نہایت تاباں اور درخشاں تھا جو نہایت سفید لباس اور جبہ پہنے ہوئے تھے اور فرمارہے تھے کہ ''میں تمھارا شیخ عبدالقادر ہوں'' اور تمہاری تلقین وہدایت اور تمھیں اجازت مطلقہ عطا کرنے آیا ہوں میں نے خرقہ خلافت ظاہری مشائخ قادریہ میں سے ایک بزرگ کے حوالہ کیا ہے وہ تمھیں پہنچادیں گے۔میں اٹھا اور میں نے حضرت کے قدم مبارک کو بوسہ دیا اور تمام شرائط آداب بجالائے ،یکا یک آپ میری دائیں جانب سے غائب ہوگئے ۔اسی اجازت مطلقہ کی بنا پر میں نے اپنے فرزند شیخ ابراہیم کو خلافت عطا کی یہاں تک کہ شیخ الاسلام والمسلمین مخدوم شیخ بہاء الدین انصاری قادری دہلوی دولت آبادی مرشدآباد سے تشریف لائے اور مجھے حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عطا کردہ خرقہ پہنایا۔

شیخ بدرالدین بن شیخ محمد ملتانی فرماتے ہیں کہ شیخ ایوب گولکنڈوی کہتے تھے کہ۔

ایک روز میں نے شیخ الکل غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرمارہے ہیں کہ اے ایوب بیدر جاؤ اور شیخ محمد ملتانی سے خرقہ خلافت حاصل کرو جب میں بیدار ہوا تو مجھے خیال ہوا کہ وہ تو ''قادری'' ہیں اور میں ''چشتی'' ہوں کس طرح آپ سے خرقہ خلافت حاصل کروں؟ اسی سوچ میں تھا کہ دوسری شب میں خواب میں مخدوم المشائخ میر سید احمد بندہ نواز گیسو دراز کو خواب میں دیکھا کہ فرمارہے ہیں کہ اے ایوب شہر بیدر کی راہ اختیار کرو اور میرے شیخ محمد قادری سے خرقہ خلافت حاصل کرو اور میرے فرزند ابو الحسن انصاری سے بھی تبرکاً خرقہ پہنو ،جب میں بیدار ہوا تو پھر بھی میرا دل مطمئن نہ تھا تیسری شب میں نے پھر خواب دیکھا کہ ایک وسیع صحرا میں نورانی خیمہ نصب ہے،اوران کے درمیان ایک اونچا تخت رکھا ہے،جس پر حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

باعظمت تمام تشریف فرما ہیں ۔اور فرمارہے کہ اولیائی تحت لوائی،بجز داس ارشاد کے تمام اولیاء اللہ جوق درجوق جمع ہوگیے اور آپ کے گرد صف بہ صف دست بستہ کھڑے ہوگیے ۔آپ بدستور تشریف فرما رہے ،میں نے مخدوم المشائخ سید محمد حسینی گیسو دراز کو بھی انھیں اولیاء کی صف میں کھڑا ہوا پایا ،آپ نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے ایوب خرقہ خلافت قادریہ میرے بھائی شیخ محمد قادری کے ہاتھ سے پہن لو اور کسی کے محتاج نہ بنو، جب صبح ہوئی تو میں بیدر کی جانب روانہ ہوا اور بالآخر مرشد الخواص والعوام ولی الباری شمس الدین ابوالفتح محمد ملتانی قادری کی خانقاہ میں پہنچ گیا میں نہایت ادب سے حضرت شیخ کے سامنے بیٹھ گیا قبل اس کے کہ کچھ میں عرض کروں آپ نے فرمایا کہ تم کو پہلی ہی رات میں حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمادیا تھا کہ بیدر جاؤ اور شیخ محمد سے خلافت حاصل کرلو تم بیدار ہونے کے بعد متردد رہے میں نے عرض کیا کہ آپ نے سچ فرمایا پھر آپ نے فرمایا کہ دوسری رات میں مخدوم المشائخ سید محمد حسینی گیسو دراز نے تم کو ہدایت کی کہ بیدر جاؤ اور میرے بھائی شیخ محمد قادری سے خرقۂ خلافت لو اور میرے فرزند ابوالحسن انصاری سے بھی تبرکاً خلافت حاصل کرلو ،لیکن تم پھر بھی متردد رہے ۔میں نے عرض کیا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا پھر آپ نے فرمایا کہ تیسری رات تم سے حضرت مخدوم المشائخ سید محمد حسینی گیسودراز نے یہ نہیں کہا؟ کہ اے ایوب میرے بھائی شیخ محمد قادری سے خرقۂ خلافت حاصل کرو تم نے غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ارد گرد صف بہ صف تمام اولیاء اللہ کیسے آداب سے ایستادہ تھے ۔میں نے عرض کیا کہ آپ نے بالکل درست فرمایا مجھے یقین ہوگیا کہ میرے شیخ ہر لمحہ میرے حال سے مطلع تھے ۔پھر آپ نے مجھے اپنے دست مبارک سے خرقہ خلافت قادریہ پہنایا۔اوراذ کار ومراقبات توحید وغیرہم کی تلقین فرمائی ۔

(مشکوٰۃ النبوت ص ۴۵)

شیخ جمال فرماتے ہیں کہ جب میں نے سنا کہ حضرت شیخ بہاء الدین انصاری کے دو جلیل القدر خلفا ہیں جو کرامات جلیلہ اور اوصاف سنیہ میں مشہور زمانہ ہیں ۔ایک مخدوم شیخ محمد ملتانی ،اور دوسرے شیخ جلال قادری ، برہان پوری ،تو میں نے چاہا کہ یہ معلوم

کروں کہ ان دونوں میں سے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کون افضل ہے؟۔پس ایک رات میں نے دو رکعت نماز استخارہ ادا کی اور گیارہ قدم عراق کی جانب چلا اور اسی نیت سے سو گیا۔خواب میں دیکھا کہ ایک وسیع صحرا میں تمام اولیاء اللہ جمع ہیں اور صفیں باندھے ہوئے بہ کمال ایستادہ ہیں۔ میں ان کی صفوں میں داخل ہوگیا اور دائیں بائیں نظر کی داہنی صف میں شیخ جلال قادری کو صف کے پچھلے حصے میں باادب تمام کھڑا ہوا دیکھا۔ میں نے دائیں بائیں جانب دیکھا تو شیخ محمد ملتانی کو ان کے درمیان نہ پایا۔ میں آگے بڑھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا تخت رکھا ہوا ہے اور اس پر حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلوس فرما ہیں۔اور آپ کے اطراف کرسیاں رکھی ہوئی ہیں۔جن پر حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تشریف فرما ہیں۔ میں پابوسی کے ارادے سے آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضور غوث الثقلین کے زانوئے مبارک پر سر رکھ کر محو خواب ہے میں نے حضرت غوث القلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یا سیدی من ھذاالرجل (اے آقا یہ آدمی کون ہے؟) آپ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کو میں نے بلاد دکن پر مقتدر کیا ہے اور وہاں کے تمام کاروبار اس کے تفویض کر دیا گیا ہے۔ وہ شیخ محمد ہے اور وہ شہر بیدر میں رہتا ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی منزلت معلوم ہوئی۔ میں نے اپنے خادم کے ذریعہ آپ کی خدمت میں یہ گزارش کی کہ مجھے نعمت قادریہ سے سرفراز فرمائیں۔پس میرا خادم وہاں پہنچا اور یہ نعمت حسب گزارش مجھے حاصل ہوگئی۔(مشکوۃ النبوت ص ۴۹)

صاحب ''معدن الجواہر'' فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابراہیم قادری المعروف ''مخدوم جی'' فرماتے ہیں کہ حضرت والدی شیخ شمس الدین ابوالفتح شیخ محمد ملتانی میرے کار خیر کے لیے گلبرگہ تشریف لے گئے اور ایک مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ایک روز حضرت مخدوم المشائخ سید محمد حسینی گیسودراز کی زیارت کے لیے آپ کی گنبد شریف کی جانب روانہ ہوئے ،آپ کے ہمراہ اور بھی کئی لوگ تھے۔ جب گنبد شریف کے دروازے پر پہنچے اور اپنا ایک پاؤں اندر رکھے تھے کہ یکا یک بغیر زیارت کئے ہی واپس ہوئے۔ جب آپ

سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت کی روح پُرفتوح قبر میں موجود نہیں ہے اور سوئے حق تعالیٰ گئی ہوئی ہے۔اس کے بعد آپ حضرت شاہ یداللہ کی گنبد میں گئے اور حضرت مذکور کی روح کو قبر میں موجود پا کر زیارت میں مشغول ہو گیے۔ حضرت شاہ یداللہ کی روح قبر سے ظاہر ہوئی اور میرے والد کی روح قالب سے نکلی اور دونوں روحوں کی باہم ملاقات ہوئی۔اسی اثنا میں دیکھا گیا کہ حضرت شاہ یداللہ کی قبر کے سرہانے انوار حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجلی ہوئی اور اس سے ان دونوں کی ارواح فیض یاب ہوئیں۔حضرت والد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میں شاہ یداللہ کی روح سے مستفید ہونے کے بعد حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشرف ہوا۔

صاحب معدن الجواہر یہ بھی کہتے ہیں کہ ملک قاسم جو بادشاہ وقت تھا مشائخین سے عقیدت نہ تھی۔لیکن حضرت شاہ محمد ملتانی کے تصرف سے اس کو آپ سے اعتقاد تمام پیدا ہوا وہ بار بار کہا کرتا تھا کہ ملک دکن میں محمد ین یعنی دو محمد ہیں جو اپنی نظیر نہیں رکھتے ہیں۔ایک حضرت مخدوم شیخ محمد ملتانی اور دوسرے حضرت مخدوم سید محمد حسینی گیسو دراز۔

صاحب معدن الجواہر یہ بھی لکھتے ہیں کہ نعمت خان جو سلطان محمود بہمنی کا حلوائی تھا،حضرت شیخ محمد ملتانی کا مرید تھا جب اس نے آپ کے متعدد انواع فقر و ریاضات کو دیکھا تو آپ کا معتقد ہو گیا۔ بادشاہ کے لیے جو اس نے مٹھائی تیار کی تھی وہ آپ کی خدمت میں بھیجا لیکن آپ نے اس میں سے کچھ تناول نہ فرمایا۔اور تمام پیرزادوں، صاحبزادوں اور اہل خانہ کو بھی کھانے نہ دیا اور فقرا میں وہ مٹھائی تقسیم کر دی۔ایک روز آپ کے گھر والوں کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اگر حضرت خود نہیں کھاتے تو حضرت اپنے صاحبزادوں اور اہل خانہ کو دے سکتے تھے۔کیوں کہ ان پر کئی فاقے گزر چکے تھے،ابھی یہ خیال دل میں گزر رہی تھا کہ ان کو آپ نے اپنے نزدیک طلب کیا اور وہ مٹھائی بھی منگوائی۔ اس ظرف (برتن) کو جس میں یہ مٹھائی رکھی تھی۔آپ نے اسے الٹ دیا تو اس میں سے خون بہنے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر سب لوگ متحیر ہو گئے،آپ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے گھر کا کھانا مشکوک ہوتا ہے کہ لوگوں پر ظلم ڈھاتے ہیں اور انھیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا ہے

۔میں نہیں چاہتا کہ میں اور میری اولاد ایسی شی استعمال کرے۔فقرا شوریدہ سر ہوتے ہیں ان میں ایسی غذا کو ہضم کرنے کی سکت (کہاں) ہوتی ہے۔عرفا حلال اشیاء سے بھی محترز رہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں کسی حرام چیز کی آمیزش ہو۔

صاحب معدن الجواھر آگے رقم کرتے ہیں کہ شیخ محمد ملتانی فرماتے ہیں کہ خالق ذوالمنن نے دکن کا آدھا علاقہ میرے والد کے تصرف میں دے دیا تھا اور اس پر میں اب بھی متصرف ہوں اور باقی نصف حصہ کو بھی تصرف میں دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔صاحب کتاب مذکور یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ حضرت سید محمد حسینی گیسودراز نے کتاب ''سمرہ'' میں غلبہ جذب وحال میں بعض باتیں ایسی لکھی ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف نظر آتی ہیں۔حضرت شیخ خانو جو عالم وقت تھے حضرت سید ابوالحسن کے پاس آئے جو حضرت مخدوم المشائخ کی اولاد سے تھے اور کہا کہ تمھارے دادا نے یہ کیا لکھ دیا ہے؟ آپ اس کی تشریح کریں یا پھر اس سے معترض ہو کر حضرت مذکور پر اطلاق کفر کا فتویٰ دیں۔سید ابوالحسن مذکور وارث مقامات مخدوم نہ تھے اس لیے آپ ان کا جواب نہ دے سکے۔اسی رات انھوں نے خواب میں اپنے جد بزرگوار کو دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ اے فرزند اس زمانے میں ایسا کوئی شخص زندہ نہیں جو میرے مخدوم کے اقوال کی تشریح کر سکے،لیکن میرے بھائی شیخ محمد ملتانی ان اسرار کے عالم ہیں،میری کتاب اس قطب زمن کے پاس لے جاؤ،تا کہ وہ اس کی بوجہ احسن توضیح کر سکیں۔جب وہ خواب سے بیدار ہوئے خواب کی حالت لکھ کر کتاب کے ساتھ حضرت شیخ ابوالفتح محمد ملتانی کی خدمت میں روانہ کیا،حضرت شیخ محمد ملتانی نے اس پر بموافق شرع شرح لکھی جو معترضین کے لیے بہت کافی ہے۔

صاحب معدن الجواھر رقم طراز ہیں کہ ۹۳۵ھ میں بادشاہ گجرات بہادر شاہ دکن کی جانب متوجہ ہوا ان دنوں شیخ محمد ملتانی سخت بیمار تھے،اور اس عالم فانی سے آپ کی رحلت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے،تمام مریدوں اور صاحبزادوں نے گزارش کی کہ ہم پر دو مصائب نازل ہو رہے ہیں۔ایک یہ کہ آنخضرت ہم کو داغ مفارقت دے رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ بادشاہ گجرات جنگ کی نیت سے دکن کی جانب آ رہا ہے،ہم کو یقین ہے کہ

حضرت صاحب تصرف ہیں اور اپنی عمر میں توسیع کرواسکتے ہیں، ایسے آڑے وقت میں آپ ہمیں تنہا نہ چھوڑیں گے، آپ مراقب ہوئے اور پھر فرمایا انی عملت عمل الشیخ الصدیق الیمنی یعنی میں شیخ صدیق یمنی کے عمل کا عامل ہوں لیکن وہ بہت عمل کرتے تھے لیکن میں اتنا نہیں کرتا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب حضرت شیخ صدیق یمنی کا وقت آخر آ گیا تھا تو ان کے فرزند بہت کم سن تھے، انھوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں تمھیں سجادگی دیتا ہوں تمھیں چاہئے کہ میری جگہ بیٹھو۔ انھوں نے انکار کیا تو شیخ مذکور نے فرمایا کہ میں نے اپنی موت کو میرے لڑکے کے سن بلوغ کے پہنچنے تک روک دیا ہے۔۔ الغرض شیخ صدیق بارہ سال تک بقید حیات رہے، اپنے لڑکے کی تعلیم وتلقین کر کے اس کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے، اسی طرح شیخ محمد ملتانی نے صحت یاب ہو کر اپنی موت کو کچھ عرصہ کے لیے ٹال دی، جب بادشاہ گجرات اپنے ملک کو واپس ہو گیا تو اس کے تین ماہ بعد ماہ رمضان المبارک ۹۳۵ھ میں پھر سے آپ کی رحلت کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس دفعہ بھی آپ توقف فرمائیں تو مناسب ہوگا آپ نے فرمایا کہ اب مجھے معاف کرو میرا محبّ شدت سے میرا انتظار کر رہا ہے اور میں بھی غایت اشتیاق میں طاقت انتظار نہیں رکھتا، اس کے بعد آپ نے وصیتیں اور نصیحتیں فرمائیں، اور فرمایا کہ میں تم سب کو حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ کرتا ہوں۔ پھر کہا کہ میں مخدوم جی کو اپنا سجادہ مقرر کرتا ہوں پھر حضرت مخدوم جی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میری سیرت پر عمل پیرا رہنا۔ مخدوم جی نے عرض کیا کہ حضرت کی سیرت پر میں کس طرح عمل کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ میری باطنی سیرت کی تلقین نہ کیا کرو بلکہ میری سیرت ظاہری پر عمل پیرا رہو، اس کے بعد آپ نے چند کلمات نصیحت فرمائے اور تمام صاحبزادوں اور خلفا کے نام وصیت نامہ اور خلافت نامہ تحریر کیا۔ جب ماہ رمضان کے ایام تمام ہو گئے تو آپ نے نماز عید ادا فرمائی اس کے بعد سب کو الوداع کہا اور خود ذکر وفکر میں مشغول ہو گئے اور پھر اس جہان فانی سے رخصت کر گئے۔

(مشکوۃ النبوت ص ۴۹)

صاحب معدن الجواھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ سید عقیل نامی ایک بزرگ تھے جن کا شرفائی علوی سے تعلق تھا۔حضرت شیخ محمد ملتانی ان کو ان کی سیادت کی وجہ سے انتہائی تعظیم وتکریم فرماتے تھے۔اور وہ آپ کے پاؤں کا بوسہ لینا چاہتے تو ہر گز اجازت نہ دیتے۔جب انھوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کو کفن میں لپٹا ہوا دیکھا تو ایک آہ سرد کھینچی اور پاؤں کو بوسہ دینا چاہا تھا کہ حضرت شیخ محمد ملتانی نے حسب معمول اپنا پاؤں کھینچ لیا اور ان کو بوسہ دینے سے باز رکھا۔(مشکوۃ النبوت ص۴۹)

آپ نے حضرت بہاء الدین عطاء اللہ قادری سے بھی اپنی نسبت طریقت کا بھی اظہار فرمایا۔حضرت بہاء الدین عطاء اللہ قادری بحکم سیدنا غوث اعظم دستگیر خرقہ،عصا،عمامہ اور تسبیح جو حضرت غوث اعظم دستگیر کے آپ کے پاس تھے وہ اپنے مرید وخلیفہ حضرت سیدنا جلال الدین برہانپوری کے ذریعہ حضرت ملتانی بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور اپنے تمام خلفا کو حکم دے دیا کہ تم سب حضرت ملتانی بادشاہ شیخ محمد کے ہاتھ پر بیعت کرو کیوں کہ ان کے ہاتھ پر غوث اعظم کا ہاتھ ہے۔

(یہ روایت سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہے اس کی کوئی تحریری سند نہیں)

صاحب معدن الجواھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوالفتح محمد ملتانی نے زمین کے اس حصہ کے لیے جہاں آپ مدفون ہوئے حضرت باری تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ جو کوئی یہاں مدفون ہو وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے اور اس کی مغفرت ہو جائے سبحان اللہ کیا بلند مقام ہے اور کیسی اعلیٰ منزلت ہے۔

(مشکوۃ النبوت ص ۴۹ شاہ غلام علی قادری خلف اکبر حضرت سید شاہ موسیٰ قادری مترجم ابوالحسین سید وحید القادری عارف خلف ابوالفضل سید محمود قادری)

آپ کے جملہ صاحبزادگان اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں سے ہوئے جن میں درج ذیل حضرات بہت مشہور ہوئے۔

۱۔مخدوم جی شیخ محمد براہیم (وفات ۹۷۲ھ) مزار مبارک بیدر میں ہے۔

۲۔حضرت شیخ محمد اسماعیل مزار مبارک قصبہ بتری میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

۳۔شیخ بدرالدین (وفات ۹۸۱ھ)

ان کے حالات معدن الجواہر، جواہر القدر، مشکوٰۃ النبوت، اور درالدارین فی مناقب غوث الثقلین از تصنیف سید غلام علی القادری الموسوی مطبوعہ مطبع عزیز دکن ۱۳۰۸ھ میں پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بلاشبہ تاجدار ولایت تھے ان کتابوں سے آپ کی یہ عظمت معلوم ہوتی ہے۔

جنید وقت محی الدین ثانی ابو الفتح محمد شاہ ملتانی
فضیل وبایزید وبشر بودے اگر پیشش بکردی سبق خوانی
بادنیا در من ہمت نیالود سفر مہدی تا بہ مہدی خویش دانی
اگر ذات پاک از مدح بیروں بمدحش قادری کن در فشانی

(محبوب ذوالمنن فی تذکرہ اولیائے دکن، محمد عبدالجبار صوفی جلد اول ص ۴۲۰ مطبع رحمانی حیدرآباد)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا شیخ بدرالدین، بیدر، کرناٹک
علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ حضرت مخدوم شیخ محمد ملتانی کے چوتھے صاحبزادے تھے، بہت صاحب کمال اور اپنے پدر بزرگوار کے محبوب تھے، چنانچہ آپ کے والد ماجد خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب میرا لڑکا بدرالدین پیدا ہوا تو میں نے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرمارہے ہیں کہ تمھارے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام عبداللہ ہے۔ تمھارے مکان میں جو کچھ بھی کمی رہ گئی ہے وہ اسے پوری کردے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

صاحب معدن الجواہر لکھتے ہیں کہ شیخ بدرالدین کہا کرتے تھے کہ جب میرے والد حضرت قطب الباری شیخ محمد قادری کی رحلت کا وقت قریب آیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ اس دار فانی سے رخصت ہورہے ہیں، آپ کے بعد کس سے التجا کیا کروں

گا اور اگر کوئی مہم پیش آئے تو میں اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوں گا، آپ نے فرمایا تمھیں جو کام درپیش ہو اور جس کسی مشکل کا سامنا ہو تو تم میری قبر کے پاس آکر دریافت کرلو جس طرح اب میرے زمانہ حیات میں پوچھا کرتے ہو، میں تمھیں اسی طرح جواب دوں گا جس طرح آج تک دیتا رہا ہوں۔ شیخ بدرالدین فرماتے تھے، جب مجھے کوئی مشکل پیش آتی تھی تو میں حضرت کے روضہ مبارکہ میں داخل ہوتا اور آپ کے مزار مبارک کے سامنے سرنگوں ہوکر عرض پرداز ہوتا اور مجھے جواب مل جاتا آپ کے کسی بھائی کو کوئی مہم درپیش ہوتی تو وہ آپ کے توسط سے اپنے پدر بزرگوار سے صلاح لیتے اور ان کی حسب ایما عمل فرماتے۔
(مشکوۃ النبوت ص ۵۷)

معدن الجواھر میں یہ بھی مسطور ہے کہ ابراہیم قطب شاہ اپنے والد کے زمانہ حیات میں بیدر آیا تھا۔ اس وقت اس نے حضرت شیخ بدرالدین سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ اگر صبح کے وقت حضرت میری حکومت کے لیے دعا فرمائیں تو میں نے نذر کی ہے کہ حضرت کا مرید اور سلسلہ قادریہ سے وابستہ ہو جاؤں گا۔ لیکن ہوا یہ کہ اس کے والد کے انتقال کے بعد جمشید قطب شاہ سربراہ سلطنت ہوا اور ابراہیم قطب شاہ حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ ایک دن حضرت شیخ بدرالدین نے جمشید قطب شاہ سے ناراض ہوکر چاہا کہ اس کی جگہ ابراہیم قطب شاہ کو تخت پر بٹھائیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے روضہ مبارکہ میں داخل ہوکر گزارش کی کہ میں چاہتا ہوں کہ جمشید قطب شاہ کی بجائے ابراہیم قطب شاہ زمام سلطنت سنبھال لے، جب قبر مبارک سے بشارت ملی تو آپ شاداں وفرحاں باہر نکلے اس وقت ایک شخص شیخ علاء الدین نامی حاضر تھا اس شخص کو آپ نے ابراہیم قطب شاہ کے پاس یہ مکتوب لکھ کر بھیجا کہ حق تعالیٰ نے تمھارے والد کی سلطنت تم کو تفویض کرنے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا جلد آجائیں۔ علاء الدین نے حسب الحکم یہ پیغام ابراہیم قطب شاہ کو پہنچا دیا وہ متحیر و متفکر ہو گیا اور کہا کہ میرا بھائی بادشاہت کر رہا ہے اور اس میں کسی خلل اندازی کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ پھر حکومت مجھے کس طرح مل سکتی ہے۔ پیامبر نے کہا کہ اولیاء اللہ اس وقت تک کچھ نہیں کہتے جب تک کہ وہ من جانب اللہ مامور نہ ہوں۔ چنانچہ سنا گیا کہ جمشید قطب شاہ

کے بعد اس کا فرزند سبحان قلی جو کم سن تھا اپنے باپ کا جانشین ہوا اس کی جانشینی کے بعد اکثر امرا نے اس سے منحرف ہو کر ابراہیم قطب شاہ کو تسلیم کر لیا اور ابراہیم قطب شاہ تخت سلطنت پر متمکن ہو گیا اور حضرت شیخ بدر الدین کا ارشاد حرف بحرف پورا ہوا۔ اس کے بعد ابراہیم قطب شاہ نے آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی آپ نے قبول کیا اور گولکنڈہ گئے جو دار السلطنت تھا سلطان ابراہیم نے آپ کا استقبال کیا اور اعزاز و اکرام سے آپ کو شہر سے لے جا کر اپنی مسند پر بٹھایا اور خود آپ کے سامنے باادب بیٹھ گیا اس کے بعد سلطان نے امین خاں سے جو اس کا معتمد خاص تھا تلنگی زبان میں کچھ کہا۔ امین خاں نے آپ سے عرض کیا کہ سلطان آپ سے اپنی تقصیر معذرت چاہتا ہے کہ اولا اس نے حصول مقصد کے بعد بیعت کرنے کی نیت کی تھی لیکن جب وہ یہاں آ رہا تھا تو اثنائے راہ میں حضرت شاہ ید اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو حضرت سید محمد حسینی گیسودراز کے پوتے ہیں چتر شاہی اور شجرہ اور کلاہ ارادت سلطان کے پاس روانہ کی بایں شرط کہ اگر سلطان ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو تو یہ سب قبول کرے ورنہ واپس کر دے چوں کہ یہ اسباب دولت غیر متوقع طور پر حاصل ہوئے تھے اور ان کا واپس کرنا مناسب نہ معلوم ہوا اور طوعا و کرہاً انھیں قبول کر لیا گیا۔ لیکن سلطان کو آپ سے عقیدت ہے اور وہ چاہتا ہے کہ آپ سے اپنے حلقہ ارادت اور سلسلہ قادریہ میں داخل فرمائیں۔ حضرت شیخ نے انکار فرما دیا اور کہا کہ سلوک اہل طریقت میں یہ روا نہیں کہ کوئی شخص کسی کا مرید ہو اور پھر وہ کسی دوسرے سے رجوع ہو۔ جہاں تمھارا نصیب تھا وہ تم کو حاصل ہو گیا سلطان نے پھر عرض کیا کہ اس کو خاندان قادریہ کے محبوں میں شامل کر لیا جائے۔ اس نے بہت عاجزی کی لیکن آپ نے دست بیعت نہ دیا لیکن سلطان آپ کا اتنا معتقد رہا گویا کہ وہ آپ ہی کا مرید ہے۔

کتاب مذکور میں یہ بھی مرقوم ہے کہ امین خاں مذکور نے اپنے لڑکے کی تقریب میں آپ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور آپ نے اس کو قبول کر لیا اور عازم گولکنڈہ ہوئے جب سلطان ابراہیم قطب شاہ کو آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس نے آپ سے ملاقات کرنی چاہی آتے وقت اس نے امین خاں سے رازدارانہ طور پر کہا کہ میں لاولد ہوں اور

میری آرزو ہے کہ حضرت سے اس بارے میں دعا کے لیے التماس کی جائے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی دعا کی اس برکت سے فرزند عطا کرے۔ جب آپ کی بارگاہ میں یہ دونوں حاضر ہوئے تو کچھ کہنے سے قبل ہی آپ نے فرمایا کہ تم کو فرزند کی آرزو ہے؟ ان شاء اللہ تمھاری یہ خواہش پوری ہو جائے گی، لیکن تمھیں چاہئے کہ اس کو غلام غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب کرو اور اس کو سلسلہ قادریہ میں مرید کراؤ۔ سلطان یہ سن کر حیرت زدہ ہو گیا اور امین خاں سے دریافت کیا کہ کیا تم نے حضرت سے معروضہ کیا تھا۔ امین خاں نے کہا کہ میں تو آپ کے ساتھ ہوں پس اس کو یقین کامل ہو گیا کہ صفائی باطن سے آپ کو میری آرزو کا علم ہو گیا ہے۔ الغرض آپ کی اس بشارت سے وہ بہت خوش ہوئے اور عہد کیا کہ مذکورہ شرائط کی پابندی کی جائے گی۔ چند دن کے بعد آپ بیدر آئے اور اپنے پدر بزرگوار کے روضہ پر جا کر سلطان کی اس تمنا کا اظہار کیا۔ لیکن آپ کو اس کا کچھ جواب نہ ملا آپ افسردہ خاطر ہو گئے اور آپ کے مزار کی خاک پر اپنا چہرہ مضطربانہ طور پر ملنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ میں نے قطب شاہ کو بیٹے کی بشارت دے دی ہے۔ اور حضرت مجھے جواب نہیں دے رہے ہیں۔ میں جھوٹا ہو جاؤں گا۔ اسی اثنا میں آپ کو یہ آواز سنائی دی کہ اے بدر الدین میں اب تک درگاہ خداوندی میں دست بدعا تھا کہ سلطان کو اولاد نرینہ عطا کی جائے الغرض کچھ عرصہ کے بعد ابراہیم قطب شاہ کو لڑکا ہوا جس کا نام غلام عبدالقادر رکھا گیا اور اس کو حضرت شیخ بدرالدین کا مرید بھی کرایا گیا جس کا سلطان نے عہد کیا تھا۔

(مشکوۃ النبوت ص ۵۹)

معدن الجواھر میں یہ بھی مسطور ہے کہ جب علی عادل شاہ نے کفار کے اخراج کا ارادہ کیا اور سلطان ابراہیم قطب شاہ اور نظام شاہ کو بھی اس پر آمادہ کر لیا تو ابراہیم قطب شاہ نے اپنی شمشیر حضرت شیخ بدرالدین کے پاس روانہ کی اور کہلا بھیجا کہ آپ فتح کی بشارت کے ساتھ یہ تلوار اپنی کمر سے باندھ کر میرے پاس روانہ کر دیں تاکہ میں مظفر و منصور واپس لوٹوں۔ حضرت شیخ بدرالدین یہ پیام ملتے ہی اپنے والد بزرگوار کے روضہ کا رخ کیا اور یہ حال کہہ سنایا۔ قبر شریف سے آواز آئی وجعلنا ھباء منثورا معلوم ہوا کہ فتح حاصل نہ

ہوگی تو آپ نے شمشیر واپس کردی، اور عزم جنگ سے منع کیا۔سلطان رنجیدہ خاطر ہوکر دوسرے درویش سے رجوع ہوا اور اس سے فتح کی بشارت پائی اور اس کے ہاتھ سے تلوار اپنی کمر میں لگوائی اور جنگ کے لیے روانہ ہوا۔جب فریقین مقابل ہوئے تو سلطان کے لشکر کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔

محبوب ذوالمنن کے مصنف لکھتے ہیں کہ انھیں دنوں عادل شاہ بیجاپوری کی دایہ بھی فتح کی بشارت کے لیے آئی تھی تو آپ نے فرمایا کہ عادل کافر کا طرفدار ہے میں اس کے لیے کچھ نہیں کہوں گا۔پھر دایہ نے عرض کیا کہ حضرت بادشاہ کا کوئی فرزند نہیں ہے آپ دعا کیجئے کہ خدا فرزند عطا کرے۔آپ نے فرمایا کہ عادل شاہ کی درخواست آنی چاہیئے۔دایہ نے کہا کہ میں عادل شاہ کی طرف سے مختار ہوں جو آپ فرمائیں گے بجالاؤں گی ،آپ نے بشارت دی کہ فرزند ہوگا مگر اس کا نام غلام عبدالقادر رکھنا۔دایہ نے قبول کیا۔ارشاد کے مطابق چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا مگر بادشاہ نے تسمیہ (نام رکھنے) کی شرط ادا نہ کی۔آپ نے سید بڈھن مرزا کو بھیجا اور دایہ سے کہا کہ آپ نے جو شرط حضرت سے کی تھی وہ کہاں ہے؟ اس مکارہ نے انکار کیا آخر کار اسی سال دایہ اور لڑکا دونوں فوت ہوگئے۔

(محبوب ذوالمنن فی تذکرہ اولیائے دکن جلد اول ص ۱۸۱)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ روافض کی ایک جماعت جو ابراہیم قطب شاہ کی مصاحب تھی قطب شاہ سے کہا کہ اس زمانے میں شیخ بدر الدین مقتدائے اہل اسلام ہیں، اگر وہ ہمارا مذہب قبول کرلیں تو بہت سارے لوگ ان کی متابعت کریں گے۔ چنانچہ یہ بات قرار پائی کہ قطب شاہ کی جانب سے ایک مکتوب لکھ کر آپ کو بلوایا جائے حضرت شیخ کے بعض مریدین جو اس وقت موجود تھے، اس واقعہ سے حضرت کو آگاہ کردیا حضرت شیخ بدر الدین اس واقعہ سے مطلع ہونے کے بعد حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پُرنور کی طرف متوجہ ہوئے۔اسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمارہے ہیں کہ اے فرزند جاؤ اور کچھ خوف نہ کرو وہ تمھارے آگے ایسی حرکات نہ کرسکیں گے، پس آپ عازم گولکنڈہ ہوئے قطب شاہ کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ

آپ کے استقبال کے لیے نکلا اور شرف قدم بوسی حاصل کیا۔اور کمال ادب سے آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔حق تعالیٰ نے اس کے دل میں ایسی ہیبت ڈال دی کہ حرکت نہ کر سکا اور جو کچھ سوچا تھا اس کا اظہار نہ کر سکا۔دوسرے روز قطب شاہ کے ارکان دولت کو جو تمام کے تمام افاضل علما سے تھے جمع کیا گیا اور یہ بات قرار پائی کہ کیوں کہ شیخ بدرالدین مرجع علماء ہیں اور مولانا خواجگی بھی قدوۂ دانش منداں ہیں۔ان کے درمیان مباحثہ ہوتو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ ان میں کون زیادہ صاحب فضیلت ہے۔الغرض حضرت شیخ اور مولانا خواجگی کو طلب کیا گیا جب حضرت پہنچے تو سب تعظیماً کھڑے ہوگئے۔آپ پر نظر پڑتے ہی مولانا خواجگی کے دل میں ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ بھی آپ کے مریدین کی طرح سرنگوں ہوکر بیٹھ گئے اور رسالہ جو مباحثہ کی غرض سے اپنے ہاتھ میں لے کر آئے تھے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔حضرت نے فرمایا کہ یہ کیا رسالہ لائے ہو؟ مجھے دو تا کہ میں بھی دیکھوں کہ یہ کیا ہے؟ لیکن مولانا خواجگی پیش کرنے کی جرأت نہ کر سکے،آپ تھوڑی دیر وہاں تشریف فرما رہے۔اور واپس ہوگئے،سب لوگ بشمول مولانا خواجگی،اور سلطان ابراہیم قطب شاہ حیران وششدر رہ گئے۔

حاصل کلام یہ کہ آپ کے کمالات اور خوارق عادات اتنے ہیں کہ قید تحریر میں نہیں آسکتے آپ کے کمالات کا اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا سردی کی شدت کی وجہ سے آپ گفتگو نہ فرما سکتے تھے،جہاں تک اوراد کا تعلق تھا آپ ان اوراد کو بہت فصاحت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔آپ اتنے مضمحل ہوگیے تھے کہ دوسروں کی مدد کے بغیر بیٹھ نہ سکتے تھے لیکن جب نماز کا وقت قریب آتا تو آپ کے پلنگ کے قریب ایک تختہ پر مصلیٰ بچھا دیا گیا تھا آپ اس پر بغیر کسی کے مدد کے اتر کر بیٹھ جاتے اور نماز ادا فرماتے۔جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو اپنے بستر جانے کی سکت آپ میں نہ رہتی جس کی بنا پر لوگ آپ کو اٹھا کر بستر پر لٹا دیتے،جب وقت آخر قریب آپہنچا تو آپ نے اپنے تمام صاحبزادگان اور مریدین کو جمع کیا اور بزبان فصیح فرمانے لگے کہ میری زندگی کے صرف تین روز باقی رہ گئے ہیں۔میں نے حق تعالیٰ سے ان تین دنوں کی مہلت اس لیے طلب کی ہے کہ

میں اپنے بقیہ اوراد تمام کرلوں۔ میں تم کو ضرور وصیتیں کرتا ہوں پھر فرمایا کہ ان تین دنوں میں کوئی خاص وعام کوئی کار ہائے دنیوی میں مشغول نہ ہوں اوراذ کار ربانی کے علاوہ اور کوئی کام نہ کریں۔ پھر آپ نے اپنے تمام صاحبزادگان کو نعمت قادریہ اور اجازت مطلقہ سے سرفراز فرمایا اور انھیں خرقہ خلافت پہنایا۔ اپنے والد بزرگوار کے روضہ مبارکہ کی تولیت آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت شیخ احمد کے تفویض فرمائی اور روضہ کی خدمت کے لیے سخت تاکید فرمائی۔ اس کے بعد آپ سب سے منہ پھیر کر مشغول بحق ہو گئے اور ہاتھ میں تسبیح لے کر زبان سے اللہ اللہ کرنے لگے۔ اس اثنا میں دیکھا گیا کہ آپ کا دست مبارک بالائی سمت بلند ہوا اور اسی طرح حالت ذکر میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کی وفات ۹۸۱ھ میں ۲۸/ذی قعدہ کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۹۶ سال کی تھی۔

آپ کے درج ذیل صاحب زادگان تھے۔

۱۔شیخ محمد ۲۔شیخ احمد ۳۔شیخ ابراہیم ۴۔شیخ علی

وفات کے بعد حضرت شیخ بدرالدین کو ایک مقام پر دفن کیا گیا چھ مہینے کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادگان اور مریدین کے خواب میں آکر فرمایا کہ جہاں مجھے دفن کیا گیا ہے وہ مقام کچھ موزوں نہیں ہے۔ وہاں سیلاب ہے وہاں سے مجھے کسی اور جگہ منتقل کر دو جب دوسری دفعہ بھی اس طرح کا خواب نظر آیا تو جرأت کر کے آپ کی قبر مبارک کو کھولا گیا تو دیکھا گیا کہ اس میں پانی بھرا ہوا ہے پانی نکالا گیا تو دیکھا گیا کہ آپ کا جسم اسی طرح تر و تازہ تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسی روز آپ کو دفن کیا گیا ہو۔ وہاں آپ کے مخالفین میں سے ایک شخص موجود تھا اس نے از روئے امتحان آپ کی ریش مبارک پکڑ کر کھینچی لیکن وہ جدا نہ ہو سکی۔ سوئے ادب کے پاداش میں وہ شخص انواع واقسام کی تکلیف میں مبتلا ہو گیا ۔الغرض آپ کو وہاں سے دوسرے روضہ میں منتقل کیا گیا۔ (مشکوٰۃ النبوت ص ۶۳)

معدن الجواھر میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حسن مہدی جو صالحین سے تھے چند روز آپ کے روضہ مبارکہ پر مامور رہے مگر ان کی عادت یہ تھی کہ وہ روزانہ رات کو مزار سے غلاف اتار لیتے اور پھر بوقت صبح اڑھا دیتے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بوقت ظہر روضہ

مبارک میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی صورت کے صاحب جو سر پر عمامہ باندھے ہوئے ہیں قبر کے نزدیک کھڑے ہوئے ہیں۔ میں خوفزدہ ہوکر گر پڑا انھوں نے مجھ سے کہا کہ آؤ کچھ خوف نہ کرو کہ میں بدرالدین صاحب مرقد ہوں اور تم سے کہہ رہا ہوں کہ بار دگر میری قبر سے غلاف نہ ہٹانا جیسا کہ انسان کا لباس ہوتا ہے۔اسی طرح قبر کے لیے غلاف ہوتا ہے۔

معدن الجوھر میں ہے کہ شیخ بدرالدین فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے خواب دیکھا کہ میرے سر پر ہما سایہ فگن ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے بڑے بھائی مخدوم جی بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔ پھر میرے والد نے فرمایا اس وقت مخدوم جی نے جس طرح کہا ہے ویسا ہی ہوگا۔ بے شک ایسا ہی ہوا کہ تمام سلاطین دکن آپ کے معتقد رہے۔ جو کچھ آپ حکم دیتے وہ فوراً اس حکم کی تعمیل کرتے اتنی عظمت وشان کے باوجود آپ نہایت منکسر المزاج وخوش خلق تھے ۔فقرا ومساکین کے ہم صحبت رہتے ،اور سادات کی بے انتہا تعظیم کیا کرتے ،فقرا وغربا کی خدمت کیا کرتے ،ان کی بدخوئی کو نظر انداز کردیتے ،اگر ان سے کوئی ناروا بات سرزد ہو جاتی تو آپ صبر وتحمل سے کام لیتے۔

کتاب مذکور میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک دن ایک درویش نے چاقو کھینچ کر آپ کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا اور سینہ پر چاقو رکھ دیا۔حاضرین مجلس نے اس سے انتقام لینا چاہا لیکن آپ نے انھیں منع فرمادیا اور راضی بقضائے الٰہی رہے۔اس درویش نے جب یہ حال دیکھا تو چاقو پھینک کر آپ کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا اگر مجھے کوئی دوسرا خیال ہے تو خود میرا دوسرا ہاتھ کٹ جائے۔ میں نے آپ کو ایک ایسا پیشوا پایا کہ جس کی مثال پہاڑ کی مانند ہے جو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا۔(مشکوٰۃ النبوت ص ۶۵)

اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ آپ اپنے تمام پیروں کا عرس کرتے سماع سنتے اور وجد اور رقص فرماتے ،جس وقت آپ کو وجد ہوتا تو اس کا اثر تمام حاضرین مجلس پر موثر ہوتا اگر کوئی شخص آپ سے استدعا کرتا تو آپ قبول فرماتے ۔اپنی شان وشوکت کا

خیال نہ کرتے بلکہ ہمیشہ منکسر المز اجی سے پیش آتے ۔کوئی شخص اعلیٰ ہو یا ادنیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو کھڑے ہوکراس کے سلام کا جواب دیتے اور اپنے ضعف کا خیال نہ فرماتے ۔ جو غذا بھی آپ کولذیذ محسوس ہوتی آپ اس سے ہاتھ کھینچ لیتے ،اوراس کوفقرا میں تقسیم فرمادیتے ،کبھی آپ کے پاس دو پیرہن نہ ہوتے ، باریک کپڑا پہنتے ،اگر چہ صوف فقرا کالباس ہے مگرآپ اسے استعمال نہ فرماتے ، جب آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی ،تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کبھی اپنے والد بزرگوار کوصوف کا لباس پہنتے ہوئے نہ دیکھا، اگرکسی شی پرخدائے تعالیٰ کا نام لکھا ہوا پاتے تو احتراماً کرسی پر نہ بیٹھتے ،اوراگرکسی چیز پرتصویر کندہ ہوتی ،تو اس کوچھونے سے پرہیز کرتے ،احکام شریعت کی پابندی میں خاص اہتمام فرماتے ۔نشہ آور چیزوں کا نام تک آپ کومعلوم نہ تھا، چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں خوابویہ (جونشہ آور ہوتا ہے) ہدیۃ پیش کیا آپ نہ جانتے تھے کہ یہ کیا چیز ہے؟ چنانچہ آپ اسے لیے ہوئے اپنے والد کے روضہ میں داخل ہوئے اوراس شخص سے پوچھا کہ کیاتم نے کبھی قلقل دیکھا ہے۔ تواس شخص نے کہا کہ یہ ''قلقل''نہیں بلکہ ''خوابویہ'' ہے ۔آپ نے یہ سنتے ہی اس کو پھینک دیا اور پانی منگوا کر ہاتھ دھولیے۔ الغرض جو چیز شرعاً متفق علیہ جائز ہوتی تو آپ اس کو ہی استعمال فرماتے ،اور جو چیز مشتبہ ہوتی تو اس پرعمل کرنے سے لوگوں کوبھی منع فرماتے اور اگر مخالفین شرع میں جانے کا اتفاق ہوتا تو ہر روز ان کوعلوم ظاہری کے علاوہ دیگر علوم کی بھی تلقین فرماتے چنانچہ گجرات اور دکن کے علما آپ کو''سیبویہ ثانی''، کہتے ۔آپ علم باطنی میں اس قدر کامل تھے کہ اہل تصوف میں بعض لوگ آپ کو''شبلی وقت'' کہتے تھے۔(مشکوٰۃ النبوت ص ۶۶)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا شاہ ہاشم حسینی علوی بیجاپور کرناٹک علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ سلطان الواصلین ، برہان العارفین شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا شاہ

وجیہ الدین علوی گجراتی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بھتیجے ہیں اور آپ سالکان پیشوائے عارفان، رئیس گروہ واصلان، رہنمائے خداجویان، غوث خلائق، قطب عالم اور خواص افراد کے مرتبے میں سے تھے۔ سلطان ابراہیم عادل شاہ جگت گرو کے زمانے میں سرزمین بیجاپور پر قدم رنجہ فرمایا۔ اور ایک مدت تک زہرہ پور میں اقامت گزیں رہے۔ اس کے بعد شہر پناہ میں تشریف آوری ہوئی۔ آپ کے رشد وہدایت کے سبب ہزارہا طالبان ومریدان کمال ظاہری وباطنی سے سرفراز ہوئے، اور اعلیٰ مدارج کو پہنچے، آپ خود فرماتے تھے کہ میرے فیض سے ہزاروں آدمی خدا تک پہنچے ہیں اور ان کی روحانی ترقی ہوئی ہے۔، اور ایسا ہی میں نے اللہ عزوجل سے درخواست کی ہے کہ میرے مریدین اور چاہنے والوں کو دین ودنیا میں اور ظاہر وباطن کی سیر میں مشکل نہ پیش آئے، اور میری اولاد واحفاد خدا اور اس کے رسول کے پاس سرخرو اور آبرومند رہے۔

حضرت شاہ وجیہ الدین علوی کی وفات کے وقت آپ چودہ برس کے تھے۔ اور آپ نے بیعت وارادت اور ارشاد وتربیت خود اپنے والد ماجد برہان العارفین حضرت شاہ برہان الدین حسینی علوی قدس سرہ سے حاصل کی ہے۔ اور ان کی صحبت میں سخت ریاضتیں اور مجاہدے کر کے سلوک میں کامل ومکمل بنے، اور والد بزرگوار کی رحلت کے بعد وصیت پدر اور غیبی الہاموں کے مطابق مرشد اولیاء اللہ، سید اولاد رسول اللہ حضرت شاہ عبداللہ فرزند شاہ وجیہ الدین علوی قدس سرہ کی خدمت میں جا کر ایک مدت دراز تک ان کی صحبت میں رہے۔ اور خلافت اور اذکار واشغال کی اجازت ونعمت ظاہری وباطنی حاصل کیے۔ سلوک کے تمام مراتب اور وصول کے تمام مقامات طے کر کے مقام درالوریٰ کے کشف میں جو کچھ عقدے رہ گئے تھے حل کر لئے۔ ابراہیم عادل شاہ آپ کی جناب میں نہایت رسوخ واعتقاد رکھتا تھا اور انتہائی درجہ کی خدمت گزاری اور پاسداری کرتا تھا اور اس کا بیٹا محمد عادل شاہ بھی آپ سے حد درجہ اعتقاد رکھتا تھا اور اسے کوئی مشکل درپیش آتی تو آپ ہی کی بارگاہ میں ملتجی ہوتا۔ آپ کی توجہ سے اس کی وہ حاجت پوری ہو جاتی۔ شاہ وگدا آپ کے حضور میں یکساں نظر آتے تھے۔ جو کچھ نذر ونیاز آتی فقرا ومساکین میں تقسیم ہو جاتی، آپ فرماتے ہیں جس

وقت فقیر کی عمر سولہ سال کی تھی اسی وقت سے معمول تھا کہ جتنی بھی نذر آتی سب تقسیم ہو جاتی اگر کوئی غلطی سے بچ جاتا تو اسے گرم کر کے اپنے بدن پر داغ دیتے۔

''منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک دینار حصیر (چٹائی) کے نیچے رہ گئی دوسرے دن نظر آئی تو آپ نے اپنے عہد اور معمول کے مطابق اس کو گرم کر کے اپنے جسم شریف پر داغ دیا۔(روضۃ الاولیاء ص ۹۵)

حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے سلوک کا طریق سولہ سال کی عمر میں اختیار کیا، نفس کی عداوت، اور اس کے خلاف عمل اپنے اوپر واجب اور لازم کر لیا، اور عزم کر لیا کہ جو کچھ نفس خواہش کرے وہ اسے نہ دوں اور جو کچھ بغیر مانگے آئے لوں گا، اور میں نے مکان میں کبھی کھانا طلب نہیں کیا جو کچھ مل جاتا کھا لیتے، اور کبھی نہ کہا کہ یہ کچا ہے کہ پکا ہے، کھارا ہے یا پھیکا ہے اور جو کچھ نفس خواہش کرتا تھا میں اس کی اطلاع بھی دوسروں کو نہ دیتا کیوں کہ اطلاع دینا اور مانگنا دونوں برابر ہیں۔

آپ نے دو مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ایک بار اپنے جد امجد جناب حضرت رسالت مآب ﷺ کی دعوت پر تشریف لے گئے تھے اور جناب سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے فیض یاب ہوئے۔ اور کتاب ''حزب الاعظم'' اور ''گیتی مبارک'' کا قبضہ یہیں عنایت ہوا۔گنج الاسرار میں حضرت سے روایت کرتے ہیں کہ:

''آپ فرماتے تھے، جس وقت مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوا فقیر کی عمر پچاس سال کی تھی، پس ایک شب کو مشاہدہ ہوا کہ حضرت سرور عالم ﷺ نے اپنی خاص شمشیر متبرکہ اور ایک جلد کتاب اوراد حزب الاعظم ورد الانجم فقیر ہاشم کو عنایت فرمائی۔ بعد ایک گھڑی کے ایک شخص دروازہ پر آیا فقیر نے پوچھا کون ہو اس نے کہا کہ میں مدینہ منورہ کا شریف ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لیے شمشیر اور حزب الاعظم روانہ فرمائے ہیں ۔اور بندہ کو حکم فرمایا ہے کہ میرا فرزند شاہ ہاشم آیا ہے یہ امانت جو دین و دنیا کا تحفہ ہے۔اسے پہنچادو۔ پس فقیر ہاشم اسے لے کر سر پر رکھ لیا اور اس

عنایت کا شکریہ بجالایا اور، شکرانہ ادا کیا‘‘۔(روضۃ الاولیاء ص ۹۶)

آپ کے ملفوظ شریف میں مذکور ہے کہ ایک معاملہ میں دیکھا گویا میں ہوشیار ہوں کہ اپنے گھر سے مسجد زہرہ پور کے صحن میں آیا تو دیکھا کہ منبر کے پاس محراب کے روبرو حضرت رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ کھڑے ہیں اور قبلہ کی طرف روئے مبارک کر کے مسائل فقہیہ بیان فرمارہے ہیں۔اسی اثنا میں یہ فقیر جلدی سے مسجد کے اندر آیا ایک صحابی کہنے لگے یارسول اللہ ہاشم آئے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے روئے مبارک فقیر کی جانب کرلیا میں نے کلمہ کی انگلی زمین پر رکھا اور تسلیمات کیا۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک اپنے زانوئے مبارک پر رکھ کر پشت مبارک خم کر کے سر مبارک ہلاتے ہوئے فرمایا اقبال الشریف الھاشمی ھاشمنا علی العالی اور اس خطاب سے فقیر کو دو مرتبہ سرفراز فرمایا۔

حضرت ہاشم قدس سرہ کی یہ عادت تھی کہ کبھی مست ہاتھی کے سامنے سے نہیں ہٹتے تھے۔اور اس حیوان مہیب سے آپ کا بارہا مقابلہ کا اتفاق ہوا آپ اس سے ذرا بھی نہیں ڈرتے تھے۔ایک روز حضرت سے ایک مرید نے عرض کیا، کہ حضور جو ہاتھی، شیر اور سانپ کے روبرو سے منہ نہیں موڑتے ہیں یہ شجاعت ہے یا اسمائے الٰہی کی برکت ہے؟ آپ نے فرمایا نہ شجاعت ہے نہ اسمائے الٰہی کی برکت! میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ اے فرزند جب تجھ کو ہاتھی، شیر اور سانپ کی مانند جانوروں سے سامنا ہو جائے تو اپنے کو مت پھیر کیوں کہ اس میں اپنا امتحان اور آزمائش ہے۔کہ اگر حضوری حق حاصل ہے تو ان کے روبرو ہونے سے دل میں کسی طرح کی فکر اور وحشت نہ ہوگی اگر کچھ وحشت ہوئی تو معلوم کر کہ مرتبہ سے نیچے گر گیا پس اس کا علاج کرنا چاہئے تا کہ پھر اس مرتبہ کو پہنچ جائے۔

منقول ہے کہ ایک روز حضرت ہاشم قدس سرہ ایک شخص کی دعوت پر سید احمد نظیر جو سادات عرب اور اس زمانہ کے اکابر میں سے تھے۔ساتھ لے کر گاڑی میں سوار ہو کے جاتے تھے۔اتفاقا ادھر سے سواری مبارک حضرت شاہ حمزہ حسینی قدس سرہ کے روضہ کے جنوب کی طرف کی گلی میں پہنچے ادھر سے آکر کے میدان کی جانب سے ایک مست ہاتھی اسی

گلی کی طرف آیا۔لوگ سب اس کے خوف سے جان چھپا کر ایک طرف بھاگ گئے ۔اہل بیجا پور کو معلوم تھا کہ حضرت ہاشم قدس سرہ مست ہاتھی کے روبرو سے مڑتے نہیں ہیں پس تماشائیوں کا ہجوم ہوگیا آپس میں کہنے لگے یارو آج عجب اتفاق ہوا ہے کہ اس طرف سے مست ہاتھی آتا ہے اور اھر سے حضرت شاہ ہاشم قدس سرہ تشریف لاتے ہیں۔اور کوچہ بالکل تنگ ہے دیکھیں کیا صورت ہوتی ہے۔ ہر طرف سے ایک غل مچ گیا لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے دیواروں پر چڑھ گئے اور دیکھنے لگے۔اس حکایت کا راوی کہتا ہے کہ خود بھی اس ہجوم محل آثار شریف کے شمالی دروازہ کی طرف مشرقی جانب حوض پر بیٹھا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت گاڑی میں تشریف رکھے ہیں ۔اور سید احمد نظیر آپ کے بازو میں بیٹھے ہیں ۔اور وہ ہاتھی سواری شریف کے مقابل ہوا۔حضرت نے گاڑی چلانے والے سے ارشاد فرمایا کہ بغیر خوف کے گاڑی لے چل اس نے بموجب حکم والا گاڑی چلائی جب ہاتھی سواری مبارک کے قریب پہنچا،گلی تنگ تھی ایک طرف حضرت شاہ حمزہ حسینی قدس سرہ کے باغ کی دیوار تھی اور دوسرے جانب محل آثار شریف کے احاطہ کی دیوار تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ خیرہ ہاتھی ڈر کر سونڈ اپنے منھ میں داب کے چل رہا تھا اور اس کے گلے میں لوہے کے گانٹھیوں کی جو حمائل تھی گاڑی کے جہت کو لگی ،غرض حضرت کی سواری کے نزدیک تھا ایسا لگ رہا تھا کہ اس کی مستی کا جوش گم ہوگیا ہے اور اس کی چیخ پکار ختم ہوگئی جب ہاتھی وہاں سے آگے بڑھ گیا تو پھر وہی اپنی مستی کی حالت پر آ گیا۔

گنج الاسرار میں لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم جگت گرو کے زمانے میں بارش نہ ہونے کے سبب ایسا قحط پڑا کہ لوگ پریشان ہوکر ترک وطن پر مجبور ہو گئے ،اعیان وارکان واہالی استسقا کے لیے جمع ہوکر حضرت شاہ ہاشم قدس سرہ کے آستانے پر حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ بارش نہ ہونے کے سبب تمام عالم ،اور حیوانات ،نباتات ،ومویشی زراعت تلف اور ضائع ہورہے ہیں بلکہ ہر ذی روح کی تباہی وخرابی ہورہی ہے۔آپ قطب مدار اور مقبول درگاہ پروردگار ہیں۔ توجہ فرمائیں تاکہ اس پریشانی اور ہلاکت سے نجات ملے حضرت نے زبان مبارک سے نکتہ فرمایا:

جعلنا من الماء کل شی حی کردن
بحرمة النبی الهاشم جل تھل بھر دن

زبان مبارک سے یہ کلمہ نکلتے ہی آسمان پر چاروں طرف ابر چھا گیا اور برسات ہونے لگی اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ ندی نالے جل تھل ہو گئے ، اور چاروں طرف پانی کی طغیانی ہوگئی درخت اور کھیتیاں جو سوکھ رہی تھیں لہلہانے لگیں (روضہ الاولیاء ص ۹۹)

منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ طالبان کے ارشاد وافادہ میں مشغول تھے کہ عصر کا وقت آ گیا مجلس ویسی ہی گرم تھی آفتاب غروب ہونے لگا ، اور وقت نماز بہت تنگ ہو گیا ، حاضرین کے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ اس میں کیا بھید ہے کہ دیر سے کراہت کا وقت پہنچ گیا اور حضرت نماز کی تیاری نہیں کر رہے ہیں ۔لیکن کوئی شخص بھی جرأت کر کے زبان پر نہ لا سکا۔معا بعد آپ اٹھ کر تازہ وضو بنانے کے لیے کوئیں کی طرف تشریف لے گئے ابھی وضو تمام نہیں ہوا تھا کہ آفتاب غروب ہو گیا ، جب آپ وضو سے فارغ ہو گئے ۔قدم سیڑھی پر رکھ کر باہر آئے آفتاب پھر نکل آیا۔آپ اپنے مریدین اور اہل مجلس کے ساتھ نماز عصر ادا کی اس کے بعد ایک گھنٹہ آفتاب بلند رہا۔(روضۃ الاولیاء ص ۹۹)

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ ہاشم بادشاہ پور کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک بڑھیا آئی اور وہ حضرت کے قدموں پر سر رکھ کر عرض کرنے لگی کہ میرا بیٹا مر گیا اور ابھی وہ مرید نہیں ہوا تھا اسے مرید کریں آپ اٹھے اور مسجد کے باہر دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے وہ بڑھیا کھجور اور پھول حضرت کے سامنے رکھی ، آپ نے سب خدام کو حکم دیا کہ دور چلے جائیں ، حضرت شاہ مراد قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد کی دیوار کے کونے سے دیکھا کہ حضرت دست مبارک ایسا لمبا کیے جیسا کہ کسی کا ہاتھ لیتے ہیں اور بیعت کے وقت جو کچھ پڑھتے ہیں ویسا ہی پڑھا اس کے بعد اس بڑھیا سے پوچھا کہ آیا تیرا بیٹا کالا ہے اس بڑھیا نے کہا ہاں پھر پوچھا میانہ قد تھا اور داڑھی قینچی سے کترتا تھا اور پھر کچھ فرمایا لیکن ہم نہیں سنے بہر حال وہ بڑھیا ہر بات پر آپ کے قدم پر اپنا سر رکھ کے کہتی تھی کہ برابر ہے اس کے بعد شاہ مراد کو طلب فرما کر پھول اور کھجور نذر کروا دیئے۔(روضۃ الاولیاء ص ۱۰۲)

ایک مرتبہ حضرت شاہ ہاشم اپنے مریدین اور طالبان سلوک کی جماعت کے ساتھ بادشاہ پورم کی جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خدمت گزار نے آکر عرض کیا کہ سلطان محمد عادل شاہ کو سخت موذی بیماری ہے۔اطبا اس مرض کے علاج سے درماندہ ہیں، اس لیے آپ کی جناب میں التماس بھیجا ہے کہ نظر ترحم فرمائیں تا کہ مرض مہلک سے نجات ملے،حضرت نے یہ کیفیت سن کر اس خادم سے کہا کہ جاؤ رومال لے آؤ خادم گیا اور رومال لے آیا آپ نے اس رومال پر کچھ دم کیا اور خادم سے کہا لے جا کر اسے جہاں درد ہو اس مقام پر باندھ دیا جائے۔ خادم وہ رومال لے گیا اور بادشاہ کو دے کر کہا کہ جہاں درد ہے وہاں باندھ دیا جائے حضرت کے حکم کے مطابق درد کی جگہ وہ رومال باندھا گیا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا تو بادشاہ خود حضرت کی خدمت میں پہنچا اور عجز والحاح کرنے لگا۔کہتے ہیں کہ اس وقت سوائے ان اولیاء اللہ کے جو بمضمون اولیائی تحت قبائی لایعرفہ احد غیری چھپے ہوئے تھے۔ چودہ حضرات کی کرامات آیات کی بزرگی اور ولایت کا شہرہ تھا ۔لیکن بادشاہ کو جو آپ سے اعتقاد صریح اور ارادت صادق رکھتا تھا اس لیے نہایت عاجزی سے عرض کیا کی ذات والا کی توجہ کے بغیر میرے اس درد کا علاج کیجئے اور میرے باپ پر جیسی عنایت رکھتے تھے ویسی ہی مجھ پر بھی رکھئے ،حضرت نے فرمایا بے شک تمہارے باپ ابراہیم عادل شاہ نے فقیر پر بڑا احسان کیا ہے۔جب کہ فقیر حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہو کے اس طرف آیا تو اپنے تمام دوستوں کے ساتھ جو کشتی میں فقیر کے ہمراہ تھے قوم عیسوی کے قید میں پڑ گئے اس وقت تمھارے باپ نے ہماری بڑی خدمت کی اور نہایت مہربانی سے پیش آئے۔اب تمہیں اس کا بدلہ دینا ضروری ہے۔

> ’’تمھاری عمر آخر ہو چکی بغیر جان بخشی کے کچھ نہیں ہو سکتا فقیر کے حیات میں دس سال باقی ہیں وہ دس سال حیات کی میں نے تم کو بخش دیا اور تمھارا درد میں نے اپنے اوپر لے لیا۔پس سلطان محمد عادل شاہ اسی وقت اچھا ہو گیا اور دوسرے روز پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کے دیکھا تو وہی اپنا درد حضرت کے جسم مبارک پر وارد ہوا ہے اور حضرت کو اس درد

سے اس قدر اذیت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے ہیں''۔

بادشاہ نے منظر دیکھ کر بہت معذرت کی اور احوال پُرسی بھی کیا حضرت نے فرمایا الموت جسر یصل الحبیب الی الحبیب اور اسی مضمون کا یہ شعر پڑھا۔

مرگ مارا زندگی دیگر است زہر مرگ شہید شیریں خوشتر است
مرگ ساز و مغز را صافی ز پوست تار ساند دوست را نزدیک دوست
(موت ہم کو دوسری ہے زندگی شہد سے بہتر ہے تلخی موت کی
مغز کو کر دے جدا وہ پوست سے دوست کو تاکہ ملادے دوست سے)

اس واقعہ سے بادشاہ اور دوسرے لوگوں کو معلوم ہوا کہ دوستان خدا محض اللہ کے واسطے دوسروں کا بار آپ اٹھا لیتے ہیں اور اپنی حیات میں دوسروں کو بخش دیتے ہیں، اور ان کے رنج وراحت اور موت اور حیات سب برابر ہیں پس حضرت اسی درد سے تیسرے روز کہ روز جمعہ، رمضان مبارک کی نویں تاریخ تھی اور ۱۰۵۶ھ تھی واصل بحق ہوئے۔آپ کے جنازے کے ساتھ امرا و وزرا وفقرا وسادات ومشائخ وفضلا غرض بیجاپور کے کل خاص وعام چھوٹے بڑے سب کے سب حاضر تھے اور ہر چند چاہتے تھے کہ جنازہ مبارک تک اپنے ہاتھ پہنچا کر بوسہ کی سعادت حاصل کریں مگر بھیڑ کی وجہ سے کسی کا ہاتھ نہ پہنچتا تھا۔تابوت ہوا پر معلق چلا جاتا تھا۔آپ کا مرقد منور بادشاہ پور میں ہے اور مزار مبارک پر بہت ہی خوش نما گنبد تعمیر کی گئی ہے۔آپ کا آستانہ کرامت نشانہ زیارت گاہ خلائق اور حاجت روائے عالم ہے اور آپ کی تاریخ وصال "بادشاہ اھل بھشت"(۱۰۵۶ھ) اور''مفخر کونین''(۱۰۵۶ھ) ہے۔

(روضۃ الاولیاء، محمد براہیم ترجمہ سیف اللہ قادری ص۱۰۶ حیدرآباد ۱۳۱۴ھ)

وصال شریف کے تیسرے روز مزار مقدس پر بہت سے سادات ومشائخ وقضاۃ وعلما مریدین وخلفا ووزرا وامرا حاضر ہوئے، قوال جمع ہو کے حضرت کی خاص نظم جو حضرت نے اپنے وصال سے تین دن قبل یاد کرنے کا حکم دیا تھا گانے لگے۔دفعتاً مزار مبارک جنبش اور حرکت میں آئی اور قبر شریف کے پھول ان لوگوں کے دامن پر جا گرے جو مرقد شریف

کے دور بیٹھے تھے۔ اور طرہ مبارک اس قوال کے گود میں پڑا جو حضرت سے نہایت درجہ میں رسوخ وارادت رکھتا تھا۔ اور اس پر حضرت کی بھی کامل توجہ تھی لوگ ان پھولوں کو تبرک سمجھ کر کھالئے اور مرقد مبارک کے وجد میں آنے سے متعجب و متحیر ہوئے۔

(روضۃ الاولیاء ص ۱۰۷)

ایک دن استاذ البلد حضرت مولانا عبد الرحیم قدس سرہ آستانہ ہاشمیہ کی زیارت کے لیے آئے اور بعد ادائے فاتحہ، زیارت و آستانہ بوسی کے دل میں خیال آیا کہ حضرت ہاشم قدس سرہ کس مقام ومرتبہ پر ہوں گے؟ حضرت مولانا کہ عادت تھی کہ اپنے وظیفہ کی کتاب ساتھ رکھتے پس بغل سے ''دلائل الخیرات'' نکال کر کھولتے ہی یہ نکلا هذه صفة روضة النبی دفن فیها رسول الله ﷺ حضرت مولانا موصوف تعجب سے مبہوت ہوگئے، اور اپنی آنکھوں میں پانی لاکر کہا کہ میں کہاں کھڑا ہوں اور کیا نیت کیا اور کیا نکلا اور آپ کے مقام کی عظمت معلوم ہونے سے رونے لگے اور توبہ توبہ کہتے ہوئے اپنے گالوں پر مارتے اور کہتے کہ میں نے ایسے بڑے مقدمہ میں جرأت کی اور حضرت شاہ وجیہ الدین علوی ثانی حسینی قدس سرہ سجادہ نشین بھی اسی جگہ حاضر تھے۔ ان سے مخاطب ہوکر مولانا نے کہا کہ حضرت ملاحظہ فرمائیے دیکھئے کہ نیت کیا کیا اور کیا نکلا؟ یہی روضہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی قبر ہے۔گنبد شریف میں آپ کے داہنے بائیں آپ کے دونوں زوجہ محترمہ آسودہ خواب ہیں اور پائیں میں آپ کے پوتے حضرت برہان الدین حسینی قدس سرہ آرام فرماہیں اور آپ کی رگاہ شریف میں مردوں اور عورتوں سے بہت سے اہل اللہ وصلحا وفقرا ومریدان ومسافران مدفون ہیں اور حضرت شاہ قطب الدین صفوی اور ان کے فرزند یعنی حضرت شاہ حسین صفوی قدس سرہ بھی مدفون ہیں۔ (روضۃ الاولیاء ص ۱۰۷)

آستانہ عالیہ حضرت شاہ محمد قاسم قادری بیجاپور کرناٹک

علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ کا اسم مبارک محمد فضل اللہ کنیت ابوالقاسم اور لقب شاہ قاسم قادری ہے۔ آپ نے اپنے والد میراں شاہ بدرالدین بدر عالم حبیب اللہ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ والد کے انتقال کے بعد اپنے بھائیوں اور اعزہ واقارب سے علاحدہ ہوکر بیدر سے حرمین شریفین گئے اور اپنے جد اعلیٰ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ ارحمۃ والرضوان کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ واپسی میں سیاحت کرتے ہوئے لکھنو پہنچے۔ جہاں حضرت شاہ دلاور قادری کے کمالات کا شہرہ سن کر آپ کی ملاقات کے لیے سندیلہ گئے۔ وہاں آپ نے طویل عرصہ تک قیام کیا اور گروہ وہاب شاہی اور نقشبندیہ میں اجازت حاصل کر کے اپنے وطن بیدر لوٹے اور جب بھائیوں کے بیجاپور جانے کا علم ہوا تو آپ نے بیجاپور کی راہ لی۔ ان دنوں ابراہیم عادل شاہ جگت گرو سریر آرائے سلطنت تھا۔ آپ نے اپنے بھائیوں سے ملاقات کر کے مسجد جید خاں میں قیام فرمایا اور وہیں بعد وصال مدفون بھی ہوئے۔

آپ کی تشریف آوری سے بیجاپور کی زینت ورونق حاصل ہوئی۔ آپ توکل وقناعت کی مسند پر متمکن وفقر ودرویشی کے طریقہ پر قائم تھے، علماء وفضلا کے مقتدا اور اہل اللہ وفقرا کے امام تھے۔ تجرید وترک کے میدان میں ثابت قدم اور تصوف کے منازل میں راسخ دم تھے۔ مزاج آپ کا آزادانہ تھا کسی امیر وفقیر سے غرض و پراہ نہیں رکھتے تھے۔ جید خاں کی مسجد میں مدۃ العمر گوشہ نشین رہے۔ آپ کے خادم پیار محمد کا بیان ہے کہ جب آپ نے بیجاپور میں قیام طے کرلیا تو آپ کے خادم اور رفقا نے یہ جان کر کہ اب وطن کو واپسی ممکن نہیں رنج وملال اور تاسف کا اظہار کیا۔ حضرت شاہ قاسم قادری اس واقعہ سے آگاہ ہوئے تو آپ نے اپنے تصرف کا اظہار یوں کیا۔

''جب آپ کے خدام اور رفقا سو گئے تو بیداری کے بعد اپنے آپ کو اپنے وطن میں پایا اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیے بغیر اپنے وطن پہنچ گئے ۔ پیار محمد کہتے ہیں کہ میں بھی سو رہا تھا جب اٹھا تو اپنے رفقا میں سے کسی کو نہ پایا اور نماز فجر کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیان کیا کہ میرے سب رفقا غائب ہیں ۔آپ نے جواب میں کہا کہ وطن کی محبت نے ان پر غلبہ کیا تھا اس لیے خدا کے حکم سے انھیں وطن پہنچا آیا۔ جمال محمد خلیفہ میراں سید شاہ عبدالقادر ابن میراں شاہ مصطفیٰ قادری کا بیان ہے کہ میں آنحضرت کے خادموں میں شامل تھا۔ جب اپنے بستر پر سویا تو میں نے کچھ دیر بعد محسوس کیا کہ میری اور میرے دوسرے ساتھیوں جو کہ سو کی تعداد میں تھے کمر سے رسی بندھی ہوئی ہے اور آسمان پر پرواز کرتے ہوئے جارہے ہیں اور تمام لوگوں کی رسیوں کے سرے حضرت سید شاہ قاسم قادری کے ہاتھ میں ہیں ۔ میں بے ہوش ہو گیا اور جب ہوش میں آیا تو دیکھا کہ میں اپنے مکان میں ہوں عزیز واقارب بہت حیران تھے۔''

(صحیفہ اہل ہدیٰ ص ۳۹)

صاحب روضۃ الاولیاء نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ کی توجہ کی برکت سے ہر ایک نے عالم مثال اور عالم رویا میں اپنے تمام اعزہ واقارب کو دیکھا اور ان کے ملاقات سے سب ہشاش وبشاش ہو گئے ۔جب صبح ہوئی تو سب نے حضرت سے اپنا واقعہ بیان فرمایا یہ سن کر آپ مسکرائے پھر چند دنوں کے بعد آپ نے سب کو ان کے وطن روانہ کر دیا اور آپ کی توجہ کی برکت سے سب لوگ مع الخیر والعافیت اپنے وطن مالوف پہنچ گئے ۔صاحب روضہ الاولیاء نے لکھا ہے کہ

''رات کو سب لوگ اپنے بستروں پر سوئے صبح بیدار ہوئے تو دیکھا کہ سب اپنے وطن مالوف میں ہیں اور بدون سفر وقطع مسافت وطن پہنچ گیے ہیں''۔ (محبوب ذوالمنن جلد دوم ص ۶۸۸)

کہا جاتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہی کے زمانے میں مراری نام کا ایک برہمن تحصیل دار سرکاری محاسبہ میں ملازم ہوا۔اس کی گرفتاری کے لیے سرکاری حکم نامہ جاری ہوا بادشاہ کے سپاہی اس کی گرفتاری کے لیے نکلے برہمن گھبرایا اور گھر سے نکل کر فرار ہو گیا سپاہ بھی اس کے تعاقب میں دوڑے یکا یک جید خاں کی مسجد کے سامنے گزرا تو دیکھا کہ آپ مسجد کے اندر تشریف فرما ہیں۔ وہ برہمن گھبرایا ہوا مسجد میں حضرت کے پاس آیا اور مدد کی درخواست کی اور اپنا سب حال حضرت کو کہہ سنایا آپ نے فرمایا:

> ''میرے پیچھے بیٹھ جا برہمن آپ کے اشارے کے موافق پیچھے بیٹھ گیا اور آپ کی پشت سے محفوظ رہا۔ سپاہ بھی پیچھے سے پہنچی دیکھا کہ مسجد میں حضرت تشریف رکھتے ہیں اور حضرت کے پیچھے ایک شیر بیٹھا ہے خوف وہراس سے سب فرار ہو گئے ، بعدازاں آپ نے برہمن سے فرمایا کہ تو اب بادشاہی دربار میں جا تیری مراد حاصل ہوگی اور تجھ کو کوئی آفت نہیں پہنچے گی۔ برہمن حسب الحکم بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا بادشاہ نے اس کے حال پر رحم کیا اور اس کے جرم کو معاف کر کے بادشاہی خلعت اور بحالی خدمت سے سرفراز کیا''۔(محبوب ذی المنن جلد دوم ص ۶۸۹)

اس واقعہ کے بعد برہمن کچھ اس طرح حضرت محمد قاسم قادری کا معتقد ہوا کہ ہمیشہ آپ کی بارگاہ میں آستاں بوسی کے لیے حاضری دینے لگا۔ ایک دن اس نے عرض کیا کہ میں آپ کے لئے مسجد کے صحن میں گنبد بنانا چاہتا ہوں آپ نے منع فرمایا کہ گنبد تعمیر کرنا تیرے اور تیرے اولاد کے حق میں بہتر نہ ہوگا۔ برہمن نے کہا کہ جو کچھ ہوگا مجھے قبول ہے بس آپ تعمیر کا مجھے حکم دیجئے آپ نے اس کے اصرار سے قبول کیا اس برہمن نے نہایت ہی عقیدت ومحبت سے گنبد کی تعمیر کرائی۔عمارت ختم ہونے کے بعد اس کے عیال واطفال فوت ہوئے اور خود برہمن بھی فوت ہو گیا حضرت نے اس کو پائیں گنبد دفن کیا۔اس کے اقارب حضرت کے پاس آئے اور شکایت کرنے لگے کہ ہمارا مردہ آپ نے ہمارے مذہب کے خلاف دفن کیا ہے۔ہم اس کو جلانا چاہتے ہیں۔آپ نے اجازت دی کہ قبر سے نکالو اور لے

جاؤ ہنود نے قبر کھولا تو دیکھا کہ قبر کے اندر بجائے لاش کے چمیلی پھولوں کا ڈھیروں انبار ہے۔سب حیران ہو گئے قبر کو اسی طرح بند کر دیا اور مایوس ہو کر چلے گئے۔

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ابراہیم عادل شاہ جگت گرو جو بزرگان کرام سے حسن عقیدت رکھتا تھا آپ کی بزرگی کی شہرت سنی اور ملازمت کا مشتاق ہوا۔امرا سے آپ کی ملازمت کی بابت ذکر کیا کہ آپ سے ملاقات کس طرح ہوگی۔امرانے ذکر کیا کہ حضرت تارک الدنیا و مستغنی الذات ہیں کسی سے غرض و پروا نہیں رکھتے ہیں اور دنیا و مافیہا کی طرف بالکل التفات نہیں فرماتے ہیں اگر بادشاہ حضرت سے ملنا چاہتے ہیں تو ملاقات کی ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ حضرت جامع مسجد میں جمعہ کے دن نماز کے لیے تشریف لاتے ہیں آپ بھی جمعہ کے دن نماز میں شریک ہوں ملاقات ہو جائے گی۔بادشاہ نے سب کی رائے پسند کی جمعہ کے دن شان وشوکت وتجمل وعظمت سے باتاج مرصع مسجد میں رونق افروز ہوا۔نماز کے بعد حضرت سے ملاقات ہوئی تو آپ بادشاہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور کچھ کلام بھی نہیں کیا۔اہل مسجد نے بادشاہ کی رخصت کے وقت آپ سے کہا کہ یہ ابراہیم عادل شاہ اس ملک کا بادشاہ ہے آپ نے اس کی طرف کچھ توجہ نہیں کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے سپیرا یعنی بازی گر وشعبدہ باز سمجھتا تھا۔

(محبوب ذوالمنن جلد دوم ص ۶۹۰ حیدرآباد ۱۳۳۳ھ)

کہا جاتا ہے کہ حضرت ہاشم حسینی علوی اور آپ کے درمیان بہت زیادہ محبت تھی آپ آنحضرت سے ملاقات کرنے کے لیے اکثر بادشاہ پور تشریف لاتے تھے اور جب بھی آپ تشریف لاتے اس سے پہلے آنحضرت اپنے خادموں سے صفائی کا انتظام کرنے کے لیے فرماتے اور یہ بھی ارشاد ہوتا کہ حضرت شاہ ہاشم آرہے ہیں جب آپ آجاتے تو آپ چار قدم آگے بڑھ کر استقبال کرتے آپ کی نشست گاہ دہلیز جید خاں میں غربی چبوترہ پر دیوار سے متصل دروازہ کے قریب تھی۔جس کو مثل تبرک کے گچ اور پتھر سے تعمیر کر دیا گیا ہے ۔اور حضرت شاہ ہاشم علوی مقابل کے چبوترہ پر تشریف فرما ہوتے اس کو گچ اور پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے لیکن آپ خود کبھی حضرت ہاشم علوی کی ملاقات کے لیے بادشاہ پور یا کہیں اور

تشریف نہ لے جاتے۔

معتبر حضرات کا بیان ہے کہ آپ نے جدی نعمت خلافت اپنے بھائی میراں شاہ مصطفیٰ قادری سے حاصل کی۔آپ نے ۲۷؍ذی الحجہ کو فرمایا کہ میری زندگی کا صرف ایک مہینہ باقی رہ گیا ہے اس لیے میں اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں۔اپنے برادر زادہ سید عبدلقادر قادری بن سید شاہ مصطفیٰ قادری کو والد کے انتقال کے بعد چوں کہ وہ کمسن تھے اپنے زیر پرورش لیا تھا۔اورآپ کی تعلیم میں دلچسپی لے کرانھیں اعلیٰ مقام پر پہنچایا تھا ویسے سید عبدالقادر نے اپنے والد ماجد سے بھی نعمت خلافت حاصل کی تھی ۔آپ نے صوری ومعنوی نعمت اور ظاہری وباطنی دولت سے سرفراز فرماکر ایک سجادگی نامہ لکھا جس پر اپنی مہر ثبت کردی۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ پیار محمد خادم جو آپ کے ساتھ بیجاپور آئے تھے۔آپ کے وصال کے بعد بھی درگاہ میں خدمت انجام دیتے رہے۔سلطان محمد بن سلطان ابراہیم جگت گرو نے دو حویلیاں تعمیر کیں جن میں ایک درگاہ کے احاطہ میں ہے ایک پیار محمد کو عطا کی اور دوسری حویلی جو درگاہ کے بڑے دروازے کے باہر ہے آپ کے برادر زادہ حضرت سید عبدالقادر قادری کو نذر کی۔یہ حویلی گچی محل کے نام سے شہر بیجاپور اوراس کے باہر دکن کے دیگر شہروں میں شہرت رکھتی ہے۔

آپ نے ۲۷؍محرم الحرام ۱۰۳۲ھ میں وفات پائی۔بیجاپور ہی میں مسجد کے صحن میں تدفین عمل میں آئی۔مرقد پر گنبد بنایا گیا۔سالانہ عرس ماہ محرم الحرام میں تاریخ وفات ہی کے دن ہوتا ہے۔روضہ الاولیا بیجاپور میں لکھا ہے کہ آپ صاحب خرق عادات میں سے تھے۔مرقد پر مراری پنڈت نے گنبد بنوایا ہے اور گنبد سے متصل سید ابوتراب قادری کا مزار ہے جس پر ایک چوکھنڈی بنی ہوئی ہے۔حضرت میراں شاہ قاسم قادری کی تاریخ رحلت درودشریف سے مستخرج ہوتی ہے۔

''اللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارك وسلم ''(۱۰۳۲ھ)

دوسری تاریخ ہے۔''اودستگیر کل اولیائے بیجاپور''(۱۰۳۲ھ)

آپ کی درگاہ کے احاطہ میں مولانا خلیل الرحمان صدر الصدور بیجاپور خسر حضرت سید مرتضےٰ قادری، برادر خورد سید ابوتراب قادری، بن سید شمس الدین قادری بن سید عبدالقادر قادری بن سید شاہ مصطفےٰ قادری، برادر شاہ ابوالحسن وشاہ قاسم قادری قدس سرہ ومولانا محمد اکرام ومولوی محمد اکبر اور دیگر کئی علما وصلحا اندرون احاطہ درگاہ میں دفن ہوئے ہیں۔(صحیفہ اہل ہدیٰ ص ۴۵)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت شاہ عبدالرزاق فاروقی، بیجاپور، کرناٹک
علیه الرحمة والرضوان

آپ حضرت محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی کی اولاد میں سے ہیں، صحیح النسب وشریف الحسب تھے۔ بغداد میں ولادت اور تربیت ہوئی۔ آپ محمد عادل شاہ کے دور اقتدار میں بیجاپور وارد ہوئے۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے بیجاپور رشک ارم ہوا ۔ آپ کی ہدایت ورہنمائی سے اکثر طلبہ درجۂ اعلیٰ کو پہنچے، بادشاہ اورامراءکوآپ سے بے حد عقیدت تھی ۔ محمد خاں وزیر آپ کا مرید صادق تھا۔ شیخ ابراہیم بغدادی، آپ کے خلفا میں سے تھے۔ چودہ حضرات اہل کمال، مثل شاہ ہاشم حسینی العلوی، شاہ محمد قاسم، شاہ مرتضٰی، شاہ عبدالرزاق وشیخ عبدالصمد کنعانی قدس اللہ اسرارہم جن کے کرامات وتصرفات کا ڈنکا بجتا تھا ۔آپ کے معاصرین میں سے تھے۔ایک دن شاہ ہاشم ملاقات کی غرض سے آپ کے پاس آئے یہ دونوں حضرات آپس میں باتیں کررہے تھے کہ اچانک محمد عادل شاہ بھی آگئے۔ آپ کے حجرہ کے عقب میں ایک دریچہ تھا۔آپ نے بادشاہ سے کہا کہ دریچے کے باہر آپ سیر کیجئے بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی اور دریچے کے باہر چلا گیا اس نے اس کے اندر وسیع باغات دیکھے۔ باغات پاکیزہ وتازہ اور مکانات کشادہ وخوش نما تھے۔ بادشاہ اندر ہی اندر سیر کرتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں چند لعل بے بہا رکھے ہوئے تھے۔ بادشاہ کے دل نے چاہا کہ اس میں سے کچھ دانے اٹھا لے اتنے میں ایک محافظ نے آواز دی اور کہا کہ

بغیر مالک کے حکم کے کوئی بھی ایک دانہ نہیں اٹھا سکتا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ان کا مالک کون ہے؟ محافظ نے کہا کہ شاہ عبدالرزاق قادری ہیں۔ جنوں کا بادشاہ آپ کا مرید ہے یہ جواہر بے بہا اسی نے حضرت کو نذر کیئے ہیں۔ پھر بادشاہ چند قدم مسافت طے کر کے آیا یکا یک حضرت کے حجرہ کا دریچہ نمایاں ہوا۔ بادشاہ حجرہ میں آیا دیکھا کہ دونوں بزرگ تشریف فرما ہیں اور سپاہ وغیرہ ہمراہی باہر کھڑے ہیں۔ بادشاہ حضرت کی خدمت میں تسلیم کر کے رخصت ہوا اس روز سے بادشاہ حضرت قادری کی بہت عزت اور تعظیم وتوقیر کرنے لگا۔ آپ صاحب کشف وکرامت تھے۔(روضۃ الاولیاء ص ۹۳)

حضرت سیدنا عبدالرزاق قادری نے ۲۲؍ربیع الاول ۱۰۵۰ھ کو فردوس بریں کی طرف رحلت کی۔ اندرون شہر پناہ بیجاپور مکہ دروازہ کے قریب آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ مرقد اطہر ایک عالی شان گنبد کے اندر ہے۔ اسی عالی شان گنبد کے اندر آپ کے روضہ کی دائیں جانب آپ کی زوجہ محترمہ اور بائیں جانب خلف الرشید سید عبدالقادر عرف شاہ صاحب قادری مدفون ہیں۔ خان محمد وزیر بھی آپ کے روضہ کے قریب ہی ایک دوسری گنبد میں مدفون ہے جو ہشت پہلو خوش نما تعمیر کیا گیا ہے۔

(محبوب ذوالمنن جلد دوم ص ۹۸۴)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سید شاہ ابوالحسن، بیجاپور، کرناٹک
علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ حضرت سید بدرالعالم بدرالدین حبیب اللہ کے صاحبزادے تھے۔ بیجاپور کے اکابر مشائخ کرام میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ خدارسیدہ تھے، شریعت کے پابند تھے ،اور تمام طریقوں اور علوم میں اپنے والد برزگوار کے سچے جانشین تھے۔ آپ نے اکثر علماء ومشائخ کی صحبت اختیار کی۔ پیر محمد لطف اللہ بن شیخ موسیٰ وشیخ فریدالدین، وشاہ کمال الدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فیوض وبرکات حاصل کیے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد

ان کی جانشینی کا بہتر فریضہ انجام دیا۔آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی ہر طرف سے عوام آپ کی طرف رجوع کرنے لگی، بہت سے ناقص کامل اور حق سے واصل ہوئے ،آپ کے پانچ صاحبزادے تھے سبھی روحانیت کے اعلیٰ مدارج تک پہنچے۔

سید علی موسوی القادری صاحب مشکوٰۃ النبوت نے مکاشفہ قادریہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سید عبد القادر یوسف الثانی بغداد سے دکن واپس ہوکر بیدر میں قیام پذیر ہوئے ،آپ ''سبعہ قادریہ'' میں سے تھے جب آپ بیجاپور پہنچے تو وہاں کا بادشاہ جوگیوں کا معتقد تھا اور ان کے پاس آیا جایا کرتا تھا تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کے ہوتے ہوئے بادشاہ کا یہاں جانا مناسب نہیں۔آپ نے فرمایا کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ سلطان جوگی سے منحرف ہو اور ہمارے پاس آئے لوگوں نے کہا ہاں ہماری یہی خواہش ہے۔آپ نے کمھار کے آوے کی ٹھیکری منگوائی، اس پر ایک نقش لکھا اور خادم کو دے کر کہا بادشاہ جب جوگی کے پاس جانے لگے یہ نقش اس کو بتلائے۔خادم نے ایسا ہی کیا سلطان جوگی سے برگشتہ ہو گیا اور حضرت سید ابوالحسن قادری کی قیام گاہ کا رخ کیا۔خادم نے سلطان کی آمد کی اطلاع دی آپ نے سلطان کو اپنے پاس بلایا۔وہ اپنے کئے پر بہت کچھ اظہار ندامت کرتا رہا۔آپ نے نصیحت کی کہ اے سلطان آج آپ کا دل مولیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے اس کو ایک بڑی دولت سمجھئے،اور اس کی طرف قدم بڑھائیے،حقیقت کے آفتاب نے آپ پر روشنی ڈالی ہے ۔اور دل خدا کی طرف راغب ہوا ہے۔آپ جس کو مناسب سمجھیں پہلے تجربہ کریں اور پھر وہ جس خدمت کے لائق ہو اس کو نوازیں اور اس کو اپنا شعار بنالیں۔اس کو غیبی امداد سمجھیں اور اس سے منحرف نہ ہوں خدا کے خیال سے غافل نہ رہیں۔اور اسی سے مدد طلب کرتے رہیں خواب ہو یا بیداری حضور ہو یا غیبت ہر وقت اس کو یاد رکھیں اور ایک لمحہ بھی اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔ہوا و ہوس کے بتوں کو دل سے نکالیں اس کی محبت کے شوق میں شادر ہیں۔تو دونوں عالم کے قیود سے آزادی حاصل ہوگی۔

آپ کی اس نصیحت پر بادشاہ کا اعتقاد راسخ ہوا اور آپ کے پاس حاضری دینے لگا۔جوگی نے دیکھا کہ بادشاہ جو روزانہ آتا تھا تین دن گزر گئے نہیں آیا۔اس لیے وہ خود

بادشاہ کے دربار میں پہنچا بادشاہ نے داخلہ کی اجازت نہ دی۔ جوگی نے معروضہ پیش کیا کہ مجھے بادشاہ کے حضور میں کچھ عرض کرنا ہے اس نے معلوم کرلیا تھا کہ بادشاہ حضرت سید ابو الحسن شاہ قادری کی وجہ سے مجھ سے روگردانی کی ہے۔ جب اجازت ملی تو اس نے اشارۃ کہا کہ اے بادشاہ اس شہر میں کئی جادوگر ہیں انھوں نے آپ پر سحر کیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اے ملعون تو انھیں جادوگر نہ کہہ یہ ولی اور غوث وقت ہیں۔ جوگی نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو آپ اور ہم وہاں چلیں اور انھیں آزمائیں اور امتحان اس طرح کریں کہ اگر وہ ولی ہوں گے تو راستہ میں ایسی بارش ہوگی کہ ایک قطرہ دودھ کا اور ایک قطرہ گھی کا ہوگا۔ اور جب ان کے روبرو پہنچیں تو ان کے سامنے دودھ کا پیالہ بھرا ہوگا۔ اگر ایسا ہوگا تو میں انھیں ولی سمجھوں گا چنانچہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے نکلے۔ اثنائے راہ میں ایسی ہی بارش ہوئی اور جب آپ کے سامنے پہنچے تو دودھ کا پیالہ دھرا پایا۔ جوگی آپ کی ولایت کا قائل ہوکر قدموں پر گر پڑا اور کفر سے توبہ کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ آپ نے اس کا نام رکن الدین رکھا بادشاہ نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کی لڑکی اجے پال جوگی کے سحر کی وجہ سے زندہ تھی۔ اس کا نام زہرہ سلطانہ تھا۔ اس واقعہ کے کچھ دن بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ دوبارہ زندگی کے بعد شہزادی کے کنیزوں اور شہر کی رعایا پر بڑے ظلم توڑے تھے۔ بادشاہ اس کے انتقال کے بعد امور سلطنت سے قطع تعلق کر کے اس کی قبر کا مجاور بن گیا اور سلطنت کے کاروبار متاثر ہونے لگے۔ عمائدین سلطنت حضرت سید شاہ ابوالحسن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض حال کیا اور کہا کہ آپ تکلیف کر کے سلطان کو سمجھائیں آپ سلطان کے پاس گئے۔ زہرہ سلطانہ کی قبر پر جلال کی نظر ڈالی اپنی عصا سے قبر پر ایک ضرب لگائی قبر میں شگاف پڑ گیا۔ اور اس سے آگ اور دھواں نکلے۔ حضرت موصوف نے غضب ناک ہوکر سلطان سے فرمایا کہ باہر ایسی آرائش اور اندر ایسی آگ، قبر کی آرائش تو کی لیکن اس آگ کے عذاب سے بچانے کی تدبیر نہ کی۔ تیری لڑکی تو پہلے ہی مر چکی تھی لیکن شیاطین جسم میں حلول کر گئے تھے۔ اسی لئے تیری لڑکی کا خاکی جسم اصل روح حرکات کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اب

جب کہ جوگی نے اسلام قبول کرلیا شیطان نے بھی اس کے جسم سے راہ فرار اختیار کی۔اب قبر پر تیرا معتکف ہونا کام نہ آئے گا۔اٹھ اور اس کی مغفرت کا سامان کر۔

بادشاہ نے حضرت موصوف کے حکم کی تعمیل کی اور صدقہ وخیرات کیا اور آیات مغفرت اس کے مزار پر کندہ کرائے۔

(صحیفہ اہل ہدیٰ، سید محی الدین بن سید محمود قادری ص۳۴ ترجمہ محمد اکبر الدین صدیقی حیدرآباد اردو اکیڈمی سلسلہ مطبوعات۔۱۵۔اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد دکن)

روضۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ اجداد کا وطن بیدر چھوڑ کر بیجاپور تشریف لائے۔آپ اس زمانہ کے اولیائے کامل اور مشائخ متصرف میں سے ہیں۔حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے خاندان سے ہیں۔آپ کی بیعت وارادت وخلافت اپنے بزرگوں کے واسطہ سے مسلسل جناب غوث اعظم قدس سرہ تک پہنچتی ہے۔آپ قطب زمان اور یگانہ عصر تھے۔آپ سے کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

صحیفۃ اہل ھدیٰ میں لکھا ہے کہ حضرت پر مورچھل ہلاتے وقت اس کے تاروں سے نور کی چمک ظاہر ہوتی تھی۔ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک شخص جس کا نام اسرافیل تھا جو شجاعت وبہادری اور جوانمردی میں اپنی مثال آپ تھا سلطان ابراہیم عادل شاہ کے نوکروں میں شامل ہوا۔بادشاہ نے اس کو عزت وعنایت سے سرفراز کر کے حضور میں بیٹھنے کا حکم دیا۔بادشاہ کی طرف سے اس کا اس قدر عزت ووقار ہونے سے حاسدوں کو رشک وحسد پیدا ہوا۔اور اس کو اس درجہ سے گرانے کے درپئے ہوگئے۔اور انھوں نے آکر بادشاہ سے عرض کیا کہ اسرافیل اپنی زور وقوت پر مغرور ہے اور جوانمردی کی ڈینگیں مارتا ہے۔ایک بار اس کا امتحان ہونا چاہئے چوں کہ اس پر بادشاہ کی عنایت نہایت درجہ تھی اس کو اپنے دربار سے دور کرنا نہیں چاہتا تھا۔آخر جب مقربان بارگاہ بالاتفاق یہ اصرار کرنے لگے تو بادشاہ نے مجبور ہوکر انھیں سے تدبیر پوچھی سب کے سب ایک زبان ہو کر عرض کرنے لگے بادشاہ ایک روز صحن میں بیٹھ کر دربار عام کا حکم دیں اور داروغہ فیل خانہ کو اشارہ کریں کہ ایک مست ہاتھی لاکر حاضر باشوں پر چھوڑے۔لوگ مست ہاتھی کی ہیبت

سے کنارہ لیں گے۔اس وقت اسرافیل کی جوانمردی ظاہر ہوجائے گی۔غرض ایک روز صحن کے چبوترہ پر جو پتھر اور چونا سے بنا ہوا تھا خیمہ دربارشاہی نصب کیا گیا اور تخت رکھا گیا اعیان وارکان اور مقربان وملزمان دربار میں حاضر ہوئے۔اسرافیل بھی اپنی عادت کے مطابق حاضر ہوکر روبرو دست بستہ بیٹھ گیا۔اشارہ کے مطابق فیلبان مست ہاتھی کولا کر غل مچانے لگے کہ ہاتھی میرے اختیار میں نہیں اور چیخ پر چیخ مارنے لگا،کہ اٹھو سب اہل دربار ہاتھی کے خوف سے اٹھ کر سب کنارے ہولیے،اسرافیل دکنی جو دست بستہ بیٹھا ہوا تھا اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی بلکہ ہاتھی کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا فیل بان ہاتھی کو اسرافیل کے پاس پہنچا کر ایک ہولناک آواز دی مست ہاتھی میرے اختیار سے نکل گیا ہے۔اٹھو اسرافیل نے اپنے ہاتھ پہلو سے تھوڑا کشادہ کیے۔ ہاتھی جوش ومستی سے اپنا سونڈ اس کے بغل میں ڈال کے چاہا کہ اس کو اٹھا کر دور پھینک دے۔اسرافیل نے ہاتھی کے سونڈ کو اپنے بغل میں دبایا کہ وہ عاجز ہوکر اپنا زور بھول گیا اور چیخ مار کے زمین پر گر گیا۔ ہرچند فیل بان کہتا تھا کہ بادشاہ کی خاص سواری کا ہاتھی ہے۔ اسرافیل نے ایک بھی نہ سنی اور نہ چھوڑا سمجھ گیا کہ یہ امتحان تھا اور غصہ میں آکر زمین پر ایک کہنی ماری تو سولہ گز تک زمین پھٹ گئی پھر دربار سے اٹھ کر چلا گیا اور خانہ نشین ہوگیا۔بادشاہ نے ہرچند بلایا،اور دلجوئی کی لیکن اس نے قبول نہ کیا اور اسی روز سے نوکری سے استعفادے کر یہ قصد کیا کہ کامل بزرگوں میں سے ایسے کے ہاتھ پر بیعت کرے جو اس سے قوت وزور میں زیادہ ہو۔غرض ایسے بزرگ کے دریافت کرنے کے بارے میں اپنے دوست سے مشورہ کیا اور اس سے اس امتحان کا طریق پوچھا اس نے کہا کہ بہتر تجویز یہ ہے کہ ہر جمعہ کو بعد ادائیگی نماز جامع مسجد کے تینوں دروازوں میں سے ایک دروازہ پر بیٹھ جاؤ اس مسجد میں جمیع اکابر اولیاء، مشائخین اور کاملان عصر نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔پس اس دروازہ سے جو شخص باہر جائے اس سے مصافحہ کرو اور دوسرے جمعہ کو دوسرے دروازہ پر اور تیسرے جمعہ کو تیسرے دروازہ پر جا کے اسی طرح آزماؤ۔اگر چند جمعہ اس طریقہ پر عمل کروگے تو البتہ اس جماعت سے جیسا شخص کہ تم چاہتے ہو نکل آئے گا۔ اسرافیل اس عزم سے ایک دروازہ پر بیٹھا اس روز جو شخص باہر جاتا تھا یہ اس سے دست بوسی

کرتا تھا،لیکن اپنا مطلب نہ پایا، ایسا ہی چند جمعہ تک ہر ایک دروازہ پر جا کے آزمائش کرتا تھا۔اتفاقا ایک جمعہ کو ایک دروازہ پر بیٹھ کر ہر ایک سے مصافحہ کرتا تھا کہ جناب شیخ ابوالحسن قادری قدس سرہ نماز سے فارغ ہو کے اپنے مکان کو واپس جارہے تھے کہ اسرافیل مصافحہ کے لیے حضرت کے روبرو آ گیا۔اپنے جسم میں جس قدر قوت وقدرت تھی وہ سب حضرت کے ہاتھ پر مصافحہ کرنے میں لگا دیا۔حضرت اس کے دونوں ہاتھ اپنے قوت باطنی اور زورولایت سے ایسا دبایا کہ تاب نہ لاکر زمین پر گر گیا اور بیہوش ہو گیا اور چند ساعت کے بعد اس حالت سے افاقہ ہوا تو اس نے آپ کا پیچھا کیا اور قدم پر سر رکھ دیا اور آپ سے بیعت کی۔پھر آپ کے کامل مریدین میں سے ہو کر مشہور زمانہ ہو گیا۔ان کی قبر بھی حضرت کے روضہ میں واقع ہے۔(روضۃ الاولیاء ص ۸۸)

آپ چودہویں ربیع الآخر ۱۰۴۵ھ کو اس سرائے فانی سے واصل بحق ہوئے۔ آپ کا روضہ مشہور اور خلائق کی زیارت گاہ ہے۔آپ کے پانچ فرزند تھے۔

۱۔سید عبد القادر ۲۔سید نعمت اللہ ۳۔ بدر الدین ۴۔سید ابو القاسم ۵۔سید محمد میران قدست اسرارھم ان میں سے حضرت بدر الدین دہلی گئے اور وہیں رحلت پاگیے ۔ باقی چار فرزند جو صاحب کمال ظاہر و باطن تھے۔اپنے والد بزرگوار کے روضہ میں آسودہ خواب ہیں۔

(روضۃ الاولیاء، محمد ابراہیم بیجاپوری، مطبع صبغۃ اللٰہی بیجاپور کرناٹک ۱۳۱۴ھ)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سید شاہ شہاب الدین قادری میسور کرناٹک علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت سید شاہ شہاب الدین قادری کے آبا واجداد بغدادی ہیں۔حضرت فتح اللہ شاہ قادری آپ کے جداعلیٰ تھے جو بغداد سے ہجرت کر کے انکولہ کی بندرگاہ پر اترے تھے اور وہاں کچھ مدت قیام کے بعد مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے مدراس آئے تھے اور یہیں

وفات پائی اور جن کے جنازہ کی نماز نواب محمد علی والا جاہ نے پڑھائی تھی۔آپ کے دوسرے فرزند سید محی الدین شاہ قادری انکولہ سے کرناٹک کے ایک گاؤں کیسر مڑ ونز ڈ ٹمکور میں قیام کیا اور نواب حیدر علی کی گزارش پر سری رنگپٹن بھی گئے تھے۔ جہاں نوب حیدر علی اور ان کے خاندان کے بہت سے افراد نے حضرت سید محی الدین شاہ قادری کے ہاتھ پر بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا۔شیخ محترم موصوف حضرت قادر ولی ناگوری کے بہت عقیدت مند تھے اور اس درگاہ کے سجادہ نشینی کی خدمت بھی انجام دی تھی۔حیدر علی کی وفات کے بعد جب ٹیپو سلطان وارث تاج ہوئے تو وہ اپنے خاندان والوں کے ساتھ حضرت سید محی الدین شاہ ہی کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی ۔ جب ٹیپو سلطان کی شہادت ہوئی تو اس خاندان کے تمام افراد ویلور آئے تھے۔

جس دن حضرت محی الدین شاہ قادری نے دنیا سے رحلت کی اسی دن حضرت سید شاہ شہاب الدین قادری نے اس دنیائے ناپائیدار میں آنکھیں کھولیں۔اس طرح آپ کی پیدائش ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء میں ہوئی حضرت سید شاہ محی الدین قادری کے تین فرزندان ارجمند تھے۔جن میں آپ کے بڑے فرزند حضرت سید عبداللہ شاہ قادری کے آپ فرزند ہیں۔آپ کی ولادت حضرت کے مکان ویلور ہی میں ہوئی۔ٹیپو سلطان شہید کی بیگمات نے اس ہونہار بچے کو گود لیا اور پرورش کی ۔ یہ دور نواب کرناٹک غلام غوث خاں کے مدراس پر حکومت کا دور تھا۔ مدراس اس دور میں علماء،فضلا،شعرا اور عارفین کی آماجگاہ تھا۔حضرت سید شہاب الدین نے اپنی ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی اور مزید تعلیم کے لیے مدراس تشریف لائے۔اس وقت آپ نے مدراس کی ایک عظیم المرتبت علمی وصوفی شخصیت مولانا غلام قادر صاحب سے بہت زیادہ علمی استفادہ کیا آپ مولانا موصوف ہی کی خانقاہ میں مقیم رہے اور ہمہ وقت استاد کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔اختتام تعلیم کے بعد آپ ویلور چلے آئے اور ام المدراس دارالعلوم لطیفیہ ویلور میں درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنایا۔ہزاروں طلبہ آپ کے تبحر علمی سے فیض یاب ہوئے۔حضرت سید شاہ شہاب الدین قادری نے حضرت قطب ویلور سے ارادت وخرقہ وخلافت واجازت حاصل کی۔ مدراس کے قیام کے دوران یا اس کے بعد

آرکاٹ کے مشہور شاعر اور غالب کے ہم عصر لطیف آرکاٹی حضرت سید شاہ شہاب الدین قادری کے مرید ہوئے۔اس عظیم شاعر نے اپنے پیر ومرشد کے تعلق سے لکھا ہے۔

اے شہاب اوج عزت واقف اسرار دیں ہمچو نور صبح روشن کاشف علم یقیں
یا الٰہی تابہ دور مہر ومہ تابندہ دار فیض مولانا شہاب الدین برروئے زمیں

حضرت مولانا سید شہاب الدین قادری سے متعلق پروفیسر محمود حسین اپنی تصنیف ''ویلورنامہ'' میں لکھتے ہیں۔

''حضرت موصوف ایک زمانے تک ویلور میں سکونت پذیر تھے،اور وہ اپنی آخری عمر میں میسور آئے تھے اور میسور ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا''

جناب اکرام کاوش مولف ''داستان میسور'' مطبوعہ ۱۹۸۵ء میں لکھتے ہیں۔

''مولانا مدرسہ لطیفیہ ویلور کے فارغ التحصیل تھے۔اپنی آخری عمر میں سری رنگپٹن آئے اور وہیں اپنے آبائی مکان بنام ''قادر اولیاء مکان'' میں رہتے تھے۔مولانا اپنی آخری سانس تک سلوک ومعرفت کی تعلیم دینے میں مصروف تھے''۔

مولانا راہی فدائی کا خیال ہے کہ مولانا شہاب الدین قادری حضرت قطب ویلور کے خلیفہ بھی تھے۔ان شواہد کی روشنی میں بصد وثوق یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی بنا پر آپ تادیر ''مدرسہ لطیفیہ ویلور'' میں درس وتدریس میں منہمک نہیں رہ سکے۔غالبا آپ کو اپنی آخری سانس لینے کے لیے اپنے آبائی مکان میں رہنے کی تمنا ہوئی ہوگی۔اس کے باوجود بیگمات ٹیپو سلطان شہید کا احسان بھی آپ کو چکانا تھا اس لیے اس خاندان کے باقی ماندہ لوگوں کی خدمت دین ودنیا کی بھی آپ کو خواہش رہی ہوگیا۔اسی بنا پر آپ نے ویلور سے ترک وطن کیا۔

آپ نے اپنے پیر ومرشد قطب ویلور کے ہمراہ زیارت حرمین شریفین کا سفر کیا اور حج کی سعادت سے مشرف ہوئے حضرت کو مکان ویلور میں قیام کے دوران ''سراج العلما'' کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔آپ ایک عظیم عالم، بلند ترین صاحب معرفت اور

حسن خلق کے اعتبار سے بہترین انسان تھے۔آپ اردو کے عظیم المرتبت شاعر بھی تھے۔ فارسی میں بھی آپ کی ایک کتاب تصوف میں ہے۔

آپ کی وفات میسور میں ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں ہوئی اور وہیں آپ کی درگاہ مرجع خلائق ہے۔آپ سے عقیدت رکھنے والوں کی تعداد کا کوئی اندازہ نہیں خاص وعام میں آپ کے چاہنے والوں کی کافی تعداد نہ صرف میسور میں بلکہ تمل ناڈو میں بھی ہے کیوں کہ آپ کی زندگی کی بہترین سانسیں اورکاوشیں یہیں صرف ہوگئی تھیں۔

(تاریخ اولیاء تمل ناڈو،ڈاکٹر جاویدہ حبیب ص۹۱ چنئی ۲۰۰۲ء،تذکرۂ اجداد ہادی ،سیدمحی الدین قادری ہادی ،تذکرہ معشوق الٰہی ،میراں احمد الدین سید شاہ مرتضیٰ قادری سجادہ حضرت گچی محل بیجاپورمیسوراسٹیٹ)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت قادر بادشاہ رحمۃ اللہ علیہ کیسر مڑو کرناٹک

علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں سلسلہ نسب اس طرح ہے

''قادر بادشاہ صاحب بن سید مرتضی ابن شاہ مومن بن شاہ فقیر اللہ بن سید محمود بن عبدالرحمٰن محمد بن غیاث الدین محمد بن محمد بہاء الدین بن سید جلال الدین بن سید علی بن سید حسن الدین بن سید محمد احمد ابونصر محی الدین بن سیدنا حضرت عماد الدین ابوصالح نصر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم''

راوی کہتے ہیں کہ شاہ فقیر اللہ موصوف خیر البلاد بغداد سے شہر گجرات تشریف لائے اور وہاں اقامت پذیر ہوئے۔ان کے صاحبزادے شاہ مومن قادری وہاں سے دکن آئے اور موضع کیسر مڑو میں سکونت اختیار کی ان کے صاحبزادہ شاہ مرتضیٰ قادری ساکن کیسر مڑو مشہور آفاق ہیں۔الغرض حضرت بادشاہ صاحب اپنے وقت کے قطب تھے۔ایام جوانی میں حالت سلوک میں رہے اس کے بعد آپ پر بدرجہ کمال جذب کا غلبہ ہوا اور آپ نے

تمام علائق دنیاوی سے ترک تعلق کرلیا آپ کی عمر شرف نوّے سال سے متجاوز تھی۔آپ نے تقریباً ساٹھ سال کے ریاضت ومجاہدہ کے بعد جذب کاملہ میں قدم رکھا۔کسی میں اتنی قدرت نہ تھی کہ آپ کے روبروآئے آپ کے چشمان مبارک بہت سرخ اور بڑی تھیں جن سے آنکھ ملانا دشوار تھا۔باوجود جذب کے آپ خوش تقریر تھے اورآپ کے کلام سے آپ کی استعداد قابلیت مترشح تھی۔اکثر عربی میں نظم ونثر موزوں وبے موزوں فرماتے اور کبھی اس میں کچھ لکھ کراسے دھودیتے ،مجاہد فی سبیل اللہ الحمید ٹیپو سلطان شہید آپ کے نہایت معتقد تھے اوراکثر اوقات آپ کے دربار میں فرماتے تھے کہ قیام حکومت حضرت کے قدوم کی برکت سے ہے۔حضرت بھی اس کے حال پر ملتفت تھے وہ اپنے تمام مصائب میں حضرت سے رجوع کرتے تھے اورآپ کی دعا واستمداد باطنی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے اواخرحال میں ان کی زوال سلطنت سے قبل آپ نے رحلت فرمائی۔

راوی میاں عمر خاں کا بیان ہے کہ میں سفر’’سرنگہ پٹن‘‘میں حضرت کی ملاقات سے مشرف ہوا اور سعادت دارین حاصل کی۔میرے دل میں خیال آیا کہ اگر حضرت صاحب باطن ہیں تو یہی آپ کا امتحان کامل ہوگا کہ مجھے میرے مرشد کے غلام کی حیثیت سے مخاطب فرمائیں اور کچھ میرے پیرومرشد کی مدح فرمائیں۔عمر خاں کہتے ہیں میں اسی خیال میں تھا کہ حضرت قادر بادشاہ صاحب نے میری جانب نظریں اٹھائیں اورفرمایا اے فلاں تم کھڑے کیوں ہوتم ہمارے بھائی کے مریدین سے ہو۔شاہ موسیٰ صاحب کی ذات حیدرآباد میں مانندآفتاب ہے اوراس کے بعد مجذوبانہ کلمات کہنے لگے۔

اسی راوی کا بیان ہے کہ مجھے وہاں کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ کوئی آپ کے روبرونہیں جاتا اگر احیاناً کوئی مرید یا خادم حاضر خدمت ہوتا تو زیادہ دیر نہ ٹھہرتا ورنہ وہاں کی موجود ہر شی سے اس کوضرب(مار)پڑنے لگتی،لیکن میں نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ اگر حضرت ولی کامل ہیں تو مجھ پر خفانہ ہوں گے؟بے شک یوں ہی ہوا۔میں دوساعت تک آپ کی خدمت میں حاضر رہا آپ نے بجز تبسم کے اور کچھ نہ کیا۔

آپ کی وفات ۱۲۰۹ھ میں واقع ہوئی مزارشریف آپ کے والد کے متصل قصبہ

کیسر مٹرو میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

(مشکوٰۃ النبوۃ جلد ہشتم ،سید غلام علی قادری ص ۸۴ مترجم سید وحید القادری)

صاحب ''حدیقہ رحمانی'' فرماتے ہیں۔

''حضرت شاہ فقیر اللہ بغداد شریف سے گجرات آئے فرزند آپ کے شاہ مومن گجرات سے موضع کیسر مٹر و ملک میسور میں آکر سکونت کی۔ فرزند آپ کے شاہ مرتضیٰ قادر سے ساکن کیسر مٹر و مشہور آفاق ہیں، الغرض قادر بادشاہ صاحب قطب وقت تھے ایام جوانی میں سلوک میں رہے، بعد ازاں جذبہ کمال کو پہنچے۔ترک تعلق کر کے تجرید اختیار کی عمر شریف نود سے تجاوز کی تھی قریب ساٹھ برس ریاضت ومجاہدہ وجذب میں گذارے کسی کی طاقت نہیں تھی کہ روبرو آپ کے آئے آنکھیں آپ کی لال اور بڑی ہوگئی تھیں تاب دیکھنے کا نہ لا سکتے تھے۔ٹیپو سلطان شہید نور اللہ مرقدہ آپ کا بڑا معتقد تھا اکثر اپنے مجلس میں کہا کرتا تھا قیام ریاست میری قدوم حضرت سے ہے۔آپ بھی سلطان پر بہت توجہ رکھتے تھے۔سلطان اپنے ہر مصائب کا ذکر آپ سے کرتا تھا سلطان کے زوال سے قبل ہی آپ رحلت فرما گئے آپ کا وصال ۱۲۰۹ھ میں ہوا قبر اطہر کیسر مٹرو میں متصل مزار بزرگوار زیارت گاہ خلائق ہے۔

(حدیقہ رحمانی ،عبدالرحمان سقاف ص ۲۴ مخطوطہ)

حضرت قادر باشاہ زمانہ کے قطب تھے، ایام جوانی میں منازل سلوک میں تھے بعد ازاں مجذوب ہوئے، دنیا سے قطع تعلق کیا، آپ کی عمر نوئے برس کے اوپر تھی ساٹھ برس تک ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے، نظر میں اس قدر جلال وکمال تھا کہ کوئی آپ کی آنکھ میں آنکھ نہیں ملا سکتا، ''محبوب ذوالمنن'' کے مصنف لکھتے ہیں

''الشہید فی سبیل اللہ، ٹیپو سلطان آپ کا معتقد تھا، اکثر اوقات دربار میں کہتا تھا میری سلطنت حضرت کی بدولت ہے آفات ومصائب میں

حضرت سے اعانت چاہتا تھا، آپ بھی استمداد باطنی سے اعانت کرتے
تھے، اکثر کامیاب ہوتا تھا، آپ ٹیپو سلطان کے زوال سے پہلے فوت
ہوگیے تھے۔صاحب خرق وعادت وکرامت تھے، آپ کی وفات ۱۲۰۹ھ
میں ہوئی۔آپ کی قبر کیسر مڑو میں والد ماجد کی قبر کے نزدیک ہے۔''
(محبوب ذوالمنن جلد دوم ص ۷۰۶)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت فتح اللہ شاہ قادری، شمالی کرناٹک
علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔سید فتح اللہ بن حضرت سید محمد بن حضرت سید محی الدین بن حضرت سید محمد بن حضرت سید محی الدین بن حضرت سید محمد بن حضرت سید علی بن حضرت سید محمد بن حضرت سید یحییٰ بن حضرت سید احمد بن حضرت سید ابونصر بن حضرت سید عبد الرزاق بن قطب الغوث الفرد الجامع ربانی حضرت سید محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز بن حضرت سید ابوصالح موسیٰ بن حضرت سید عبد اللہ بن حضرت سید یحییٰ زاہد بن حضرت سید شمس الدین محمد بن حضرت سید داؤد بن حضرت سید موسیٰ بن حضرت سید عبد اللہ بن حضرت سید موسیٰ الجون بن حضرت سید عبد اللہ المحض بن حضرت سید حسن مثنیٰ بن حضرت سید امام حسن بن حضرت سید شاہ مرداں علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

حضرت فتح اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں۔بچپن سے لے کر جوانی کا بیشتر حصہ بغداد شریف ہی میں گذارے۔یہاں تک کہ عقد مسنون بھی وہیں بغداد معلیٰ ہی میں ہوا اور آپ کے ایک صاحبزادے بھی وہیں متولد ہوئے جن کا نام نامی سید محی الدین القادری ہے۔آج سے کوئی ساڑھے چار سو سال قبل آپ بغداد شریف سے ملک ہندوستان کے صوبہ کرناٹک کے ایک چھوٹے سے ساحلی شہر انکولہ تشریف لائے۔اس وقت انکولہ میں ہندو اور جینی مذہب کے پیروکاروں کی آبادی تھی

۔شہر انکولہ میں ایک نہایت ہی شریر وسرکش دیو رہا کرتا تھا اس کی شرارت اور ایذا رسانی سے سارا شہر پریشان اور خوف وہراس میں مبتلا تھا۔ یہ خبیث اکثر وبیشتر بیچ راستہ میں کھڑا ہو جاتا اور راہ گزاروں کو اپنی ٹانگوں کے درمیان سے گزرنے پر مجبور کرتا۔گزرنے والا اگر مرد ہوتا جب تو خیر تھی اسے گزرنے دیتا اور اگر عورت ہوتی تو اسے پیروں کے تلے دبا کر مارڈالتا تھا ۔انھیں حالات میں حضرت فتح اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انکولہ تشریف لائے تھے۔

جب آپ نے بغداد شریف سے چلنے کا عزم فرمایا تو آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے حضرت سید محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی تھے۔آپ کو عازم ہندوستان ہوتے دیکھ کر آپ کا ایک مرید باختلاف روایت خادم نے آپ کے ساتھ چلنے کی اجازت طلب کی جو اسے نصیب ہوگئی۔اس طرح آپ اور آپ کے صاحبزادہ اور ایک خادم یعنی تین افراد پر مشتمل یہ مبارک قافلہ جانب ہندوستان روانہ ہوگیا۔ بغداد شریف سے جہاں تک خشکی کا راستہ تھا اسے آپ نے پیدل چل کر طے کیا اور جہاں خشکی کا راستہ ختم ہوا اور سمندری راستہ شروع ہوا تو آپ نےُ سوچا کہ اب آگے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کیسے پار کیا جائے نہ کوئی جہاز اور نہ ہی کوئی کشتی لہٰذا حضرت نے اپنا مصلیٰ بچھا دیا اور اس پر تینوں حضرات سوار ہو گئے۔ مصلےٰ پر سوار ہو کر حضرت نے فرمایا ہماری یہ سواری جس کنارہ پر رکے گی وہی ہماری منزل ہوگی۔اللہ کی شان سواری ساحل ''ببرواڑا'' پر آ کر رکی۔تینوں حضرات وہیں اتر گئے قریب ہی میں ایک پہاڑی تھی اس کے ٹیلہ پر سکونت اختیار کرنے کا ارادہ فرمایا اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔اس پہاڑی پر آج بھی حضرت کی بود وباش کے آثار وباقیات موجود ہیں۔

یہاں تشریف فرما ہوتے ہی آپ کو دیو اور اس کی ایذارسانی کا علم ہو گیا آپ نے اسے کیفر کردار تک پہنچانے کا عزم مصمم فرمالیا ادھر خبیث دیو اپنا انجام بھانپ کر دہشت سے بھاگ کھڑا ہوا۔حضرت نے اس کا تعاقب کیا اور قوت خداداد سے اسے پکڑ لیا حضرت نے اس کے سر پر لوہے کی سلاخ ٹھونک دی اور بحکم الٰہی پتھر بنا کر ایک جگہ نصب کر دیا اس دن سے لے کر ابھی چند سال پیشتر غالباً ۲۰۱۷ء یا ۲۰۱۸ء تک اسی جگہ اسی حالت میں قید رہا۔

خصلت انسانی کا یہ پہلو بڑا ہی عجیب ہے کہ بسا اوقات اپنا محسن وکرم فرما ہی انسان کو اپنا دشمن نظر آنے لگتا ہے اور خیر خواہ، بدخواہ نظر آنے لگتے ہیں اور جو درحقیقت درپئے آزار ہوتا ہے وہی اس کے نزدیک مسیحا اور قابل عظمت ہو جاتا ہے۔حضرت فتح اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بدولت پورے شہر کو امن وامان نصیب ہوا،اس بدبخت دیو سے نجات ملی۔عورتوں کی جاں بخشی ہوئی اس لئے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پورا شہر حضرت فتح اللہ شاہ قادری کا پیرو ہو جاتا اور دولت ایمان سے بہرہ ور ہو کر دنیاوی امن کے ساتھ اخروی اور دائمی امن سے مالا مال ہو جاتا مگر ہوا ٹھیک اس کا الٹا جو بدبخت دیوان کے درپئے آزار تھا وہی سوائے دو چند کے سب لوگوں کے نزدیک قابل پرستش ہو گیا اور حضرت کے جلال سے بنا پتھر ان کا معبود بن گیا۔لوگ باقاعدہ مندر بنا کر دھوم دھام سے اس کی پوجا کرنے لگے اس وقت سے لے کر ۲۰۱۷ے یا ۲۰۱۸ءتک اس کی پوجا ہوتی رہی غالباً ۲۰۱۷ء یا ۲۰۱۸ء میں جب بابری مسجد اور رام مندر کا مسئلہ زیادہ ہائی لائٹ ہوا تو وہاں کے ہندوؤں نے رام مندر کے متبادل کے طور پر یہاں بھی اپنے پرانے مندر کو توڑ کر ملکی پیمانے پر ایک عالی شان عدیم المثال مندر بنانے کا منصوبہ بنایا۔نئ تعمیر کے لیے پتھر نما اس دیو کو وہاں سے ہٹانا ضروری تھا کیوں کہ بغیر اسے ہٹائے نئ تعمیر نہیں ہو سکتی تھی۔ہٹانے کو لے کر ان لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور شدید اختلاف ہو گیا۔کئ لوگوں کا کہنا تھا کہ ہٹانا خطرہ سے خالی نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ ہٹانے میں دیو باہر آ جائے لہٰذا اسے ہٹایا نہ جائے۔خصوصاً بڑے بوڑھے لوگ ماضی کے وحشت ناک واقعات کو دہراتے اور دبے لفظوں میں بھیانک انجام سے ڈراتے اور کہتے کہ اگر وہ باہر آ گیا تو کسی کی خیر نہیں۔اس زمانے میں اسے پھر سے قید کرنا ناممکن ہو جائے گا کیوں کہ اب فتح اللہ شاہ قادری جیسا خدا رسیدہ بزرگ کہاں؟ وہ دیو تو پہلے سے زیادہ بھیانک روپ اختیار کر لے گا اس لئے وہ ہٹانے کے سخت مخالف تھے۔بالآخر تصفیہ کے لیے یہ مسئلہ ان کے مذہبی مرکز دھرم استھل کے حوالہ کیا گیا۔دھرم استھل والوں نے یہ فیصلہ دیا کہ یہ کوئی دیوی دیوتا نہیں اسے تم لوگ کیوں پوجتے ہو؟ یہ تو ایک بدبخت شیطان ہے یہاں اسے رکھنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔اس لیے اسے ہم لوگ اپنے یہاں دھرم استھل لئے

جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسے اپنے یہاں لے گئے اور چوں کہ لوگوں کی آستھا اس سے جڑی ہوئی تھی تو کہیں خلفشار نہ ہو جائے اس لئے دھرم اسھتل والوں نے اس کی ایک شبیہ بنا کر ان لوگوں کو دے دی یہاں آج کل اسی شبیہ کی اس مندر میں پوجا کی جاتی ہے۔

بہر کیف ببر دیو کو ٹھکانے لگانے کے بعد حضرت فتح اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوئے اور دین اسلام کے ساتھ سلسلہ قادریہ کی ترویج واشاعت کے لیے جنوبی ہندوستان کا دورہ فرمایا۔ بنگلور، ارکاٹ اور ویلور ہوتے ہوئے حیدرآباد تشریف لے گیے۔ وہاں بندگان خدا کی رشد وہدایت کا فریضہ بحسن وخوبی سرانجام دے کر ایک عرصہ بعد ''گلبرگہ شریف'' ہوتے ہوئے پھر ''انکولہ'' تشریف لائے۔ آپ کے بارے میں عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شمالی کرناٹک میں سلسلہ قادریہ کی سب سے پہلے داغ بیل ڈالنے والے آپ ہی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

علاقہ حیدرآباد میں واقع مقام ''پامڑی'' کے ایک اعلیٰ خاندان کی خاتون سے آپ کا عقد مسنون ہوا۔ ان خاتون کے بطن سے حضرت کی پانچ اولادیں ہوئیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔حضرت سیدہ عائشہ بی بی قدس اللہ سرہا العزیز
۲۔حضرت سیدنا عبدالرزاق قدس اللہ سرہ العزیز
۳۔حضرت سیدہ سبط فاطمہ قدس اللہ سرہا العزیز
۴۔حضرت سید عبداللہ عرف سید علی قدس اللہ سرہ العزیز
۵۔حضرت سید ابوصالح (عرف سید ابونصر) قدس اللہ سرہ العزیز

اور پہلی زوجہ محترمہ سے ایک صاحبزادے سید محی الدین ہیں جن کی ولادت بغداد شریف میں ہی ہوئی تھی اور حضرت کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ یوں حضرت کی کل چھ اولادیں ہوئیں۔

حضرت سید فتح اللہ شاہ قادری نے تصوف کے موضوع پر کچھ رسالے قلم بند فرمائے۔ یہ سب رسائل قدیم فارسی اور دکنی زبانوں میں ہیں مگر افسوس کہ آج تک کوئی بھی

رسالہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکا۔حضرت کے وصال کی حتمی تاریخ معلوم نہ ہوسکی البتہ بعض تحریروں میں سن وفات ۱۰۲۰ھ درج ہے۔حضرت کا مزار پُر انوار شہر ''انکولہ کے'' ببرواڑہ محلّہ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔حضرت کے مزار اقدس کے پہلو میں بڑے صاحبزادہ حضرت سید محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار پاک ہے۔وہاں ایک تیسرا مزار بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت ہی کے کسی دوسرے صاحبزادہ کا ہے۔خاندانی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فتح اللہ شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پہلو میں اور جو دو قبر مبارک ہیں وہ آپ ہی کی دو اولاد حضرت سید ابو صالح عرف ابو نصر اور حضرت سید عبد اللہ عرف سید علی رحمہما اللہ تعالیٰ کی ہیں، کیوں کہ آپ کے خاندانی دستاویزات میں کل چھ اولاد میں سے دو صاحبزادی اور مذکورہ دو صاحبزادوں کی تاریخہائے وفات درج ہیں باقی کی نہیں س لیے قرین قیاس یہی ہے کہ وہ انھیں دو صاحبزادگان کی قبر مبارک ہوں گی۔بعض روایت کے مطابق یہ تیسرا مزار اس مرید یا خادم کا ہے جو حضرت کے ساتھ ہندوستان آیا تھا۔مگر آپ کے مدفن کے تعلق سے ''تاریخ اولیاء تامل ناڈو'' کے مصنف نے اس خیال کی تردید کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ

> ''حضرت فتح اللہ شاہ قادری آپ کے جد اعلیٰ تھے جو بغداد سے ہجرت کر کے انکولہ کی بندرگاہ پر اترے تھے۔اور وہاں کچھ مدت قیام کے بعد مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے مدراس آئے تھے اور یہیں وفات پائی تھی۔ جن کے جنازہ کی نماز نواب محمد علی والا جاہ نے پڑھائی تھی۔
>
> (تاریخ اولیاء تمل ناڈو، ڈاکٹر جاویدہ حبیب ص ۹۱ چنئی ۲۰۰۲ء)

اس کتاب کی مصنفہ نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے جب کہ معاصر کتب سے یہی پتا چلتا ہے کہ آپ کا مزار اقدس ''انکولہ'' میں ہے آپ کے خاندان کے افراد جہاں کہیں بھی ہیں مزار اقدس پر حاضری دینے ''انکولہ'' ہی تشریف لاتے ہیں اور یہ روایت برسوں سے چلی آرہی ہے۔اس مصنفہ سے ایک دوسرا تسامح یہ بھی ہوا ہے کہ انھوں نے حضرت سیدنا شہاب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جد امجد حضرت محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت فتح اللہ شاہ رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ کا دوسرا فرزند لکھا ہے جب کہ ''شجرۂ کلمات طیبہ شرح گلدستہ توحیدات اربعہ'' کے مطابق وہ حضرت فتح اللہ شاہ کے پر پوتے کے لڑکے یعنی لکڑ پوتے ہوتے ہیں۔

حضرت فتح اللہ شاہ قادری کے پہلے اور بڑے صاحبزادے سید محی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد میں حضرت قاسم شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں ان کا مزار ''انکولہ '' کے بڑے قبرستان میں مرجع خلائق ہے۔آپ کے پوتے حضرت سید حسن شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ''ہانگل'' کے قصبہ ''چیرن ہلّی'' میں ہوا تھا۔اس لیے آپ کو وہیں دفن کیا گیا تھا۔تقریباً ایک سال بعد حضرت نے اپنے گھر والوں کے خواب میں آ کر اپنے جسد مبارک کو ''انکولہ'' منتقل کرنے کا اشارہ دیا اس لیے آپ کے جسد خاکی کو وہاں سے '' انکولہ'' لا کر دفن کیا گیا۔آپ کا مزار مقدس شہر ''انکولہ'' کے عین وسط میں واقع ہے۔آپ کے بڑے صاحبزادے کی اولاد میں ایک بزرگ کا نام بھی سید محی الدین ہے۔آپ ''ویلور'' کی سرزمین میں استراحت فرما ہیں۔ اس علاقہ میں آپ کو سید محی الدین انکولے سے شہرت ملی ۔حضرت سید محی الدین انکولہ کی اولاد میں سے حضرت سید شہاب الدین اور ان کے صاحبزادے حضرت سید پیراں علیہما الرحمہ والرضوان شہر ''بنگلور'' میں آرام فرما ہیں۔آپ کی اولاد بنگلور میں سکونت رکھتی ہے۔حضرت کے بڑے صاحبزادہ کی اولاد میں سے ایک بزرگ سید پیراں صاحب کا مزار ''چیرن ہلی'' میں ہے جو لاولد تھے۔

حضرت فتح اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دوسرے صاحبزادے حضرت سید عبدالرزاق کی اولاد میں سے ایک بزرگ سید علاء الدین اور ان کی اولاد میں سے سید عبدالرزاق اور ان کی اولاد میں سے سید حسین رحمہم اللہ تک خلافت رہی۔اس کے بعد سلسلہ خلافت منقطع ہو گیا۔آپ کی نسل انکولہ اور اس کے اطراف وجوانب میں آج بھی موجود ہے۔

حضرت فتح اللہ شاہ قادری کے تیسرے صاحبزادے حضرت سید عبداللہ عرف سید علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار ''ببرواڑہ'' میں واقع ہے اور وہیں حضرت فتح اللہ شاہ قادری کی اولاد کا آبائی قبرستان ہے۔اسی قبرستان کے احاطہ میں حضرت فتح اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ شریف ہے۔ان کے تیسرے صاحبزادہ کی اولاد بھی ''انکولہ'' اور اس کے

اطراف وجوانب میں سکونت پذیر ہیں۔ان تیسرے صاحبزادے کی اولاد میں حضرت سید نصیرالدین عرف بڑے باباجان بن سید احمد عرف شابو صاحب بن سید بڈھن شاہ صاحب بن سید احمد صاحب بن سید عبداللہ عرف سید علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم تک یہ مقدس سلسلہ چلتا رہا اس کے بعد منقطع ہوگیا۔

حضرت فتح اللہ شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چوتھے صاحبزادہ حضرت سید ابو صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد بزرگوار کے حکم پر ''جزیرہ لکش دیپ'' ہجرت کر گئے تھے ان کی اولاد میں حضرت سید قاسم ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار مبارک ''جزیرہ اکورتی'' میں ہے۔آپ کی اولاد میں سے حضرت سید یوسف اولیا کا مزار پاک ''کنداپور'' میں واقع ہے۔آپ کی اولاد میں سے ایک بزرگ کا مزار پاک ''بھٹکل'' میں ہے آپ کے ایک مرید وخلیفہ حضرت سید مولا رحمۃ اللہ علیہ ''منگلور بندر'' میں آرام فرمارہے ہیں۔

حضرت ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ''جزیرہ لکش دیپ کورتی'' اور ''کیرلا '' میں سکونت رکھتی ہے کہا جاتا ہے کہ کیرلا میں سلسلہ قادریہ آپ اور آپ کی اولاد ہی کی وجہ سے پھیلا ہے۔

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ سیدنا عبداللطیف الحموی لاابالی، کرنول، آندھراپردیش علیہ الرحمۃ والرضوان

کرنول شہر حیدرآباد کے جنوب مغرب میں کوئی دوسو کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے تنگبھدرا کے کنارے واقع ہے، اس قدیم شہر کو عرف عام میں باون اولیا کا دیس بھی کہتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ مستقر کرنول اور اس کے نواح میں باون اولیائے کبار کے مزارات مقدسہ موجود ہیں ۔کرنول جنوبی ہند میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وثقافت کے فروغ میں کسی اسلامی آبادی سے کمتر نہیں رہا۔اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ اس چھوٹے سے شہر کے مستقر پر تین سو پینسٹھ مساجد موجود اور آباد ہیں، ظاہر ہے کہ کرنول عہد

قدیم سے اولیاء اللہ کی بستی رہا ہے، اس کی فضا تصوف سے معمور رہی ہے، اور یہاں صوفیانہ ماحول کو بڑھاوا دینے میں اولیائے کرام نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔
(دکنی کلیات شاہ فی الحال قادری کی تنقیدی تدوین، وحید اختر ص ۹ پیش لفظ کرنول ۲۰۰۶ء)

حضرت سیدنا شاہ عبد اللطیف الحموی کی ذات ستودہ صفات فضائل ومناقب کا مجموعہ ہے۔قلم میں اتنی طاقت نہیں ان فضائل کا احصا کیا جا سکے۔ صاحب لطائف قادریہ فرماتے ہیں کہ

جب حضرت سید الابدال لا ابالی حماۃ شریف سے عالم شباب میں نکلے اور سیر کرتے کرتے بلاد دکن تشریف لائے تو آپ نے کرنول عرف قمر نگر میں قدم رنجہ فرمایا ۔چوں کہ آپ کے ساتھ درویشوں کی ایک کثیر تعداد تھی جو ایک روایت کے بموجب پچاس تھے۔موضع آل پور (علی پور) میں جو شہر سے متصل واقع ہے ایک مسجد میں قیام کیا جو سید لا ابالی کے نام سے موسوم ہے۔اس وقت وہاں ایک کافر بادشاہ تھا جس کا نام راجہ گوپال تھا۔اس نے کبھی اسلام کا اعزاز واحترام نہ کیا تھا۔ اتفاقاً مشیت ایزدی سے آپ کے تشریف لانے کے بعد اس کی لڑکی سانپ کے کاٹنے سے فوت ہوگئی۔ان کو اس کے طریقہ کے بموجب جلانے کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔حضرت عالی لا ابالی نے دریافت کیا کہ یہ جلوس کس خوشی میں آراستہ کیا گیا ہے، فقرا نے جو آپ کے خدمت گزار تھے عرض کیا کہ یہ جلوس تہنیت نہیں بلکہ جلوس تعزیت ہے۔ ہندوؤں میں یہ رسم رائج ہے کہ جب ان میں کا کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کو اسی طرح سجا کر جلانے کے لیے لے جایا جاتا ہے۔یہ راجہ کی لڑکی تھی جو سانپ کے کاٹنے سے فوت ہوگئی ہے،۔یہ سن کر جناب عالی لا ابالی کی عیسیٰ نفسی جاگ اٹھی اور دریائے رحمت جوش میں آ گیا۔آپ نے اپنی زبان حق ترجمان سے فرمایا کہ اگر راجہ گوپال مشرف بہ اسلام ہونے کو تیار ہے تو اس کی لڑکی قادر حقیقی کے حکم سے زندہ ہو جائے گی۔ درویشوں نے بادشاہ سے جا کر کہا کہ فلاں بزرگ جو مسجد میں مقیم ہیں بعد دعا فرماتے ہیں کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو تمھاری بیٹی بحکم یخرج الحی من المیت اسی وقت زندہ ہو جائے گی۔راجہ گوپال یہ سنتے ہی اپنا سر ارادت خم کر دیا اور آپ کے ارشاد کو قبول

کرلیا۔ درویشوں نے اس کا پیغام حضرت سے کہہ سنایا کہ اگر مجھے یہ نعت حاصل ہو جائے تو میں دل وجان سے اسلام قبول کرلوں گا۔

القصہ جناب عالی لاابالی نے اس کی لڑکی کی نعش کو طلب فرمایا جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر کی گئی تو ایک روایت کے بموجب آپ نے اس کو طلب کرنے کے بعد کاغذ کے ایک ٹکڑے پر کچھ تحریر فرمایا اور ایک پرندہ کی گردن میں باندھ دیا وہ پرندہ اڑ گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی مختلف الاشکال سانپ آنے لگے، یہاں تک کہ مسجد کا صحن سانپوں سے بھر گیا بعدازاں ایک سفید رنگ کا سانپ جس کی آنکھیں بجلی کی طرح چمک رہی تھیں ایک کالے رنگ کے سانپ پر سوار ہو کر حاضر ہوا اور جناب عالی لاابالی کے سامنے فرط ادب سے قدم بوسی کی۔آپ نے اس سے مخاطب ہوکر اس کی زبان میں کچھ فرمایا اس نے ایک سانپ کو حکم دیا کہ اس سانپ کو حاضر کیا جائے جس نے لڑکی کو کاٹا تھا کچھ ہی دیر میں اس سانپ کو حاضر کیا گیا اور اس نے اسی مقام سے جہاں اس نے کاٹا تھا لڑکی کے جسم کا سارا زہر کھینچ لیا اور راجہ گوپال کی لڑکی زندہ ہوگئی اس کرامت سے مومنین کے ایمان میں اضافہ ہوا اور جو کفار تھے ان کے لیے یہ تصرف باعث قبول اسلام ثابت ہوا۔اور اکثر کافروں نے اس کرامت کو دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہونا منظور کرلیا۔راجہ بھی اپنی رعایا کے ساتھ حلقہ اسلام میں داخل ہوگیا حضرت لاابالی نے اس واقعہ کے بعد مستقل طور پر قمر نگر کی سکونت اختیار فرمائی۔

(محبوب ذوالمنن فی تذکرہ اولیائے دکن جلد اول ص۵۷۲)

اسی وقت سے آپ کے خوارق عادات اور کرامات وتصرفات کا ہر جگہ چرچا ہو گیا ۔ایک عالم آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا، اور آپ نے ان کی تعلیم وہدایت فرمائی، جس کے سبب لوگوں کی ایک کثیر تعداد آپ کے فیض صحبت سے مرتبہ ولایت پر فائز ہوئی۔ انھی کے من جملہ مصاحب ذی مواہب شیخ علی صاحب بھی تھے اور جو حضرت سید لاابالی کے مرید اور خلیفہ خاص تھے۔

الغرض حضرت سید لاابالی نے اس واقعہ کے بعد اس سفید سانپ سے جو دراصل ان کا سالار تھا عہد لیا کہ بار دگر آپ کی اولاد میں سے سانپ کسی کو نہیں کاٹے گا، مولف

کتاب کہتے ہیں کہ ۲۵۰ سال کا عرصہ گزر چکا ہے حضرت لا ابالی کے صاحبزادگان میں سے کسی کو سانپ نے کسی کو نہیں ڈسا۔ بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ آپ کے اکثر صاحبزادوں کے بستر میں سانپ بھی سو جاتے ہیں لیکن ان کو ایذا نہیں پہنچاتے۔

جب سید الابدال سید لا ابالی کا آفتاب ولایت موضع قمر نگر میں چمکا تو چند روز بعد آپ کے بعض معتقدین نے عرض کیا کہ الحمد للہ علیٰ کل حال کہ ہم حضرت لا ابالی کے قدم میمنت لزوم سے مشرف ہوئے اور اپنی حسب استطاعت آپ سے نعمت قادریہ کا فیضان حاصل کیا۔ اگر جناب سید الابدال بھی سنت سنیہ کی پیروی میں عقد نکاح فرمائیں تو جس طرح کہ ہم آپ کے آستانہ کرامت نشان سے فیضیاب ہوئے اسی طرح ہماری اولاد بھی آپ کے صاحبزادگان سے دولت تلقین وارشاد حاصل کرے گی، الا ماشاء اللہ حضرت سید الابدال نے بہت تامل کے بعد فرمایا کہ اذا اراد الله شئیاً فھیّ اسبابه یعنی جب خدا تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کے اسباب مہیا کرتا ہے۔ فقیر امر الٰہی کے بغیر کسی بات پر عمل نہیں کر سکتا۔ وقت کے منتظر رہو کہ مشیت ایزدی کب ہوتی ہے، اور تمھاری خواہش کی تکمیل کب ظہور پذیر ہوتی ہے۔

بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عالی لا ابالی مدت مدید تک مجرد رہے اور تقریباً چالیس سال بعد متاہل ہوئے۔ ایک روز سید الابدال تشریف فرما تھے اور آپ کے مریدین ومعتقدین بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت عالی لا ابالی نے ایک لمحہ کے بعد فرمایا کہ لوگو آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے حکم الٰہی ہوا ہے کہ ایک ہی وقت میں دو عقد کروں اگر ان دو عقدوں کے اسباب مہیا ہو جائیں۔ تو میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔ مریدان راسخ الاعتقاد نے جو آپ کے اس فرمان کے ایک مدت سے منتظر تھے حضرت عالی لا ابالی کے بموجب تجویز پیش کی اور عرض کیا کہ ان دو بی بیوں میں سے ایک حضرت شاہ حمزہ حسین کی صاحبزادی ہیں، جو کاملین مشائخ چشتیہ سے ہیں، اور دوسری امیر کبیر کی صاحبزادی ہیں یہ دونوں رضامند ہیں۔ مقصود سخن یہ کہ حضرت سید الابدال نے امر الٰہی کے موافق دو ماہتاب عصمت وعفت سے عقد مناکحت فرمایا۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں ایسی موافقت وہم آہنگی

تھی کہ دونوں ایک روح دو قالب کے بمصداق تھیں۔انھوں نے ایک دوسرے کی اولاد کی بھی پرورش فرمائی ۔ کہتے ہیں کہ حضرت عالی لا ابالی کو فرزند متولد ہوتا تو آپ اپنا دست مبارک اس کے جسم پر پھیرتے اور فرماتے کہ ھذا میت اسی وقت اس کی روح قبض ہوجاتی جب بار ہا ایسا کیا تو خادموں نے آپ سے بعجز وانکساری عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے صاحبزادوں سے فیض دوام جاری رہے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے، آپ نے فرمایا کہ حضرت سبحانہ نے مجھ سے عہد فرمایا کہ میرا جو فرزند میری طرح ہوگا وہی زندہ رہے گا اور جو میری طرح نہ ہو اس کا انتقال باعث رفع ملال ہے۔۔ چنانچہ جب آپ کے پانچ صاحبزادے جو جواہر خمسہ کی حیثیت رکھتے ہیں آپ کے دونوں بی بیوں کے صدف شکم سے متولد ہوئے تو آپ نے کلمہ مذکور نہیں فرمایا۔جب یہ پانچوں صاحبزادے جنھیں خمسہ طیبہ کہا جاسکتا ہے۔ برج حمل سے آسمان ولایت پر رونق افرز ہوئے اور اپنے نور عارض سے جہان تاریک کو منور کیا تو جناب عالی لا ابالی ہر صاحبزادہ کی ولادت کے بعد بنفس نفیس گھر میں تشریف لے جاتے اور بعد تکبیر واقامت جو کہنا ہوتا اپنی زبان حق ترجمان سے فرماتے یعنی فرماتے کہ میرا یہ فرزند فلاں وقت فلاں جگہ پہنچے گا۔ صدق اللہ ورسولہ واولیائہ جو کچھ حضرت سید الابدال لا ابالی کی زبان مبارک سے پانچوں صاحبزادوں کے تعلق سے نکلا تھا حرف بحرف پورا ہوا۔

لطائف قادری میں ہے کہ ایک دن جناب عالی لا ابالی تشریف فرما تھے اور شاہ عبداللہ قادری اور سید شاہ موسیٰ قادری بیجاپوری جو دونوں آپ کے بڑے صاحبزادے تھے آپ کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ایک شخص نے دو زر سرخ وسفید آپ کی نذر کیا ان دونوں صاحبزادوں نے چوں کہ خوردسال تھے ایک ایک زر سرخ وسفید آپس میں تقسیم کرلیا حضرت لا ابالی ان دونوں قمرین المنورین کو کچھ نہ کہا اور اٹھ کر دریائے ہیندری کے کنارے چلے گئے جو شہر کرنول سے متصل واقع ہے۔نو روز تک وہاں کے ریگستان میں رہے اور فرماتے رہے کہ الٰہی میں عقد کا ارادہ نہیں کیا تھا لیکن تیرے فرمان کے بموجب میں نے نکاح کیا اور تو نے اس نکاح کے نتیجے میں مجھے ان چار لڑکوں سے سرفراز فرمایا۔ جب

خوردسالی میں ان کی حرص کا یہ عالم ہے تو ایام شباب میں ان کی حرص بھی جوان ہو جائے گی اور ان سے درویشی ناممکن ہو جائے گی۔ کہتے ہیں کہ نو روز بعد حق سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی اور آپ خوش خوش واپس قمر نگر لوٹ گئے اور جو کچھ ملہم غیبی نے فرمایا تھا کچھ عرصہ بعد ہی عرصہ ظہور پر نمودار ہو گیا اور یہ دونوں صاحبزادے قطب وقت ہو گئے۔

صاحب لطائف قادری یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت سید الابدال عالی جناب لاابالی کی یہ عادت مستمرہ تھی کہ جب کوئی آپ کی خانقاہ میں آتا تو آپ بلا لحاظ مذہب وملت اس کی مدد فرماتے ایک روز قوم ہنود میں سے ایک شخص جو مرتاضان وقت سے تھا حسن اتفاق سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اپنی عادت کے بموجب اس کی مہمان نوازی فرمائی وہ دوسرے روز بھی حاضر ہوا سید لاابالی نے پہلے روز کی طرح پھر اس کی مدد فرمائی تیسرے روز بھی آپ کی خانقاہ میں آیا آپ نے پھر اس کو کچھ عنایت کیا چوتھے روز وہ شخص ایک کمان لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے سیر وسیاحت کی ہے لیکن کسی شخص کو آپ کی طرح نہیں پایا میں چاہتا ہوں کہ یہ کمان آپ کی نذر کردوں تا کہ یہ وقت ضرورت آپ کے کام آئے۔سید الابدال لاابالی نے بحکم مشرب لاردوکد کے پیش نظر اس سے اس کمان کی خصوصیت دریافت فرمائی۔اس نے کہا کہ اس کمان کی خصوصیت یہ ہے کہ میرے گرو نے اسے تیس سال کی ریاضت ومجاہدہ کے بعد تیار کیا ہے اس کا ایک کمال یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کچھ حاجت پیش آئے تو اس کمان سے ایک تیر چھوڑے وہ تیر جس جگہ زمین پر گرے گا وہاں پر تھوڑی سی زمین کھودنے پر دو ہزار زر سفید ملیں گے۔وہ اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حاصل کرسکتا ہے۔ہر چند کہ اس نے چاہا کہ وہ کمان سید الابدال لاابالی کی نذر کرے آپ نے اس سے کمان لی اور فرمایا کہ اے فلاں کیا تم نے مجھے یہ کمان دے دی، اس شخص نے اقرار کیا کہ جی میں نے دے دی پھر سید الابدال لاابالی نے اس کمان کو قبضہ سے پکڑ کر اپنی قوت ولایت کے بل بوتے پر کھینچا اور وہ کمان دو ٹکڑے ہو گئی۔وہ شخص یہ منظر دیکھ کر بہت غضب ناک ہو گیا، اور شدت سے اپنی کمان کا مطالبہ کرنے لگا سید الابدال نے فرمایا کہ تم نے تو وہ کمان مجھے دے دی تھی، میری چیز اگر میرے ہاتھ سے ٹوٹ جائے تو

اس میں تم کو کیا اعتراض ہے؟، اس نے پھر کمان طلب کی، حضرت لا ابالی نے عذر آمیز کلمات فرمائے جب اس پر اس کی شدت کم نہ ہوئی اور اس نے حد سے تجاوز کرنا شروع کیا تو آپ کے بشرہ مبارک سے جلال جھلکنے لگا۔آپ نے اپنی زبان حق ترجمان سے فرمایا کہ فلاں تجھے اپنی کمان چاہئے یا اس سے بہتر کچھ اور چیز چاہئے ۔تیری کمان سے تو صرف دو ہزار حاصل ہو سکتے ہیں اگر تو چاہے تو میں تجھے ایسی کمان دے سکتا ہوں جس سے تجھے چار ہزار، دس ہزار پچاس ہزار ایک لاکھ تک مل سکتے ہیں ۔تو جیسا چاہے، میں ویسا ہی کروں گا، اس نے کہا کہ اے بزرگ تمھارے مبالغہ کی بھی حد نہیں ہے مجھے صرف میری کمان واپس کردو حضرت نے اس کا کچھ جواب نہ دیا ایک ٹھیکری پر ''من عبداللطیف'' تحریر فرمایا اور اس بیراگی کو دے کر فرمایا کہ اے فلاں تم جس صحرا میں چاہو جا سکتے ہو میں تمھارے لیے کوئی سمت مقرر نہیں کرتا لیکن شرط یہ ہے کہ جب تم صحرا میں ایک بڑا گول پتھر دیکھو تو یہ تحریر اس پتھر کو دکھلاؤ،اور پھر دیکھو کہ قدرت قادر کے جلوے کس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔اس بیراگی کا بیان تھا کہ جب اس نے صحرا میں ایک بڑا گول پتھر پایا تو آپ کے حسب ارشاد اس کو آپ کی تحریر دکھائی اس پتھر سے دو اشخاص نمودار ہوئے جو بہت ہی باہیبت اور باشوکت تھے اور اس بیراگی کا ہاتھ پکڑا پھر اس پتھر میں غائب ہو گئے ۔بیراگی کا کہنا تھا کہ میں نے ایسے کارخانہ غیبی دیکھے،جن کو میں نے ۸۷ سالہ عمر میں کبھی نہ دیکھا تھا۔ان دونوں اشخاص نے مجھے کارخانہ کو حیرت سے دیکھنے سے منع کیا اور کہا کہ حکم ہوا ہے کہ تجھے کمان غیبی میں لیجایا جائے ،اور تیری پسند کے مطابق ایک کمان تجھے دے دی جائے وہ لوگ مجھے کمان خانہ میں لے گئے اور ایک کمان لاکر میرے آگے رکھ دی اور کہا کہ یہ کمان دو ہزار کی ہے اگر چاہو تو رکھ لو پھر ایک کمان لائے اور کہا کہ یہ کمان چار ہزار کی ہے اگر چاہو تو لے جاؤ،اس طرح دس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک کی کمانیں میرے سامنے لائی گئیں ،اور کہا گیا کہ اس سے زیادہ کا حکم نہیں ہے،اس لیے ان کمانوں میں سے جو تم پسند کرتے ہو لے سکتے ہو، بیراگی مذکور نے کہا کہ اے موکلان غیب میری کمان مجھے مل گئی اور میرا باطن نور ایمان سے منور ہو گیا ،اور میں حضرت عبداللطیف کا دل وجان سے معتقد ہو چکا ہوں، مجھے تم جہاں سے لائے تھے

وہیں واپس کر دو تا کہ میں دم آخر حضرت کے قدموں میں پڑا رہوں۔ کہتے ہیں کہ جب وہ بیراگی چلنے پر بضد ہو گیا تو دونوں مردان غیب نے اس کو وہیں پہنچا دیا جہاں سے اسے لے کر آئے تھے، جب وہ واپس ہوا تو پتھر کو اسی طرح پایا جس طرح جانے سے قبل دیکھا تھا، وہ کمال اعتقاد ورسوخ صفائے قلب اور صفائے روح کے ساتھ حضرت جناب عالی لا ابالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اور حضرت لا ابالی کی ولایت کا مقر ہو کر آپ کے مقربین بارگاہ سے ہو گیا۔

گر چہ ایں فقرا کہ در ظاہر گدائی می کنند　　در لباس فقر باطن بادشاہی می کنند

بلکہ پیش ہمت شان بادشاہی ہیچ نیست　　ہر دم و ہر لحظہ شان کار خدائی می کنند

(مشکوۃ النبوت ص ۱۲۱)

کتاب مذکور میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت سید الابدال کو ورثہ میں اپنے آبا واجداد سے ایک انگشتری ملی تھی، جس کے چالیس موکل تابع تھے، کہتے ہیں کہ یہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں رہا کرتی تھی، لیکن کبھی ان موکلین کو یاد نہ کیا کرتے تھے ایک دفعہ چند فقیر سیاحت کرتے کرتے آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے مہمان نوازی کے لیے آپ کے پاس کچھ نہ تھا آپ کو خیال گزرا کہ موکلین کو طلب کریں، اور انھیں سے کہیں کہ کوئی ایسی چیز پہنچائیں جو حلال طریقہ سے حاصل کی گئی ہو چنانچہ آپ نے موکلوں کو طلب فرمایا وہ اسی وقت حاضر خدمت ہو گئے، جناب عالی لا ابالی نے فرمایا کہ چند درویش ہمارے مہمان ہیں کچھ حلال چیز لاؤ تا کہ ان فقرا کی ضیافت کی جا سکے، موکلوں نے قبول کر لیا اور کچھ ہی دیر میں درویشوں کی شکل میں حاضر ہوئے اور انواع واقسام کی نعمتیں پیش کیں، جس میں سموسہ اور ہرن کا گوشت بھی تھا اور عرض کیا کہ ہم لوگ یہ لباس درویشی پہن کر اقلیم چہارم کے سلطان کے پاس گئے اور دریوزہ گری کی اس بادشاہ کا یہ معمول ہے کہ ہر وقت اس کے پاس اس طرح کے چالیس خوان موجود رہتے ہیں جب ہم سلطان کے در پر گداگروں کی صورت میں گئے تو اس بادشاہ ذی ہمت نے ہم میں سے ہر ایک کو ایک خوان عنایت کیا۔ چنانچہ ہم آپ کے حکم عالی کے موافق وجہ حلال سے یہ نعمتیں لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت لا ابالی ان

کے اس کلام سے بہت خوش ہوئے اور ان کی تحسین فرمائی، اور وہ خوان درویشوں کی مہمان نوازی کے طور پر پیش کئے۔ اس کے بعد اس انگشتری کو اپنے ہاتھ سے اتار دیا اور ایک کنوئیں کے اندر پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ چیزیں درویشوں کو خدا سے غافل کر دیتی ہیں۔ اور درویش کے لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ وہ بجز خدائے تعالیٰ کے کسی اور پر بھروسہ کرے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ۔ مولف عالی عرض پرداز ہے۔

اللہ اللہ این چہ ہمت اعلیٰ است　　صد چند زہمت سلیماں بالا ست

آں انگشتری از آب بجبت دہی خواست　　ایں انگشتری بآب حالا انداخت

کتاب مذکور میں یہ بھی مرقوم ہے کہ جناب لا ابالی پر آخری شب سے صبح ہونے تک جلال کا غلبہ رہتا ہے اور صبح سے اول شب تک جمال طاری رہتا ہے۔ جس وقت آپ سے اسمائے جلالی کا ظہور ہوتا تو کسی میں اتنی تاب نہ تھی کہ آپ کے روبرو ٹھہر سکے۔ آپ کے خادم بھی اس وقت آپ کے سامنے ہونے سے احتیاط کرتے تھے۔ آپ کے خدام کا یہ معمول تھا کہ وہ روزانہ گیارہ صراحیوں میں پانی بھر کر آپ کے حجرہ مبارکہ کے دروازہ پر رکھ دیا کرتے تھے۔ جب آپ حجرہ سے برآمد ہوتے تو سب سے پہلے آپ کی نظر ان صراحیوں پر پڑتی اور آپ کی نظر پڑتے ہی وہ سبو چہ ایک بلند آواز سے ٹوٹ جاتے۔ صراحیوں کے ٹوٹ جانے کے بعد آپ کے خدام آپ کے دیدار سے مشرف ہوتے، ایک روز آپ کے ایک خادم نے گیارہ صراحیوں کے بجائے دس صراحی رکھے جب حجرہ کا دروازہ کھلا اور آپ کی نظر ان صراحیوں پر پڑی تو وہ تمام کی تمام ٹوٹ گئیں اور اسی حالت جلال میں آپ کی نظر ایک خادم شاہی پر پڑی تو اس کی حالت یکسر تبدیل ہوگئی اور وہ واصلان حق سے ہوگیا۔

مولف عاصی رقم طراز ہے کہ یہی وجہ ہے کہ حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ملفوظ شریف میں انا سیف مسلول فرمایا ہے یعنی شمشیر برہنہ جس کسی پر پڑتی ہے اس کی گردن کٹ جاتی ہے، چنانچہ آج تک بھی کسی کی جرأت نہیں کہ آدھی رات کے بعد بغیر طہارت کے حضرت سید عالی لا ابالی کی گنبد میں داخل ہو۔ یہ بات بھی مضرت سے خالی نہیں کہ کوئی آدھی رات کے بعد آپ کے گنبد شریف کے اطراف واکناف میں کسی

جانور کے شکار کرنے کی کوشش کرے۔

چنانچہ راوی منصوح عرض کرتے ہیں کہ آغاز جوانی میں ایک روز میں ایک کبوتر کے بچہ کو پکڑنے کی غرض سے گنبد شریف میں داخل ہوا حضرت عالی لا ابالی کی مرقد مبارک کی جگہ ایک شیر کو باہیبت ووقار بیٹھے ہوئے دیکھا جونہایت غضب ناک حالت میں غرّا رہا تھا میرے ہوش جاتے رہے اور میں عرق آلود پیشانی لیے وہاں سے واپس ہوگیا۔ جب اپنے گھر پہنچا جو درگاہ سے متصل واقع تھا تو صدق دل سے توبہ واستغفار کیا کہ پھر کبھی ایسی گستاخی نہ کروں گا باجودتوبہ واستغفار کے تین شبانہ روز تک جسم حرارت اورلرزہ طاری رہا ۔صاحب لطائف قادری جن کومندرجہ بالا واقعہ پیش آیا عرض کرتے ہیں کہ اکثر اوقات روضہ شریف کے صحن کی ریت پر شیر کے پنجوں اوران کے بیٹھنے کےنشانات پائے گئے۔لہٰذا خادم درگاہ شریف رات کا ایک حصہ گزرنے کے بعدکسی کو وہاں ٹھہرنےنہیں دیتے،مولف عاصی کہتا ہے چندسال سے بعض درویش درگاہ شریف میں سکونت پذیر ہیں واللہ اعلم ورسولہ

لطائف قادری میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت سید الابدال پر شغل وحدت اور مرتبہ استغراق توحید کا ایسا غلبہ طاری رہتا کہ آپ کے وجود شریف میں حرف دوئی کا نام ونشان بھی باقی نہ تھا اورآپ کا وجود سرتا پا وجود میں فنا ہو چکا تھا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک روز جناب عالی لا ابالی اپنے گھر کی دیوار سے پشت لگائے بیٹھے تھے کہ ایک یہودی ہیزم فروش آپ کے سامنے سے گذرا اس نے معا اس گائے کو تازیانہ لگایا جو اس کی گاڑی کھینچ رہی تھی سید الابدال یہ دیکھ کر بے تاب ہوگئے اورآپ کا چہرہ مبارکہ متغیر ہوگیا آپ نے ایک آہ سرد کھینچی جب حاضرین نے اس آہ کی وجہ دریافت کی تو ان کوحضرت سید الابدال کے پیٹ پر چابک کا ایک نشان نظر آیا ہیزم فروش نے جب آپ کی یہ کرامت دیکھی تو فورا مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ چنانچہ حضرت لاابالی کے روضہ پُر انوار پر کسی پرندہ کو مارانہیں جاتا۔اگر اتفاق سے نادانستگی کی بنیاد پر کوئی ایسا کر گزرے تو خود مارنے والا ہی ایذا کا شکار ہوجاتا ہے ساکنان روضہ مبارکہ کے لیے یہ احتیاط بے حدلازمی ہے۔

حضرت سید الابدال جب کسی ضعیف وکمزور انسان کے اوپر زیادہ بوجھ دیکھتے تو

بے تاب ہو جاتے یا جب ان کے سامنے کسی جانور کو مارا جاتا تو انھیں بہت تکلیف ہوتی۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ اگر آپ جس گاڑی پر سوار ہوں اس کا گاڑی وان کسی چار پایہ کو جو گاڑی کھینچ رہا ہو ضرب لگاتا، تو فوراً اس کی ضرب کی علامت اس ضارب کی پیٹ پر نمایاں ہو جاتی، اور وہ مضمحل ہو جاتا اسی طرح آپ کے تن مبارک پر بھی اس کا اثر ہوتا۔ اس وقت سیدالابدال لاابالی فرماتے اب تمھیں حیوان کو مارنے کی حقیقت معلوم ہوئی۔ اگر چاہتے ہو تو پھر مارواور اس سے بڑھ کر مضرت دیکھو۔

کتاب مذکور میں یہ بھی مرقوم ہے کہ شاہ اسد اللہ صاحب جو شاہ چندا حسینی کی اولاد میں سے تھے اور اسرار چشتیہ کے نور باطنی سے مستفید ہو چکے تھے۔ فرماتے تھے کہ ایک رات میرے ایک مرید صادق العقیدت نے مجھے پھولوں کا ہار نذر کیا۔ فقیر نے چاہا کہ میں اسے جناب عالی لاابالی کی نذر کردوں روضہ مبارکہ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ روضہ کا دروازہ بند ہے، میں مجاور درگاہ کے گھر گیا معلوم ہوا کہ وہ کسی کی شادی میں گیا ہوا ہے، اور دروازہ شریف کی کلید مبارک بھی اس کے پاس ہے۔ لاچار میں نے چاہا کہ وہ پھول دروازہ مبارکہ کے قفل پر چڑھا دوں۔ میرا ارداہ ابھی روبہ حقیقت نہ ہوا تھا کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ آپ ولی کامل ہیں اگر میری نذر درجہ قبولیت رکھتی ہے تو قفل خود بخود کھل جائے گا۔ یہ سوچ کر جیسے ہی میں نے قفل کو پکڑا ہلایا قفل کھل گیا۔ لیکن میرے دل میں ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میں پسینے میں غرق ہو گیا۔ لرزاں وترساں میں نے نیاز پیش کی لیکن اس کے بعد سے پھر میں نے کبھی پاس ادب سے گنبد شریف کے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کی اور روضہ مبارکہ کے باہر ہی سے حضرت کی روح پُر فتوح پر نیاز و فاتحہ بجالانے لگا۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت مسکین شاہ کے زمانہ آخر میں ایک درویش تھے جن کا نام معصوم شاہ تھا، مسکین شاہ مجذوب سالک تھے اور معصوم شاہ سالک مجذوب، ایک روز ان دونوں مجاذیب کی ملاقات ہوئی۔ مسکین شاہ نے کہا کہ میں اندرون شہر رہوں گا اور تم بیرون شہر رہو گے، معصوم شاہ نے فرمایا کہ مسکین تمھارے لیے شہر کے اندر جگہ نہیں تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے اپنی قبر کے لیے ایک جگہ یہاں کے صاحب ولایت

جناب شاہ عبداللطیف لا ابالی کی اجازت سے حاصل کر لی ہے۔اب شہر میں جگہ نہیں اس لیے تمھارے لیے بیرون حصار رہنے کا حکم ہے۔راوی کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔کہ حضرت معصوم شاہ اندرون بلدہ قمرنگر استراحت فرماہیں اور حضرت مسکین شاہ صاحب بیرون حصار مدفون ہیں۔

لطائف قادری میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عالی لا ابالی کے پانچ صاحبزادے تھے آپ نے ان پانچوں صاحبزادوں میں اپنی نعمتیں تقسیم فرمائیں۔ چنانچہ صاحبزادے کلاں سید عبداللہ شاہ کو اپنا تاج سرشاہی مرحمت فرمایا۔ دوسرے صاحبزادے حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کلاں کو شجرۂ انساب عنایت فرمایا اور ایک روایت کے بموجب کشتی خاص عنایت فرمائی ، حضرت سید شاہ محی الدین ثانی کو جو آپ کے تیسرے صاحبزادے تھے اپنا جبہ خاص عنایت کیا حضرت سید شاہ طاہر ثانی کو جو آپ کے چوتھے صاحبزادے تھے اجازت علم ودعوت عطا فرمائی اور جزدان خاص اوراورادمخصوصہ بھی عنایت کیے اور پانچویں صاحبزادے حضرت سید شاہ عیسیٰ صاحب کو اپنے دست مبارک کی شمشیر عطا فرمائی۔شیخ علی صاحب کو جو آپ کے مرید باکمال تھے اپنا خرقہ وخلافت عطا فرمایا جو آپ کے اپنے جدعمومی السید احمد الحموی سے ملا تھا، چنانچہ آج تک بھی آپ کے خاندان میں وہی خرقہ خلافت جارہی ہے۔

آپ کی وفات ۷؍ذی الحجہ ۱۰۴۷ھ کو ہوئی اور ایک روایت کے بہ موجب ۱۰۵۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔مزار مبارک قمرنگر عرف کرنول میں شہر کے اندر مرجع انام ہے ۔کسی نے تاریخ قطعۂ وصال اس طرح لکھا ہے۔

خرد گفت تاریخ آں دست گیر بہ پنج آہ "ھو اللطیف الخبیر"

مزار مقدس شہر قمرنگر عرف کرنول میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

(مشکوٰۃ النبوت،سید شاہ غلام علی القادری ص ۱۲۷ ترجمہ سید وحید القادری)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سیدنا شاہ رفیع الدین احمد حیدرآباد تلنگانہ
علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ کا لقب شریف ''غریب نواز'' اور سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

سید شاہ رفیع الدین احمد بن سید مجد الدین احمد بن سید محمد احمد بن ابوالقاسم سلیم اللہ بن سید حسین ابوالفتح بن سید احمد الجیلی بن سید سیف الدین حسن بن سید محمد موسیٰ بن سید علی ابوالعزت بن سعید محمد بن ابی محمد حسن بن ابومحمد احمد بن عماد الدین ، ابی صالح نصر بن سیدنا قطب الآفاق تاج الدین عبدالرزاق بن سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی البغدادی علیہم الرحمۃ والرضوان''

لطائف قادری کے مصنف لکھتے ہیں کہ آپ کا شمار بھی مشائخین ''سبع قادریہ'' سے ہے۔آپ حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے پہلے شخص تھے جو حیدرآباد تشریف لائے اس حکایت کے راوی بسند صحیح نقل فرماتے ہیں کہ جب آپ خیر البلاد بغداد سے دکن (حیدرآباد) سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں تشریف لائے تو قلعہ گولکنڈہ سے متصل ایک پرانی مسجد میں نزول اجلال ہوئے۔ آپ کی اہلیہ شریفہ آپ کے صاحبزادے سید عبدالرزاق ثانی اور ساٹھ درویش خدمت گزار آپ کے ہم کاب تھے، اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی، جب حیدرآباد میں آپ کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی اور اس کی اطلاع سلطان کو پہنچی تو سلطان نے اپنے وزیر اسد خاں کو آپ کی بزرگی کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجا۔ خان مذکور کو حضرت پیران پیر سے اعتقاد تمام تھا، جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ حضرت غوث پاک کی اولاد سے ہیں تو آپ کے شرف قدم بوسی سے مشرف ہو کر بہت خوش ہوا، آپ کی زیارت کے بعد اس کو خیال گزرا کہ اگر حضرت صاحب کشف باطن ہیں تو مجھے کچھ تبرک عنایت فرمائیں گے، آپ نے فی الفور اپنے مصلیٰ

کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک بڑا مصری کا ٹکڑا نکالا اور اسے مرحمت فرمادیا۔ وہ وزیر سلطان کے پاس پہنچا اور حقیقت حال بیان کی اور آپ کے تصرفات اور کمال بزرگی کا بھی تذکرہ کیا بادشاہ نے اس مصری میں سے تھوڑی خود کھائی اور تھوڑی محل میں بھیجی۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ آپ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے ہے تو چوں کہ وہ مذہب شیعہ امامیہ کا پیرو تھا آپ نے ملاقات کرنے پر توجہ نہ کی لیکن جب آپ کے کمالات تصرفات خوارق عادات اسے معلوم ہوئے تو وہ آپ سے ملنے کے لیے نکلا اثناء راہ بادشاہ نے اسد خاں سے کہا کہ اگر حضرت صاحب حال ہیں تو میری لڑکی شفایاب ہوجائے گی، یہ ان کے کمال کی دلیل ہوگی، تم میری جانب سے حضرت سے عرض کرنا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کی لڑکی نابینا، لنگڑی اور لولی تھی، جب بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ حالت استغراق میں تھے، جب اس حالت سے مراجعت فرمائی، آپ کے خدام نے عرض کیا کہ بادشاہ حاضر ہوا ہے سلطان نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا آپ اسی مسجد کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے سلطان بھی زمین پر بیٹھ گیا بعد ازاں اسد خاں عرض پرداز ہوا کہ حضرت ظل اللہ کی بیٹی لنگڑی لولی اور نابینا ہے۔ آپ توجہ فرمائیں تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو بینا اور تندرست کرے، حضرت غریب نواز نے اس کی یہ التجا قبول فرمائی۔ آپ نے اپنی صراحی منگوائی اور اس میں سے کچھ پانی سلطان کو عنایت کیا۔ سلطان نے جب وہ پانی اپنے دولت سرا کو لیجا کر اس لڑکی کو پلایا تو وہ تندرست ہوگئی۔ یہ ماجرا دیکھ کر بادشاہ کو آپ سے دلی اعتقاد ہوگیا۔ اس نے اپنی لڑکی حضرت کی نذر کی آپ نے فرمایا کہ یہ میری لڑکی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ عبد الرزاق کے عقد ونکاح میں آئے گی۔ پھر سلطان نے عرض کیا حضرت قلعہ میں یا شہر میں سکونت اختیار کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں یہیں پر سکونت پذیر رہنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر آپ حکم دیں تو یہیں ایک مکان تعمیر ہوجائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں میرے لیے کہ ٹیکڑی کافی ہے۔ اس کے بعد آپ اٹھے اور اس ٹیکڑی پر چلے گئے، جہاں آپ کا مزار مبارک واقع ہے۔ میں بھی آپ کے ہمرکاب تھا جب ٹیکڑی پر پہنچے تو سلطان کو یہ خیال گزرا کہ اگر اس وقت حضرت کچھ طعام عنات فرمائیں تو یہ عین تصرف ہوگا۔ فوراً

آنحضرت نے ایک درویش سے (کچھ کھانے کی چیز لانے کے لیے کہا) درویش نے عرض کیا کہ آج تیسرا فاقہ ہے کچھ موجود نہیں ہے۔لیکن ایک درویش نے تھوڑی سی کھچڑی پکائی ہے آپ نے فرمایا وہی لے آؤ کھچڑی کا دیگچہ آپ کے پاس لایا گیا۔آپ نے اسے سلطان کے آگے رکھ دیا اور فرمایا

''ہمارے پاس دوسرا برتن نہیں ہے تم جو کھانا چاہو جتنا کھانا چاہو اسی میں سے لے لو جب سلطان نے دیگچے میں ہاتھ ڈالا تو اس کے دل میں جس چیز کے کھانے کی خواہش ہوتی دیگچہ سے وہی چیز مل جاتی سلطان اور اس کے سب ساتھی سیر محکم ہو گئے ،اس روز سے سلطان کی عقیدت اور بڑھ گئی''۔(مشکوٰۃ النبوت ص ۱۳۳)

کتاب مذکور میں یہ بھی مرقوم ہے کہ ایک روز سلطان ملک نے آپ کو اپنے محل میں دعوت دی۔اکثر بزرگان وقت بھی موجود تھے۔کھانا کھانے کے بعد آنحضرت سے سوال کیا گیا کہ میں سنتا ہوں کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاویہ کو خلیفہ لکھتے ہیں ۔اس کے کیا معنیٰ ہیں؟ حضرت غریب نواز نے فرمایا کہ اگر میں اس کا جواب دوں تو تم کو یقین نہ آئے گا اس لیے میں تمھیں اس کی دلیل پیش کرتا ہوں جب سلطان آپ کے قریب آیا تو آپ نے اپنا دست مبارک اس کی دونوں آنکھوں پر رکھ دیا۔معاً سلطان نے خود کو حضرت غوث اعظم کی مجلس میں حاضر پایا اس نے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالمشافہ وہی سوال دہرایا آنحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے شخص حق سبحانہ تعالیٰ نے تمام نعمت باطنی خمسہ آل عبا کو عنایت فرمائیں اور نعمت دنیا اس کے طالب کے حوالے کردی۔معاویہ کی خلافت سے مراد ان کی امارت تھی۔سلطان نے جب یہ دلیل دیکھی تو اس کے دل میں جو خطرہ تھا وہ دور ہو گیا اور وہ حضرت غریب نواز کی ولایت کا وہ معترف ہو گیا۔

کتاب مذکور میں مرقوم ہے کہ ایک روز سید محمد بغدادی جو حضرت غریب نواز کے خالہ زاد بھائی تھے آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔اس وقت درویشوں نے آکر حضرت سے اپنی بھوک مٹانے کے لیے التماس کیا آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ تم فاقہ کیوں کر

رہے ہو اس ٹیکڑی پر جتنے سنگریزے ہیں سب نقروی ہیں۔انھیں اپنے صرفے میں لاؤ اسی وقت آپ کی برکت ارشاد سے تمام سیاہ سنگریزے چاندی کے ہوگئے۔درویشوں نے اپنی حاجت کے مطابق چاندی لے لی۔یہ دیکھ کر آپ کے خالہ زاد بھائی نے آپ سے کہا کہ اے سید بزرگوار آپ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے، یہ تو ایک معمولی سی بات تھی جو آپ سے اس وقت ظہور پذیر ہوئی ہے۔لیکن آپ کے خدام آپ کی اس طرح کی کرامتوں سے مجروح ہوجائیں گے۔اپنے جد شریف کی شریعت کا پاس ولحاظ ان سب خوارق سے افضل تر ہے۔آپ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کب کہا کہ یہ سارے سنگریزے گاز ہیں فارسی میں سنگریزے سنگ سفید کو کہتے ہیں جو مصری کی طرح ہوتا ہے۔الغرض جب حضرت نے لفظ گاز ادا کیا تو ساری چاندی سنگ سفید ہوگئی۔چنانچہ آج بھی ٹیکڑی پر سنگ سفید ملتے ہیں۔ جو کوئی آپ کے روضہ کی زیارت کو ٹیکڑی پر جاتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کتنے سنگ سفید موجود ہیں۔لطائف قادری میں یہ بھی مسطور ہے۔

”ایک روز آپ کو اثناء راہ ایک کافر کا جنازہ ملا جس کے پیچھے مرنے والے کی عورت اپنے مذہب کے مطابق ستی ہونے کے لیے جارہی تھی ، جب اس عورت کی نظر آپ پر پڑی تو بے اختیار اس نے آداب بجالائے۔ آپ نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی اور فرمایا کہ تمھارے اور تمھارے شوہر کا ساتھ اور زیادہ ہو اس نے کہا کہ میرا شوہر تو مر چکا ہے اور میں بھی اس کی چتا میں جلنے کے لیے جارہی ہوں۔اب ایام موافقت وموانست کا کیا سوال ہے؟ حضرت غریب نواز کو یہ سن کر اس پر رحم آ گیا اور آپ نے اس کے شوہر کے جنازہ کو طلب کیا اور آپ کے ہاتھ میں جو لکڑی تھی اس جنازہ پر ماری اور بآواز بلند فرمایا کہ قادر علی الاطلاق کے حکم سے اٹھ جا کہتے ہیں اسی وقت مردہ زندہ ہوگیا اور اپنی عورت سے بہت شدت سے پیش آیا اور کہنے لگا کہ تم لوگوں کے درمیان کیوں آئی ۔تو عورت نے کہا تجھے اس بزرگ نے زندہ کیا ہے ورنہ اب تک تم جل چکے ہوتے پس وہ

شخص آپ کے قدم مبارک پر گر پڑا اور قدم بوسی کی اور دونوں زن وشوہر
نے آپ کی ولایت کا اقرار کیا کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئے''۔

(مشکوۃ النبوت ص ۱۳۴)

۷؍شعبان المعظم ۱۰۱۹ھ؍۱۶۱۰ء کو آپ کی وفات ہوئی۔آپ کا مزار مبارک موضع''شیخ پیٹھ'' حیدرآباد میں ایک ٹیکڑی پر واقع ہے جو حیدرآباد کے مضافات سے اور قلعہ گول کنڈہ کے متصل ہے۔اس مزار کے اطراف میں حصار ہے۔اہل عقیدت کثرت سے حاضری دیتے ہیں اور فیوض وبرکات سے مالا مال ہوتے ہیں۔

(محبوب ذوالمنن فی تذکرہ اولیائے دکن جلد اول ص ۳۴۶)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت شاہ جمال الحبر معشوق ربانی ورنگل،تلنگانہ

علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ کا اسم گرامی سید شاہ جمال اور والد کا اسم گرامی سید شاہ حسن عبدالقادر ثانی تھا بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے''معشوق ربانی'' کا خطاب ملا تھا۔سلسہ نسب اس طرح ہے

''سید شاہ جمال الحبر معشوق ربانی بن سید شاہ حسن عبدالقادر ثانی بن سید احمد بن سید یوسف بن سید محمد بن سید حیدر ہلال الدین بن سید شہاب الدین بن شاہ محمد اصغر احمد بن سید عماد الدین صالح ابی نصر بن سیدنا تاج الدین عبدالرزاق بن غوث الثقلین سید عبدالقادر الجیلانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین''

حضرت معشوق ربانی بزرگان''سبعہ قادریہ'' سے تھے۔آپ کا لقب معشوق ربانی ثانی'' تھا۔راوی کہتے ہیں حضرت معشوق ربانی ثانی بارہ سال کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ کی اجازت سے بغداد سے نکلے اور عازم سفر ہوئے۔اس کا سبب یہ ہوا کہ آپ کے والد حضرت سید حسن عبدالقادر ثانی کو اپنے احوال وکمال کا اخفا منظور تھا۔جب آپ کے کسی

صاحبزادے سے خوارق عادات ظاہر ہوتے تو آپ اپنے اس صاحبزادے کی جانب دیکھ کر فرماتے کہ بابا آرام کرو اور فی الفوران کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی۔آپ کے اکثر صاحبزادے اسی وجہ سے اس عالم فانی سے کوچ کر گئے ، جب حضرت معشوق ثانی متولد ہوئے اور بارہ سال کی عمر ہونے تک آپ سے کوئی خرق عادت ظاہر نہ ہوئی تو آپ کو آپ کے والد نے بیعت وخرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔اتفاقاً ایک روز معشوق ربانی اپنے والد کے دروازہ دولت سرا پر پاؤں پر پاؤں رکھے تشریف فرما تھے وہاں پر چند بڑی بطخیں بھی موجود تھیں۔بطخوں کا معمول ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو دیکھ کر گردن لمبی کر کے انھیں مارنے کے لیے بڑھتی ہیں چنانچہ اسی طرح ایک بطخ آپ پر حملہ آور ہوئی، حضرت معشوق ربانی نے اپنے پائے مبارک سے ارشاد فرمایا کہ ابھی وہ بطخ آپ کے پاس بھی نہ آئی تھی کہ بال و پر مارنے لگی اور مر گئی۔اسی اثنا میں آپ کے خدام میں سے ایک عورت نے جو اس در دولت سرا پر آنے کا ارادہ رکھتی تھی یہ سارا ماجرا دیکھ لیا اور نہایت تعجب کے ساتھ آپ کی والدہ ماجدہ سے کہہ سنایا۔بی صاحبہ نے اس عورت کو اس واقعہ کے اظہار سے منع فرمایا۔ان کو خدشہ تھا کہ کہیں ان کے شوہر اس واقعہ کی بابت کچھ سن نہ لیں۔انھوں نے اس میں مصلحت پائی کہ اس واقعہ کی تشہیر سے قبل صاحبزادے کو والد بزرگوار سے اجازت دلا کر کہیں روانہ کر دیں۔چنانچہ حضرت سید حسن عبد القادر سے اجازت لے کر آپ کو حرمین شریفین کی زیارت کے لیے روانہ کر دیا۔حضرت معشوق ربانی اپنے چند خدام کے ساتھ پہلے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور مراسم حج ادا کئے اور بعد ازاں مدینہ منورہ میں حضرت سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وہیں '' معشوق ربانی ثانی '' کے خطاب مستطاب سے سر بلند ہو کر مراجعت فرمائی۔اس کے بعد حضرت رسالت مآب ﷺ کے حکم کے بموجب دکن کا سفر کیا اور ورنگل تشریف لے گئے جس وقت آپ ورنگل کے نواح میں پہنچے تو کئی فقرا آپ کے ہمرکاب تھے۔صاحب تذکرہ محبوب ذوالمنن لکھتے ہیں کہ

> '' جب سرور دو عالم ﷺ کی اجازت سے ورنگل دکن میں آئے اس وقت آپ کے ہمراہ فقرا کا مجمع کثیر تھا۔ستر یا اسّی فقرا تھے اور بار برداری

کے لیے ایک ہاتھی بھی آپ کے ہمراہ تھا''

(محبوب ذوالمنن جلد اول ص ۲۴۵)

جب معشوق ربانی ''سوموارم'' پہنچے جو ورنگل کے دیہات سے ہے تو وہاں ایک خوبصورت پہاڑ دیکھا۔حضرت معشوق ربانی اس پہاڑ پر گئے اور روبہ قبلہ ہوکر ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر مشاہدہ انوار شہود ذات میں مشغول ہوگئے آپ پر اتنا استغراق غالب ہوا کہ بارہ سال تک اسی طرح کھڑے رہے اور حرکت تک نہ فرمائی۔جب بارہ سال تمام ہوئے تو پہاڑ سے نیچے اترے اور موضع ''عرس'' جو ورنگل سے متصل واقع ہے تشریف لے گئے۔جہاں آج آپ کی قبر مبارک واقع ہے۔راوی کہتے ہیں کہ جب آپ نے موضع عرس جانے کا قصد فرمایا اور پھونن کوٹ پہنچے جو قلوہ وارنگل سے دو یا تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے تو اپنے نعلین اتار دیئے اور آہستہ آہستہ چلنے لگے کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس کی وجہ دریافت کرتے لیکن حضرت شاہ کمال بانور نے جو آپ کے قریب تر تھے اور خلیفہ خاص بھی تھے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت معشوق ربانی نے فرمایا:

''بابا کمال تم میرے قریب آؤ میں تمھیں اس کی وجہ دکھلا دوں گا جب وہ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کا سر اپنے بغل میں دبا لیا اور فرمایا دیکھو حضرت شاہ کمال بانور فرماتے تھے کہ حضرت معشوق ثانی کی توجہ کے باعث میں نے اپنی چشم ظاہر سے دیکھا کہ سلطان محمد تغلق کے وقت کے اولیاء اور شہدا کی ارواح جو بڑے بڑے مرتبوں کے حامل تھے اور اس جنگ میں شہید ہوئے تھے جس میں اطراف واکناف میں استراحت پذیر ہیں اور کہیں بھی پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ہے حضرت بابا کمال سے اس مشاہدہ کے بعد حضرت معشوق ربانی نے فرمایا کہ بابا یہی وجہ ہے کہ میں ان مردان خدا کے فرط ادب سے یہاں پر برہنہ پا چلتا ہوں جو یہاں آسودہ خواب ہیں''۔

راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت معشوق ربانی موضع عرس کے پاس پہنچے تو وہاں

بھی ایک پہاڑ نظر آیا۔آپ اس پہاڑ پر چڑھ گئے اور دیگر بارہ سال تک اس کوہ پر معتکف اور چلہ کش رہے، چنانچہ آپ کے اس کوہ پر تشریف فرما ہونے اور وہاں ایک دیو کے مارنے کا واقعہ پیش آیا۔

صاحب انوار الاخیار تحریر فرماتے ہیں۔کہ سید شاہ جمال البحر معشوق ربانی ثانی سلاطین قطب شاہی کے عہد میں بغداد سے دکن تشریف لائے اور موضع ہنمکنڈہ میں اقامت فرمائی جو حیدر آباد کے مضافات سے ایک دیہات ہے۔ وہاں ایک سخت صاحب استدراج ایک کافر تھا جس نے ایک پہاڑ پر اپنی عبادت گاہ بنائی تھی،اور بت پرستی کرتا تھا،اس سے اکثر خوارق باطلہ بھی ظہور پذیر ہوئے تھے۔حضرت معشوق ثانی بھی اسی کوہ پر مشغول بحق ہوگئے،جب اس کافر کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے جادو کی طاقت سے حضرت کے بالمقابل کھڑا ہونا چاہا اور اس جادو کے زور سے اس پہاڑ کا ایک بڑا پتھر آپ پر پھینکا حضرت معشوق ثانی نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور اپنی چھوٹی انگلی سے پھیر دیا اور ایک بڑے،مقابلے کے بعد اس کافر کو داخل جہنم کر دیا۔ یہ قصہ معروف تر ہے طول کلام کے اندیشہ سے یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ جب معشوق ثانی نے اپنا چلہ پورا کیا تو اس پہاڑ سے اترے اور دیہات مذکور میں تشریف لے گئے،اس دیہات میں حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کی گنبد واقع ہے جو سلطان محمد تغلق کے وقت میں یہاں آکر شہید ہوگئے تھے۔موضع عرس جس کا نام پہلے قاضی پور تھا آپ ہی کے نام سے موسوم ہے۔لیکن اب اس دیہات میں جلوس اور عرس کی کثرت کی وجہ سے اس موضع کا نام ہی ''عرس'' ہوگیا ہے۔

الغرض جب حضرت معشوق ثانی حضرت قاضی صاحب کی گنبد میں تشریف لے گئے اور فاتحہ کے بعد وہاں اقامت کے لیے درخواست فرمائی۔ایک مقام پر یہ بھی ہے کہ حضرت قاضی صاحب مذکور کی روح سے آپ کو جواب ملا کہ آفتاب کے سامنے چراغ کا پرتو نہیں ہوتا،اب جب کہ آپ کی ذات سراپا آفتاب بن کر اس موضع میں طلوع ہوئی ہے تو پھر

میرے چراغ کی روشنی کی کیا وقعت باقی رہے گی، آپ نے فرمایا کہ قاضی صاحب تامل نہ فرمایئے میری اولاد آپ کی فاتحہ وغیرہ کے مراسم انجام دے گی۔اس وقت قاضی صاحب کی روح سے جواب ملا یہ مقام تمھارا ہے مبارک ہواور آپ واپس ہوگئے۔

الغرض حضرت معشوق ثانی نے قاضی صاحب سے اجازت حاصل کرنے کے بعد چند قدم آگے بڑھے اوراپنے دست مبارک کا نیزہ وہاں زمین پر نصب فرمایااورارشادفرمایا کہ یہیں میرامرقد بنے گا۔اس کے بعد آپ نے ایک گھر میں سکونت فرمائی،حضرت سے بے شمار خرق عادات اور کشف وکرامات عالم وجود میں آئیں جن کی تفصیل حد تحریر سے باہر ہے۔

روای کہتے ہیں کہ اسی نواح کا راجہ آپ سے ملاقات کی غرض سے نکلا اور بیش قیمت گھوڑا نذر کے طور پر لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا۔فقرا نے عرض کیا کہ آپ کو خرچ کی بہت تکلیف ہے اور آج تمام فقرا بھوکے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ جو گھوڑا موجود ہے وہ اسے کاٹ کر کھا سکتے ہیں۔فقرا نے آپ کے حکم کے بموجب اس گھوڑے کو ذبح کیا اور کھالیا کہتے ہیں کہ یہ خبر جب راجہ مذکور کو پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوااور حضرت معشوق ثانی کے پاس کہلا بھیجا کہ میرا گھوڑا مجھے واپس دے دو حضرت نے فرمایا کہ تم نے وہ گھوڑا بطور نذر مجھے پیش کیا اور میں نے اسے قبول کرلیا۔اب جب کہ وہ گھوڑا میری ملک ہو چکا تھا مجھے یہ حق تھا کہ میں اسے اپنے حسب مرضی استعمال کروں تم کو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ راجہ نے کہا میں کچھ نہیں جانتا مجھے میرا گھوڑا واپس چاہئے۔ہر چند آپ نے عذر وحیلہ سے کام لیا لیکن کچھ سودمند نہ ہوا، بالآخر آپ کے جمال مبارک پر جلال طاری ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ اس گھوڑے کی ہڈیاں جمع کر کے لاؤ جب ہڈیاں حاضر کی گئیں تو آپ نے ان پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ قم باذن اللہ اسی وقت گھوڑا زندہ ہوگیا۔حضرت معشوق ثانی نے فرمایا کہ اس گھوڑے کو راجہ کے پاس پہنچادو جب راجہ نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو بہت شرمندہ ہوا اور آپ کے قدموں پر گر پڑا اور اپنی تقصیر کی معافی طلب کی۔عفو تقصیر کے بعد اس نے اپنی اس گناہ کے بدلے میں ایک تالاب ''رنگا سمندر'' جو موضع عرس میں واقع ہے فقرا کے نذر کیا۔یہی

تالاب پہلے راجہ کی ملکیت تھی جو فقراء خانقاہ کی نذر کی گئی۔(مشکوٰۃ النبوت ص ۱۴۰)

راوی کہتے ہیں کہ جب چلپائی مذکورین (دونوں چلے) پایۂ تکمیل کو پہنچے تو اس کے بعد حضرت معشوق ثانی نے خانہ داری کی طرف توجہ فرمائی، اور دو عقد کیے اور ان زوجین الشریفین سے دو فرزند اور ایک دختر کی ولادت ہوئی کشف خوارق کے باعث آپ کے دو صاحبزادے اور صاحبزادی بچپن ہی میں آپ کے حکم سے رحلت کر گئے، اس کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ

''ایک مرتبہ حضرت معشوق ثانی خانقاہ میں تشریف فرما تھے، اور آپ کے بڑے صاحبزادے آپ کے رو برو بیٹھے ہوئے تھے، اتفاق سے ایک پرندہ جو ہوا میں اڑ رہا تھا بیٹ کردی جو آپ کے صاحبزادہ کے لباس پر گری، صاحبزادہ نے اس پرندہ کو دیکھا ان کا دیکھنا تھا کہ وہ پرندہ جل کر زمین پر گر پڑا۔ جب حضرت معشوق ثانی نے اپنے صاحبزادے کی یہ کرامت دیکھی تو فرمایا کہ فقیر کو اپنے حال کی تشہیر نہ کرنی چاہئے ابھی تمھارا وقت نہیں پہنچا کہ تم اپنے حال کا اظہار کرو اس لئے بہتر ہے کہ تم دنیا سے پردہ کر لو اور آرام کرو فی الفور صاحبزادے کی روح ان کے جسم مبارک سے پرواز کر گئی''۔(مشکوٰۃ النبوت ص ۱۴۱)

دوسرے صاحبزادہ کی وفات کس طرح ہوئی اس تعلق سے صاحب کتاب لکھتے ہیں کہ

''ایک مرتبہ وہ اپنے گھر کی دیوار پر سوار ہو کر کھیل رہے تھے آپ نے بچوں کی عادت کے مطابق دیوار سے کہا ''چل میرے گھوڑے'' اتنا کہنا تھا کہ دیوار حرکت میں آ گئی اور چلنے لگی جب اس کی اطلاع حضرت معشوق ثانی کی ہوئی تو آپ کو صاحبزادہ کی یہ حرکت ناگوار گزری اور آپ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ وہ آرام کریں چنانچہ اسی وقت ان کے دوسرے

صاحبزادے کی بھی روح ان کے جسد عنصری سے پرواز کرگئی"۔

(مشکوۃ النبوت ۱۴۱)

اور صاحب زادی کی رحلت کس طرح ہوئی اس تعلق سے یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ

"آپ کی صاحبزادی ایک دن اپنی زلفیں بکھیرے بیٹھی ہوئی تھیں کہ اچانک ان کے ہر ہر بال سے چپل سینڈ کے پھول گرنے لگے جس سے حالت غضب عیاں تھی تو حضرت معشوق ثانی نے فرمایا کہ انھیں بھی اس جہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے چنانچہ صاحبزادی کا بھی انتقال ہوگیا"

(مشکوٰۃ النبوۃ ص ۱۴۱)

ان دونوں صاحبزادوں اور صاحبزادی کا مزار حضرت معشوق ربانی کی گنبد کی پائیں میں واقع ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت معشوق ثانی کے ایک اور صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام سید شاہ معین الدین حسن تھا یہی صاحبزادے اپنے پدر بزرگوار کے صاحب سجادہ ہوئے۔ حضرت معشوق ثانی کی رحلت ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء اور بروایت دیگر ۱۰۰۰ھ میں ۲۲/رجب المرجب کو ہوئی۔ آپ کا مزار مقدس موضع عرس میں مرجع انام اور زیارت گاہ خلائق ہے۔ جو"وارنگل" کے نواح میں واقع ہے۔

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ شاہ ابدال سید میراں حسینی الحموی حیدر آباد، تلنگانہ علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت شاہ ابدال میراں سید حسینی الحموی"سبعہ قادریہ" میں سے ہیں، آپ کا لقب شاہ ابدال تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب صاحب محبوب ذوالمنن نے اس طرح نقل کیا ہے۔

"سید مسعود بن سید جلال الدین بن سید علی بن سید عبداللہ بن سید مرشد

،بن سید قاسم ، بن سید حسین ثانی ، بن سید موسیٰ بن سید محمد بن سید حسین بن
سید احمد بن سید عماد الدین بن ابی صالح نصر بن قطب الآفاق سید تاج
الدین عبد الرزاق بن حضرت محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانی
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین‘‘۔(محبوب ذوالمنن جلد دوم ص۸۶۴)

صاحب انوار الاخیار تحریر کرتے ہیں کہ آپ قطب وقت تھے، ایک دفعہ ایام شباب میں آپ اپنے بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ اپنے گھر میں واقع ایک درخت کے پاس گئے اور ایک پتھر درخت پر پھینکا اتفاق سے آپ کی ایک بہن جو اس درخت کے نیچے کھڑی ہوئی تھیں اس پتھر کی زد میں آ گئیں، اور ان کے دو ایک دانت شہید ہو گئے، حضرت شاہ ابدال اسی وقت اپنے گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور دکن کی جانب روانہ ہوئے۔آپ سلطان محمد قلی کے عہد سلطنت میں حیدر آباد تشریف لائے اور قلعہ گولکنڈہ کے قریب ایک مسجد میں قیام کیا۔تقریباً سو فقرا آپ کے ہمراہ تھے۔تین روز تک ان فقرا کو کھانے کو کچھ میسر نہ آیا ۔اور مضطرب الحال ہو گئے چوتھے دن استقلال خاں سلطان محمد قلی قطب شاہ کے حکم سے کسی کی ضیافت کے لیے پچاس خوان روانہ کیے خوان لے جانے والے بھی اسی طرف سے گزرے جہاں فقرا مقیم تھے۔فقرا شدت گرسنگی سے بے تاب تھے۔حضرت شاہ ابدال نے ان کی اس حالت سے واقف ہو کر حکم دیا کہ وہ تمام خوان لائے جائیں۔جب وہ خوان آپ کے سامنے پیش کئے گیے تو آپ نے ان میں کا کھانا تمام فقرا میں تقسیم کر دیا اور خوان اسی طرح باندھ کر ان لوگوں کو واپس کر دیا۔جب یہ لوگ استقلال خاں کے پاس گئے، اور ان سے عرض حال کیا لیکن جب استقلال خاں کے سامنے وہ خوان کھولے گئے تو ان میں انواع واقسام کے کھانے موجود تھے۔استقلال خاں نے جب آپ کا یہ تصرف دیکھا تو اسی وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو صاحب تصرف اور خوارق عادت پا کر اسی روز سے آپ کا معتقد ہو گیا۔اور حیدر آباد میں آپ کی سکونت کا باعث بھی یہی ہے آپ نے خان مذکور کے اعتقاد اور خلوص کی بنا پر کچھ عرصہ تک ’’ملکاپور‘‘ میں بھی سکونت اختیار فرمائی جو حیدر آباد کے مضافات سے ہے اور قلعہ کے متصل واقع ہے۔آپ کی ذات بابرکت سے ایک

عالم نے فیض ہدایت اور عرفان حاصل کیا۔

حضرت میراں سید حسینی متوکل علی اللہ تھے، دنیا مافیہا سے تعلق نہیں رکھتے تھے، ذکر وشغل میں زندگی بسر کرتے تھے جو کچھ مریدین معتقدین نذر کرتے تھے اسی پر قانع وراضی رہتے تھے، زیادہ کی ہوس نہیں فرماتے تھے۔

صاحب لطائف قادری لکھتے ہیں کہ شاہ ابدال سید میراں حسینی قادری اور سید الابدال شاہ عبداللطیف لاابالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما حسن اتفاق سے ایک ساتھ ملک دکن میں وارد ہوئے۔ اور قلعہ گولکنڈہ کے عقب میں واقع مسجد میں ایک ساتھ قیام کیا۔ چند دنوں تک وہاں دونوں ایک ساتھ رہے بعد ازاں حضرت لاابالی قمر نگر عرف کرنول روانہ ہوگئے۔ جب کہ حضرت میراں حسینی حیدر آباد ہی میں مقیم رہے۔ جب دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے تو حضرت سید شاہ محی الدین ثانی بن شاہ عبداللطیف لاابالی کی نسبت حضرت سید عبدالقادر بن سید میراں حسینی الحموی کی صاحبزادی سے قرار پائی۔

حضرت میراں حسینی کے کرامات اور خوارق عادات بے شمار ہیں اور حد تحریر سے باہر ہیں۔ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ سید عبدالقادر، سید عبدالوہاب، سید سعدالدین، سید محمد، اور سید عبدالرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

آپ کی وفات بتاریخ ۱۳ جمادی الاول ۱۰۴۹ھ/۱۵۳۹ء میں کو واقع ہوئی اور آپ کی قبر انور بیرون حیدر آباد قلعہ گولکنڈہ سے متصل لنگر حوض میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

(مشکوٰۃ النبوت ص ۱۲۸)

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سید شاہ قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حیدر آباد

علیہ الرحمۃ والرضوان

صاحب مشکوٰۃ النبوہ نے آپ کو قدوۂ آثار معاظم، زبدۂ اخلاق مکارم، فرد یگانہ، پیر زمانہ لکھا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید محمد بن سید مرتضیٰ بن سید شاہ مومن بن شاہ فقیر

اللہ گجراتی ہے۔حضرت موصوف کو اپنے خاندان کی بیعت اجدادی شاہ فخر اللہ بن شاہ مومن سے حاصل ہوئی جو شاہ مرتضیٰ قادری دکنی کے نعمت خلافت کے حامل تھے۔آپ کی والدہ شریفہ اور جد ماجد شاہ قادری بن جناب عالی لا ابالی کے احفاد سے تھیں۔اس طرح آپ طرفین سے عالی نسب اور صاحب حسب تھے۔علم حقائق الٰہیہ اور معلومات صوفیہ میں ایسی استعداد وافر تھی کہ آپ نے کنز الحقائق نامی ایک رسالہ دکنی زبان میں بوجہ احسن نظم فرمایا جو سالک مبتدی کے لیے نہایت مفید ہے۔نثر میں آپ نے مجمع النکات تحریر فرمائی جو بے مثال ہے۔

آپ مولف ''مشکوٰۃ النبوۃ'' کے احوال پر شفقت فرماتے تھے مولف کتاب لکھتے ہیں۔

> ''کبھی کبھی آپ میرے پاس تشریف لاتے ،اور مہربانی ذکر شغل کی تعلیم دیتے خصوصا ایک نشست میں آپ نے مجھے ذکر سکوت کی تعلیم فرمائی جو فنائے وجود کے لئے سریع التاثیر ہے۔آپ نے اپنے انتقال سے قبل بھی اس احقر کو یاد فرمایا اور بعض فرمودنی مراتب اولاد سے خلوت اختیار کرنے کے بعد مجھ سے ارشاد فرمائے۔چنانچہ ایک روز عندالتذکرہ آپ نے فرمایا کہ اے فلاں اس حقیر کو سلطان الاذکار کے ذکر میں مشغولیت کے وقت ایک سیاہ نقطہ قوس بینی پر قائم ہوجاتا ہے اور کبھی ستاروں کی طرح چمکتا ہے اور صاعقہ کی طرح نظر آتا ہے اور فوراً آنکھوں سے غائب ہوجاتا ہے ۔ اس سے کیا معلوم ہوا اس عاصی نے چاہا کہ کچھ عرض کرے پھر وہاں جرئت و گستاخی پر دست ادب رکھ کر خاموش ہوگیا''۔

حضرت موصوف اکملین وقت سے تھے آپ کی عمر شریف ۸۰ سال سے متجاوز ہوچکی تھی۔آخر وقت تک حواس قائم وسالم تھے۔آپ کی وفات ۱۲۱۶ھ میں بتاریخ ۱۰؍ربیع الاول واقع ہوئی۔قبر شریف بیرون شہر حیدرآباد محلہ رنمست پورہ میں ہے۔یہ مزار خود حضرت

نے اپنی وفات سے چند سال پیشتر اس مقام پر مقرر فرمادی تھی جو آج زیارت گاہ معتقدین ہے۔(مشکوٰۃ النبوت جلد ہشتم ص ۱۱۸،۱۱۹)

آپ کے احوال ومناقب پر متعدد تذکرہ نگاروں نے اپنے خیالات قلم بند کیے ہیں ''محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن'' کے مصنف لکھتے ہیں۔

''آپ شاہ فخر اللہ بن شاہ موہن (مومن) گجراتی کے مرید وخلیفہ تھے۔ طریقہ نقشبندیہ میں حضرت سید مرتضٰی دکنی سے خلافت پائی۔آپ کا نسب شاہ فقیر اللہ گجراتی سے ملتا ہے۔ اور حسب کا سلسلہ حضرت قادری بن لاابالی تک پہنچتا ہے۔ نجیب الطرفین سعید دارین تھے،علم حقائق ودقائق تصوف میں کامل تھے، ومعارف الٰہی کے عارف تھے وصاحب توالیف تھے،منجملہ رسالہ منظوم کنز الاحقائق دکنی زبان میں ومجمع النکات ہے۔سید علی الموسوی القادری مولف مشکوٰۃ النبوۃ کے معاصر تھے۔آپ کی عمر اسّی سے متجاوز تھی مگر حواس خمسہ میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔آخر ۱۶ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ میں فوت ہوئے۔ بیرون شہر حیدرآباد محلّہ رنمست پورہ میں دفن کئے گئے زائرین قبر اطہر سے فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں''۔

(محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم ص ۲۹۱ مطبع رحمانی حیدرآباد)

''برکات الاولیاء'' کے مصنف نے انھیں تمام احوال وکوائف کا اعادہ کیا ہے جس کا ذکر سطور بالا میں گذر چکا ہے وہ لکھتے ہیں۔

''آپ سید محمد قادری کے خلف ہیں اور کمل مشائخین متاخرین سے ہیں۔ فیض ارادت وخلافت باطنی شاہ فخر اللہ قادری سے اخذ کیا اور فیض نقش بندیہ شاہ مرتضٰی دکنی سے پایا حقائق وسلوک کا دریا آپ کے سینہ مبارکہ سے جاری تھا۔آپ شب وروز اشغال واذکار میں مصروف رہتے تھے آپ نے مریدوں کے ارشاد وتلقین میں ساری عمر بسر کی۔آپ کا فیض

محیط عالمیاں ہے۔۱۰/ربیع الاول ۱۲۱۶ھ میں وصال ہوا بیرون حیدرآباد
محلّہ رنمست پورہ میں آپ کا مزار ہے‘‘۔
(برکات الاولیاء ص ۲۹۷ امام احمد نقوی گلشن آبادی رفاعی مشن ناسک
مہاراشٹر ۲۰۱۵ء)

’’تذکرہ اولیائے حیدرآباد‘‘ حصہ سوم میں ہے کہ آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ کے علاوہ سلسلہ نقشبندیہ کا بھی فیضان حاصل تھا اور دعوت وتبلیغ میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے مصنف کتاب لکھتے ہیں۔

’’آپ کی ولادت ۱۱۳۳ھ میں ہوئی سید شاہ محمد قاسم نام، قاسم پیراں عرف اور وقاسم تخلص تھا۔حضور غوث پاک کی اولاد سے تھے۔سلسلہ عالیہ قادریہ میں شاہ فخر اللہ بن شاہ مومن گجراتی کے مرید وخلیفہ تھے۔جن کا سلسلہ خلافت دو یا تین واسطوں سے حضرت شاہ سید غلام محی الدین ثانی عرف پیر شاہ قادری خلف سید الابدال سید شاہ عبداللطیف قادری الحموی کو پہنچتا ہے۔اور طریقہ نقش بندیہ میں حضرت سید مرتضیٰ دکنی علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔

حضرت علیہ الرحمہ سلوک اور معرفت میں کامل اور اسرار الٰہی کے عارف تھے صاحب تصنیف وتالیف بھی تھے دکنی زبان میں رسالہ کنز الحقائق منظوم اور مجمع النکات حضرت ہی کی تصانیف ہیں۔سید غلام علی شاہ قادری مولف ’’مشکوٰۃ النبوۃ‘‘ سے حضرت کے مخلصانہ تعلقات تھے‘‘۔

(تذکرہ اولیائے حیدرآباد حصہ سوم باب پنجم ص ۳۹ سید مراد علی طالع مینار بک ڈپو چار کمان حیدرآباد ۱۹۷۲ء)

یہ مسلمہ امر ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے دور کے بڑے ہی صاحب تصرف اور صاحب باطن صوفی تھے۔۱۶/ربیع الاول ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء کو بعہد میر نظام علی خاں آصف جاہ

ثانی انتقال کیے اور بیرون فتح دروازہ مصری گنج بارہ دری چندولال کے قریب دفن ہوئے۔
حضرت کا مزار فتح دروازہ سے آگے محلّہ مصری گنج میں بارہ دری چندولال کے جنوبی قبرستان میں ایک وسیع احاطہ کے اندر واقع ہے۔احاطہ کا موجودہ نقشہ اور آثار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کسی زمانہ میں پختہ خانقاہ اور باؤلی مضبوط حصار اور صدر دروازہ ونقارخانہ بھی تھا،لیکن آج انقلاب ایام نے ان تمام آثار کومحو اور ملیا میٹ کردیا ہے۔
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار سنگ بستہ ایک وسیع چبوترہ پر ہے۔اس وسیع چبوترہ کے درمیان میں ایک چھوٹا پختہ چبوترہ بھی ہے اسی چبوترہ پر حضرت کا مزار اقدس ہے۔حضرت کا مزار گچی کا اور اطراف سے سنگ بستہ ہے اور بہت مظبوط و پائیدار ہے مزار کے سرہانے پختہ چراغدان ہے۔نیچے کے بڑے چبوترہ پر حضرت کے مزار کے غربی جانب اور بھی دو مزار ہیں۔موجودہ حالات میں حضرت کا مزار بالکل غیر آباد اور ویران مقام پر ہے۔نہ ہی کوئی نگراں کار ہے اور نہ ہی کوئی کتبہ،سالانہ عرس شریف کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے مزار شریف پر کوئی سائبان یا سایہ دار درخت بھی نہیں ہے۔باوجود اس کے مقام نہایت پُرسکون اور فرحت افزا ہے ہر وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے جمالی کیفیت مزار شریف سے مترشح ہے۔خاص خاص عقیدت منداور اہل اللہ برابر کھنچے چلے آتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

آستانہ عالیہ حضرت سید غوث الدین قادری احمد آباد، گجرات علیہ الرحمۃ والرضوان

آپ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اولاد میں سے ہیں۔خیر البلاد بغداد میں ولادت اور تعلیم وتربیت ہوئی،فاضل اکمل وعالم اجل تھے۔علوم ظاہری وباطنی دونوں میں کمال حاصل تھا۔عارف باللہ وعاشق رسول اللہ ﷺ تھے۔ایک شب رسول اکرم ﷺ نے عالم رویا میں آپ کو بشارت دی کہ آپ احمد آباد گجرات تشریف

لیجائیے، اور دین اسلام کی ااشاعت کیجئے ۔جب آپ حسب ارشاد بغداد سے گجرات کے لیے روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے عالم رویا میں انھیں دنوں احمد آباد میں سلطان محمود بیکرہ اور متعدد علمائے کرام ومشائخ عظام کو بشارت دی کہ :

’میں ولدی غوث الدین کو گجرات کی محافظت کے لیے روانہ کرر ہا ہوں وہ عنقریب وہاں پہنچے گا، آپ اس کی خاطر مدارات کریں اور استقبال کر کے عظمت سے شہر میں لائیں ‘‘۔(محبوب ذوالمنن جلد دوم ص ۶۳۷)

بادشاہ خواب سے بیدار ہوا تمام علماء ومشائخ کو بلایا اور کھانا تیار کرا کے حضرت کے نام سے فاتحہ پڑھی اور سب کو کھانا کھلایا اور سب کے سامنے جورات میں خواب دیکھا تھا اسے بیان کیا ہرایک عالم دین نے اس کی تصدیق کی اور کہا کہ اسی طرح خواب ہم نے بھی دیکھا ہے ۔چند مدت کے بعد ایک متعینہ تاریخ میں آپ تشریف لائے ، بادشاہ نے مع علمائے کرام وسادات عظام آپ کا استقبال کیا اور انتہائی عظمت شان سے شہر میں لایا اور ایک مکان میں فروکش کیا، آپ سکونت پذیر ہوئے ، آپ نے شہر میں ایک مدرسہ کھولا اور چند روز کے بعد سید علم الدین چشتی کی دختر نیک اختر سے آپ نے شادی کی ۔صاحب مشائخ احمد آباد لکھتے ہیں۔

’’آپ نے رشتہ ازدواج شاہ علیم الدین چشتی کی صاحبزادی سے قائم کیا ۔چند ہی سال قیام کے بعد حرمین اور وطن کی کشش آپ کو واپس دیار عرب لے گئی اور حج وزیارت اور قربا سے مل کر اکتالیس سال کی عمر میں جب آپ دوبارہ گجرات پہنچے اس وقت سیکڑوں کی تعداد خلفا ومریدین کی آپ کے ساتھ تھی ۔‘‘۔(مشائخ احمد باد ص ۲۲۴)

حضرت سید غوث الدین متوکل علی اللہ تھے امرا کی نذریں نہیں لیتے تھے، آپ کو ہمیشہ فتوحات غیبی ہوتی تھی، آپ فقرا ومساکین پر خرچ کر دیا کرتے تھے ۔وہاں کچھ سالوں قیام کرنے کے بعد آپ احمد آباد سے حرمین شریفین کو تشریف لے گیے ، حج وزیارت سے مشرف ہوئے ۔حج وزیارت سے فراغت کے بعد جد امجد کی زیارت وقدم بوسی کے لیے

بغداد گئے ۔ وہاں چند دنوں قیام کیا اور پھر احمد آباد واپسی کر لی ۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ بارہ سومریدین وخلفا تھے ۔اور خشکی کے راستے یہ سفر آپ نے فرمایا تھا، جب دوران سفر ملک کچھ میں پہنچے اور میدان میں فروکش ہوئے تو وہاں کا راجہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھ کر گھبرایا اس کے ذہن ودماغ میں کچھ اور آیا اس نے مقابلہ کے لیے فوج بھیج دی ۔تمام ہنود آپ کے مقابے میں آ گئے ، ان پر ایسا غضب الٰہی نازل ہوا کہ سب کے سب اندھے اور ان کے تمام گھوڑے لنگڑے ہو گئے ۔ جب راجہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بالحاح وزاری عرض کرنے لگا کہ

> ''اگر یہ تمام فوج حسب سابق درست ہو جائے اور اپنی اصلی حالت پر آ جائے تو میں اسلام قبول کرلوں گا،آپ نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی اور آپ کی دعا سے سب کے سب درست ہو گیے راجہ آپ کی خدمت میں آیا اور حسن ارادت سے مع حشم وخدم مسلمان ہو گیا''۔
>
> (محبوب ذوالمنن جلد دوم ص ۶۳۸)

یہ گجرات میں پہلا شہر ہے کہ وہاں کا راجہ مع حشم وخدم حسن عقیدت سے مسلمان ہوا بتخانوں کی جگہ مساجد اور خانقاہیں تعمیر کی گئیں ، جرس وناقوس کی جگہ اذان وتکبیر کی صدائیں سنائی دینے لگیں ، راجہ نے اپنی لڑکی سے آپ کا عقد کر دیا اور اس کے شکم سے شیخ ابوسعید عبدالجبار پیدا ہوئے ۔آپ متقی ومرتاض تھے ، اکثر اوقات صائم الدھر وقائم اللیل رہتے تھے۔آپ کے مریدین کی تعداد شمار سے بالاتر تھی اور خلفا کی تعداد بھی اسی طرح تھی ۔ حضرت سید یعقوب چشتی حسینی بھی آپ کے خلفا میں سے تھے ۔ جب آپ احمد آباد تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر ۱۴۱ ربرس تھی ۔احمد آباد گجرات میں ۲۲ رسال ارشاد وہدایت کے مسند پر جلوہ بار رہے ۔۲۲ رصفر المظفر ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء کی آپ کا وصال ہوا موضع سرینی علاقہ احمد آباد گجرات میں آپ کا مزار مقدس مرجع خلائق ہے۔

(محبوب ذوالمنن جلد دوم ص ۶۳۷)

کتابیات

مخطوطات

اشجار الخلد — خواجہ محمد اعظم دیدہ مری
جواہر الاعمال — یوسف — مملوکہ درگاہ بڑے پیرنا گور
حدیقہ رحمانی — عبدالرحمٰن سقاف
خلاصۃ الامور — سید احمد علی مملوکہ درگاہ بڑے پیرنا گور
رسالہ خواجہ معین الدین چشتی — یکے از مریدین خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی
محبوب المعانی در کشف تنزلات رحمانی محمد صادق لطیفی مملوکہ درگاہ بڑے پیرنا گور

مطبوعات

القرآن الکریم

آب کوثر	شیخ محمد اکرام	دہلی	۱۹۹۱ء
آئینہ اودھ	ابوالحسن مانک پوری	کانپور	۱۳۰۴ھ
اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق	دہلی	۱۹۹۴ء
الارشاد	عبدالعزیز مرادآبادی	گیا بہار	۱۳۶۵ھ
اذکار طیبہ	انیس احمد	مطبوعہ	ب،ت
اشک رواں	مفتی شریف الحق امجدی	گیا	۱۳۶۵ھ
اصح التواریخ	محمد میاں قادری	کراچی	۱۹۸۸ء
الاعلام فی تاریخ الہند من الاعلام، عبدالحئ رائے بریلوی		لکھنؤ	۱۹۹۱ء
اعیان وطن	شاہ محمد شعیب	لکھنؤ	۱۳۱۲ھ
افکار رضا	قمرالحسن قمر	دہلی	۱۹۹۳ء

اقتباس الانوار	محمد اکرام قدوسی		لاہور	۱۹۹۳ء
اقوال اولیاء	ابوالثاقب قادری		دہلی	ب،ت
اکابر اہل سنت کا طرز عمل	سید عابد میاں		باندہ	ب،ت
اکمل التاریخ	محمد حسنین ضیاء قادری		بدایوں	۲۰۱۳ء
امام احمد رضا اور تصوف	محمد احمد مصباحی		مبارک پور	۱۹۸۸ء
امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات	یٰسین اختر مصباحی		مبارک پور	۱۹۸۵ء
الانتصاح عن ذکر الصلاح	علی انور قلندر		کاکوری	۱۳۲۷ھ
انوار الرحمان لتنویر الجنان	نور اللہ		فیض آباد	۱۳۸۷ھ
انوار الرحمٰن	شاہ عبد الرحمٰن		لکھنؤ	ب،ت
بحر زخار (ترجمہ)	وجیہ الدین اشرف		گھوسی	۲۰۱۹ء
برکات الاولیاء	امام الدین گلشن آبادی		دہلی	۱۳۲۲ھ
بشیر القاری شرح البخاری	سید غلام جیلانی میرٹھی		سنبھل	ب،ت
بہجۃ الاسرار	نور الدین شطنوفی		مطبوعہ	۱۳۰۴ھ
پیغامات رضا حصہ سوم	دائرۃ المصنفین		لاہور	ب،ت
تاریخ اولیائے تمل ناڈو	جاوید حبیب		چنئی	۲۰۰۲ء
تاریخ اولیائے جموں و کشمیر	ولی محمد اسیر	اردو فورم	جموں	۲۰۱۳ء
تاریخ اولیائے گجرات ترجمہ مراۃ احمدی،	ابوظفر ندوی		احمد آباد	۱۹۳۳ء
تاریخ خاندان برکات	اولاد رسول		کراچی	۱۹۸۷ء
تاریخ دار العلوم ربانیہ	مظہر ربانی		باندہ	ب،ت
تاریخ دعوت و عزیمت	ابوالحسن علی ندوی		لکھنؤ	۱۹۹۲ء
تاریخ سلسلہ فردوسیہ	معین الدین دردائی		گیا	۱۹۶۲ء
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم		دیوبند	۱۹۸۳ء
تاریخ کشمیر اعظمی	محمد اعظم دیدہ مری		لاہور	۱۱۶۵ھ

تاریخ مشائخ چشت — خلیق احمد نظامی — دہلی — ۱۹۵۳ء
تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول — غلام یحییٰ انجم — دہلی — ۲۰۰۳ء
تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم — غلام یحییٰ انجم — دہلی — ۲۰۰۲ء
تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم — غلام یحییٰ انجم — دہلی — ۲۰۰۶ء
تاریخ مگدھ — فصیح الدین بلخی — دہلی — ۱۹۴۴ء
تاریخ میوچھتری — حکیم عبدالشکور — مطبوعہ — ۱۹۷۴ء
تحائف الابرار — محی الدین مسکین — امرتسر — ۱۳۲۲ھ
تحفۃ الابرار — مرزا آفتاب بیگ — دہلی — ۱۳۳۳ھ
تذکرہ اجداد ہادی — سید محی الدین قادری — ب،ت
تذکرہ اکابر میوات — رشید احمد قاسمی — دہلی — ب،ت
تذکرہ اولیائے حیدر آباد — سید مراد علی — حیدر آباد — ۱۹۷۲ء
تذکرہ اولیائے ہند — مرزا احمد اختر — دہلی — ب،ت
تذکرۂ حبیبی (ملفوظات) — شاہ حبیب حیدر قلندر — علی گڑھ — ب،ت
تذکرہ خانوادہ قادریہ — عبدالعلیم قادری — بدایوں — ۲۰۱۲ء
تذکرہ شمس مارہرہ — محمد اسید الحق قادری — بدایوں — ۲۰۱۳ء
تذکرۃ الکرام تاریخ خلفائے اسلام، محمد کبیر دانا پوری — لکھنؤ — ۱۹۳۰ء
تذکرہ صوفیائے پنجاب — اعجاز الحق قدوسی — سلمان اکیڈمی ۱۹۹۶ء
تذکرہ صوفیائے میوات — حبیب الرحمان — دہلی — ۱۹۸۴ء
تذکرۃ العابدین — نذیر احمد دیوبندی — مطبوعہ — ۱۳۱۷ھ
تذکرہ علمائے اہل سنت — محمود احمد — کانپور — ۱۳۹۱ھ
تذکرہ علمائے ہند — رحمان علی — لکھنؤ — ۱۹۱۴ء
تذکرہ کاملان رام پور — احمد علی خاں شوق — دہلی — ۱۹۲۹ء
تذکرہ مشائخ شیراز ہند — میاں محمد سعید — لاہور — ۱۹۸۵ء

تذکرہ مشائخ غازی پور	عبید الرحمان	دہلی	۲۰۰۱ء
تذکرہ مشائخ قادریہ	محمد دین کلیم	لاہور	۲۰۰۱ء
تذکرہ مشائخ قادریہ ہند	نامعلوم	دیوبند	۱۳۹۸ھ
تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ	عبدالمجتبیٰ رضوی	دہلی	۱۹۸۹ء
تذکرہ معشوق الٰہی	میراں احمد الدین	کچی محل بیجاپور	
تذکرہ نوری	محمد عارف رضا نیر اشفاقی	دہلی	۲۰۱۶ء
تذکرۃ الواصلین	محمد رضی فرشوری	بدایوں	۱۹۴۵ء
تذکرۃ الواصلین	رضی الدین بسمل	مطبوعہ	۱۳۱۸ھ
تصوف اور شاعری	صفی حیدر	لاہور	۱۹۴۸ء
توحید و شرک	سعید احمد کاظمی	لاہور	۱۹۹۲ء
جادۂ عرفاں	طیب ابدالی	مطبوعہ	ب،ت
الجامع الصحیح للبخاری	رضا اکیڈمی	ممبئی	ب،ت
حدائق بخشش	امام احمد رضا قادری	ممبئی	۱۹۹۷ء
حدیقۃ الاولیاء	مفتی غلا سرور لاہوری	لاہور	۱۹۷۶ء
حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی	حمید اللہ ہاشمی	لاہور	۲۰۰۰ء
حضرت علامہ شاہ احمد نورانی	سید محمد فاروق قادری	کراچی	۲۰۰۳ء
حضرت مولانا رسول نما بنارسی اور معاصر علما، محمد اسرار الحق		پٹنہ	۱۹۹۱ء
حضرات القدس	بدر الدین سرہندی	لاہور	۱۳۴۱ھ
حقیقت گلزار صابری	محمد حسین صابری	مطبوعہ	۱۳۵۷ھ
حیات اعلیٰ حضرت	ظفر الدین قادری	لاہور	۱۹۹۲ء
حیات جلیل	سید مقبول احمد	الٰہ آباد	۱۹۲۹ء
حیات سیدنا	شیخ علی شیر شیرازی	اورنگ آباد	۱۹۹۹ء
حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی	خلیق احمد نظامی	دہلی	۱۹۵۳ء

حیات مولانا رسول نما بنارسی	محمد اسرار الحق	پٹنہ	۱۹۹۱ء
حیات ولی	اسرار الحسن	دہلی	۱۹۹۷ء
خزائن العرفان مع کنز الایمان	سید نعیم الدین مرادآبادی	دہلی	ب،ت
خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	لکھنؤ	ب ت
خزینۃ الاصفیاء	مفتی غلام سرور لاہوری	لاہور	۱۲۸۴ھ
دائرۃ المعارف الاسلامیہ	دانش گاہ پنجاب	لاہور	۱۹۶۲ء
الدر المنثور فی تراجم صادق پور	عبدالرحیم الہاشمی	پٹنہ	۱۹۶۴ء
دکنی کلیات	شاہ فی الحال قادری	کرنول	۲۰۰۶ء
ذکر جمیع اولیائے دہلی	حبیب اللہ	دہلی	۱۹۸۸ء
رسائل شاہ ولی اللہ	کتب خانہ امجدیہ	دہلی	۱۹۹۲ء
رود کوثر	شیخ محمد اکرام	لاہور	۱۹۷۹ء
روضۃ الابرار	محمد الدین قادری	جہلم	۱۳۰۲ھ
روضۃ الاولیاء	محمد ابراہیم بیجاپوری	بیجاپور	۱۳۱۴ھ
رہنمائے مقامات مقدسہ	مرزا آفتاب بیگ	دہلی	ب،ت
زاد المتقین	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	دہلی	۲۰۰۹ء
زبدۃ الآثار	شیخ عبدالحق دہلوی	ممبئی	۱۴۱۳ھ
الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ	امام احمد رضا	لاہور	۱۹۷۷ء
زبدۃ المقامات	محمد ہاشم کشمی	استنبول	۱۹۷۷ء
سرور القلوب	نیاز احمد خاں ہوش		ب،ت
سکینۃ الاولیاء	داراشکوہ	لاہور	ب،ت
سلطان الشہدا	سمیع الدین علیگ	علی گڑھ	۲۰۰۸ء
سنن ابی دوؤد	ابوداؤد سجستانی	بیروت	۱۹۹۵ء
سوانح اعلیٰ حضرت	بدرالدین احمد	ممبئی	۲۰۰۲ء

کتاب	مصنف	مقام	سال
سوانح مولانا امان اللہ	بلال احمد قادری	کلکتہ	۱۹۸۹ء
سیدالاولیاء	طارق جہلمی	جہلم	۱۹۹۸ء
سیرالاقطاب	حضرت الہدیہ چشتی	لکھنؤ	۱۹۱۳ء
سیروسفر	سرکشن پرساد	دکن	۱۹۱۸ء
سیرت الغوث	محمد باقر نقشبندی	لاہور	۱۳۲۴ھ
سیدالہنداورآپ کا اسلامی مشن	فضل الحق	بنارس	۱۹۸۲ء
شاہ محمد غوث گوالیاری	مسعوداحمد	کراچی	۱۹۹۸ء
شرح عقیدۃ الطحاویہ	ابن ابی العز	بیروت	۱۳۹۱ھ
شرح فتوح الغیب	ظہوراحمد جلالی	لاہور	۲۰۰۰ء
شہنشاہ میوات	سلیمان احمد الوری	ملتان	۲۰۱۴ء
شیخ عبدالحق محدث دہلوی	علیم اشرف خاں	دہلی	۲۰۰۱ء
صحیفۂ اہل ہدیٰ سیدمحی الدین	ترجمہ محمد اکبر اکدین	حیدرآباددکن	ب،ت
ظفرالاسلام	جمیل الرحمان خاں	حسنی پریس بریلی	
علماءالعرب فی شبھۃ القارہ	ابراہیم السامرائی	بغداد	۱۹۸۶ء
عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین سہروردی	دہلی	۱۹۸۶ء
غنیۃ الطالبین	شیخ عبدالقادر جیلانی	دہلی	ب،ت
فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	مسعوداحمد	لاہور	۱۹۸۸ء
الفتح الربانی (عربی)	شیخ عبدالقادر جیلانی	مطبوعہ	۱۳۰۲ھ
الفتح الربانی (تحفہ سبحانی)	شیخ عبدالقادر جیلانی	دہلی	۱۹۰۱ء
فقیہ اسلام	حسن رضا	پٹنہ	۱۹۸۱ء
فیض سبحانی ترجمہ الفتح الربانی	شیخ عبدالقادر جیلانی	دہلی	۱۹۰۳ء
قصرعرفاں	احمد علی چشتی	لاہور	۱۹۸۸ء
قطب کلکتہ نصیرالدین شاہ	ابوالحسن قادری	مطبوعہ	۲۰۱۹ء

کتاب	مصنف	مقام	سن
قائد تحریک نظام مصطفےٰ شاہ احمد نورانی، ملک محبّ الرسول		لاہور	۲۰۰۴ء
قلائدالجواہر	محمد یحییٰ تادنی	دہلی	۱۹۸۹ء
کتاب التذکاری	حازم محفوظ	قاہرہ	۱۹۹۹ء
کشف المحجوب	شیخ علی ہجویری	لاہور	۱۹۷۸ء
کشف المحجوب	شیخ علی ہجویری	دہلی	۱۹۸۸ء
گلدستہ چمنستان سنیت	اولاد رسول	مارہرہ	ب،ت
گنج الاسرار	سلطان باہو	لاہور	۱۹۹۴ء
لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ	امام احمد رضا	بدایوں	ب،ت
مآثر الاجداد	منظور الحق صدیقی	لاہور	۱۹۶۴ء
مبدءومعاد	شیخ احمد سرہندی	استنبول	۱۹۷۷ء
مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا	غلام مصطفےٰ مجددی	لاہور	۱۹۹۶ء
محاسن کنزالایمان	شیر محمد اعوان	لاہور	ب،ت
محبوب ذوالمنن تذکرہ اولیائے دکن عبدالجبار صوفی		حیدرآباد	۱۳۳۳ھ
مخبرالواصلین	محمد فاضل اکبرآبادی	لکھنؤ	۱۲۶۵ھ
مخدوم زادگان فتح پور	مسعود علی محوی	حیدرآباد	۱۳۶۰ھ
مذاکرۂ قطب العالمین	ضیاءالرحمان شاہ	کانپور	۱۳۱۰ھ
مراۃ الحقائق	برکت علی	رام پور	۱۹۰۲ء
مرأۃ الکونین	غلام نبی	لکھنؤ	۱۳۱۲ھ
مردان خدا	ضیاءعلی	بریلی	۱۹۹۰ء
مرج البحرین	شیخ عبدالحق دہلوی	دہلی	۱۹۹۶ء
المرشدالامین	امام محمد غزالی	دہلی	۱۹۸۸ء
مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین، عبدالستار سہسرامی		آگرہ	ب،ت
مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری	سید اولاد رسول	مارہرہ	۱۹۳۹ء

مشائخ احمد آباد	یوسف متالا	لاہور	۲۰۱۱ء
مشکوٰۃ النبوت	غلام علی قادری ترجمہ سید وحید قادری مطبوعہ		نامعلوم
مطالعہ اسلامیات	حسن واصف عثمانی	الٰہ آباد	۱۹۸۷ء
معیار السلوک	ہدایت علی نقشبندی	اعظم گڑھ	۱۹۳۶ء
مفاوضات طیبہ	شاہ اسماعیل حسن	دارالاشاعت برکاتی مارہرہ	
مفتی اعظم ہند جلد اول	مرزا عبدالوحید بیگ	بریلی	۱۹۹۰ء
مقال عرفا باعزاز شرع وعلما	امام احمد رضا قادری	بریلی	۱۳۲۷ھ
مکتوبات امام احمد رضا مع تنقیدات، مسعود احمد		لاہور	۱۹۸۸ء
مکتوبات	شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی	مطبوعہ	ب،ت
مکتوبات صدی	شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری	کلکتہ	۱۹۹۳ء
ملت راج شاہی	معین قادری راج شاہی	دہلی	ب،ت
ملفوظات مشائخ مارہرہ	مفتی احمد میاں	برکاتی پبلشرز کراچی	
مناقب محمدیہ	علی شیر شیرازی	لاہور	۱۳۴۰ھ
منبع الانساب	سید معین الحق چشتی	علی گڑھ	۲۰۱۵ء
منتخب التواریخ	عبدالقادر بدایونی	دہلی	۲۰۱۲ء
نزہۃ القاری شرح بخاری	شریف الحق امجدی	گھوسی	۱۹۸۶ء
نفحات الانس	عبدالرحمان جامی	لکھنو	۱۹۱۵ء
ہمعات	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	لاہور	۱۹۴۶ء
ہند اسلامی تہذیب کا ارتقا	عماد الحسن آزاد فاروقی	دہلی	۱۹۹۵ء
ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کا بانی کون؟ غلام یحییٰ انجم		دہلی	۱۹۹۵ء
ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی شیخ عبدالوہاب جیلانی، غلام یحییٰ انجم دہلی			۱۹۹۹ء
یادوں کے نقوش	فیض الرسول رضا نورانی	لاہور	۲۰۰۴ء

جرائد ومجلات

روزنامہ	صوت الشرق	قاہرہ
سالنامہ	اہل سنت کی آواز	مارہرہ ایٹہ
سالنامہ	انواررضا (امام احمد رضا نمبر)	لاہور
سالنامہ	پیغام رضا (امام احمد رضا نمبر)	ممبئی
سالنامہ	مجلّہ امام احمد رضا	کراچی
سالنامہ	ہمارا ادب (اولیاء نمبر)	سری نگر
سالنامہ	یادگار رضا	ممبئی
ماہنامہ	استقامت ڈائجسٹ (مفتی اعظم ہند نمبر)	کانپور
ماہنامہ	استقامت ڈائجسٹ (اولیاء نمبر)	کانپور
ماہنامہ	اشرفیہ (سیدین نمبر)	مبارک پور اعظم گڑھ
ماہنامہ	افکاررضا	ممبئی
ماہنامہ	ثقافت	لاہور
ماہنامہ	جہان رضا	لاہور
ماہنامہ	حجاز جدید	دہلی
ماہنامہ	ضیائے وجیہ	رام پور
ماہنامہ	معارف جلد۶	اعظم گڑھ
ماہنامہ	منادی	دہلی
ماہنامہ	منہاج القرآن (غوث اعظم نمبر)	لاہور

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ ہمدرد نئی دہلی
پیدائشی پتہ: مقام پرسا بزرگ پوسٹ آفس جگنا دھام، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی
رہائشی پتہ: ۴۰۱۔آزاد اپارٹمنٹ ۲۸/۴۱/ ۲۵ تغلق آباد ایکسٹینشن نئی دہلی ۱۹

تعلیمی لیاقت :

بی۔ٹی ایچ۔ایم، اے۔ایم فل۔پی، ایچ۔ڈی (عربی) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
فضیلت (درس نظامی) الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی
عالم (عربی) کامل (فارسی) فاضل (عربی ادب ومعقولات) یوپی مدرسہ بورڈ، لکھنؤ
ادیب (اردو) ادیب ماہر (اردو) ادیب کامل (اردو) جامعہ اردو علی گڑھ

اعزازوایوارڈز :

صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ ازحکومت ہند ۲۰۱۸ء
نوجوان محقق کیریئر ایوارڈ ازحکومت ہند ۱۹۹۴ء
توصیفی سند (پرسنشا پتر) ازحکومت اترپردیش لکھنؤ ۲۰۰۱ء
دعوت حج ازخادم الحرمین شریفین مکہ مکرمہ ۲۰۰۶ء۔ ۲۰۱۸ء
بانی ممبر برائے قیام خواجہ معین الدین چشتی، لنگویجز یونیورسٹی، لکھنؤ ۲۰۰۲ء
بانی ممبر برائے قیام اسلامک یونیورسٹی برائے سائنس اینڈ ٹکنالوجی کشمیر ۲۰۰۳ء
راقم کی اردو شاعری پر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری ایوارڈ ۲۰۱۷ء
شعبہ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی سے پی، ایچ۔ڈی کی ڈگری ایوارڈ ۱۹۹۴ء
دہلی اردو اکیڈمی انعام ۲۰۰۴ء۔۲۰۱۰ء۔۲۰۱۹ء بہار اردو اکیڈمی انعام ۲۰۰۷ء
نوری ایوارڈ ازرضا اکیڈمی ممبئی مہاراشٹر اکتوبر ۲۰۰۹ء

تعلیمی رحلات :

پاکستان ۱۹۹۱ء۔۲۰۰۴ء۔لیبیا وموریتانیہ ۲۰۰۹ء ایران ۲۰۱۰ء۔۲۰۱۱ء۔۲۰۱۷ء

قلمی خدمات :

مطبوعہ تصانیف (۳۳) غیر مطبوعہ تصانیف (۱۵) مطبوعہ مقالات (۳۰۰)

(۱) نقش آخرت (مجموعۂ نعت)، الہ آباد ۱۹۷۸ء (۲) مصری مورخین۔ ایک تنقیدی مطالعہ (ایم۔فل کا مقالہ) بہ تعاون مالی فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی اتر پردیش لکھنؤ، المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۹۸۷ء (۳) تذکرہ علماے بستی، جلد اول المجمع الاسلامی مبارک پور ۱۹۸۸ء (۴) انوار خیال (بہ تعاون مالی فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش، لکھنؤ) دہلی ۱۹۹۱ء (۵) امام احمد رضا اور مولانا ابو الکلام آزاد کے افکار، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۲ء (۶) مولانا حشمت علی لکھنوی۔ایک تحقیقی مطالعہ دہلی ۱۹۹۲ء۔اضافہ شدہ ایڈیشن بنام مولانا حشمت علی پیلی بھیتی ۔دہلی ۲۰۱۸ء (۷) ھمارا جغرافیہ (ضلع سدھارتھ نگر) دہلی ۱۹۹۲ء اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۰۱۶ء (۸) متنبی ۔ایک تحقیقی مطالعہ (بہ تعاون مالی اردو اکیڈمی دہلی) دہلی ۱۹۹۴ء (۹) ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کابانی کون ؟، دہلی ۱۹۹۵ء (۱۰) آبشار (بہ تعاون مالی اردو اکیڈمی اتر پردیش لکھنؤ) دہلی ۱۹۹۸ء (۱۱) دار العلوم دیوبند کا بانی کون ؟ دہلی ۱۹۹۹ء و ۲۰۰۲ء (۱۲) چراغ رہِ طب (منظوم سوانح حکیم عبد الحمید دہلوی، دہلی ۱۹۹۹ء (۱۳) ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے بانی قطب الهند شیخ عبد الوهاب جیلانی، دہلی ۱۹۹۹ء لاہور ۲۰۰۰ء کراچی ۲۰۰۱ء ۔ہندی ایڈیشن درگاہ بڑے پیرنا گور ۲۰۱۵ء (۱۴) مزارات پر حاضری اور اس کے آداب، دہلی ۲۰۰۰ء و ۲۰۰۲ء متعدد ایڈیشن (۱۵) تاریخ مشائخ قادریہ جلد دوم، دہلی ۲۰۰۱ء طبع ثانی مع اضافہ دہلی ۲۰۱۱ء (۱۶) نصاب تعلیم برائے عربی وفارسی بورڈ اتر پر دیش لکھنؤ، شعبہ نشریات جامعہ ہمدرد دہلی ۲۰۰۱ء (۱۷) ذکر مرشد (حالات مشاہد ملت حضرت مولانا شاہ مشاہد رضا حشمتی پیلی بھیتی) دہلی ۲۰۰۲ء (۱۸) تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول دہلی ۲۰۰۳ء (۱۹) حضرت مولانا طفیل احمد حشمتی۔ایک تعارف، بمبئی ۲۰۰۴ء (۲۰) ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل (انٹرویو کی روداد) رام پور ۲۰۰۴ء

(۲۱)دینی مدارس اور عهد حاضر کے تقاضے، پور بندر گجرات ۲۰۰۴ء (۲۲) کتاب المقفی الکبیر للمقریزی (تحقیق) دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد ۲۰۰۵ء (۲۳) معلم العر بیه لطلاب العلوم الطبیه (بہ تعاون مالی اردو قومی کونسل دہلی) دہلی ۲۰۰۵ء (۲۴)تاریخ مشائخ قادریہ جلد سوم دہلی ۲۰۰۶ء (۲۵)اچھا سماج چار حصے (برائے درجات پرائمری) دہلی ۲۰۰۸ء (۲۶) امام احمد رضا کے افکار ونظریات۔ ایک تقابلی مطالعہ دہلی ۲۰۰۹ء (۲۷)جانشین غریب نواز دہلی ۲۰۱۰ء۔انگریزی ایڈیشن ادارہ ادبیات دہلی ۲۰۱۱ء (۲۸) تذکرہ خانوادۂ علیمیہ دہلی ۲۰۰۱۵ء (۲۹) سفر نامہ ایران (فارسی) قم، ایران تابستان ۱۳۹۵ (۳۰) قرآن کریم کے ہندوستانی تراجم وتفاسیر کا اجمالی جائزہ ازقومی کونسل برائے فروغ اردو زبان حکومت ہند نئی دہلی ۲۰۱۷ء (۳۱) عرفان تصوف، البرکات ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۲۰۱۹ (۳۲) ایران نامہ، ولایت پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲۰۲۱ء (۳۳) ہندوستان میں سلسلہ قادریہ ۔آغاز وارتقا، دارالعلوم نصیر الدین اولیا بنگال ۲۰۲۱ء

سوانحی مآخذ:

۱۔عروج انجم، تالیف: ڈاکٹر امجد اقبال، جامعہ فیضان اشفاق ناگور ۲۰۱۱ء
۲۔ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم۔خدمات واثرات، مرتبہ ڈاکٹر ناظمہ عزیز حیدر آباد
۳۔میری دنیا میرے لوگ جلد اول وجلد دوم (خودنوشت سوانح)
۴۔تذکرہ علمائے بستی (خودنوشت) غلام یحییٰ انجم المجمع الاسلامی مبارکپور ۱۹۸۸ء
۵۔فرزندان اشرفیہ کی خدمات، طلبہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، ۲۰۱۹ء
۶۔بریلوی فضلا کی قرآنی خدمات، محمد ایوب اکرم، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۲۰۲۰ء
۷۔ماہنامہ جام نور نئی دہلی جون ۲۰۱۶ء
۸۔ماہنامہ الرضا پٹنہ، جنوری ۲۰۱۷ء

☆☆☆☆☆

- ''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم اپنی ریاضت اور زود نویسی کے لیے معروف ہیں وہ اپنی تخلیقی مصروفیات میں تاخیر اور تامل کو راہ نہیں دیتے''۔ (سید حامد دہلی)
- ''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم اپنی طرز تحریر اور تحقیق انیق کے سلسلے میں حلقہ علم و ادب میں کسی تعارف کے محتاج نہیں''۔

(امین ملت پروفیسر محمد امین علی گڑھ)
- ''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم معروف دانشور اور محقق ہیں ان کی نگارشات قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں''۔

(پروفیسر مسعود احمد کراچی)
- ''الحمد للہ دہلی کے فلک پر ہم اس وقت مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کو ضیا بار دیکھ رہے ہیں''۔ (مولانا بدر القادری ہالینڈ)
- ''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے تحقیق و تنقید کا حق ادا کیا ہے، زبان و اسلوب بھی سادہ و سلیس اور متین و سنجیدہ ہے''۔

(پروفیسر عنوان چشتی دہلی)
- ''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کا انداز تحریر محققین اور اہل سنت کے قلم کاروں کے لیے قابل رشک ہے، سنی قلم کاروں کو یہ انداز اپنانا چاہئے''۔ (علامہ عبد الحکیم شرف قادری لاہور)
- ''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ہماری جماعت میں قدیم و جدید علوم و فنون کے مجمع البحرین ہیں''۔ (علامہ ارشد القادری بہار)
- ''پاک و ہند کی تحقیق میں ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ تحقیق پر موصوف کی بڑی گہری نظر ہے، ان کے قلم میں گہرائی و گیرائی کی صفتیں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، انھیں بات کہنے اور لکھنے کا ڈھنگ ہے''۔

(مولانا منشا تابش قصوری لاہور)
- ''برِ صغیر میں جن لوگوں نے فکری انقلاب پیدا کیا ہے اور تعمیر و تہذیب اذہان میں نا قابل فراموش موثر اور مثبت حصہ لیا ہے اس فہرست میں آپ کا اسم گرامی بھی ہے''۔ (ڈاکٹر نعیم الدین زبیری کراچی)
- ''ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کا طرز بیان سلجھا ہوا اور سلیس ہے، خشکی یا ابہام کا احساس نہیں ہوتا ہے''۔

(پروفیسر نثار احمد فاروقی دہلی)
- ''اگر شاعر مذہبیات کا عالم بھی ہو اور دیگر علوم کا بھی وسیع مطالعہ رکھتا ہو یعنی ہمہ گیر طور پر صاحب علم بھی ہو تو اس کی شاعری کا صالح فکری اساس پر استوار ہونا لازمی ہے۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ایک ایسے ہی شاعر ہیں''۔

(ڈاکٹر اختر بستوی)

creative star
PUBLICATIONS
Jamia Nagar, New Delhi-110025
+91 8851148278 +91 9958380431
www.creativestarpublication.com